ناول
ڈھاکہ میں آؤں گا
سُہیل پرواز
Dhaka
Dacca

ڈھاکہ!
میں آؤں گا

سہیل پرواز جولائی 1950ء میں لاہور کے ایک ادبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد الطاف پرواز مرحوم ایک نامور ادیب اور شاعر تھے سو قلم بچپن سے ہی ہاتھ میں پکڑ لیا۔ کالج کے زمانے میں لکھنا شروع کیا لیکن 1971-1972ء کے دوران فوج میں شمولیت ادبی سرگرمیوں میں آڑے آئی۔ سروس کے آخری سالوں میں ریڈیو، ٹی وی اور اخباروں کے لیے محدود انداز میں لکھنا شروع کیا۔ اسی دوران ISPR میں پوسٹنگ ہوئی اور کُھل کر لکھنا شروع کر دیا۔ نوکری سے بطور میجر ریٹائرمنٹ لی اور کل وقتی میڈیا سے وابستہ ہو گئے۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن کے لیے ڈراموں کے علاوہ بے شمار ڈاکومینٹریز بھی بنائیں اور کئی قومی اُردو اور انگریزی روزناموں کے لیے کالم لکھے۔ ان کے اُردو کالم ''پانچواں کالم'' کو بہت پذیرائی ملی، جو کئی روزناموں کی زینت بنے۔ اُردو، انگریزی اور پنجابی میں یکساں روانی اور مہارت سے لکھتے ہیں۔ کبھی کبھار نغمہ نگاری بھی کرتے ہیں اور چند نغموں کو بہت مقبولیت بھی حاصل ہوئی۔ دیگر کتابوں میں، پاکستان کے حالات پر انگریزی ناول ''The Cornered Rogue'' اور اُردو میں اپنی مرحومہ رفیقۂ حیات کو خراجِ عقیدت ''جو تنہا کر گئی مجھ کو'' شامل ہیں۔ نسلِ نو کو پاکستان کی تاریخ سے آگاہ کرنے کے لیے تاریخی ناول لکھنے کا بھی ارادہ ہے۔

ڈھاکہ! میں آؤں گا

ناول

سہیل پرواز

بُک کارنر

جہلم، پاکستان

Dhaka! Main Aaunga
by Sohail Parwaz
Jhelum: Book Corner. 2021
447p.
1. Novel - Fiction
ISBN: 978-969-662-318-2
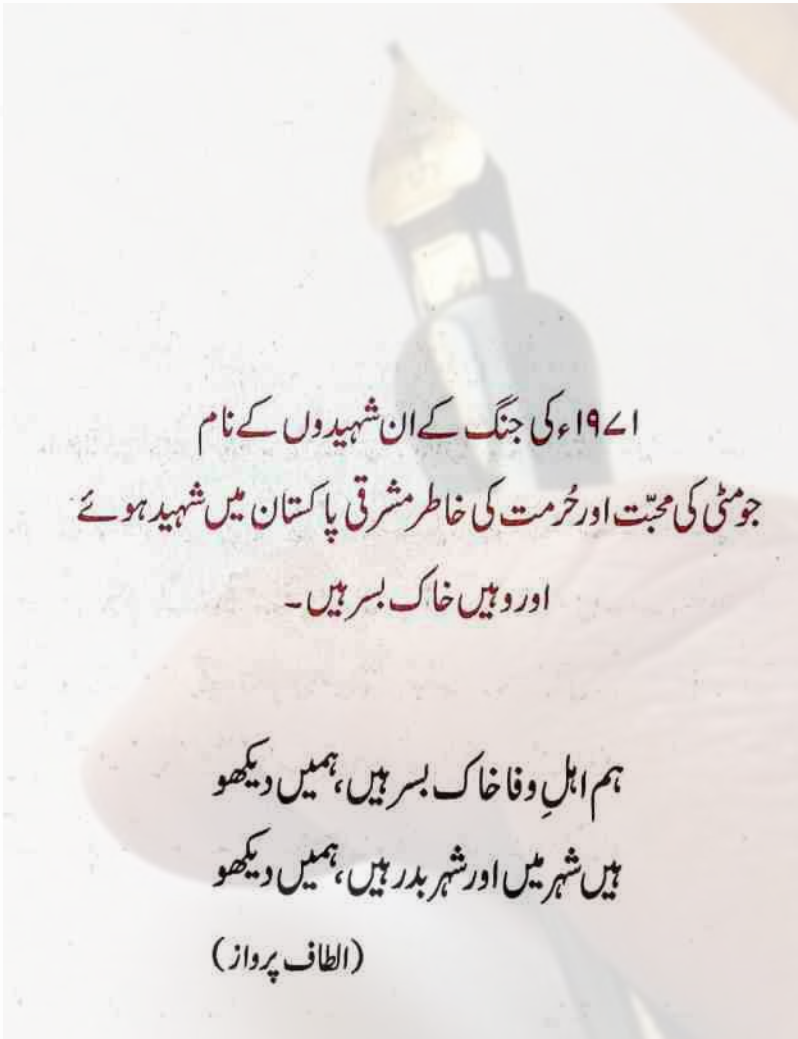
بانی مہتمم اعلیٰ: شاہد حمید
ناشرین: گگن شاہد * اَمر شاہد

اشاعت: ۲۰۲۱ء
کتاب: ڈھاکہ! میں آؤں گا (ناول)
مصنف: سہیل پرواز
لفظ خواں: محمد اقبال پارس
سرورق: محمد شکیل طلعت
تزئین و زیبائش: ابوامامہ
کمپوزنگ و صفحہ سازی: محمد راشد حسین
کتابت: نُوری نستعلیق، علوی نستعلیق
مطبع: زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور
ناشر: بک کارنر
ویب سائٹ: www.bookcorner.com.pk

بک سٹور: بک کارنر شوروم، بالمقابل اقبال لائبریری، اقبال لائبریری روڈ، جہلم، پاکستان 49600
00 92 544 278051, 00 92 544 614977 · 00 92 314 4440882, 00 92 321 5440882
bookcornerjlm · /bookcornershowroom · /bookcorner
bookcornerjhelum · info@bookcorner.com.pk

۱۹۷۱ء کی جنگ کے ان شہیدوں کے نام
جو مٹی کی محبّت اور حُرمت کی خاطر مشرقی پاکستان میں شہید ہوئے
اور وہیں خاک بسر ہیں۔

ہم اہلِ وفا خاک بسر ہیں، ہمیں دیکھو
ہیں شہر میں اور شہر بدر ہیں، ہمیں دیکھو
(الطاف پرواز)
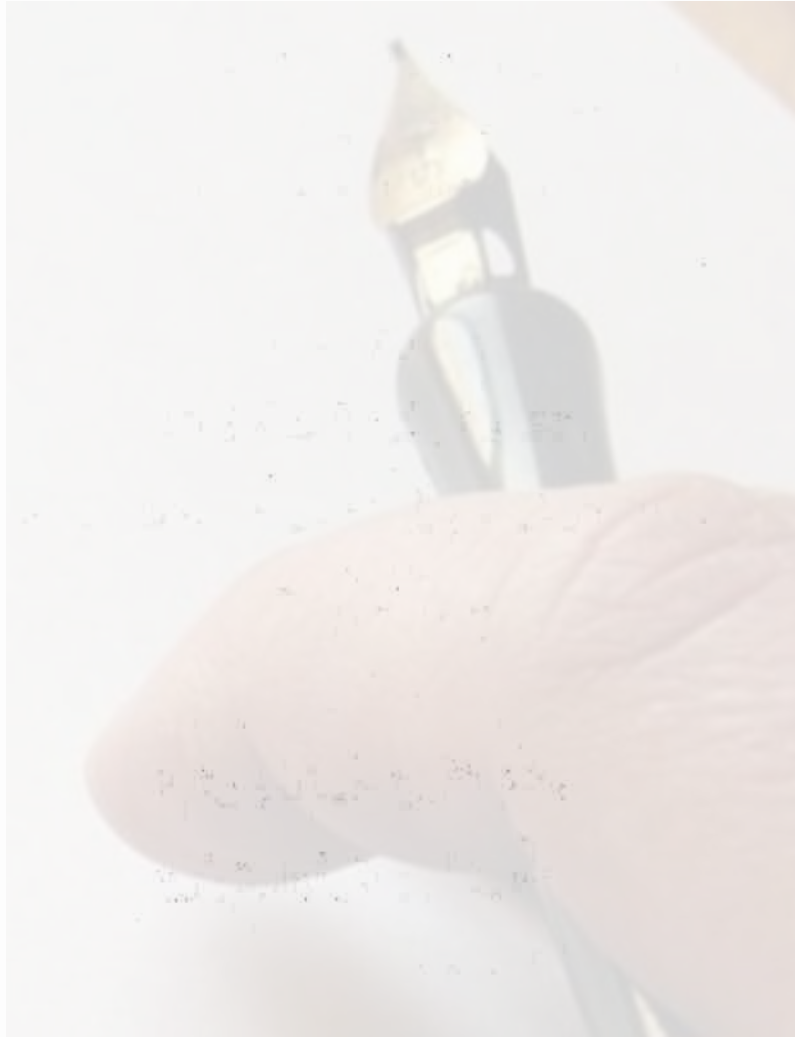
اس ناول کے تمام کردار، واقعات اور مقامات قطعی فرضی ہیں
کسی حقیقی کردار، واقعہ یا مقام سے ان کی مماثلت محض اتفاق ہوگا

مٹی اور محبّت

یہ کہانی ہے محبت کی۔ محبت مٹی سے بھی اور منش سے بھی۔ مقدمہ ہے اس حقیقت کا کہ محبّت کسی کی میراث نہیں ہوتی۔ ڈھاکہ کے نواح میں دریائے میگھنا آج بھی بہہ رہا ہے لیکن سن اکہتر کے بعد جنم لینے والی ایک نسل جو نصف صدی کا سفر طے کر چکی ہے، اس تک میگھنا کے پانیوں کی روانی نہیں پہنچ پائی۔ انھیں تو شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ میگھنا ہے کیا۔ انھیں بس چند اسباق ازبر کرائے گئے؛ اوّل یہ کہ بنگالی بحیثیت قوم ''محبِ وطن'' نہیں تھے۔ دوئم کہ پاک فوج نے اپنی ''نالائقی'' سے مشرقی پاکستان میں ہتھیار پھینکے اور سوئم کہ پاکستانیوں کا واحد مسیحا ذوالفقار علی بھٹو تھا جس نے نہ صرف پاکستان ''بچایا'' بلکہ اسیرانِ جنگ کو بھی واپس لایا۔

اس ناول میں نہ تو سیاست کی جزئیات کو چھیڑا گیا ہے اور نہ ہی فوجی آپریشنز پر پیشہ ورانہ بحث کی گئی ہے۔ اس میں صرف اس حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ ایک بنگالی بھی اتنا ہی محبِّ وطن ہوسکتا ہے جتنا کہ کوئی پنجابی، پشتون، سندھی یا بلوچ۔ اس کہانی کا محور سن اکہتر کے سانحات و واقعات ہیں۔ ایسے کئی واقعات آن ریکارڈ ہیں جہاں بنگالی افسروں اور جوانوں نے مغربی پاکستان سے شادیاں کیں۔ کئی ایسے فوجی ہیں جنھوں نے بنگلہ دیش بننے کے بعد وہاں رہنے کی بجائے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کو ترجیح دی اور بالآخر موجودہ پاکستان آ کر باقی کی زندگی گزاری یا گزار رہے ہیں۔ یہ ناول ایسے ہی محبِّ وطن بنگالیوں کے لیے خراجِ عقیدت ہے۔ آپ کو اس ناول میں کہیں بھی غیر حقیقی

واقعات پڑھنے کو نہیں ملیں گے۔ قدم قدم پر وہی کچھ ہوتا ہوا نظر آئے گا جو ہو سکتا ہے۔ کہانی سو فیصد فکشن لیکن چونکہ عام زندگی کے حالات و واقعات اس کی بنیاد ہیں، سو قاری کو بندھا رکھنے کے لیے بعد از تحقیق کئی مقامات اور شہروں کے ناموں کا سہارا لیا گیا ہے، خواہ وہ لکشمی پور کے ہوں یا لاہور کے، چٹا گانگ کے ہوں یا چراٹ کے۔ اس عمل سے قاری کو اپنائیت کا احساس ہوگا۔

کہانی بنیادی طور پر تین موضوعات کا احاطہ کرتی ہے؛ وطن سے محبت، ذات سے محبّت اور ناقابلِ یقین عزم و استقامت کا مظاہرہ۔ کہانی میں چند مختصر کہانیاں اور دیگر واقعات ساتھ ساتھ چلتے ہیں جو اس کہانی کو مہمیز کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ المیہ مشرقی پاکستان کے بعد جنم لینے والی دو نسلیں جنھیں سقوطِ ڈھاکہ بارے سچ نہیں بتایا گیا یا سرے سے اندھیرے میں رکھا گیا ہے، یہ ناول پڑھ کر نہ صرف اہلِ بنگال بارے اپنے ذہنوں میں پلنے والے شکوک و شبہات اور دِلوں میں جنم لینے والی بدگمانیوں کو دُور کر لیں گے بلکہ ان کے دِلوں میں نرم گوشہ بھی پیدا ہوگا۔ پاک فوج کی بھی سن اکہتر کے حوالے سے جس طرح چند مخصوص حلقوں نے تضحیک کی یا اب بھی بیڑا اٹھا رکھا ہے، اس کا بھی بہت حد تک مداوا ہوگا۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ برصغیر کے موجودہ سنگین حالات میں بھارت جس طریقے سے وقتاً فوقتاً علاقے کے چھوٹے ممالک کے خلاف جارحانہ عزائم کا اظہار کرتا رہتا ہے، ایسے میں بنگلہ دیش سے تعلقات بہتر بنانا ناگزیر ہوگیا ہے۔ نام بھلے مشرقی پاکستان ہو یا نہ ہو لیکن کیا عجب کہ مستقبل قریب میں دُنیا دیکھے کہ

؎ آ ملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک

سہیل پرواز

26 مارچ 2021ء

اسلام آباد

رم جھم برستا ساون عجب سماں باندھ رہا تھا۔ چھتوں، کھڑکیوں اور کہیں کہیں شیشوں پر گرنے والی بُوندیں، ملہار اور بھیرویں کو قوتِ گویائی عطا کر رہی تھیں۔ میگھا میں کبھی تیزی اور کبھی سستی بھی آروہی یا پھر ابروہی کی پابندی کر رہی تھی۔ درختوں کی ہریالی اور دوسرے پودوں کا نکھار بھی ایک ناقابلِ بیان حُسن کی منظر کشی کر رہا تھا جیسے کوئی بنگالی ساحرہ ندیا کنارے اپنے حسین دراز گیسو نچوڑ رہی ہو۔ بارشیں کرۂ ارض پر کم و بیش ہر جگہ ہی ہوتی ہیں لیکن یہاں مشرقی پاکستان میں ساون کی جھڑی باقی دُنیا سے بالکل الگ تھلگ اور جُدا ہوتی ہے اور کسی بھی حسّاس اور محبّت کرنے والے دل کو باندھ کر رکھ دیتی ہے۔ ڈھاکہ کے ہنگامہ خیز شہر کے اس نسبتاً خاموش اور پُرسکون علاقے میں آج ساون کی اس مسحور کن جھڑی میں کسی دیوانے کا ستار یا ہارمونیم لے کر خود ملہار کا ریاض کرنا یا بارش کو گاتے ہوئے سننا، ایک ہی بات تھی۔ اس برکھا رت نے تو جیسے تہیہ کیا ہوا تھا کہ وہ سارے پلٹے اور توڑے آج ہی سنا کر دم لے گی۔

''پاکھی!'' بدرالاسلام نے اپنی بیگم، ناہیدہ کو پیار سے آواز دی۔

''جی؟ کیا بات ہے؟'' ناہیدہ نے رسوئی سے جواب دیا۔

''یہ بچہ لوگ کدھر ہے؟''

''رُبابہ تو پڑھائی میں مصروف ہے ادھر کمرے میں اور مشفق تھوڑی دیر پہلے کسی دوست سے ملنے گیا ہے، کہہ رہا تھا کہ جلد آجائے گا۔'' ناہیدہ بیگم نے وہیں سے جواب دیا۔ بدر صاحب اپنی بیگم کو پیار سے پاکھی (چڑیا) کہہ کر بلاتے تھے اور اگر بہت زیادہ پیار آتا تو لقب بھی قدرے طویل ہو جاتا،

ایسے میں ناہیدہ بیگم 'پاکھی' سے 'امار سُندر پاکھی' (میری خوبصورت چڑیا) ہو جاتیں۔ شادی کے بعد سے شاید ہی کبھی انھوں نے جیون ساتھی کو ناہیدہ کہہ کر بلایا ہو۔

وہ اس وقت کھڑکی سے لگے بیٹھے، چائے کی ہلکی ہلکی چسکیوں کے ساتھ اخبار بینی میں مصروف تھے اور باہر موسلا دھار برسنے والی بارش سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ سڑک کی چہل پہل پر بھی نظر رکھے ہوئے تھے۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا کہ شام کی چائے وہ کھڑکی کے پاس بیٹھ کر ہی پیتے تھے اور ایسے میں ان کی رفیقۂ حیات ناہیدہ بیگم بھی اپنا پیالہ لیے پاس آن بیٹھتی تھیں اور انھیں دن بھر کی سرگرمیوں کی رپورٹ دینے کے علاوہ دیگر خاندانی امور پر صلاح مشورہ بھی کیا کرتی تھیں۔ بدرالاسلام ساٹھ کے پیٹے میں منحنی ڈیل ڈول والے درمیانے قد کے ایک خالصتاً بنگالی تھے۔ نہایت حلیم الطبع اور نرم مزاج کے مالک۔ ڈھاکہ کے گنجان آباد علاقے موتی جھیل میں ان کا اپنا چھوٹا سا پرنٹنگ پریس تھا جو چار افراد پر مشتمل اس کنبے کے لیے کافی تھا۔ ناہیدہ بیگم پچپن کے پیٹے میں اور شوہر کی نسبت قدرے دراز قد تھیں۔ رنگت سانولی لیکن پُرکشش نین نقش کی مالکہ۔ بدرالاسلام کو اللہ نے ایک بیٹا مشفق الاسلام اور ایک بیٹی رُبابہ عطا کی تھی۔ مشفق انیس سالہ نوجوان اور کالج میں بی اے کا طالبِ علم تھا۔ ساڑھے پانچ فٹ سے نکلتا ہوا قد اور سانولی رنگت جبکہ اس کی بہن رُبابہ اس سے چار سال چھوٹی سکول کے آخری سال میں تھی۔ رُبابہ چھریرے بدن کی تھی اور رنگ قدرے کِھلا ہوا جبکہ قد پانچ فٹ کو چھوتا ہوا تھا۔ دونوں بہن بھائی ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے اور آپس میں دونوں کی محبّت مثالی تھی۔ بدر صاحب اور ان کے خاندان کا تحریکِ پاکستان میں خاصا نمایاں کردار رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شیخ مجیب الرحمان سے انتہائی قریبی خاندانی تعلقات ہونے کے باوجود بدر صاحب کی سیاسی وابستگی مسلم لیگ کے ساتھ تھی۔ تاہم اس سے دونوں کی دوستی میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ شیخ مجیب انھیں انتہائی احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ دونوں کے اہل خانہ کا ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا اور خوشی غمی میں شریک ہونا بھی تھا۔ سیاسی بحث مباحثوں میں اکثر شیخ مجیب کا پارہ چڑھ جایا کرتا لیکن کچھ دیر بعد حالات بدرالاسلام کی ٹھنڈی طبیعت کی وجہ سے نارمل ہو جایا کرتے تھے۔ شیخ کو نارمل کرنے کے بعد بدر میاں اس کے خوب لتے لیا کرتے تھے اور پھر مجیب الرحمان بغلیں جھانکتا پھرتا تھا۔

شیخ مجیب کا سیاسی سرگرمیوں کے سلسلے میں جب بھی ادھر سے گزر ہوتا تو وہ بلا تکلف سیڑھیاں چڑھ آتا۔ وہ ہمیشہ اپنے بچپن کے دوست کو گھر آنے کی دعوت دیتا مگر وضع دار بدرالاسلام صاف انکار بھی نہ کرتے اور کنی بھی کترا جاتے۔ ظاہر ہے اس کی وجہ، مجیب کا بھارت کی طرف جھکاؤ اور ریاست مخالف سرگرمیاں تھیں جبکہ بدر میاں پاکستان کے خلاف کوئی بات کرنا یا سننا گناہ کبیرہ سمجھتے تھے۔ پاک بھارت جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کچھ دیر قبل ہی ختم ہوئی تھی اور اس جنگ میں پاکستان کی مسلّح افواج کے افسروں اور جوانوں کی شجاعت کی داستانوں نے مشفق کو بہت متاثر کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے فوج میں جانے کا جنون کی حد تک شوق تھا اور وہ اٹھتے بیٹھتے خاکی وردی کے خواب دیکھا کرتا۔ خود بدرالاسلام اور ناہیدہ بیگم دونوں اس کی حوصلہ افزائی کرتے۔ ایک روز مجیب کی ایسی ہی ایک حاضری کے دوران اس کا بدر کے بیٹے مشفق سے سامنا ہوا تو اس نے نوجوان سے مستقبل کے ارادے پوچھے جس پر مشفق نے بہت فخر سے بتایا کہ وہ مسلّح افواج میں کمیشن لے کر ملک کی خدمت کا ارادہ رکھتا ہے۔ شیخ مجیب نے خاصی ناک بھوں چڑھائی اور مشورہ دیا کہ فوج میں جانے کی بجائے وہ مزید تعلیم حاصل کر کے سیاست میں آئے اور خود کو 'شونار دیش' (سنہرے دیس) کی خدمت کے لیے وقف کر دے۔ مشفق نے اپنے والد کے سامنے نہایت مؤدبانہ انداز میں شیخ کے مشورے پر ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا جس پر باپ نے اسے سنی ان سنی کرنے کو کہا تھا۔

جب مجیب کی باغیانہ سوچ پر اسے گرفتار کیا گیا تو شروع میں بدر صاحب کے ذہن میں بھی یہ خیال آیا کہ شاید اس کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے اور انھوں نے اپنی جماعت مسلم لیگ کے حلقوں میں اس بات پر دھیمے دھیمے احتجاج بھی کیا تاہم جب انھیں مجیب کے چھ نکات کے نقصان دہ اثرات سے آگاہی ہوئی تو انھیں اپنی ہمدردیاں واپس لینی پڑیں۔ باشعور بنگالی جو حالات کی سنگینی کا ادراک رکھتے تھے، ایک انجانے خوف میں مبتلا تھے کیونکہ سادہ لوح پسے ہوئے طبقے کی اکثریت روز بروز مجیب الرحمان کے دکھائے سہانے سپنوں کا شکار ہو رہی تھی۔ مجیب الرحمان کے چھ نکات کے ساتھ ساتھ اب تو کسی اگرتلہ سازش کی بازگشت بھی سنائی دے رہی تھی اور اس میں بھی مجیب الرحمان کا نام لیا جا رہا تھا۔

شام کا دھندلکا پھیل رہا تھا اور بارش بھی کچھ دھیمی ہو گئی تھی۔ بدرالاسلام بھی اب کھڑکی کے پاس

سے اٹھ کر اپنی خواب گاہ کو چل دیئے۔ جاتے جاتے رسوئی کے پاس رکے اور ناہیدہ بیگم سے بولے، ''پاکھی! مشفق آئے تو اسے کہنا مجھے اس سے کچھ بات کرنی ہے۔'' صاف لگ رہا تھا کہ یہ کوئی ایسی اہم بات نہ تھی جو ابھی کی جاتی، بس بدر صاحب کو اپنی پاکھی سے بات کرنے کا بہانہ چاہیے تھا۔

''جی اچھا.... بتا دوں گی۔'' ناہیدہ نے جواب دیا اور دوبارہ رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گئیں۔

O

ربابہ اپنے کمرے میں سکول کا کام کر رہی تھی کہ دھڑاک سے دروازہ کھلا اور جھرنا نے دھاوا بول دیا۔ آتے ہی سوالوں کی بھرمار کر دی کہ کیا ہو رہا ہے؟ ہر وقت پڑھتی ہی کیوں رہتی ہو، کبھی باہر بھی نکلا کرو، وغیرہ وغیرہ۔ جھرنا، رُبابہ کی ہم جماعت، پڑوسن اور بہت اچھی سہیلی تھی جس کا تعلق ایک خوشحال ہندو گھرانے سے تھا۔ کندنی رنگت، گھنے سیاہ لانبے کمر کو چھوتے بال، جھیل جیسی سیاہ گہری آنکھیں، اگر کسی کو بنگال کے جادو کی حقیقی تفسیر درکار تھی تو وہ اسے جھرنا کے سراپے میں مل سکتی تھی۔ مسکراہٹ میں ایک مدھر کھنک اور شوخ و چنچل طبیعت جو کسی کو بھی اپنا دیوانہ کر سکتی تھی۔ جھرنا کے طبعاً آزاد خیال پتا ایک معروف فلمساز تھے۔ پڑوس میں رہنے کے باوجود ان کا رابطہ بدر صاحب سے شاذ و نادر ہی ہوتا تھا جس کی وجہ ایک تو ان کے پیشے کی نوعیت اور دوسرا دونوں کے مزاج میں ہم آہنگی کا مفقود ہونا تھا۔ دونوں گھروں میں رابطے کا واحد ذریعہ رُبابہ اور جھرنا کی دوستی تھی۔

جھرنا نے آتے ہی ربابہ کی کتابیں ایک طرف ہٹائیں اور بولی، ''توبہ ہے کوئی اور بھی کام کر لیا کرو۔ میں ہی ہوں جو ڈھیٹ بن کر تمھیں ملنے چلی آتی ہوں، تمھارا تو کبھی من نہیں کیا ناں؟''

''تم تو کسی وجہ سے آتی ہو، میرے لیے تھوڑی آتی ہو۔'' ربابہ نے شرارت آمیز انداز میں آنکھ میچتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں اور کوئی وجہ نہیں۔'' جھرنا نے شرماتے ہوئے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے۔

''ویسے بائے داوے، آپ کی وجہ اس وقت تو گھر پر نہیں لیکن بس آنے ہی والی ہوگی۔'' ربابہ نے حملے جاری رکھے۔

''تم سے تو بات کرنا بھی فضول ہے۔'' جھرنا نے چہرے پر سرخی بکھیرتے ہوئے کہا۔

دونوں کچھ دیر آپس میں ہنسی مذاق کرتی رہیں اور پھر جھرنا اٹھ کر چل دی۔ وہ آخری سیڑھیوں پر

تھی کہ اس کا سامنا اس 'وجہ' سے ہو گیا جس کا ذکر بار بار کر کے ربابہ اسے تنگ کر رہی تھی۔ مشفق اس کے سامنے کھڑا تھا جو کہیں سے واپس آیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کا راستہ روکے کھڑے تھے اور پھر دونوں اس مضحکہ خیز صورتحال پر کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

''بہت دیر کر دی آپ نے۔'' جھرنا نے شکایت کی۔

''کیوں؟ تمھیں میرا انتظار تھا؟'' مشفق نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''میں کیوں انتظار کروں گی؟'' جھرنا نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

''اگر انتظار نہیں تھا تو پھر یہ دیر سے آنے کی شکایت کیسی۔'' مشفق نے پھر شرارتی مسکراہٹ بکھیری۔

''آپ بھی ناں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔'' جھرنا زچ ہو کر بولی، ''کیا آپ کو میرا انتظار نہیں ہوتا؟ ایک عمر سے ہم اکٹھے کھیل کود کر بڑے ہوئے ہیں۔''

''ضرور ہوتا ہے انتظار جھرنا! لیکن ایک اچھے دوست کا۔ وہ انتظار نہیں جو تم چاہتی ہو۔'' مشفق نے وضاحت پیش کی۔

''کیوں؟ وہ انتظار کیوں نہیں؟'' جھرنا نے مایوسی کے انداز میں کہا۔

''اس لیے کہ تمھارا دھرم اور میرا مذہب ہمارے بیچ دیوار ہے۔ تم میری ہم مذہب ہوتیں تو یقین کرو کہ صرف اور صرف تم ہی میرا جیون ساتھی ہوتیں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ میں آپ کو کبھی نہیں پا سکوں گی؟''

''اپنا دھرم چھوڑے بغیر شاید کبھی بھی نہیں۔''

''مجھے راستہ دیجیے، بہت دیر ہو گئی ہے۔'' جھرنا نے ایک زینہ اور نیچے اترتے ہوئے کہا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ ایک ہی جست میں تمام زینے طے کر چکی ہے۔ مشفق نے احتراماً سکڑ کر جھرنا کے لیے راستہ بنایا۔ مشفق کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک لمحے کے لیے جھرنا کے دل میں شدت سے اس خواہش نے جنم لیا کہ کاش جونہی وہ مشفق کے پاس سے گزرے تو وہ اس کا راستہ روک لے اور کاندھوں سے پکڑ کر کہے کہ پگلی! میں تو مذاق کر رہا تھا اور وہ بے اختیار اس کے سینے سے جا لگے لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ جس تیزی سے یہ خیال اس کے ذہن سے گزرا اس سے کہیں زیادہ سرعت سے وہ مشفق کے پاس سے گزر کر سڑک پر جا پہنچی تھی۔ خود فریبی نے پھر اسے گدگدی کی اور کہا مڑ کر دیکھو وہ سیڑھیوں میں کھڑا

مسکرا رہا ہے۔ اس جھوٹی آس پر اس نے ڈرتے ڈرتے گردن گھمائی لیکن سیڑھیاں خالی تھیں۔ سیڑھیوں میں لگے ساٹھ واٹ کے بلب نے اسے سلیس الفاظ میں سمجھا دیا کہ جھرنا! دل کی باتیں سننی چھوڑ دو۔ سیڑھیاں اترنے چڑھنے کے لیے ہوتی ہیں رکنے کے لیے نہیں۔ ایک سرد آہ بھرتے ہوئے جھرنا نے بوجھل قدم گھر کی جانب بڑھا دیئے۔

O

بدر میاں کو چند روز قبل اشاعت کا ایک بہت بڑا آرڈر ملا تھا جو انھیں ہر حال میں مکمل کرنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آج صبح بھی وہ اپنے پریس میں خاصے مصروف تھے اور اپنے دفتر میں بیٹھنے کی بجائے چھاپہ خانہ میں مشین مین کے سر پر موجود تھے کہ اچانک ان کا ایک ملازم خبر لے کر آیا کہ مشفق میاں فون پر ہیں اور بات کرنا چاہ رہے ہیں۔ ظاہر ہے گھر سے فون تھا سو بدرالاسلام نے کوئی خاص اہمیت نہ دی اور ملازم سے کہا کہ انھیں کہو کہ میں ٹھہر کر کال کرتا ہوں۔ ملازم لوٹا مگر انھی قدموں پر واپس آیا اور چھوٹے صاحب کا پیغام دیا کہ ضروری بات ہے ابھی کرنی ہے۔ بدر میاں نے مشین مین کو کچھ ہدایات دیں اور سر جھٹکتے ہوئے فون سننے چل پڑے۔

''ہیلو!!! کیا بات ہے چلّے (بیٹا)؟''

''ہیلو بابا..... آپ جلدی گھر آ رہے ہیں ناں؟'' مشفق نے استفسار کیا۔

''بیٹا! کیا تم نے صرف یہ پوچھنے کے لیے فون کیا تھا؟''

''نہیں بابا..... میں نے تو آپ کو ایک خبر دینی تھی، اس لیے فون کیا۔

''تو چلّے بتا دو..... کیا خبر ہے۔'' بدر نے قدرے اشتیاق سے کہا۔

''آں ہاں..... ابھی نہیں۔ آج شام کی چائے ہم اکٹھے پئیں گے اور وہاں آپ کو خبر دوں گا۔'' مشفق نے سسپنس پیدا کرنے کی کوشش کی اور وہ کسی حد تک کامیاب بھی رہا۔

اب بدر نے بھی کال کو سنجیدگی سے لینا شروع کیا اور بولے، ''خبر ابھی بتا دو اور چائے پر پہنچنے کا وعدہ میں کرتا ہوں۔''

''ناں ناں..... اب شام کو ہی بات ہوگی، ان شاء اللہ۔'' مشفق نے فون رکھ دیا۔

بدر نے بھی بڑبڑاتے ہوئے فون کا ریسیور رکھا اور واپس اندر چھاپہ خانہ کی جانب چل دیئے لیکن صاف نظر آ رہا تھا کہ اب ان کا دھیان اشاعتی آرڈر سے ہٹ کر مشفق کی خبر پر مذکور ہو گیا تھا۔ چھاپہ خانہ

تو رات نو بجے تک کھلا رہتا تھا لیکن بدر صاحب عموماً پانچ چھ بجے نکل جایا کرتے تھے۔ ہاں اگر کبھی انھیں اپنی پاکھی کے ہاتھ کی چائے کی طلب ہوتی تو پھر اس سے بھی جلدی جاتے۔ انھوں نے دیوار پر لگے کلاک کی جانب نظر اٹھائی جو اس وقت دن کے دو بجا رہا تھا۔ یعنی انھیں ابھی مزید تین گھنٹے انتظار کرنا تھا۔ سوچا کہ ابھی نکل پڑتا ہوں اور جا کر کہوں گا کہ بیٹا کیوں باپ کے صبر کا امتحان لیتے ہو، بتا دو کیا خبر ہے۔ پھر اچانک ذہن میں خیال آیا کہ وہ بھی انھی کا بیٹا ہے، خبر سنائے گا بھی تو چائے پر ہی سنائے گا۔

بدر الاسلام نے گھر کا ماحول بہت دوستانہ رکھا ہوا تھا۔ دونوں بچے نہایت لائق اور بے حد مؤدب، بڑوں کا احترام کرنے والے اور ماں باپ سے بے حد فری ہونے کے باوجود اپنی حدود و قیود سے آگاہ۔ یہی وجہ تھی کہ بدر اور ناہیدہ کے لیے کبھی ایسا موقع نہ آیا کہ انھیں بچوں پر ہاتھ اٹھانا پڑتا یا انھیں ڈانٹ کر سمجھانا پڑتا۔ وہ گھر پہنچے تو اہل خانہ کو باجماعت چائے کی میز پر پایا۔ ناہیدہ بیگم کے ہاتھ کے سموسوں کے ساتھ ساتھ ڈھاکہ کے مشہور زمانہ بنگالی رس گلے بھی ڈش میں سجے نظر آرہے تھے۔ بدر کو ان پر نظریں جمائے دیکھ کر مشفق کو شرارت سوجھی۔ شرارت سے ایک آنکھ میچتے ہوئے بولا، ''بابا یہ میں لایا ہوں۔'' لیکن وہ سنی ان سنی کر کے بیگم اور بیٹی کے چہروں کو پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ شاید وہاں سے کچھ اندازہ ہو جائے کہ خبر کی نوعیت کیا ہے مگر وہاں انھیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ ہاں البتہ ماں بیٹی کی پر اطمینان مسکراہٹ اس امر کی چغلی کھا رہی تھی کہ سب اچھا ہے۔

''چلو بھئی مشفق میاں.... اب پٹاری میں سے سانپ نکال ہی لو۔ کیا ہے وہ خبر جس کے لیے تم نے اس بوڑھے باپ کو دوڑ لگوائی ہے۔'' بدر نے ہنستے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے کہ مشفق کچھ کہتا، ماں بولی، ''ہم بھی پوچھ پوچھ کر تھک گئے ہیں لیکن ایک ہی بات کہہ رہا تھا کہ بابا آئیں گے تو بتاؤں گا۔''

''چلیں آپ لوگ اندازہ لگانے کی کوشش کریں۔'' مشفق ابھی تک انھیں ستانے کے موڈ میں تھا۔

''میں بتاؤں بھائی؟'' ربابہ نے تنگ کرنے کے انداز میں کہا۔

مشفق کو بخوبی علم تھا کہ بہن کا اشارہ جھرنا کی طرف ہے سو جلدی سے بولا، ''نہیں دکھے (بلی) تم تو رہنے ہی دو۔''

''مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ کیا ہو رہا ہے!'' ناہیدہ بیگم نے ہار مانتے ہوئے کہا۔
اب بدر صاحب رہ گئے تھے۔ مشفق نے باپ کی طرف شرارت آمیز انداز سے دیکھتے ہوئے کہا، ''بابا!.....آپ بھی ہار مان ہی لیجیے۔''

''بھئ میرا تو خیال ہے کہ جو بھی خبر ہوگی کوئی اچھی ہی ہوگی کیونکہ میرے بیٹے نے میری پسند کی مٹھائی جو میز پر سجا کر رکھی ہے۔'' بدر صاحب نے اپنی سیاسی مہارت کو استعمال میں لاتے ہوئے ایک عدد سیاسی بیان داغا۔

مشفق نے فوراً احتجاج کیا، ''یہ زیادتی ہے۔ بابا کوئی تو اندازہ لگائیں یا پھر خوشدلی سے شکست تسلیم کریں۔''

جب سب نے ہار تسلیم کر لی تو مشفق نے کھڑے ہو کر کسی منجھے سیاستدان کی نقل اتارتے ہوئے تقریر شروع کر دی، ''خواتین وحضرات! آپ کو یہ جان کر بہت خوشی ہوگی کہ اللہ نے آپ کی دعائیں سن لیں ہیں۔اور مجھے آخری امتحان آئی ایس ایس بی کی کال آئی ہے۔کل ہی مجھے یہ کال لیٹر ملا ہے جی ایچ کیو کی جانب سے۔'' اس نے سرکاری چٹھی باپ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ بدر صاحب نے اٹھ کر بیٹے کو سینے سے لگایا اور اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ بے قرار ماں نے اسے باپ کی بانہوں سے تقریباً کھینچتے ہوئے وفور جذبات سے گلے سے لگا کر بے تحاشا دعائیں دیں۔ اچانک مشفق کی نظر ماں کے کندھوں سے ربابہ پر پڑی جو بازو پھیلائے بھائی کے گلے لگنے کو بیقرار تھی۔ مشفق نے اپنی دکھے (بلی) کو بھی مایوس نہ کیا۔نسبتاً خاموش گھر میں اچانک عید کا سا سماں نظر آنے لگا۔ ہر کوئی اپنی اپنی کہہ رہا تھا۔ بے موقع باتیں شروع ہو گئیں چونکہ خوشی کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے سو ایسے موقعوں پر یہ باتیں ہر گز بے موقع محسوس نہیں ہوتیں۔''

خوشی کا بگولہ ذرا تھما تو ناہیدہ بیگم نے بیٹے سے پیار بھرا مگر فخریہ انداز میں شکوہ کیا کہ وہ کم از کم ماں کو تو بتا دیتا۔

''اماں آپ لوگوں کے سامنے ہی تو ہوا سب کچھ۔ جی ایچ کیو سے چند ایک چٹھیاں آئیں اور ہر بار میں نے کوئی نہ کوئی کہانی سنا دی۔ کبھی فوج بارے معلومات حاصل کرنے کی تو کبھی کمیشن حاصل کرنے کا طریقہ پوچھنے کی۔ مگر اب مجھے چونکہ آخری امتحان کے لیے چار پانچ روز کے لیے گھر سے باہر رہنا تھا سو مجھے بتانا ہی پڑا.....''

''....ورنہ تم اس خوشخبری کو ملٹری اکیڈیمی جانے تک راز رکھتے۔'' بدر بات مکمل کرتے ہوئے بولے۔

''توکیا اس امتحان کے لیے تمھیں پُشتم پاکستان (مغربی پاکستان) جانا ہوگا؟'' ناہیدہ بولیں۔

''وہاں بھی جا سکتا تھا لیکن فوج کا ایک کیندر (مرکز) یہاں کرمی ٹولہ میں بھی ہے سو میں نے اس کے لیے چوائس دی ہے۔''

''اور تم نے کرمی ٹولہ رپورٹ کب کرنی ہے؟'' باپ نے پوچھا۔

''جی پرسوں شام تک پہنچنا ہے۔ کچھ سامان انھوں نے لکھوایا ہے وہ اکٹھا کرنا ہے اور کچھ چیزیں خریدنی ہیں۔''

''اللہ میرے بیٹے کو کامیاب کرے۔'' ناہیدہ بیگم نے بے اختیار دعا دی۔

وقت کا پتہ ہی نہ چلا اور اگلا ایک ہفتہ آناً فاناً گزر گیا۔ ہاں گھر والوں نے اپنے چہیتے مشفق کی کمی ضرور محسوس کی۔ سب کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے تھے اور انھیں مشفق کی کامیابی کے ساتھ واپسی کا انتظار تھا۔ بلاشبہ مشفق گھر سے بمشکل آدھ گھنٹے کے فاصلہ پر موجود تھا لیکن انھیں یوں لگتا تھا جیسے وہ ہزار میل دور پشچمی پاکستان کے کسی شہر گیا ہو۔ جس روز اس کی واپسی تھی ناہیدہ کی سرگرمیوں سے یوں لگتا تھا جیسے انھیں اپنے بیٹے کی کامیابی کا سو فیصد یقین ہو۔ یہ ماؤں کا ہی خاصا ہے کہ وہ مشکل سے مشکل آزمائشوں میں بھی کامیابی کو نہایت وثوق سے فرض کر لیتی ہیں۔ وہ صبح سے ہی اپنے شفو کی پسند کے کھانے بنانے میں مصروف تھیں۔ بدر صاحب کو بھی کام سے جلد واپس آنے کی تاکید کی گئی تھی اور ربابہ کے ذمہ پورے گھر کو شیشے کی طرح چمکانے کا کام لگایا گیا۔ بدر الاسلام حکم کی تعمیل بجالاتے ہوئے واپس پہنچ چکے تھے۔ خود ناہیدہ نے تمام کاموں سے فراغت پا کر اپنے لیے ایک انوکھا کام ڈھونڈھ لیا تھا۔ وہ ہر پانچ منٹ کے بعد کھڑکی سے سڑک پر جھانکتیں اور واپس آکر بدر میاں کو خبر دیتیں، ''سنیں جی! شفو نے دیر کر دی ہے۔ اللہ خیر کرے۔''

بدر ہنستے ہوئے جواب دیتے، ''ارے پاکھی! کاہے کو چنتا کرتی ہو؟ یہ ساتھ تو گیا ہے۔ جب سنٹر والے چھوڑیں گے تو آجائے گا۔''

''مگر آپ خود کیوں نہیں جا کر اسے لے آتے؟''

''تمھارا کیا خیال ہے وہ مجھے اندر جانے دیں گے؟ وہاں باہر گیٹ سے لگ کر کھڑے ہونے سے اچھا نہیں کہ یہاں انتظار کریں؟''

''السلام علیکم!!....'' مشفق کی اچانک آواز پر سب چونکے اور مڑ کر دیکھا تو اسے دروازے پر کھڑا پایا۔ اپنا سفری بیگ کاندھے سے لٹکائے سپاٹ اور سنجیدہ چہرہ لیے وہ سیڑھیوں کے سرے پر کھڑا تھا۔ اسے سنجیدہ دیکھ کر سب گھر والوں کے چہروں سے بھی ہنسی غائب ہوگئی۔ کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اس سے آئی ایس ایس بی کا نتیجہ ہی پوچھ لیتا۔

''لگتا ہے آپ لوگوں کو میری واپسی اچھی نہیں لگی؟'' مشفق نے استفسار کیا۔

''نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں شفو۔ ہم تو تمھارا ہی انتظار کر رہے تھے۔'' ناہیدہ نے صفائی پیش کی لیکن دل تھا کہ ڈوبا جا رہا تھا۔

''ہاں ہاں تمھارا بڑی بے صبری سے انتظار ہو رہا تھا۔ تم یہ سب چھوڑو اور بتاؤ کہ نتیجہ کیا رہا؟'' بدر میاں نے بات کا رخ موڑا۔

''کیا ہونا تھا؟ وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔'' مشفق نے لٹکے ہوئے منہ سے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟'' باپ چونکا۔

''مطلب کیا بابا؟ آپ کی دعاؤں سے میں نے ٹیسٹ پاس کرلیا ہے۔'' اور ایکدم کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''بدمعاش تم نے تو میری جان ہی نکال لی۔'' ناہیدہ لاڈ دکھاتے ہوئے بولیں اور اس کی بلائیں لینے لگیں۔ باتیں جاری تھیں کہ اچانک ماں پر ممتا طاری ہونا شروع ہوگئی۔ پہلا خیال دل میں آیا کہ میرا لال مجھ سے جدا ہو جائے گا؟ نہ رہ سکیں اور بیٹے سے پوچھ ہی لیا، ''میرے لال! تم کتنی دیر کے لیے ہم سے دور رہو گے؟'' اس سے پہلے کہ مشفق جواب دیتا بدر صاحب بولے، ''اری پاکھی! تمھارے بیٹے کو اللہ سلامت رکھے، اب یہ ہمارے پاس مہمانوں کی طرح آیا کریگا۔''

''اللہ!!!....ایسے تو ناں کہیں۔'' ناہیدہ بیگم کا سینہ دھک سے رہ گیا۔

''ہاں ماں .... آج ایک ماں نے مجھے دوسری ماں کو سونپ دیا ہے۔ مجھے اب پریشکا جمین (پاک زمین) کی خدمت کرنا ہوگی۔ آپ لوگوں سے ملنے ضرور آیا کروں گا لیکن مہمانوں کی طرح۔ ربابہ تو بیاہتہ (شادی) کے بعد اس گھر سے جائے گی لیکن میں بغیر بیاہتہ کے جا رہا ہوں۔''

''بھیا! آپ حکم کریں تو فوج سے پہلے بیاہتہ کی تیاری کر لیتے ہیں۔ میں نے تو ایک سانولی حسینہ ڈھونڈھ بھی لی ہے۔'' رُبابہ بھائی کو چھیڑتے ہوئے بولی تو مشفق نے پیار سے بہن کا کان کھینچا، ''چڑیل باز آجاؤ۔''

بدر صاحب کے پوچھنے پر بیٹے نے بتایا کہ اس کا چناؤ ایک شارٹ کورس کے لیے ہوا ہے جس کی مدّت چھ ماہ ہے اور اس کے بعد اس کی تعیناتی پاکستان کے کسی بھی حصے میں ہوسکتی ہے۔ انھوں نے جب اگلا سوال داغا کہ آیا اس کی پوسٹنگ ایسٹ بنگال رجمنٹ میں بھی ہوسکتی ہے تو مشفق نے کہا کہ کیوں نہیں لیکن اس کی خواہش ہوگی کہ وہ پنجاب رجمنٹ میں کمیشن حاصل کرے کیونکہ وہ ہمیشہ پنجاب رجمنٹ کی شاندار وردی اور ٹوپی پر سجے سبز پھول سے بے حد متاثر رہا ہے۔ باتوں ہی باتوں میں وقت کا پتہ ہی نہ چلا کہ کب کھانے کا وقت ہوگیا تھا۔ ناہیدہ بیگم کو اچانک یاد آیا تو وہ کھانا بنانے رسوئی کو دوڑیں اور ربابہ اپنی پڑھائی کرنے چلی گئی جبکہ بدر صاحب اور مشفق کھڑکی کے پاس جا بیٹھے اور تیاریوں کے حوالے سے باتیں کرنے لگے۔

''تو تم نے کب رپورٹ کرنی ہے چلے؟''

''جی بابا مجھے سولہ فروری ۱۹۶۷ء تک ہر حال میں کاکول پہنچنا ہے۔''

''ٹریننگ کے دوران چھٹی تو ملے گی ناں؟''

''سنا ہے کہ کورس کے وسط میں چند دنوں کی تعطیلات ہوتی ہیں لیکن وہاں سے اتنی دور آنا شاید بہت مشکل ہو۔''

''ٹھیک ہے بیٹا، اللہ ہمیشہ تمھارا نگہبان رہے۔ تمھارے بزرگوں کی پاکستان کے لیے بے حد خدمات ہیں لیکن اتفاق سے ان میں سے کوئی بھی فوج میں نہ گیا کیونکہ وہ برٹش راج کی فوج میں بھرتی ہونے کو گناہ سمجھتے تھے۔ خود مجھے بھی بے حد شوق تھا لیکن میرے راستے میں بھی یہی مجبوری آڑے آ رہی تھی کہ یہ فوج ہماری نہیں۔ آج میری خواہش تم پوری کرنے جا رہے ہو۔ تمھارے دادا زندہ ہوتے تو انھیں بے حد مسرت ہوتی۔ میری نصیحت ہے کہ خاندان کا نام روشن کرنا اور دھرتی ماں کی آبرو پر کبھی آنچ نہ آنے دینا۔''

''بابا میں آپ کو کبھی مایوس نہیں کروں گا۔'' مشفق کے الفاظ میں غیر متزلزل عزم جھلک رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ عہد جو اس نے اپنی پاسنگ آؤٹ پریڈ پر کرنا تھا وہ حلف اس نے اپنے محب وطن

باپ کے سامنے ابھی اٹھالیا تھا۔

○

صبح دس بجے کا وقت ہوگا جب مشفق اپنے کمرے میں بیٹھا کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس کا گریجویشن کا آخری سال تھا جسے ادھورا چھوڑ کر وہ اکیڈمی جارہا تھا۔ یوں تو اس کا شمار اپنی جماعت کے ذہین اور لائق طلبا میں ہوتا تھا تاہم جس دن سے اسے ملٹری اکیڈمی جوائن کرنے کا پروانہ ملا تھا اس کی سرگرمیوں کی نوعیت یکسر تبدیل ہو چکی تھی۔ وہ اب کالج بھی کبھی کبھار جایا کرتا تھا اور زیادہ وقت اپنی ضروری اشیا کی خریداری میں یا اکیڈمی بارے معلومات حاصل کرنے میں گزارتا تھا۔ آج بھی ایک ایسا ہی دن تھا۔ ناشتے کے بعد کچھ وقت وہ اپنی اماں کے پاس گزارنے کے بعد اپنے کمرے میں آ گیا اور ایک معلوماتی کتاب کے مطالعے میں مشغول تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

''میں اندر آ سکتی ہوں۔'' ایک جلترنگ سی کھنکتی آواز نے پوچھا اور پھر اجازت کا انتظار کیے بغیر جھرنا کمرے میں داخل ہو چکی تھی۔

مشفق چونک کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، ''ارے جھرنا! تم آج سکول نہیں گئیں کیا؟''

''نہیں۔''

''کیوں؟ ربابہ تو گئی ہوئی ہے۔''

''ربابہ کی زندگی میں ابھی تک کوئی ہلچل نہیں مچی ناں اس لیے۔'' جھرنا نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے جواب دیا۔

''تو تمھاری زندگی میں کونسا گھور نیچار (طوفان) آ گیا ہے؟'' مشفق نے ہنستے ہوئے کہا۔

''آپ ہیں ناں وہ گھور نیچار جو میری زندگی تہس نہس کر کے جا رہے ہیں۔'' جھرنا نے نم آنکھوں سے نہایت اداس لہجے میں جواب دیا۔ ایک لمحے کو مشفق کا دل بھی ہل گیا لیکن اس نے فوراً خود پر قابو پالیا اور بولا، ''تمھیں ایک دفعہ سمجھا دیا ہے کہ ہم ایک نہیں ہو سکتے۔ آخر کیوں تمھیں میری بات کی سمجھ نہیں آتی؟''

''آپ بیشک مجھے نہ ملتے لیکن میری آنکھوں کے سامنے تو رہتے۔ میں سارا جیون ایسے ہی آپ کو دیکھتے دیکھتے گزار دیتی۔'' جھرنا سنی ان سنی کرتے ہوئے بولی۔

''کیا مطلب؟'' مشفق کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولا۔

''مطلب کہ آپ آرمی میں کیوں جا رہے ہیں؟ یہیں اپنوں میں رہتے اور کوئی بہت اچھا پیشہ اختیار کر لیتے۔ آرمی میں کیا رکھا ہے اور وہ بھی پاکستانی آرمی۔''

''تو ہم کیا ہیں؟'' مشفق نے قدرے ناراضی سے پوچھا۔

''ہم؟ ہم بنگالی ہیں اور کیا ہیں؟'' جھرنا سر جھٹکتے ہوئے بولی۔

''آج تو تم نے یہ بات کہہ دی ہے لیکن آئندہ خیال رکھنا۔ میں اپنے وطن اور اپنی فوج کے بارے میں کوئی بات نہیں سنوں گا۔ میرے خیال میں تمھیں دیر ہو رہی ہے تمھیں اب جانا چاہیے۔'' مشفق شہادت کی انگلی سے اسے انتباہ کرتے ہوئے بولا۔

ابھی آخری الفاظ اس کی زبان پر ہی تھے کہ ناہیدہ کمرے میں داخل ہوئیں اور جھرنا کو وہاں موجود پا کر حیرت کا اظہار کیا، ''ارے جھرنا! بیٹی تم آج سکول نہیں گئیں؟''

اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتی مشفق بات اچک کر بولا، ''نہیں اماں یہ آج سکول نہیں گئی اور اس کا خیال تھا کہ شاید ربابہ نے بھی آج چھٹی کی ہوگی۔ اسی کا پتہ کرنے آئی تھی اور اب واپس جا رہی ہے۔''

جھرنا نے اداس شکل بنائی اور کچھ کہے بنا کمرے سے نکل گئی۔ ناہیدہ جو کچھ نہ سمجھ پائی تھیں، سوالیہ نظروں سے پہلے مشفق کو دیکھنے لگیں جو ماں سے نظریں چرائے دوبارہ مطالعہ میں مصروف تھا اور پھر کمرے سے نکلتی ہوئی جھرنا کو دیکھتی رہیں اور پھر چند لمحے وہاں خاموش کھڑے رہنے کے بعد انھوں نے بھی واپس رسوئی میں جانا مناسب سمجھا۔

صبح ساڑھے سات بجے کی پرواز پر مشفق نے جب اپنی سیٹ پر بیٹھنے کے بعد کھڑکی سے باہر نظر دوڑائی تو اچانک اسے ڈھاکہ ایئرپورٹ اجنبی اجنبی سا لگنے لگا۔ بہت سے خیالات نے ایک دم اس کے ذہن پر دھاوا بول دیا۔

زندگی میں پہلی بار جہاز میں بیٹھا ہوں شاید اس لیے! اس کے ذہن میں خیال آیا جسے اس نے فوراً جھٹک دیا۔

ایئرپورٹ تو وہی ہے ناں جہاں سکول کالج کے زمانے میں، میں دوستوں کے ساتھ آیا کرتا تھا۔ جہازوں کو ٹیک آف اور لینڈنگ کرتے دیکھ کر ایک عجیب مسرت کا احساس ہوا کرتا تھا۔ میں اور میرے دوست جنگلے سے لگے ایک عجیب اور دلچسپ کھیل کھیلا کرتے تھے۔ ہم ان رنگ برنگے اڑتے لینڈ کرتے جہازوں کو خریدا کرتے۔ میں ہمیشہ پی آئی اے کے جہاز خریدنے میں پہل کیا کرتا کیونکہ مجھے ان کی سبز دم اور اس پر انگلش میں لکھا PIA بہت پسند تھا۔ ایک عجیب کشش ہوا کرتی تھی اس میں۔ ہم باقاعدہ ان جہازوں کا حساب رکھا کرتے تھے اور جس کی ایئرلائن میں سب سے زیادہ جہاز ہوتے وہ سیٹھ کہلاتا اور مہینے کے آخری اتوار کو وہ سب دوستوں کو قاضی علاؤالدین روڈ پر 'حاجی بریانی' کی مشہور زمانہ بریانی کھلایا کرتا تھا۔ اس کے بعد سب جہاز واپس ہو جاتے تھے اور اگلے ہفتے سے جہازوں کی نئی خریداری شروع ہو جاتی تھی۔

نہیں یہ یقیناً کوئی اور وجہ تھی۔

میں ڈھاکہ کو آبائی شہر کی حیثیت سے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جارہا ہوں شاید یہ وجہ ہے؟
لیکن شہر اور گھر تو جب بیٹیاں پرائی ہوتی ہیں تو وہ چھوڑ کر جاتی ہیں؟
مگر میں بھی تو پاکستان کو اپنانے کے لیے ڈھاکہ کو چھوڑ کر جارہا ہوں؟
اس کا مطلب ہے کہ بیٹی اور سپاہی دونوں اپنوں کو چھوڑ کر پرائے ہوجاتے ہیں؟
وہ دل ہی دل میں مسکرایا کہ چلو مجھے کم از کم یہ تو احساس ہوا کہ جب بیٹی پرائی ہوتی ہے تو اس کے کیا جذبات ہوتے ہیں۔

ایئر ہوسٹس نے پرواز کی روانگی کا اعلان کیا تو مشفق کے خیالات کا شیرازہ اچانک بکھر گیا اور آنکھیں اس فضائی میزبان پر جا ٹکیں جو مسافروں کو حفاظتی بند باندھنے کی تاکید کے علاوہ دیگر ہدایات سے آگاہ کر رہی تھی۔ مشرقی اور مغربی ڈیزائن کے حسین امتزاج سے تراشیدہ پستہ رنگ کے خوبصورت یونیفارم میں وہ بہت باوقار لگ رہی تھی لیکن مشفق کو یہ یونیفارم اپنی اس وردی کے سامنے معمولی نظر آئی جو وہ چند دنوں بعد پاکستان ملٹری اکیڈیمی کاکول جا کر پہننے والا تھا اور جس کے لیے اس نے گزشتہ کئی برسوں سے ان گنت خواب دیکھے تھے۔ جہاز نے آہستہ آہستہ رینگنا شروع کر دیا اور پھر یکا یک فضا میں بلند ہو گیا۔ یہ مشفق کے لیے ایک نیا تجربہ اور نئی دلچسپی تھی۔ اس نے جگہوں کو پہچاننے کی کوشش شروع کر دی۔ دھان منڈی، موتی جھیل، بیت المکرم اور کرمی ٹولہ چند مشہور جگہیں تھیں جن کو شناخت کرنے میں وہ کامیاب رہا اور اس کامیابی پر دل ہی دل میں بچوں کی طرح خوش بھی ہوا مگر کچھ جگہیں تلاش کرنے میں اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا مثلاً اسے اپنا گھر نہیں مل رہا تھا۔ کچھ لمحوں کے لیے اسے یوں لگا جیسے وہ کہیں کھو گیا ہو اور اس کی اماں بے حد پریشان ہیں۔ وہ اپنا کالج بھی نہ تلاش کر سکا اور ابا کا پرنٹنگ پریس تو وہ جب تک تلاش کرتا، جہاز ڈھاکہ شہر کی گنجان آبادی سے کوسوں دور جا چکا تھا۔

پرواز تقریباً دو گھنٹے کی تھی۔ پہلے مرحلہ میں اسے کراچی اترنا تھا اور پھر وہاں سے راولپنڈی کے لیے اگلی فلائٹ پکڑنی تھی۔ یہ سب جگہیں اس کے اپنے وطن پاکستان کی تھیں مگر اس کے لیے بالکل اجنبی تھیں۔ اس نے نصاب کی کتابوں اور اخبارات و رسائل میں مغربی پاکستان کے متعدد شہروں بارے پڑھا بھی تھا اور تصاویر بھی دیکھی تھیں مگر آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ابا کے ایک

دوست اسے بتا رہے تھے کہ 'شیکا لے کھوب ٹھانڈا لاگے بے' (وہاں بہت سردی ہوگی)۔ اس نے سردی کا ذکر صرف کتابوں میں ہی پڑھا تھا لیکن سردی سے سابقہ کبھی نہیں پڑا تھا۔ اچانک اس کا دھیان ایک بار پھر گھر کی جانب چلا گیا۔ رخصت ہوتے وقت اماں کا اداس چہرہ اور آنکھوں کی دہلیز پر ٹھہرے ہوئے آنسو جو شاید پتلیوں کی حرکت سے بھی گر جاتے اور پھر ساتھ میں نصیحتیں کہ اپنا خاص خیال رکھنا، وقت پر سونا، وقت پر اٹھنا۔ اسے ماں کی نصیحتیں یاد کرتے ہی ہنسی بھی آگئی اور اماں پر پیار بھی آیا۔ اتنا تو اسے بھی علم ہو گیا تھا کہ وقت اب اس کے ہاتھ میں نہیں رہا تھا بلکہ اب ساری زندگی اسے وقت کا تابع ہو کر رہنا تھا۔ پھر خیالات کا دھارا ابا کی طرف مُڑ گیا جن کی تربیت، شفقت اور راہنمائی نے اسے اس مقام تک پہنچایا۔ جب اتنی عزیز ہستیاں یاد آئیں تو وہ اپنی لاڈلی اور اکلوتی بہن ربابہ کو کیسے بھول سکتا تھا جو اس کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ یہ سوچ کر اس کا دل دھڑک اٹھا کہ اب ربابہ کو اکیلے رہنا ہوگا۔ جھرنا کی علاوہ اس کی کوئی اور سہیلی بھی تو نہیں تھی۔ پہلی دفعہ اسے محسوس ہوا کہ اس کا دل حلق میں آگیا ہے اور اس کے لیے آنسو روکنا مشکل ہو نگے مگر اس نے فوراً نم آنکھوں کو ہاتھوں کی پشت سے صاف کیا۔ ساتھ والی سیٹ پر ایک مغربی سیاح بیٹھا تھا جو کسی کتاب کے مطالعہ میں مشغول تھا۔ نہ ہی اس نے مشفق سے سوال جواب کیے اور نہ ہی مشفق کا دل چاہا کہ اس سے بات کرے۔ بند آنکھوں کے ساتھ نجانے کب رات بھر کا جاگا ہوا مشفق نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

مشفق کی آنکھ ایک جھٹکے سے اس وقت کھلی جب جہاز کے پہیوں نے رن وے کو چھوا۔ ایئر ہوسٹس نے اعلان کیا کہ وہ کراچی پہنچ چکے ہیں۔ کھڑکی سے باہر جھانکا تو دن کا پہلا پہر تھا اور غالباً دس بج رہے تھے۔ وہ پاکستان سے پاکستان آیا تھا مگر وقت کے فرق کے ساتھ ساتھ کراچی، ڈھاکہ کی ہیت سے یکسر مختلف تھا۔ کم از کم طرزِ تعمیر کی حد تک تو ایسا ہی نظر آ رہا تھا۔ راولپنڈی کے لیے منسلک پرواز تقریباً ایک گھنٹہ بعد تھی۔ مشفق کو پرواز پکڑنے کی فکر نہ تھی۔ اگر فکر تھی تو یہ تھی کہ راولپنڈی سے آگے ایبٹ آباد کیسے پہنچے گا۔ یہ سب جگہیں اس کے لیے اجنبی تھیں۔ نجانے لوگ کیسے ہو نگے! زبان سمجھ آئے گی بھی یا نہیں! میں تو اُردو سے مکمل نابلد ہوں۔ تھوڑی دیر کے لیے وہ گھر والوں اور ڈھاکہ کو بھول چکا تھا اور اسے منزل مقصود پر خیریت سے پہنچنے کی فکر پریشان کرنے لگی۔

اگلی منسلک پرواز کے لیے بورڈنگ کارڈ لے کر وہ لاؤنج میں پہنچا تو چند ہی مسافر نظر آئے۔ دفعتاً خیال آیا کہ یہ سب بھی تو پنڈی ہی جا رہے ہیں کیوں نہ ان میں سے ہی کسی معتبر شخص سے مدد لی جائے؟ مشفق نے کرسی پر بیٹھ کر ہر آنے والے مسافر کو جانچنا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد اسے ایک پرکشش خدوخال والا لمبا تڑنگا نوجوان ہاتھ میں سفری بیگ لیے لاؤنج میں داخل ہوتا نظر آیا۔ حلیہ اور تمکنت سپاہیانہ تھی اور عمر کوئی تیس برس کے لگ بھگ ہوگی۔ مشفق نے فوری طور پر اسی سے مدد حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مشفق کی خوش قسمتی کہ وہ نوجوان اس کے ساتھ والی کرسی پر ہی آ کر بیٹھا۔ اس نے وقت ضائع کیے بغیر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور تعارف کرایا۔ جواباً اس نے بھی محتاط مسکراہٹ کے ساتھ تعارف کرایا، ''میرا نام عمیر ہے۔''

''سر میں بنگالی ہوں اُردو میں بات نہیں کر سکتا۔'' مشفق نے لسانی معذوری ظاہر کی۔

''کوئی بات نہیں۔ بنگالی ہیں تو کیا ہوا، پاکستانی تو ہیں ناں آپ؟ چلیں ہم انگریزی میں بات کر لیں گے۔'' عمیر نے نسبتاً دوستانہ مسکراہٹ سے جواب دیا۔

''تھینک یو سر.... آپ نے میری مشکل حل کر دی۔'' مشفق نے اطمینان کا سانس لیا، ''دراصل میں مغربی پاکستان، زندگی میں پہلی دفعہ آیا ہوں سو تھوڑا پریشان ہوں۔ مجھے راولپنڈی کے بارے میں کوئی خاص علم نہیں ہے۔''

''اوہ!!! تو آپ پنڈی جا رہے ہیں؟'' عمیر بولا۔ دونوں کی گفتگو انگریزی میں جاری تھی۔

''نہیں سر جانا تو میں نے کاکول ہے مگر فی الحال میری پریشانی راولپنڈی پہنچنا ہے۔''

''کوئی بات نہیں میں ایبٹ آباد جا رہا ہوں۔ آپ کو حویلیاں ڈراپ کر دوں گا جہاں کاکول اکیڈیمی سے کیڈٹس کو لینے ٹرانسپورٹ اور سٹاف آیا ہوگا۔'' عمیر نے مشفق پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے اسے اطمینان دلایا۔

مشفق نے دل ہی دل میں عمیر سے متاثر ہوتے ہوئے سوچا اسے تو پوری جانکاری ہے۔ وہ نہ رہ سکا اور بولا، ''سر آپ ایبٹ آباد میں جاب کرتے ہیں؟''

''جی میں وہاں ایک آرگنائزیشن میں ملازم ہوں۔'' عمیر زیرلب مسکراتے ہوئے بولا۔ دوران پرواز بھی دنوں کی گپ شپ جاری رہی۔ جہاں عمیر مشرقی پاکستان کے متعلق نہایت دلچسپی سے معلومات حاصل کر رہا تھا وہاں مشفق بھی اب قدرے اطمینان محسوس کر رہا تھا کہ اللہ نے اس کی مشکل

آسان کر دی۔ اس پرواز کا دورانیہ بھی کم و بیش اتنا ہی تھا جتنا اسے ڈھا کہ سے کراچی پہنچنے میں لگا تھا۔ کوئی دوپہر دو بجے وہ چکلالہ ایئرپورٹ سے باہر تھے۔ عمیر نے ہی سواری کا بندوبست کیا اور نہایت خوشدلی سے مشفق کا سامان بھی گاڑی پر رکھوایا۔ اب بات چیت کم ہو رہی تھی اور مشفق زیادہ دلچسپی باہر کے نظاروں میں ظاہر کر رہا تھا۔ کوئی مقام زیادہ اچھا لگتا تو عمیر سے اس بارے پوچھ بھی لیتا اور عمیر بھی اسے جگہوں سے متعارف کراتے خوشی محسوس کر رہا تھا۔ اور یوں جی ٹی روڈ، ٹیکسلا، حسن ابدال، ہری پور دکھاتے دکھاتے حویلیاں آ گیا۔ عصر کا پچھلا پہر ہو رہا تھا۔ عمیر نے ڈرائیور کو گاڑی ریلوے سٹیشن کی طرف موڑنے کو کہا۔ سامنے فوجی ٹرک اور چست و چالاک باوردی عملہ کھڑا تھا۔ مشفق کو اپنے جیسے کچھ نئے کیڈٹس بھی نظر آئے جنھیں وہ سٹاف ہدایات دینے کے ساتھ ساتھ فوجی گاڑیوں میں سوار کرا رہا تھا۔ عمیر نے ذرا دور گاڑی روک کر مشفق سے اجازت چاہی جو اس کے اعلیٰ اخلاق سے اس کا پہلے ہی گرویدہ ہو چکا تھا۔ عمیر سے اس کا پتہ مانگا تو وہ مسکرا کر بولا، ''Dont worry young man I will find you۔'' (فکر مت کرو نوجوان میں تمھیں ڈھونڈھ لوں گا) اور خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

مشفق اپنے جثے سے زیادہ سامان کو تقریباً گھسیٹتا ہوا لے کر استقبالیہ کی جانب بڑھنے لگا۔ اب اسے ایک دوسری قسم کی فکر دامن گیر ہوئی کہ نجانے اس کے ساتھ کیسا سلوک ہو کیونکہ اس نے اس بارے بہت کچھ پڑھ اور سن رکھا تھا لیکن شومئ قسمت حویلیاں میں اس کے ساتھ ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ البتہ خوش اخلاق عملے نے اسے یہ احساس ضرور دلا یا کہ وہ اب 'فوج کے نرغے' میں آ چکا ہے لہٰذا اسے سستی ترک کرنی ہوگی۔ عملہ کے ایک فرد نے اس سے اُردو میں بات کرنے کی کوشش کی لیکن اچانک احساس ہوا کہ وہ اُردو نہیں بول سکتا تو ایک اور عہدیدار کو آواز دی جو بنگالی تھا۔ اس نے جب آ کر مشفق سے بنگلہ بھاشا میں بات کی تو اسے تسلی ہوئی کہ وہ اپنوں میں ہی ہے۔ مشفق کو بہت اچھا لگا جب عہدیدار نے اسے صاحب کہہ کر مخاطب کیا، اس کا کال لیٹر دیکھ کر کسی فہرست پر اس کا اندراج کیا۔ آخر میں اس کے سامان کی گنتی کر کے اسے ایک ٹرک میں سوار کرا دیا گیا جہاں اس جیسے دس پندرہ اور 'حواس باختہ' نوجوان سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ شاید ہی ان میں سے کوئی ایسا تھا جس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اس کھیپ میں اسے کوئی جانا پہچانا چہرہ دکھائی نہ دیا۔ پہاڑی راستہ بھی اس کے لیے ایک بالکل نئی چیز تھی۔ سرسبز پہاڑ اور ان کی ڈھلوانوں پر درخت ایک دل کھینچنے والا منظر پیش کر رہے تھے۔

کچھ دیر میں ٹرک ایبٹ آباد کی حدود میں داخل ہو گیا۔علاقے سے واقف ایک کیڈٹ بولا کہ ہم کاکول روڈ پر ہیں۔ مشفق کا دل جیسے اچھل کر حلق میں اٹک گیا ہو۔ اس نے سن رکھا تھا کہ سینئر کیڈٹس نئے 'مہمانوں' کی اچھی خاصی درگت بناتے ہیں۔

اکیڈیمی پہنچنے تک سورج غروب ہو چکا تھا۔ جونہی ٹرک گیٹ سے داخل ہو کر رکا تو سینئر کیڈٹس کے ایک غول نے اسے گھیر لیا اور وہ دہاڑنا شروع کیا کہ اللہ کی پناہ۔ ہر کوئی بلند آواز سے نئے آنے والوں کو بالکل منفرد قسم کی صلواتیں سنانے کے ساتھ ساتھ ان نئے شکاروں کو عجیب و غریب القابات اور ناموں سے پکار رہا تھا۔ٹرک میں ہی سے ایک مضبوط دل والا نیا کیڈٹ نہ صرف ہنس رہا تھا بلکہ باقی ساتھیوں کو بھی اطلاع دے رہا تھا کہ بیٹا! برے وقت کے لیے تیار ہو جاؤ۔نہ صرف شدید رگڑا تمھارا منتظر ہے بلکہ اگر تمھیں آج رات کو کوئی سونے بھی دے تو بہت غنیمت ہوگی۔حوالدار کے عہدے کے چند فوجی دل دہلا دینے والی دہاڑ کے ساتھ نئے آنے والوں کی میس کے سامنے قطاریں بنوا رہے تھے جبکہ سینئر کیڈٹس شکاری عقابوں کی طرح ہنوز ان کے اردگرد منڈلا رہے تھے۔خوفناک نتائج بھگتنے کی دھمکیاں دی جارہی تھیں اور ابتدائی کارروائیوں سے فراغت کے بعد رپورٹ کرنے کو کہا جارہا تھا۔اپنی اپنی دستاویزات پکڑے تمام کیڈٹس باری باری میس میں جارہے تھے اور جو اندر سے فارغ ہو کر نکلتا اسے ایک کونے میں کھڑے سول لباس میں موجود خدمت گاروں میں سے ایک کے حوالے کر دیا جاتا۔ مشفق کی باری میں ابھی کچھ دیر تھی۔اس کی قطار کے اردگرد منڈلانے والے سینئرز میں سے ایک نے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اونچی آواز میں پوچھا، ''پور بو پاکستانہ کُن کیڈٹ آئے چھے؟'' (کیا مشرقی پاکستان سے کوئی کیڈٹ آیا ہے؟)

مشفق کو یوں لگا جیسے موتی جھیل کے علاقے میں گھومتے ہوئے اس کے کسی دوست نے آواز دی ہو۔وہ نہ رہ سکا اور بے اختیار بول اٹھا، ''آمی....آمی۔'' (میں....میں)۔

وہ کیڈٹ آگے جاتے جاتے رک گیا اور اس کے پاس آکر نہایت نرمی سے بولا، ''رِکلتھانی پاڑے آپنی امار شاتھے دیکھے (تم مجھے رجسٹریشن سے فارغ ہو کر ملنا)۔''

مشفق نے سکھ کا سانس لیا کہ بس اب اس کی زندگی میں سکون ہی سکون ہوگا۔ یہاں سے فارغ ہو کر کمرے میں جاؤں گا اور جی بھر کر نیند پوری کروں گا۔فروری میں کاکول کی یخ بستہ ہواؤں اور منجمد کر

دینے والی سردی نے اس کی قلفی جما دی تھی۔ ایسے میں کسی ہم وطن کی موجودگی خون کو گرما دینے کے لیے کافی تھی۔

اندر کچھ میزوں پر نہایت سمارٹ کیپٹن اور میجر رینک کے افسران بیٹھے تھے جو آنے والے کیڈٹس سے ان کی دستاویزات وصول کر رہے تھے۔ ان سے کچھ سوالات پوچھتے اور پھر انھیں ایک سلپ تھما دیتے۔ مشفق جب اندر داخل ہوا تو جس میز پر اسے بھیجا گیا وہاں موجود افسر کو دیکھ کر وہ تو جیسے غش کھا کر گرنے لگا۔ سامنے عمیر کپتان کی وردی میں بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ مشفق سب ادب آداب بھول گیا۔ جب کیپٹن عمیر کے سامنے پہنچا تو اس نے نرم لہجے میں ٹوکا،

''Mushfiq! you are supposed to be at attention and say Asalam o Alakum Sir.''

(مشفق تمھیں السّلامُ علیکم سر کہنا اور اٹینشن کھڑا ہونا چاہیے تھا۔)

اسے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا اور گڑبڑاتے ہوئے سلام کر کے مضحکہ خیز انداز میں اٹینشن ہو گیا۔

''لائیے اپنے کاغذات دیجیے۔''

مشفق نے آگے جھک کر کاغذات بڑھائے جن پر عمیر نے سرسری نظر ڈالکر انھیں احتیاط سے ایک فائل میں رکھ لیا اور مشفق کو ایک سلپ دیتے ہوئے کہا، ''آج سے آپ جنٹلمین کیڈٹ مشفق الاسلام ہیں۔ آپ کی سیکنڈ پاکستان بٹالین ہے اور آپ کو اورنگ زیب کمپنی کی فرسٹ پلاٹون الاٹ کی جارہی ہے۔ آپ کا جی سی نمبر یعنی جنٹلمین کیڈٹ نمبر بھی اس پر لکھا ہے۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔''

مشفق کو بھی باہر جانے کی جلدی تھی۔ باہر آ کر ادھر ادھر نظر دوڑائی تو ایک عجیب ہنگامہ نظر آیا۔ کہیں کوئی مرغا بنا ہوا تھا تو کوئی سینئر کے حکم پر مرغ کی طرح اذان دینے میں مصروف تھا۔ کوئی اجلے کپڑوں کے ساتھ زمین پر رینگ رہا تھا تو کسی کو درخت پر چڑھنے کا حکم مل رہا تھا۔ عجیب افراتفری اور سراسیمگی کا عالم تھا۔ ایسے میں اگر کوئی ہنس رہا تھا یا قہقہے لگا رہا تھا تو وہ صرف اور صرف سینئر کیڈٹس تھے جبکہ عہدیدار جنھیں سٹاف کے نام سے پکارا جا رہا تھا، زیر لب مسکرا رہے تھے۔ مشفق کو جو خدمت گار ملا وہ سامان اٹھا ہی رہا تھا کہ وہی بنگالی کیڈٹ آن پہنچا جس نے مشفق کو ملنے کو کہا تھا۔ اس نے مشفق سے سلپ لے کر کچھ پڑھا اور بولا آؤ تمھیں تمھاری بیرک تک چھوڑ آؤں۔ اس نے بیرے کو بیرک نمبر بتا کر پہلے پہنچنے کا کہا۔

کچھ دور چلنے کے بعد مشفق کو احساس ہوا کہ وہ کیڈٹ اسے بیرکوں سے دور لیجا رہا ہے۔ اس غریب کی شامت آئی تھی جو اس سے بنگالی میں پوچھ بیٹھا، ''ہم کدھر جا رہے ہیں؟''

''تمھاری جرأت کیسے ہوئی کہ مجھ سے سوال کرو؟ اور تمھیں کس نے اجازت دی کہ مجھ سے بنگالی میں بات کرو؟ کسی بھی سینئر سے جب بھی بات کرو تو چغد انسان انگریزی اور صرف انگریزی میں بات کرو۔''

''سر! آپ نے بنگالی بولی تو میں نے بھی بنگالی میں جواب دیا۔''

''شٹ اپ۔'' وہ کیڈٹ دہاڑا، ''میں سنیئر ہوں جس بھاشا میں چاہوں گا بات کروں گا لیکن تم صرف اور صرف انگریزی میں بات کرو گے۔

Do you understand?۔''

''یس سر۔'' مشفق نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

'' At the top of your voice, bloody fool (بے وقوف اونچی آواز میں)۔'' وہ سینئر ایکبار پھر غصّے سے چیخا۔ مجبوراً مشفق کو بھی اسی قدر اونچی آواز میں چیخ کر یس سر کہنا پڑا۔ اچھے خاصے رگڑے کے بعد وہ سینئر اسے اس کی بیرک تک چھوڑنے گیا اور نصیحت کی کہ یہاں سنیئر سینئر ہوتا ہے، نہ دوست اور نہ ہی رشتہ دار۔ کوئی سینئر ہنس کر بات کرے تو اپنی جگہ ہرگز نہیں چھوڑنی وغیرہ وغیرہ اور پھر جاتے جاتے اپنا نام بتا گیا کہ وہ جی سی زین الہدیٰ ہے۔ مشفق کا حلیہ خاصا بگڑ چکا تھا اور لباس کی تو نہ ہی پوچھیے۔ جونہی وہ بیرک میں داخل ہوا تو ایک اور کیڈٹ کو پہلے سے موجود پایا۔ پاس ہی خدمت گار موجود تھا۔ دونوں کیڈٹس ایک دوسرے کو دیکھ کر جیسے بدک گئے ہوں اور ایک ساتھ چیخ اٹھے، ''السلام علیکم سر۔'' خدمت گار کی ہنسی چھوٹ گئی۔ انھوں نے جب حیران ہو کر اس کی جانب دیکھا تو اس نے انھیں بتایا کہ وہ دونوں ایک ہی بیچ کے ہیں اور اس بیرک میں روم میٹ ہیں۔ پاس آؤٹ ہونے تک وہ اکٹھے رہیں گے۔ دونوں نے اطمینان کا سانس لیا اور آپس میں مصافحہ کیا اور اپنا اپنا تعارف کرایا۔ میرا نام مشفق الاسلام ہے۔ اور میں بابر حمید۔ اس کے بعد اپنے خدمت گار انور سے پوچھا کہ کیا اس وقت کچھ کھانے کو مل سکتا ہے تو اس نے نفی میں سر ہلایا اور اگلی بریفنگ دی، ''صاب! میس وقت پر کھلتا ہے مگر کم از کم ایک ہفتہ سینئر آپ کو میس کی شکل نہیں دیکھنے دیں گے۔ آپ کو فروٹ شاپ کے فروٹ، ملک شیک اور کیفے کے گلاب جامنوں پر گزارہ کرنا ہوگا۔ دوسری بات سینئر آپ کو وقت بے

وقت آ کر دھمکائیں گے لیکن آپ نے دروازہ نہیں کھولنا۔ گُر کی بات یہ ہے کہ فوج میں کوئی آپ سے ایک انچ کے فاصلے پر تو آ سکتا ہے لیکن آپ کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ سو اگر آپ بے وقت دروازہ کھولتے ہیں تو خود مصیبت کو آواز دیتے ہیں۔ جب تک مکمل نفری نہیں آ جاتی کورس تو شروع نہیں ہوگا لیکن آپ کو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کوئی نہیں بیٹھنے دے گا۔ صبح منہ اندھیرے ڈرل والے سٹاف بیرکوں کے سامنے چیخنا شروع کر دیں گے اور آپ کو سول کپڑوں میں فوراً باہر رپورٹ کرنی ہوگی۔ وہ آپ کو ڈرل مارچ کی پریکٹس کروائیں گے۔ ایک آدھ روز میں آپ لوگوں کو یونیفارم۔ پی ٹی کٹ اور جھولا چمڑا (دیگر فوجی سامان) ایشو ہو جائے گا۔ آپ کا کورس بائیس فروری سے شروع ہوگا اور آہستہ آہستہ آپ اس روٹین کے عادی ہو جائیں گے۔ صاب آپ لوگوں کا کچھ سامان مثلاً تھرماس، گلاس جگ وغیرہ لانے ہیں مجھے کچھ پیسے دے دیں تا کہ صبح آتے ہوئے لے آؤں۔ اگر کہیں تو کچھ کھانے کے لیے بھی لے آؤں گا۔ جب وقت ملے کہیں چھپ کر کھا لیجیے گا۔ اب رات کافی ہو گئی ہے، جتنا موقع ملے سو لیں غنیمت ہے۔ میں جا رہا ہوں کنڈی لگا لیں۔'' انور انھیں لیکچر اور ہدایات دے کر چلا گیا۔

دونوں نوجوان باہمت تھے لیکن اکیڈیمی پہنچ کر ہونے والے استقبال سے خاصے سہمے ہوئے تھے۔ اپنا خوف دور کرنے کے لیے انھوں نے اپنا اپنا مفصل تعارف کرانا مناسب سمجھا۔ بابر کو جلد احساس ہو گیا کہ اس کا روم میٹ بنگالی ہے اور اُردو بولنا اس کے لیے خاصا مشکل ہے چنانچہ انھوں نے انگریزی کو ذریعہ گفتگو بنانا مناسب سمجھا۔ بابر نے اسے بتایا کہ اس کا تعلق لاہور سے ہے اور اس کے والد کا دوائیوں کا روبار ہے۔ وہ دو ہی بہن بھائی ہیں اور بہن کا نام مائرہ ہے۔ مشفق نے اسے بتایا کہ عجیب اتفاق ہے کہ اس کے والد کا بھی پرنٹنگ کا کاروبار ہے اور وہ بھی دو بہن بھائی ہیں۔ جبکہ اس کی بہن کا نام رُبابہ ہے۔ دونوں کچھ دیر باتیں کرتے رہے اور پھر سونے کے لیے بستروں میں گھس گئے یہ الگ بات تھی کہ کاکول کی سردی مشفق کے چودہ طبق روشن کیے ہوئے تھی۔ خون منجمد کر دینے والی ایسی سردی نہ کبھی دیکھی نہ سنی۔ بستر میں گھستے ہی اسے گھر کی یاد ستانے لگی؛ اماں، ابا اور ربابہ اور ان کے مسکراتے چہرے ایک ایک کر کے فلم کی طرح نظروں کے سامنے آتے رہے اور بے اختیار مشفق کی آنکھوں سے جاری آنسوؤں نے تکیہ گیلا کر دیا۔ اسے جاگے اور سفر کرتے مسلسل اکیس گھنٹے ہو چکے تھے، نجانے کب وہ خوابوں کی دُنیا میں چلا گیا۔

اگلی صبح اکیڈیمی میں ان دونوں کا پہلا دن تھا۔ ابھی ٹریننگ شروع ہونے میں دو چار دن تھے لیکن یہ دن بھی کوئی ایسے سہانے نہ تھے۔ یہ فوج کی تربیت کا حصہ تھا کہ کیڈٹس کو آرام سے ہرگز نہ بیٹھنے دو۔ چنانچہ منہ اندھیرے اگر وہ ڈرل سٹاف کے ہتھے چڑھتے تو کچھ دیر بعد پی ٹی سٹاف آن گھیرتا۔ ناشتے کے وقت سینئرز ان کا ناک میں دم رکھتے۔ شروع کے دن تھے کبھی وردی کا ناپ دینے جا رہے ہیں تو کبھی کٹ کا سامان ایشو ہو رہا ہے۔ کہیں جوتے وصول ہو رہے ہیں تو کبھی اکیڈیمی کے بلیزر کا ناپ دیا جا رہا ہے۔ غرضیکہ دن بھر کے تھکے ہارے جب شام بیرک میں پہنچتے تو سوائے سونے کے اور کچھ دل نہ کرتا۔ انھیں خوب معلوم تھا کہ میس میں کھانا کھانے کی جرأت کرنا ایک نہایت بھیانک خواب ہے سو ہفتہ ڈیڑھ تو انھوں نے کیفے کے گلاب جامنوں اور ملک شیک پر ہی گزارا کیا لیکن آخر کب تک؟ رفتہ رفتہ انھوں نے ہمت پکڑی کچھ ادھر ادھر سے داؤ پیچ بھی سیکھ لیے اور جب تک کورس شروع ہوتا حالات قدرے بہتر ہو چکے تھے۔

مشفق کو ابھی تک گھر خط لکھنے کا وقت نہیں ملا تھا فون کرنا تو دور کی بات تھی۔ اسے سب بے حد یاد آ رہے تھے خصوصاً جس روز ڈرل گراؤنڈ میں اس نے پریڈ کے لیے پہلی دفعہ رائفل اٹھائی تو بے پناہ فخر محسوس کیا۔ وہ بچپن سے اس دن کا خواب دیکھ رہا تھا اور رائفل تھری ناٹ تھری اٹھا کر اسے یوں محسوس ہوا جیسے پورے پاکستان کی حفاظت کا ذمہ اسے سونپ دیا گیا ہو۔ اس نے اکیڈیمی کے

فوٹوگرافروں نواب صاحب اور خان صاحب سے ان لمحات اور بعد کے کئی یادگار لمحات کی تصاویر بھی بنوائیں۔اکیڈیمی میں پہلا ویک اینڈ آیا تو اس نے اور بابر نے بیرک کی بتیاں گل کر کے باتھ روم میں بیٹھ کر اپنے اپنے گھر والوں کو خط لکھے اور ساتھ میں اکیڈیمی میں اپنی وردی والی تصویریں بھیجنا نہ بھولے۔گھر جانا تو دور کی بات،شروع کے دنوں میں تو وہ سوائے اکیڈیمی کے کہیں بھی نہیں جا سکتے تھے، حتیٰ کہ ایبٹ آباد بھی نہیں۔اور یہ پابندی اس وقت تک تھی جب تک وہ سیلوٹنگ ٹیسٹ پاس نہ کر لیتے۔ ہاں البتہ ان کے گھر والے ضرور انھیں ملنے آسکتے تھے۔دونوں نے سوچا کہ سیلوٹنگ ٹیسٹ کونسی بڑی بات ہے لیکن جب ڈرل سٹاف سے پالا پڑا تو امیدیں خاک میں مل گئیں۔خصوصاً سٹاف عبدالرحمٰن کی دھمکی،''صاب اگر ڈرل ٹیسٹ پاس نہ کیا تو آپ کو کمیشن ملنے کے بعد بھی گھر نہیں جانے دوں گا۔'' وہ تو آہستہ آہستہ جب باقی کیڈٹس کی طرح یہ دونوں بھی پی ایم اے کے شب و روز سے واقف ہوئے تو انھیں احساس ہوا کہ یہ دھمکیاں ان کے اساتذہ کی نفسیاتی جنگ کے داؤ پیچ تھیں۔جب مشفق کو گھر سے پہلا خط موصول ہوا تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔اماں، ابا اور ربابہ تینوں نے خاصے مفصل خط لکھے اور اس کی تصویروں کی بے حد تعریف کی تھی۔

وقت کے ساتھ ساتھ مشفق اور بابر کی دوستی مضبوط ہو رہی تھی۔دونوں کاکول کی زندگی اور سخت تربیت کے عادی ہوتے چلے جا رہے تھے۔غالباً یہ ان کا کاکول میں تیسرا ہفتہ تھا اور چھٹی کا روز تھا۔دوپہر کا وقت تھا اور دونوں اپنے کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ایک ڈیوٹی کیڈٹ نے آ کر بابر کو خبر کی کہ اس کے گھر والے اسے ملنے آئے ہیں۔بابر کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔وہ فوراً اس کیڈٹ کے ساتھ چل دیا۔مشفق کے لیے یہ لمحہ بے حد اداس کر دینے والا تھا۔اسے شدید تنہائی کا احساس ہوا۔ خیال آیا کہ اگر آج اس کے گھر والے بھی کہیں قریب ہوتے تو اسے ضرور ملنے آتے۔ بیرک کے دروازے کی جانب نظر اٹھائی اور تصور ہی تصور میں رُبابہ کو دروازے پر کھڑا مسکراتا پایا۔یہ اتنا بھرپور تصور تھا کہ وہ نہ رہ سکا اور بے اختیار اٹھ کر دروازے کی جانب لپکا لیکن اچانک جیسے اس کی لاڈلی بہن کہیں چھپ گئی۔بے اختیار اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔واپس پلنگ پر نیم دراز ہو کر اس نے تکیے کے نیچے سے گھر والوں کے خطوط نکالے اور انھیں پڑھنا شروع کر دیا۔تھوڑی دیر گزری تو بابر واپس کمرے میں آیا۔مشفق بے حد حیران ہوا کہ وہ اتنی جلدی کیوں واپس آ گیا۔

''بابر! تم اتنی جلدی واپس آ گئے؟ کیا گھر والے چلے گئے؟''

''نہیں مشفق وہ بیٹھے ہیں۔ باتوں باتوں میں تمھارا ذکر آیا اور میں نے بتایا کہ میرا روم میٹ ڈھاکہ سے ہے تو امّی ناراض ہوئیں کہ میں تمھیں کیوں نہیں لے کر آیا۔ مجھے بھی احساس ہوا کہ میں خوشی میں بھول گیا۔ I am Sorry buddy۔ چلو اٹھو میرے ساتھ چلو۔ سب تمھارا انتظار کر رہے ہیں۔''

''ارے نہیں بابر It's ok تم انجوائے کرو میں خوامخواہ تم لوگوں کو ڈسٹرب کروں گا۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ امّی نے حکم دیا ہے کہ تمھیں لے کر آؤں، چلو اٹھو۔''

مشفق بھی تکلفاً انکار کر رہا تھا وگرنہ دل اس کا بھی چاہ رہا تھا کہ بابر کے گھر والوں سے ملے اور دیکھے کہ ملک کے اس حصے کے لوگ کیسے ہیں۔ دراصل یہ اس کے لیے پہلا موقع تھا کہ وہ کسی مغربی پاکستانی فیملی سے ملتا۔ سن بہت رکھا تھا لیکن کبھی ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ دونوں باتیں کرتے کیفے ٹیریا پہنچے تو مشفق نے بابر کے گھر والوں کو منتظر پایا۔ وہ اسے بے حد تپاک سے ملے۔ خصوصاً بابر کی امّی اسے بے حد شفقت سے ملیں، ایسے میں اسے اماں بہت یاد آئیں۔ بابر کے امّی ابو نے اسے اپنے درمیان بٹھایا۔ بابر اور مائرہ بالکل اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ چاہتے ہوئے بھی وہ انسانی فطرت کا اصول نظر انداز نہ کر سکا اور دو تین بار مائرہ پر سرسری نگاہ ڈالی، مگر ساتھ ہی خود کو دل ہی دل میں ملامت بھی کر ڈالی۔ مائرہ کی شخصیت نے اسے بے حد متاثر کیا۔ خاص طور پر اس کی گوری رنگت اور سرمئی آنکھوں نے۔ ایک آدھ مرتبہ تو اس نے مائرہ کو بھی اپنا جائزہ لیتے پایا تو شرمندہ ہو کر نظریں چرا لیں۔ بابر کے والدین نے مشفق سے اس کے گھر والوں کے بارے نہایت تفصیل سے پوچھا اور انھیں سلام پہنچانے کو بھی کہا۔ بابر نے فوٹو گرافر کو کہہ کر کیفے میں گروپ فوٹو بھی بنوائے۔ نجانے کیوں مشفق کو تصویریں بنائے جانے پر بے حد مسرت ہوئی اور اسے اسی وقت سے تصویروں کے پرنٹ تیار ہونے کا انتظار شروع ہو گیا۔

''مجھے بنگلہ زبان سیکھنے کا بہت شوق ہے۔'' اچانک مائرہ نے موضوع تبدیل کیا۔ مشفق گڑبڑا گیا۔ اسے کچھ سمجھ نہ آئی کہ کیا جواب دے کہ فوراً بابر نے اس کی مدد کی، ''ہم سب مشفق سے بنگالی بھاشا سیکھیں گے۔ کیوں مُش؟''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔ میں آپ کو بنگلہ سیکھاؤں گا اور آپ لوگ مُزے (مجھے) اُردو اور پونجابی (پنجابی) سیکھائے۔'' مشفق نے ٹوٹی پھوٹی اُردو میں بات کرنے کی کوشش کی اور سب نے ایک

زوردار قہقہہ بلند کیا۔ گھر سے دور، گھر کے ماحول کو ترسنے والے مشفق کا دل چاہا کہ وہ لوگ نہ جائیں اور یونہی محفل جمی رہے، لیکن یہ ملٹری اکیڈیمی تھی جہاں خوشیاں چند لمحوں کی، اور آزمائشیں مستقل ہوتی ہیں۔ یہی چیز زیرتربیت کیڈٹس کو کندن بناتی ہے۔ شام ڈھلنے لگی تو بابر کے گھر والے رخصت ہوئے اور یہ دونوں بھی بیرک کو لوٹے۔ اس کے بعد بھی بابر کے گھر والے گاہے بگاہے آیا کرتے اور ان ملاقاتوں نے مشفق کو ان لوگوں کے اور نزدیک کر دیا۔ ڈھاکہ سے بھی کوئی خط آتا تو بابر کے گھر والوں کے لیے خصوصی سلام بھجوایا جاتا۔ ایک دفعہ تو ناہیدہ بیگم نے ان کا لاہور کا پتہ بھی مانگا جو انھیں دے دیا گیا۔

جس روز دونوں نے سیلوٹنگ ٹیسٹ پاس کیا اس دن دونوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ خصوصاً بابر کے تو پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے کیونکہ وہ اب ویک اینڈ پر گھر جا سکتا تھا۔ اس نے جب اپنی خوشی کا اظہار مشفق سے کیا تو جواباً اسے خاموش اور اداس پایا۔ اسے خاصی حیرانگی ہوئی۔

''مُش! یار تم میرے جانے سے خوش نہیں ہو یا کوئی اور وجہ ہے؟''

''نہیں بابر میں بہت خوش ہوں۔ بس دل میں خیال آیا کہ اکیڈیمی میں میرے سب سے قریب تو تم ہو۔ ہم دونوں صبح شام ساتھ رہتے ہیں۔ تم جاؤ گے تو میں ویک اینڈ پر کیا کروں گا؟ میرا گھر بھی نزدیک ہوتا تو میں بھی ویک اینڈ پر چلا جاتا۔''

''بہت افسوس کا مقام ہے مُش۔ کیا تم مجھے اپنا بھائی نہیں سمجھتے؟''

''بالکل سمجھتا ہوں باب....''

''....تو پھر کیا میرا گھر تمھارا گھر نہیں ہے؟'' بابر اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا، ''میرا تو پہلے ہی پلان تھا کہ تمھیں بھی ہر ویک اینڈ پر ساتھ لے کر جایا کروں گا اور جتنا لاہور گھما سکتا ہوں گھماؤں گا۔''

مشفق کا چہرہ یک لخت کھل اٹھا لیکن وجہ خود اسے بھی معلوم نہیں تھی کہ آیا لاہور جانے کی خوشی تھی یا کوئی اور وجہ تھی۔ وہ ایکدم اٹھا اور بے اختیار بابر کو گلے لگا لیا۔

ایک روز کی چھٹی کیا خاک چھٹی ہوتی ہے لیکن یہ کمال بھی صرف وردی والوں کا ہی ہے کہ وہ ایک دن کا بھی ایسا مصرف نکالتے ہیں کہ کسی نے کیا دیکھا اور کیا سنا ہوگا۔ جو اکیڈیمی میں رہے ہوں انھیں علم ہے کہ کیڈٹس ایسے لمحات میں کیسے وقت بچاتے ہیں اور یہ سب طور طریقے انھیں ڈانٹ اور رگڑے کے ساتھ سینئرز سے وراثت میں ملتے ہیں۔ کسی ایک شہر کو جانیوالے دس بارہ کیڈٹس پوری ویگن یا کوسٹر بک

کرواتے ہیں اور یوں وقت کی بچت کے ساتھ ساتھ وقت بھی اچھا کٹتا ہے۔ مختصر یہ کہ دونوں دوست لاہور گئے اور بابر نے اپنے دوست کی آؤ بھگت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ جس روز پہنچے اسی روز رات کھانے کے بعد وہ مشفق کو لے کر لاہور گھمانے نکل گیا۔ اگلے روز صبح ناشتے پر سب اکٹھے ہوئے تو بابر کی امّی نے بیٹے سے گلہ کیا کہ اس نے اپنے دوست کو گھر والوں کے ساتھ تو بیٹھنے ہی نہیں دیا۔ حمید صاحب نے مشفق سے مشرقی پاکستان کی سیاسی صورتحال پر سیر حاصل گفتگو کی اور جب انھیں علم ہوا کہ مجیب الرحمان سے قریبی خاندانی تعلقات کے باوجود بدرالاسلام کا کنبہ کٹر محب وطن پاکستانی ہے تو انھیں خوشگوار حیرت ہوئی۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ مائرہ نے اس مختصر وقت میں ایسا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا جب وہ سب ملکر بیٹھے ہوں اور وہ موجود نہ ہو۔ ان لمحات میں وہ بھی مشفق سے اپنی دلچسپی کے سوالات پوچھتی رہی اور مشفق بھی نہایت گرمجوشی اور اپنائیت سے جواب دیتا رہا۔ ناشتے کی میز پر کیا بیٹھے کہ وقت کا پتہ ہی نہ چلا اور آدھا دن بیت بھی گیا اور ان لوگوں کی واپسی کا وقت ہو گیا۔ کسی کا بھی دل نہیں کر رہا تھا کہ یہ محفل برخاست ہو۔ گھر سے خدا حافظ کر کے نکلے تو مشفق کو یوں محسوس ہوا کہ وہ شاید کچھ چھوڑ کر جا رہا ہے۔ تمام راستہ وہ خاموش رہا اور بابر کے گھر والوں کے ساتھ گزارا مختصر وقت یاد کرتا رہا۔ وہ رات اکیڈیمی واپس پہنچے اور اگلے روز سے پھر اسی کٹھن تربیت کے شب و روز تھے لیکن مشفق وقت نکال کر گھر والوں کو کوخط لکھنے اور اس میں بابر کے گھر والوں سے ملاقات کا احوال لکھنا نہ بھولا۔ بابر کی فیملی باقاعدگی سے ہر پندرہ روز بعد اکیڈیمی کا چکر لگاتی اور پورا دن ان دونوں کے ساتھ گزارتی۔ کبھی کبھار تو وہ ایبٹ آباد کے گردونواح میں ٹھنڈیانی، الیاسی مسجد وغیرہ کی سیر کو بھی نکل جاتے۔ بابر کی فیملی کا ہر دورہ مشفق کے دل و دماغ پر انمٹ نقوش چھوڑ دیتا تھا۔ بابر کی والدہ کو مشفق کی پسندیدہ ڈشوں بارے علم ہو چکا تھا، سو وہ بابر کے ساتھ ساتھ اس کے لیے بھی کچھ نہ کچھ بنا کر لانا نہ بھولتیں۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور پھر ٹریننگ کا نصف عرصہ ختم بھی ہو گیا۔ حسب دستور کیڈٹس کو پندرہ دن کی مڈٹرم بریک (Mid Term Break) ملی۔ مشفق کشمکش کا شکار تھا کہ ڈھاکہ جائے یا یہیں رہے۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ اس کا دل بٹ سا گیا ہے جو ڈھاکہ جانے پر بھی مائل ہے اور لاہور بابر کے ساتھ جانے کے لیے بھی مچل رہا ہے۔ اس کے ساتھی بنگالی کیڈٹس میں سے بیشتر نے مشرقی پاکستان جانے کا پروگرام بنا رکھا تھا سو مجبوراً اسے بھی پروگرام بنانا پڑا۔ اور پھر وہ دن آ گیا جب وہ

جنٹلمین کیڈٹ کی حیثیت سے اپنے گھر والوں سے ملنے ڈھاکہ جا رہا تھا۔

اکیڈمی سے نکلتے وقت وہ بابر سے نہایت گرمجوشی سے بغلگیر ہوا اور بولا، ''بوبی! یار میرا دل نہیں کرتا تمھیں چھوڑ کر جانے کو۔ جتنی تم نے مجھے محبّت دی ہے، اگر میرا سگا بھائی بھی ہوتا تو شاید وہ بھی مجھے اتنا پیار نہ کرتا۔''

''کیا بات کرتے ہو مُش؟ تم خود بھی تو ایک خوبصورت دل کے مالک ہو اور مجھے فخر ہے کہ تم میرے لیے بھائیوں سے بھی بڑھ کر ہو۔''

دونوں نے ایک دوسرے کو خیر باد کہا اور اپنی اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔ نجانے کیوں مشفق کو بابر کے اس جملے میں اداسی جھلکی نظر آئی کہ مجھے فخر ہے کہ تم میرے لیے بھائیوں سے بھی بڑھ کر ہو۔ کراچی پہنچنے تک مشفق کا دل لاہور میں اٹکا ہوا تھا لیکن جونہی جہاز نے کراچی سے پرواز کی تو اچانک اس کے خیالات کا دھارا، منتظر والدین اور راہ دیکھتی لاڈلی بہن ربابہ کی جانب منتقل ہو گیا۔

جہاز کے کپتان نے ڈھاکہ کی آمد کا اعلان کیا تو مشفق یکدم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ سوچنے لگا کہ اماں ابا کو کیسے ملوں گا۔ ویسے ہی جیسے پہلے کالج کا کھلنڈرا شفو ملا کرتا تھا یا پھر ایک چاک و چوبند اور ذمہ دار فوجی کی طرح؟ دل نے کہا انھیں ویسے ہی ملنا جیسے پہلے ملا کرتے تھے۔ وہ تمھارے والدین ہیں کوئی فوجی پلٹن کے ساتھی نہیں لیکن دماغ نے متنبہ کیا کہ نہیں.... انھیں پتہ چلنا چاہیے کہ تم اب پاک فوج کے ایک جوان ہو جس کی زندگی میں تربیت ایک واضح تبدیلی لا رہی ہے اور اس سے تمھارے لیے ان کی محبّت میں قطعی کوئی فرق نہیں آئے گا بلکہ تمھیں اس روپ میں دیکھ کر ان کا سر فخر سے بلند ہوگا۔ بالآخر اس نے دماغ کی سننے کا فیصلہ کر لیا۔

جہاز کی سیڑھیاں اترتے سمے اس کی متجسس آنکھوں نے گھر والوں کو ریلنگ سے لگے دیکھ لیا۔ جی سی مشفق کا سینہ ایک دم پھول گیا اور چال میں وقار و تمکنت شامل ہو گئی۔ لاؤنج میں پہنچنے پر رُبابہ نے بھاگ کر بھائی کو گلے لگایا۔ وہ ماں اور ابا سے بھی فرداً فرداً محبّت سے ملا اور سب نے ایک بات نوٹ کی کہ یہ وہ شفو نہیں تھا جو انھیں چھوڑ کر گیا تھا، صرف تین ماہ ہی تو ہوئے تھے اسے اکیڈیمی گئے اور اس مختصر سے عرصہ میں وہ کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ سادہ لوح ناہیدہ بیگم نہ رہ سکیں اور بے ساختگی سے بول اٹھیں، ”اورے خدا! امار چلے رے کی ہوئے چھے؟“ (یا اللہ! یہ میرے بیٹے کو کیا ہو گیا ہے)۔ سب بیساختہ ہنس پڑے اور بدر میاں بولے، ”اونشپا پاکھی (معصوم چڑیا)! تمھارا بیٹا اب ایک سپاہی ہے۔“

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن دیکھو تو.... فوج والوں نے میرے لال کے بالوں کا کیا حشر کر دیا ہے۔'' ناہیدہ نے ہلکا سا احتجاج کیا۔ ایک مرتبہ پھر سب کا زوردار قہقہہ بلند ہوا اور سب لاؤنج سے نکل کر گھر کے لیے روانہ ہو گئے۔

گھر میں گویا عید کا سا سماں تھا۔ بقول ربابہ کے اس ننھے سے گھر کی رونقیں واپس آ گئی تھیں۔ وہ مشفق کو بتانے لگی کہ اس کے جانے کے بعد ابا بھی زیادہ وقت پریس پر رہنے لگے۔ اماں یا تو گھر کے کاموں میں مصروف یا پھر خاموش بیٹھی رہتیں ہیں اور وہ خود بھی سکول کے کام اور امتحانوں کی تیاری کو وقت دیا کرتی تھی۔

''اور جھرنا بھی نہیں آتی تھی تمھارے پاس؟'' مشفق نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''میں بھی کہوں بھائی نے اس کا کیوں نہیں پوچھا۔'' ربابہ نے شرارت سے چھیڑا۔

''میں نے کیوں پوچھنا ہے اس کا؟ میرا کیا لینا دینا؟'' مشفق جھینپتے ہوئے بولا۔

''ارے میں تو آپ کو تنگ کر رہی تھی۔ آپ کو کچھ نہیں لینا دینا مگر وہ تو پاگل ہوئی پڑی ہے ناں۔''

''اوہ تو ابھی تک اس کی عقل ٹھکانے نہیں آئی؟ حالانکہ میں نے اکیڈیمی جاتے ہوئے اس پر واضح کر دیا تھا کہ ہمارے دین دھرم الگ الگ ہیں اور یہ سنگم کبھی نہیں ہو سکتا۔''

''واہ بھائی!!! جاتے ہوئے آپ بنگال کے جادو سے اتنے ڈائیلاگ مار گئے اور مجھے بتا کر بھی نہیں گئے۔'' ربابہ نے پھر چھیڑا۔

''کچھ بتانے والی بات ہوتی تو بتاتا اور ویسے بھی یہ آخری دن کی بات ہے، موقع ہی نہیں ملا۔ بتانا تو اب ہے تمھیں کچھ، مگر اطمینان سے۔'' مشفق نے بہن کو شریک راز کرتے ہوئے کہا۔

''ارے واہ! شفو بھیا آپ تو چھپے رستم نکلے۔ یہ واردات کب ہوئی۔'' ربابہ اچھل کر بولی۔

''آہستہ بول چڑیل.... ابھی ایسی کوئی بات نہیں۔ آرام سے سب بتاؤں گا۔'' مشفق نے بہن کو تسلی دی۔

''آپ مائرہ کی بات تو نہیں کر رہے؟'' بہن نے اندازہ لگایا۔

''قسم سے تم بہت بڑی بلا ہو۔ تمھیں کیسے اندازہ ہوا؟''

''آپ نے ان کی فیملی کے ساتھ تصویریں بھیجیں تھیں تو مجھے کچھ کچھ شک ہوا پھر جب آپ نے ان لوگوں کی بہت تعریفیں شروع کر دیں تو میں نے سوچا کہ روبابہ بی بی تمھارا شفو بھیا گیا کام سے۔'' وہ شرارت سے آنکھ میچتے ہوئے بولی، ''ویسے مائرہ ہیں بہت پیاری، آپ کے ساتھ بہت جچیں گی۔''

''.... بولتی چلی جائے گی یا کوئی بریک بھی لگائے گی؟ میں نے کہا ناں کہ ابھی ایسی کوئی بات نہیں، ہاں مجھے اچھی ضرور لگی ہے مگر بابر میرا بھائیوں جیسا دوست ہے اور میں ایسی کسی گھٹیا حرکت کا سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''چلیں یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔''

''نہیں دیکھے (بلی)! فی الحال تم اتنی مہربانی کرو کہ اس راز کو اپنے تک رکھو۔ جہاں اور جب تمھاری ضرورت ہوئی ضرور تمھیں تکلیف دوں گا۔ یہ میرے بندھے ہوئے ہاتھ دیکھ لو۔'' مشفق بہن کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

''او کے آپ کو میری خدمت خاطر کرنی ہوگی۔''

''جو حکم ملکہ حضور۔'' بھائی کورنش بجالاتے ہوئے بولا۔

''فی الحال بہن کو کل 'چکوری' فلم دکھانے کا انتظام کریں۔'' ربابہ نے فرمائش کی اور بھائی نے فوراً حامی بھر لی۔ اسے یوں لگا کہ بہن سے بات کر کے اس کے ذہن سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ مشفق خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا اور ایک انجانی خوشی نے اس کی زندگی میں عجب رنگ بکھیر دیئے تھے۔ وہ خود حیران تھا کہ ابھی تو اس نے تصویر بھی نہیں بنائی تو پھر یہ رنگوں نے کیسے جگہ بنالی۔ اس کے پاس ان باتوں کا جواب تو نہ تھا لیکن اتنا ضرور تھا کہ یہ بے ترتیبی سے بکھرے رنگ بے حد خوشنما لگ رہے تھے۔ ان چند دنوں کی چھٹیوں میں وہ اپنے ان دوستوں سے بھی ملا جن سے وہ ڈھاکہ میں رہتے ہوئے بھی کم کم ملا کرتا تھا۔ اگر اس کے فوج میں جانے پر چند کے تحفظات تھے تو اکثریت بے حد خوش تھی اور تحفظات والوں میں اس کی بہن کی سہیلی جھرنا پیش پیش تھی۔ ان چھٹیوں میں اس کی ابھی تک اس سے ملاقات نہ ہوئی تھی اور حیران کن بات یہ تھی کہ مشفق کے ذہن میں اس کا خیال تک نہ آیا۔

○

ایک دوپہر مشفق کھانے سے فارغ ہو کر ماں کے پاس بیٹھ گیا اور باتیں کرنے لگا۔ رسمی تمہید باندھنے کے بعد وہ اصل موضوع کی طرف آیا اور گفتگو کا رخ بابر کی فیملی کی جانب موڑ دیا اور ان کی

تعریفیں کرنے لگا۔ وہ ابھی بات کر ہی رہا تھا کہ ربابہ بھی پہنچ گئی۔

''اماں! آپ بابر کی اماں سے ملیں گی تو بہت خوش ہوں گی۔ وہ بے حد نفیس خاتون ہیں۔'' مشفق بولا۔

''وہ تو ساری مائیں بہت اچھی ہوتی ہیں شفو بھیا۔ کام کی بات کریں۔'' ربابہ نے لقمہ دیا۔

''تم تو چپ کرو۔ کبھی زبان کو تالہ بھی لگا لیا کرو۔'' مشفق مصنوعی غصہ سے بولا۔

''کام کی بات ہی تو کرنے لگی ہوں۔ آپ تو وقت ضائع کر رہے ہیں۔'' وہ کھلکھلاتے ہوئے بولی پھر ماں سے مخاطب ہو کر جملہ مکمل کیا، ''اماں! بات یہ ہے کہ آپ کے راجکمار کو آپ کے لیے بہو پسند آ گئی ہے۔''

''ہیں!!!'' ناہیدہ بیگم نے خوشگوار حیرت کا اظہار کیا۔

''اماں! یہ تو ایسے ہی وقت بے وقت ٹر ٹر کیے جاتی ہے، فی الحال ایسی کوئی بات نہیں۔'' مشفق نے وضاحت پیش کی۔

''جی جی فی الحال ایسی کوئی بات نہیں لیکن بعد میں ہوگی۔ اماں آپ میری بات لکھ لو کہ شفو بھیا واپس اکیڈمی جانے سے پہلے آپ کے سامنے اپنا دل کھول کر ہی جائیں گے۔''

''شفو! بیٹا یہ کیا کہہ رہی ہے؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی اس کی بات کی۔ تم ہی کچھ سمجھاؤ۔'' سادہ لوح ناہیدہ بیگم بولیں۔

''اماں! اس چڑیل نے بات چھیڑی ہے اب یہی آپ کو سمجھائے گی۔'' مشفق ماں کے گلے میں لاڈ سے بانہیں ڈالتے ہوئے بولا۔

''ہاں ہاں اماں.... فکر نہ کریں میں سب سمجھا دوں گی آپ کو، بس شفو بھائی کو ذرا ادھر اُدھر ہو لینے دیں۔'' ربابہ پھر چہکی۔

مشفق بہن کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے ماں سے گویا ہوا، ''فی الحال میں نے آپ سے اتنا کہنا تھا کہ کسی وقت بازار جا کر بابر کی اماں کے لیے کچھ تحفے تحائف لے آئیں۔''

''اور مائرہ کے لیے کچھ نہیں؟'' ربابہ کی شرارت کی رگ پھر پھڑکی۔

''یہ مائرہ کون ہے بیٹا؟''

''اماں وہ بابر کی بہن ہے۔ ربابہ کا مطلب ہے کہ اس کی طرف سے مائرہ کو بھی کوئی تحفہ دے دیا

جائے۔''مشفق نے بہن کو گھورتے ہوئے وضاحت پیش کی۔

''نہ جی میری طرف سے کیوں؟ میں تو انھیں جانتی بھی نہیں۔''

اور ناہیدہ بیگم کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔کبھی بیٹے کو دیکھتیں تو کبھی بیٹی کو۔

چھٹیاں بہت تیزی سے گزرتی جارہی تھیں۔مشفق کو بھی بے چینی سے واپسی کا انتظار تھا مگر یہ بے چینی اکیڈیمی کے لیے تو نہیں تھی؟ تو پھر کس لیے تھی؟ اس بات کا جواب مشفق کا دل بھی گول کر جاتا تھا۔اس نے اپنے عزیز دوست اور اس کے والد کے لیے ڈھاکہ کی مشہور ململ کے کرتے خریدے جبکہ ناہیدہ بیگم نے بابر کی امّی اور مائرہ کے لیے خوبصورت پرنٹڈ ساڑھیاں لیں۔اب تک رُبابہ ماں کو تفصیلات بتا چکی تھی جس کا اظہار ناہیدہ کی خریداری میں خصوصی دلچسپی سے بھی ہو رہا تھا۔اس دوران جھرنا بھی ایک مرتبہ بہانے بہانے مشفق سے ملنے آئی لیکن جونہی مشفق کو علم ہوا کہ وہ ربابہ کے پاس بیٹھی ہے تو وہ کسی کام کے عذر سے گھر سے نکل گیا۔اس تمام عرصہ میں اس کی کوشش رہی کہ اس کا جھرنا سے سامنا نہ ہو۔خوشیوں کے موسموں میں پندرہ روز کی چھٹیوں کی بھلا کیا وقعت ہوتی ہے۔ یہاں زمانے پلک جھپکنے میں گزر جاتے ہیں وہ تو پھر چند روز تھے۔سامان کے ساتھ ساتھ مشفق نے ماں باپ کی دعائیں اور بہن کا پیار سمیٹا اور واپس اکیڈیمی کو روانہ ہوا۔تمام راستے اس کا ذہن خوبصورت تصورات میں الجھا رہا۔

وہ بابر کو جب تحائف دے گا تو اسے کس قدر خوشی محسوس ہوگی۔

آیا اس کی امّی اور مائرہ کو بھی اسے خود تحفے دینے چاہئیں یا وہ بابر کے حوالے کر دے؟

اماں نے جو مائرہ کے لیے ساڑھی خریدی ہے وہ اس پر بہت جچے گی۔

انھی خوبصورت خیالات کے ساتھ اس نے ڈھاکہ سے کاکول تک کا سفر طے کیا۔اکیڈیمی کے گیٹ سے داخل ہوا تو اکیڈیمی اندھیرے کی چادر اوڑھ چکی تھی۔ بیرکوں کی رونق سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کیڈٹس کی اکثریت واپس آ چکی ہے۔ کہیں قہقہے بلند ہو رہے تھے تو کہیں سے ریڈیو پر گانوں کی آوازیں آرہی تھیں۔اپنی بیرک کے دروازے پر پہنچ کر اس نے سوچا کہ جونہی وہ دروازہ کھولے گا تو بابر بڑھ کر گرمجوشی سے اسے گلے لگالے گا۔اس نے دروازہ کھولا مگر سامنے بابر نہیں بلکہ اس کی پلاٹون کا

لاہور سے تعلق رکھنے والا ایک اور کیڈٹ جہانزیب سپاٹ چہرہ لیے کھڑا تھا جیسے وہ مشفق کا ہی منتظر تھا۔ مشفق مسکراتا ہوا اس کی جانب ملنے کو بڑھا لیکن اس کی سرد مہری دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

''کیا حال ہے جہانزیب؟ کیسے ہو؟'' مشفق نے گرمجوشی سے بغلگیر ہوتے ہوئے کہا۔ جواباً جہانزیب نے بے دلی سے معانقہ کیا جس پر مشفق کو حیرت بھی ہوئی۔

''بابر ابھی تک آیا نہیں یا میس کھانا کھانے چلا گیا ہے؟'' اس نے جہانزیب سے استفسار کیا،

''مُش! بابر اب نہیں آئے گا۔''

مشفق کچھ نہ سمجھا اور حیران ہو کر بولا ''کیا مطلب کہ اب نہیں آئے گا؟''

''مُش! آئی ایم سوری۔ بابر کا تین روز پہلے لاہور میں بہت برا کار ایکسیڈنٹ ہوا تھا جس میں وہ موقع پر ہی دم توڑ گیا اور ہم سب کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ گیا۔'' جہانزیب نے مشفق کے کندھے کو ہمدردی سے تھپتھپاتے ہوئے اتنا کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ اچانک مشفق کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ وہ اس خبر کے لیے ہرگز تیار نہ تھا۔ اس کے لیے کھڑا ہونا مشکل ہو گیا۔ بمشکل وہ اپنے پلنگ پر بیٹھا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اکیڈیمی میں بالکل تنہا رہ گیا ہو، اس نے تو بابر کے سوا کسی اور کو دوست بھی نہیں بنایا تھا اور ان دونوں کی دوستی کو ان کے کورس میں مثالی سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب باقی کیڈٹس کو مشفق کی واپسی کا علم ہوا تو وہ اس کی بیرک میں افسوس کے لیے آنا شروع ہو گئے۔ مشفق اندر سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ سب چلے جائیں اور وہ اکیلا رہ کر بابر سے گلہ کرے کہ اس نے اچھا نہیں کیا۔ تھوڑی دیر میں جب سب چلے گئے تو وہ اٹھ کر بابر کی رائٹنگ ٹیبل پر گیا اور وہاں رکھی تصویر کو غور سے دیکھنے لگا۔ یہ اس کی اور بابر کی یادگار تصویر تھی جو 'یرموک ایکسرسائز' پر کھینچی گئی تھی۔ وہ بابر کی کرسی پر بیٹھ گیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ نجانے اسے کب نیند آئی اور وہ وہیں سو گیا۔ آنکھ تب کھلی جب صبح انور اسے پی ٹی کے لیے جگانے آیا۔ گھر ہوتا اور ایسی صورتحال ہوتی تو شاید وہ ہفتہ بھر باہر ہی نہ نکلتا لیکن یہ فوج تھی جس کی تربیت اور نظم وضبط کم ہمتی کی قطعی اجازت نہیں دیتے۔ سارا دن مرحوم بابر تمام کیڈٹس کا موضوع بحث رہا۔ دن میں کسی وقفے کے دوران اس کے پلاٹون کمانڈر کیپٹن عمیر نے اسے آفس بلایا اور تعزیت کرنے کے ساتھ ساتھ اسے ہمت و حوصلہ نہ چھوڑنے کی تلقین بھی کی اور خوشخبری بھی دی کہ اسے کمپنی سینئر انڈر آفیسر CSUO کا عہدہ دیا گیا ہے لیکن مشفق نے ایک ایسی خبر کو نظر انداز کر دیا جس کو سننے کی ہر کیڈٹ تمنا کرتا ہے۔ کیپٹن عمیر

نے بوجہ عہدہ اسے کمرہ بدلنے کی پیشکش بھی کی لیکن مشفق نے کہا کہ اسے اسی کمرے میں رہنے دیا جائے اور ساتھ ہی درخواست کی کہ کسی ویک اینڈ پر اسے لاہور جانے کی اجازت بھی دی جائے تاکہ وہ بابر کا ذاتی سامان اس کے والدین کے حوالے کرنے کے ساتھ ساتھ تعزیت بھی کر کے آئے۔ کیپٹن عمیر نے ہامی بھر لی۔

دوپہر کو وہ میس کھانا کھانے بھی نہ گیا۔ اس کے بیرے انور نے بارہا التجا کی کہ صاحب کچھ کھا لیں مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ بابر جا چکا ہے۔ اس کا دل اکیڈیمی سے اچاٹ ہونے لگا۔ پڑھائی لکھائی میں بھی بے قاعدگی ہونے لگی جسے کیپٹن عمیر نے بھی نوٹ کیا۔ دو ہفتے بعد اس نے لاہور جانے کے لیے ویک اینڈ لیا۔ ایک رات پہلے اس نے بابر کی ذاتی چیزیں اکٹھی کر کے ایک بیگ میں رکھنی شروع کیں۔ جب سامان رکھ چکا تو خیال آیا کہ وہ منزہ آنٹی اور حمید انکل کا سامنا کیسے کرے گا؟ اور مائرہ سے تو شاید وہ ایک ثانیہ کے لیے بھی نگاہ ملانے کی ہمت نہ کر پائے۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ وہ دُنیا کا سب سے کمزور دل انسان ہے۔ خیال آیا کہ وہ جو تحفے اتنے شوق سے لایا ہے ان کا اب کیا کرے؟ دوسرے لمحے دل و دماغ دونوں نے سرزنش کی کہ اس گھر پر قیامت گزر چکی ہے لہٰذا تحفوں بارے سوچ قطعی بے موقع ہے۔

اگلے روز شام کے وقت وہ گلبرگ میں بابر کے گھر کے سامنے کھڑا تھا لیکن گھنٹی بجانے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ ایک لمحے کو تو اس نے سوچا کہ سامان چوکھٹ پر رکھ کر رقعہ چھوڑ جائے لیکن پھر خیال آیا کہ وہ بابر کا جگری دوست تھا اور اس ناطے گھر والوں کو یقیناً اس کا انتظار ہوگا۔ گھر کی بیشتر لائٹس آف تھیں اور در و دیوار سے سوگواری ٹپک رہی تھی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے بیل بجائی اور پھر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور مائرہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ مشفق تو جیسے بت کی مانند ساکت تھا ہی لیکن مائرہ بھی جیسے سکتہ میں آ گئی ہو۔ مشفق کو ان خوبصورت سرمئی آنکھوں میں آنسو امڈتے واضح طور پر نظر آ سکتے تھے۔ دونوں خاموش تھے کہ منزہ کی آواز نے سکوت توڑا، ''بیٹا کون ہے؟'' اور پھر خود بھی دروازے پر چلی آئیں۔ سامنے مشفق کو دیکھا تو چیخ ماری اور بے اختیار اس کے گلے سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی جاری تھی۔ مائرہ ماں کی پشت سے سر ٹیکے

زاروقطار رورہی تھی اور مشفق کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ بس ایک ہی بات بار بار کہے جا رہا تھا کہ آنٹی صبر کریں۔ کچھ دیر بعد منزہ کو احساس ہوا کہ وہ ابھی تک دروازے پر ہی کھڑے ہیں۔ انھوں نے دوپٹے سے آنسو پونچھے اور نہایت شفقت سے مشفق کے کندھے کا سہارا لے کر اسے ڈرائنگ روم میں لے کر آئیں۔

منزہ کی سسکیاں رُکیں تو مشفق نے پوچھا کہ ہوا کیا تھا۔ منزہ سے قبل مائرہ بول اٹھی۔ شاید وہ اس انتظار میں تھی کہ یہ سوال پوچھا جائے تو وہ مشفق سے مخاطب ہو، ”بوبی بھائی چھٹیاں ختم ہونے سے چند روز قبل ابو کی گاڑی لے کر لبرٹی گئے۔ کہنے لگے میرا کوئی بھائی نہیں، اگر ہوتا تو مُش جیسا ہوتا۔ میں مشفق کو کوئی خوبصورت گفٹ دینا چاہتا ہوں اور رسٹ واچ سے اچھا تحفہ کوئی نہیں ہوسکتا۔ گلبرگ بڑے چوک میں ایک تیز رفتار ٹرک نے ان کی گاڑی کو ٹکر ماری اور وہ موقع پر ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔“ یہ کہتے ہی مائرہ سسکیاں بھرنے لگ گئی۔ مشفق تو جیسے سناٹے میں آ گیا، سوچنے لگا کہ اس کا پیارا دوست اس کے لیے اپنی جان سے گیا؟ آخر گھڑی کوئی اتنی ضروری تو نہ تھی۔ وہ اکیڈیمی آنے سے قبل نئی گھڑی خرید کر تو لایا تھا۔ آنسو اس کے حلق میں آ کر اٹک گئے اور سسکیاں ضبط کرنے لگا۔ اچانک منزہ کو احساس ہوا کہ وہ بمشکل سسکیاں ضبط کیے ہوئے ہے۔ اس نے مشفق کو اپنے ساتھ لگا لیا اور وہ جیسے اسی انتظار میں تھا۔ اس نے اپنا سر بے اختیار منزہ کی گود میں گرا دیا۔ اسے یوں لگا جیسے اماں کی گود مل گئی ہو اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ اتنا رویا کے منزہ کا دامن اس کے آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ سر اٹھایا تو پتہ نہیں حمید صاحب کب کے آئے سامنے بیٹھے تھے۔ مشفق شرمندہ ہو کر فوراً کھڑا ہوا اور آگے بڑھ کر انھیں ملا۔

ذرا نارمل ہوا تو بابر کی ذاتی چیزوں والا بیگ منزہ کی جانب سرکایا اور کہنے لگا، ”آنٹی! اس کی کٹ اور دیگر سرکاری چیزیں تو اکیڈیمی والوں نے واپس جمع کر لی تھیں مگر اس کی ذاتی چیزیں وہ آپ لوگوں کو بھجوانا چاہتے تھے تو میں نے کہا مجھے دے دیں، میں چیزیں بھی دے آؤں گا اور تعزیت بھی کر لوں گا۔ ہاں ہم دونوں کی ایک یادگار تصویر تھی اکیڈیمی کی وہ آپ کی اجازت سے میں رکھ رہا ہوں اور وہ ہمیشہ میری نظروں کے سامنے رہے گا۔“ سب نے اس کا شکریہ ادا کیا اور دعائیں بھی دیں۔ اس کے انکار کے باوجود مائرہ چائے بنانے چلی گئی۔ لگتا تھا کہ آج بہت دنوں بعد زندگی اس گھر میں بھلے پھیکے

انداز میں سہی مگر لوٹی ضرور تھی۔ ان کے چہروں پر کمزور سی رونق نے مشفق کو سکون و اطمینان تو دیا لیکن جس صدمے سے وہ گزر رہے تھے وہ اس کا جگر چیرے جا رہا تھا۔ مشفق کا پلان تھا کہ وہ بابر کے گھر والوں کے ساتھ زیادہ دیر تک بیٹھے گا اور پھر رات دیر سے وہ واپس پنڈی کی ویگن پکڑ لے گا تاکہ اتوار کو دوپہر تک اکیڈیمی واپس پہنچ جائے۔ رات بھیگنے لگی تو مشفق اچانک اٹھ کھڑا ہوا اور ان سے اجازت طلب کی، ''انکل آنٹی! مجھے اجازت دیں میں اب چلتا ہوں۔''

''ہیں!!!....اس وقت؟ کہاں جاؤ گے بیٹا؟'' دونوں ایک ساتھ بولے۔ ایسا لگا جیسے ان کا دل کہہ رہا ہو کہ تم تو ہمیں مت چھوڑ کر جاؤ بیٹا۔

''جی آنٹی....میں رات کی ویگن پکڑوں گا اور کل دوپہر تک ان شاء اللہ اکیڈیمی پہنچ جاؤں گا۔''

''اپنے بھائی سے نہیں ملکر جاؤ گے؟'' منزہ اس کی کمزوری سے کھیلیں۔

''جی اللہ نے چاہا تو اگلی دفعہ۔'' اس نے رسمی تسلی دینے کی کوشش کی۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ صبح جلدی ناشتہ کر کے قبرستان سے ہوتے ہوئے چلے جانا۔ میں تمھیں خود ڈراپ کر کے آؤں گا۔'' حمید صاحب نے فیصلہ صادر کر دیا۔

مشفق سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا تو حمید صاحب نے مائرہ کو بابر کا کمرہ مشفق کے لیے درست کرنے کو کہا۔ منزہ کھانا بنانے چلی گئی اور حمید اور مشفق، بابر کے اکیڈیمی کے دنوں کی باتیں کرنے لگے۔ رات کھانے پر بھی موضوع گفتگو بابر ہی رہا۔ مشفق گھر میں جدھر نظر دوڑاتا اسے بابر ہر طرف مسکراتا نظر آتا۔ پہلے حمید صاحب سونے کے لیے چلے گئے اور منزہ، مائرہ اس سے باتیں کرتے رہے پھر منزہ نے خوابگاہ جانے سے پہلے بیٹی سے کہا کہ وہ اسے بابر کے کمرے تک پہنچا دے۔

مائرہ نے اسے خوابگاہ کے دروازے پر چھوڑا اور کہنے لگی، ''یہ بوبی بھائی کا کمرہ ہے۔ آپ کو بھی ان کی خوشبو آ رہی ہے ناں اس کمرے سے؟'' اس نے نظر اٹھا کر زندگی میں پہلے دفعہ مائرہ کو نظر بھر کر دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسے مائرہ کے چہرے پر بے انتہا کرب اور آنکھوں کی دہلیز پر آنسو ٹھہرے نظر آئے جو کسی بھی وقت گرا چاہتے تھے۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ کاش وہ ان آنسوؤں کو زمین پر نہ گرنے دیتا لیکن دوسرے ہی لمحے اسے احساس ہوا کہ اسے کسی بھی لحاظ سے ایسا کوئی حق نہیں ہے۔ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا، ''اپنے آنسو پونچھ لیں اور حوصلہ کریں۔'' مائرہ کو شب بخیر کہہ

کر اس نے کمرے کا دروازہ بند کرلیا۔ بابر کا کمرہ اس کے ذوق اور جمالیاتی حس کی خبر دے رہا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر نہایت اعلیٰ پروفیوم اور ڈیوڈرنٹ پڑے تھے۔ ایک دیوار پر اس کی اکیڈیمی کی بڑی تصویر آویزاں تھی اور دوسری دیوار پر چند خاندانی تصویریں بھی لٹک رہی تھیں۔ اس نے غور سے دیکھا تو ان میں اس کی مائرہ کے ساتھ تصویریں زیادہ تھیں۔ اس کا مطلب بابر بھی اس کی ہی طرح بہن کو بے حد چاہتا تھا۔ کچھ دیر کمرے کا جائزہ لینے کے بعد وہ پلنگ پر جالیٹا۔ تکیے کو سہلایا جیسے اپنے دوست کے بالوں کو سہلا رہا ہو اور نجانے کب نیند کی وادی میں چلا گیا۔

ہلکی سی آہٹ سے آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ حمید دروازے میں کھڑے اسے آواز دے رہے تھے۔ وہ ایکدم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ حمید کہہ رہے تھے کہ وہ اسے قطعی نہ جگاتے اگر اس نے واپس نہ جانا ہوتا اور چونکہ انھوں نے دعا کے لیے قبرستان بھی جانا تھا سو جگانا مناسب سمجھا۔ وہ اسے تیار ہو کر نیچے آنے کا کہہ کر چلے گئے۔ وہ تیار ہو کر اترا تو سب ٹیبل پر اس کے منتظر تھے۔ گزشتہ شب کی نسبت اب سب کے چہروں پر قدرے سکون و اطمینان تھا۔ منزہ نے اسے اپنے پاس بلا کر کاندھا تھپکا اور پاس بٹھا لیا۔ ناشتے کے بعد ماں بیٹی اسے دروازے تک چھوڑنے آئیں اور تپاک سے اللہ حافظ کہا۔ جاتے ہوئے منزہ اس کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے بولیں، ''بیٹا میں بوبی کو ہمیشہ اسی طرح رخصت کیا کرتی تھی سو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تمھیں ایسے ہی جانے دوں۔ اگر تمھیں اعتراض نہ ہو تو کیا ہم تمھیں اکیڈیمی کبھی کبھار ملنے آسکتے ہیں؟''

مشفق کو گویا دُنیا جہاں کی دولت مل گئی۔ اس نے ٹوٹی پھوٹی اُردو اور انگریزی میں عزت و احترام دینے پر سب کا شکریہ ادا کیا اور انہیں یقین دلایا کہ وہ ان کے لیے بابر کی طرح ہی رہے گا۔ کہنے لگا کہ یہ اس کی خوش قسمتی ہے کہ وہ اسے ملنے کاکول آیا کریں گے۔ حمید صاحب نے قبرستان میں فاتحہ کے بعد اسے بسوں کے اڈے پر چھوڑا۔

''بیٹا! ہم تمھارے بے حد احسانمند ہیں جو تم ہماری دلجوئی کے لیے اتنے دور سے آئے۔ یہ بابر کی طرح تمھارا بھی گھر ہے اور اس کے دروازے تم ہمیشہ کھلے پاؤ گے۔''

''انکل مجھے شرمندہ نہ کریں۔ میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ اب یہ ہمارا زندگی بھر کا تعلق ہے۔ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔'' جونہی ویگن نے سفر شروع کیا تو مشفق کے ذہن میں گزشتہ

چوبیس گھنٹوں کے انمول لمحات کی فلم چلنے لگی۔ کبھی اس کی آنکھوں کے سامنے منزہ آنٹی کا شفقت بھرا چہرہ آ جاتا تو کبھی حمید انکل کا سوگوار خاکہ اور مائرہ کی اداس آنکھیں تو وہ بھول ہی نہیں پا رہا تھا۔ اس نے خود سے سوال جواب شروع کر دیئے۔ میں بابر کی فیملی کے ساتھ اس قدر involve کیوں ہو رہا ہوں؟ اور پھر مائرہ کیوں ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہنے لگی ہے؟ دماغ نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی کہ وجہ صاف ظاہر ہے کہ بابر تمھارا دوست تھا اور اس کی رحلت نے تمھارے دل میں ان لوگوں کے لیے ہمدردی پیدا کر دی ہے لیکن یہ کیا؟ دل نے لمحہ ضائع کیے بغیر دماغ کی بات کی تردید کر دی اور کہا کہ یہ غلط کہہ رہا ہے۔ مائرہ تو پہلے روز جب اکیڈمی آئی تھی تو اسی روز اسے میرے حوالے کر دیا تھا۔ وہ الگ بات ہے کہ شروع میں تم نے اس حقیقت کی جانب کوئی دھیان نہ دیا۔ مشفق نے دل اور دماغ کے اس مباحثہ سے خود کو الگ رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے سر سیٹ کی پشت پر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

○

''اماں شفو بھیا کا خط آیا ہے۔'' ربابہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے خوشی سے شور مچانے لگی۔ ناہیدہ نے سنا تو رسوئی میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر باہر نکل آئیں، ''کدھر ہے؟ لاؤ مجھے دو میں پڑھوں۔''

''نہیں پہلے میں پڑھوں گی پھر آپ۔'' ربابہ نے فیصلہ سنا دیا۔

''توبہ ہے۔ اچھا بابا تو ہی پڑھ لے پہلے لیکن ذرا اونچا پڑھنا۔'' ماں نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

ربابہ نے سنی ان سنی کرتے ہوئے خاموشی سے خط پڑھنا شروع کر دیا اور ناہیدہ اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینے لگ گئی کہ جیسے وہ بیٹی کے چہرے سے ہی خط کا مضمون بھانپ لے گی۔ چند ہی لمحوں بعد ربابہ نے خط پڑھتے پڑھتے رونا شروع کر دیا۔ ناہیدہ گھبرا کر بولی، ''اللہ خیر کرے۔ میرا بچہ خیریت سے تو ہے؟'' اور بیٹی کے ہاتھ سے خط چھین کر پڑھنا شروع کر دیا۔ مشفق نے لکھا تھا کہ کس طرح وہ چھٹی سے واپس پہنچا تو اسے اپنے روم میٹ بابر کی ایک حادثے میں موت کی خبر ملی۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ چند روز تک وہ لاہور تعزیت کے لیے بھی جائے گا۔ ربابہ ماں کے گلے لگ گئی اور دونوں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ عجیب تعلق تھا۔ نہ کبھی ملے نہ دیکھا۔ بس بیٹے سے ان لوگوں بارے سن کر ہی انسیت پیدا ہو گئی اور آج ایسے تکلیف اور دکھ محسوس ہوا جیسے کوئی اپنا ہی چلا گیا ہو۔

''ایک کام کرو مجھے کاغذ قلم دو میں آج اس کی امّی کو تعزیت کا خط لکھتی ہوں۔ پتہ تو ہے ناں تیرے پاس؟'' ناہیدہ بولیں۔

''جی تب ہی شفو بھیا سے منگوایا تھا۔آپ رہنے دیں میں سب کی طرف سے مائرہ کو خط لکھ دوں گی۔''

''ٹھیک ہے مگر آج ہی لکھ دینا یاد سے۔ بات رہتی رہ جاتی ہے۔'' ناہیدہ نے بیٹی کو تاکید کی۔

○

مشفق کو الوداع کہہ کر منزہ اور مائرہ واپس اندر آئیں۔ ،منزہ تو گھر کے کام کاج میں لگ گئی اور مائرہ اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ اس کی سوچوں کا محور بھی مشفق تھا اور مشفق والی سوچ اس کو بھی پریشان کیے ہوئے تھی کہ وہ کیوں اس کی طرف کھچی چلی جا رہی ہے؟ کیوں اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ ایک آدھ روز اور ٹھہر جاتا اور وہ سارا وقت اس کے پاس بیٹھ کر بھائی کی باتیں کرتی۔ اچانک کیوں مشفق اسے اپنا اپنا سا لگنے لگا تھا؟ اور یہ سب کچھ کیوں اس کے بس سے باہر ہو رہا تھا؟ ایک خیال ذہن میں یہ بھی آیا کہ اگر مُش نے کسی وجہ سے انھیں ملنا چھوڑ دیا تو کیا وہ اس حقیقت کو قبول کر لے گی؟ ایک دم سے اس کا دل جیسے بیٹھ گیا ہو۔ اندر سے آواز اٹھی مائرہ تم تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی.... تو کیا پھر تم مشفق کے سامنے اس حقیقت کا اعتراف کر لو گی کہ تم اسے چاہتی ہو؟ اس کے اندر کی شرم وحیا کی پیکر مائرہ بولی کہ سر دست تو شاید وہ نہ کر سکے لیکن اگر ایسی نوبت آئی تو وہ دریغ نہیں کرے گی۔ بغیر کسی ارادے کے وہ اٹھی کہ بوبی کا کمرہ ٹھیک کر لے۔ اس کے کمرے کی جانب جاتے ہوئے وہ سوچنے لگی کہ جس دن سے بھائی دُنیا سے رخصت ہوا ہے اس کی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ وہ اس کمرے میں جائے ماسوائے کل کے جب وہ اسے مشفق کے لیے ٹھیک کرنے گئی۔ لیکن وہ آج کیوں جا رہی ہے؟ اس سے پہلے کہ اسے اپنی بات کا جواب ملتا وہ بوبی کے کمرے تک پہنچ چکی تھی۔ دروازہ جھجکتے ہوئے ایسے کھولا گویا مشفق ابھی اندر ہی ہو۔ اندر جھانکا تو بستر کو سلیقے سے درست پایا۔ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی۔ ''بالکل بوبی بھائی کی عادت۔'' اس نے دل میں سوچا۔ کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر اس نے چاروں جانب نظر دوڑائی تو ڈریسنگ ٹیبل پر اسے ایک مردانہ گھڑی پڑی نظر آئی۔ یہ بوبی بھائی کی گھڑی تو نہیں ہے؟ اس نے خود کو مطلع کیا اور لپک کر گھڑی اٹھائی تو ایک ثانیہ کے لیے اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے مشفق کی کلائی تھام لی ہو۔ اوہ مشفق اپنی کلائی کی گھڑی یہیں بھول گئے! اس نے بے ساختہ گھڑی اپنے گال کے ساتھ لگا لی اور پھر خود ہی شرمندہ ہو گئی۔ نیچے آ کر اس نے ماں کو ڈھونڈا اور خبر دی کہ مشفق جاتے ہوئے اپنی گھڑی بھول گئے ہیں۔ ماں نے ایک لمحے کے لیے پریشانی کا اظہار کیا اور پھر کہنے لگی کہ کوئی بات نہیں، کسی ویک اینڈ پر

کاکول جائیں گے تو دے دیں گے۔ مائرہ نے کہنے کو تو ماں کو کہہ دیا کہ ٹھیک ہے لیکن دل میں فیصلہ کرلیا کہ یہ گھڑی وہ اب مشفق کو واپس نہیں کریگی اور پھر دل ہی دل میں اپنی اس معصوم شرارت پر ہنس پڑی۔

○

اکیڈیمی پہنچ کر لاہور کے مختصر دورے کی یادیں ایک آدھ روز اس کے حواس پر چھائی رہیں اور پھر وہ اپنی روزمرہ کی سرگرمیوں میں مصروف ہو گیا۔ اس دوران اس کے پلاٹون کمانڈر کیپٹن عمیر نے اسے ایک روز اسے آفس میں بلایا اور ہلکی سی تنبیہہ بھی کی کہ بابر کی موت کے بعد سے اس کی کارکردگی میں منفی فرق آیا ہے جو کہ ٹھیک بات نہیں کیونکہ اس کا نام کمانڈر انچیف کی اعزازی چھڑی کے حصول کے مقابلے والوں میں ہے اور یہ اس کی پلاٹون کے وقار کا معاملہ ہے۔ مشفق نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ خیال رکھے گا اور اعزازی چھڑی کے حصول کے لیے اپنی جان لڑا دے گا۔ مشفق کو ایک شام بستر پر لیٹے خیال آیا کہ اگر اس نے اپنی نااہلی کی وجہ سے یہ اعزازی چھڑی کھو دی اور مائرہ اور اس کے گھر والوں کو علم ہو گیا کہ وہ یہ چھڑی لے سکتا تھا مگر ناکام رہا تو اس کی کتنی سبکی ہوگی۔ ایک لمحے کے لیے اسے لگا جیسے اس کی ناکامی کا سن کر مائرہ اس سے ناراض ہو گئی ہے۔ اس نے عہد کرلیا کہ وہ اپنی جان لڑا دے گا اور اعزازی چھڑی حاصل کر کے ہی دم لے گا۔

ویک اینڈ کے ڈیڑھ دن کے لیے اکیڈمی میں جشن کا ساماں ہوتا ہے۔ جو ویک اینڈ نہیں جا سکتے انھیں گھر والے ملنے آجاتے ہیں لیکن جو گھر دور ہونے کیوجہ سے نہ جا سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی ان کے پاس آسکتا ہے وہ دوسروں کو ترستی نگاہ سے دیکھتے ہیں یا پھر کمروں میں بند ہو کر اپنی نیندیں پوری کرتے ہیں۔ یہ بھی ہفتہ کی شام تھی اور مشفق بستر پر دراز تھا۔ ایک دو پلاٹون کے ساتھی اسے فلم پر ساتھ لیجانے کے لیے بھی آئے لیکن اس نے انھیں خوشدلی سے ٹال دیا۔ وجہ سب کو معلوم تھی اس لیے کسی نے بھی اصرار نہ کیا۔ اچانک ڈیوٹی کیڈٹ نے دروازے پر دستک دی اور اسے بتایا کہ اس کے مہمان آئے ہیں اور کیفے میں انتظار کر رہے ہیں۔ مشفق نے پوچھا کہ کون ہیں تو جواب ملا آپ کے گھر سے آئے ہیں اور یہی انھوں نے کہا ہے۔ مشفق تذبذب میں اٹھا، حلیہ درست کیا اور کیفے کی طرف چل پڑا۔ سارے راستے سوچتا رہا کہ میرے گھر والے بھلا کیسے آسکتے ہیں اور وہ بھی بغیر بتائے۔ ہو نہ ہو یہ بابر کے گھر سے آئے ہونگے۔ پھر خیال آیا کہ اگر وہ ہوتے تو کہتے کہ کیڈٹ بابر کی فیملی آئی ہے۔ ایک موہوم سا خیال آیا کہ یقیناً آنٹی نے ہی ایسا کہنے کو کہا ہوگا۔

کیفے میں داخل ہوا تو دروازے کے عین سامنے والے میز پر داخلی راستے کی جانب رخ کیے مائزہ بیٹھی تھی۔ دونوں کی نظریں ٹکرائیں تو مائزہ نے خفیف سی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ حمید دروازے کی جانب پشت کیے بیٹھے تھے جبکہ منزہ دائیں جانب والی کرسی پر تھیں۔ اس میں

کوئی شک نہیں تھا کہ مائرہ نے وہ کرسی دانستہ چنی تھی۔ اس نے سرگوشی میں امی اور ابو کو مشفق کی آمد کی اطلاع دی تو دونوں نے ایک ساتھ چونک کر دروازے کی جانب دیکھا اور بے اختیار کھڑے ہو گئے۔ اس نے پہلے منزہ سے پیار لیا اور پھر حمید سے بغلگیر ہوا۔ ان سے فراغت ہوئی تو مائرہ سے نہایت احترام مگر اپنائیت سے علیک سلیک لی اور خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''آنٹی آپ لوگوں نے تو مجھے بہت بڑا سرپرائز دیا ہے۔'' وہ اپنی بے قابو ہوتی ہوئی خوشی کو دباتے ہوئے بولا۔

''بس بیٹا ہم سب بہت اداس تھے اور بوبی بھی بہت یاد آ رہا تھا تو مائرہ نے مشورہ دیا کہ اکیڈیمی چلتے ہیں سو ہم آ گئے۔ ہم نے تمھیں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' منزہ سے قبل حمید بولے۔

''ارے نہیں انکل، یہ تو میری کم بختی ہے۔'' مشفق نئی نئی سیکھی اُردو کا رعب جماتے ہوئے بولا۔ ایک دم تینوں کا ایک ساتھ ایسے زور کا قہقہہ بلند ہوا کہ کیفے میں موجود سب مڑ کر ان کی جانب دیکھنے لگے اور مشفق حیران پریشان ان کی شکلیں دیکھنے لگا۔ مائرہ نے سوچا کہ یہ کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے۔ فوراً اسے پریشانی سے نکالا اور نہایت رسانیت سے انگلش میں بولی، ''دراصل آپ کو کہنا چاہیے تھا خوش بختی یعنی Good luck مگر آپ نے کہہ دیا کم بختی مطلب Bad luck۔ کوئی بات نہیں ہو جاتا ہے ایسا۔ آپ جلدی ہی اچھی اُردو سیکھ جائیں گے۔''

مائرہ کی ہمدردی اور انسیت دیکھ کر اس نے سوچا کہ سودا مہنگا نہیں۔ اسے ایسی غلطیاں کرتے رہنا چاہیے۔ اور ویسے بھی اس نے جب آج ان سب کو زندگی کی طرف لوٹتے دیکھا تو یوں لگا جیسے اس نے کوئی بہت عظیم کام کیا ہو۔ اس نے چائے کا آرڈر دیا اور جب کھانے کے لیے چوائس پوچھی تو منزہ نے بتایا کہ وہ اس کے لیے کدو کا حلوہ بنا کر لائی ہیں جو وہ بابر کے لیے لایا کرتی تھیں اور مشفق کو بھی بے حد پسند تھا۔ ماحول اچھا دیکھ کر مشفق بولا، ''آنٹی! میں چھٹی سے واپس آ رہا تھا تو امی ابو نے آپ لوگوں کے لیے کچھ گفٹ بھیجے تھے مگر یہاں پہنچ کر جب مجھے سانحہ کا پتہ چلا تو مجھے اچھا نہ لگا کہ آپ لوگوں کو پیش کروں۔ مگر آج جب آپ مجھے ملنے آئے ہیں اور ماحول بھی بہتر ہے تو سوچ رہا ہوں کہ وہ تحفے آپ لوگوں کو دے دوں۔ اگر اجازت دیں تو میں جا کر لے آؤں؟''

''بیٹا دراصل آج ہم یہیں ہیں۔ ہم پرسوں صبح واپس جائیں گے۔ سوچا تمھارے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارا جائے۔'' منزہ جھجکتے ہوئے بولیں۔

مشفق کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ نگاہ مائرہ پر پڑی تو وہ چہرے پر دلآویز مسکراہٹ بکھیرے ہوئے تھی۔

''لیکن انکل آپ لوگ ٹھہرے کہاں ہیں؟'' خوشی میں کنفیوز ہوتے مشفق نے پوچھا۔

''میرے ایک دوست ہیں کرنل صاحب انھوں نے بلوچ سنٹر میس میں گیسٹ روم کا بندوبست کروا دیا تھا۔''

''اور بیٹا تمھیں یہ تحفوں والا تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ماں باپ دیتے ہیں لیتے نہیں۔'' منزہ بولیں۔ اور پھر جیسے انھیں کچھ اچانک یاد آیا ہو،''ہاں یاد آیا تمھاری امّی کا تعزیت کا خط ملا تھا۔ اللہ انھیں اجر دے۔ ہماری طرف سے شکریہ ادا کر دینا۔''

''نہیں آنٹی میں تو کچھ بھی نہیں لایا۔ یہ تو آپ لوگوں کے لیے اماں ابا نے بھجوائے ہیں۔ اور ربابہ نے مائرہ کے لیے ساڑھی بھجوائی ہے۔'' وہ مائرہ سے نظریں چراتے ہوئے بولا لیکن کن اکھیوں سے اس کی سفید رنگت کو سرخ ہوتے دیکھ چکا تھا،''میں تو اپنے دوست کے لیے کرتہ لایا تھا ڈھاکہ کی ململ کا لیکن میرا بھائی مجھ سے ناراض ہو گیا۔''

''اللہ کی مرضی بیٹا۔ کوئی بات نہیں وہ کرتہ اب تم رکھ لو۔'' منزہ بولیں۔

''نہیں امّی وہ کرتہ بوبی بھائی کے لیے آیا تھا، وہ اب میں رکھوں گی۔'' مائرہ فیصلہ کن انداز میں بولی اور سب اس کی جانب دیکھنے لگے۔

اچانک منزہ کو جیسے کچھ یاد آیا اور بولیں،''تم ہی رکھ لینا مگر مشفق کی گھڑی کہاں ہے جو یہ لاہور بھول آیا تھا؟ چلو اسے اس کی گھڑی دو۔ پتہ نہیں میرے بیٹے کو کتنی دقت ہوئی ہوگی اس کے بغیر۔''

''اوہ!!! یا خدا اوہ تو میں لاہور ہی بھول آئی۔'' مائرہ نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

مشفق نے دل ہی دل میں ہنستے ہوئے سوچا کہ وہ لاہور گھڑی بھول آیا تھا یہ تو یقیناً اتفاق تھا لیکن آج مائرہ واپس لانا بھول گئی ہے یہ ہرگز اتفاق نہیں ہے۔ دوسری جانب مائرہ سوچ رہی تھی کہ گھر والے اس کی بات کو سچ مان لیں گے یہ تو ممکن ہے لیکن مشفق کو یقین آ گیا ہو، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ دونوں ایک ہی وقت میں دل ہی دل میں مسکرا رہے تھے۔ مائرہ نے آئیڈیا پیش کیا کہ رات کا کھانا ایبٹ آباد کے کسی اچھے ہوٹل میں کھایا جائے۔ مشفق ناں نہ کر سکا اور وہ کرنا چاہتا بھی نہیں تھا۔ وہ لوگ آپس میں خاصے گھل مل گئے تھے۔ رات کا کھانا یادگار رہا اور مائرہ کی معصوم مسکراہٹوں نے اسے اور بھی خوبصورت

بنا دیا۔ کھانے کے بعد مشفق صبح آنے کا وعدہ کر کے واپس اکیڈیمی آ گیا۔ وہ بستر پر ڈھے گیا لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ مائرہ رفتہ رفتہ اس کے ذہن پر حاوی ہو رہی تھی۔ وہ اگلی صبح کے منصوبے بناتا بناتا نجانے کب نیند کی وادی میں اتر گیا۔

اگلی صبح اس کی زندگی کے خوبصورت ترین دنوں میں سے ایک تھا۔ پاسنگ آوٹ تقریباً دو ماہ کی دوری پر تھی اور اب اس کے کورس کے کیڈٹس کو مفتی لباس کی بجائے باوقار سول لباس جسے فوج کی زبان میں Civis کہا جاتا ہے پہننے کی اجازت تھی۔ مشفق کو ذاتی طور پر سیاہ، سرمئی اور ہلکا آسمانی رنگ بہت پسند تھے اور یہ تمام رنگ اس کی سانولی پرکشش رنگت کے ساتھ خوب جچتے تھے اور اس کی شخصیت کو ابھارتے تھے۔ اس نے اس دن کے لیے سیاہ شرٹ اور سرمئی پتلون زیب تن کی اور شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر مائرہ کی نظر سے ناقدانہ جائزہ لیا۔ وہ کچھ اور بھی سوچنے کے موڈ میں تھا کہ اچانک ایک غیر متوقع خیال نے اسے شدید جھٹکا دیا، ''میں یہ سب سوچنے کا کیسے حق رکھتا ہوں جبکہ ہم دونوں کے درمیان ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم دونوں نے تو ایک دوسرے کے سامنے اعتراف بھی نہیں کیا۔ کیا خبر مائرہ مجھے صرف اپنے بھائی کا انتہائی قریبی دوست سمجھ کر اتنی اہمیت دے رہی ہو اور میں چلا ہوں ہوائی قلعے بنانے۔ ایک لمحے کے لیے وہ بجھ سا گیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس کا دل اس کی مدد کو پہنچا، '' پگلے دل کیوں چھوٹا کرتے ہو؟ اظہارِ محبّت نہیں ہوا تو کیا ہوا؟ چاہت تو دونوں طرف ہے ناں؟ اس سے تو تم انکار نہیں کر سکتے۔ اچھا ایک بات کا جواب دو کہ اس نے تمھاری گھڑی کیوں واپس نہیں کی؟ بولو بولو!!! اب چپ کیوں کر گئے؟''

وہ دل کے مؤقف کا قائل ہونے لگا اور خوشدلی سے سوچنے لگا کہ کیوں نہ جوا کھیلا جائے؟ اگر مائرہ نے آج سیاہ یا سرمئی لباس پہنا ہوا تو اس کا مطلب ہو گا کہ اس کے دل میں بھی میرے لیے چاہت ہے لیکن اگر اس نے کوئی اور لباس پہنا ہوا تو میں ہمیشہ کے لیے ان لوگوں کی زندگی سے نکل جاؤں گا۔ اسے اپنے ارادوں کی مضبوطی اور وعدوں کی پابندی بارے کوئی شک نہیں تھا۔ اکیڈیمی کے گیٹ سے ٹیکسی پکڑتے اس نے خود کو آخری دفعہ متنبہ کیا کہ مُش دیکھ لو تم بہت بڑا جوا کھیلنے جا رہے ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تمھیں نہ چاہتی ہو مگر سیاہ لباس زیب تن کیا ہو اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ وہ آج بسنتی یا گلابی

کپڑے پہنے ہوئے ہو مگر تمھیں دل سے چاہتی ہو؟

''جو کہہ دیا سو کہہ دیا اب پیچھے نہیں ہٹوں گا۔'' اس نے دماغ کو شٹ اپ کال دی اور بلوچ سنٹر کی جانب چل دیا۔

میس کے گیٹ پر اتر کر اپنے خیالوں میں مگن وہ مرکزی عمارت کی جانب جا رہا تھا کہ سیڑھیوں کے سامنے والے لان میں اسے مائرہ چہل قدمی کرتے نظر آئی۔

''آپ کو دیر ہوگئی.... کہاں رہ گئے تھے؟'' مائرہ نے سوال داغا جیسے سرزنش کرنا اس کا استحقاق تھا۔

مشفق نے نظر اٹھائی اور.... جواب بھول گیا۔ دل میں سوچا کہ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا؟ کیا اللہ اتنی جلدی بھی دعا سنتا ہے؟ اس کے سامنے مائرہ سرمئی رنگ کے سوٹ میں جس پر کالے پھول تھے ملبوس کھڑی تھی۔ نہیں نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔ یہ ضرور کوئی خواب ہے۔

''آپ نے جواب نہیں دیا؟'' مائرہ نے اس کی حیرتوں کا سلسلہ منقطع کیا۔

''اوہ سوری.... دراصل ٹیکسی ملنے میں دیر ہوگئی۔'' اس نے جواب تو دے دیا لیکن اس کا ذہن بدستور اس حسین اتفاق کی طرف ہی الجھا ہوا تھا کہ کیا اللہ اتنی جلدی بھی دعا سن لیتا ہے۔ اس کے دل کی دھڑکن سنبھلنے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔

''امی ابو آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آئیں کمرے میں چلتے ہیں۔'' وہ مشفق کی راہنمائی کرنے لگی۔

''لیکن لان میں بے چینی سے تو تم ٹہل رہی تھیں؟'' اس نے دل ہی دل میں مائرہ سے سوال کیا۔

''مجھ سے کچھ کہا آپ نے؟'' مائرہ چونکی۔

''جی نہیں میں نے تو کچھ نہیں کہا۔'' مشفق نے وضاحت پیش کی۔

منزہ اور حمید دونوں اسے نہایت تپاک سے ملے۔ مشفق نے تحائف والا تھیلا منزہ کی جانب بڑھایا جو انھوں نے دعائیں دیتے ہوئے شکریے کے ساتھ وصول کر لیا۔ مائرہ یہ تمام کارروائی نہایت دلچسپی سے دیکھ رہی تھی اور مشفق مائرہ کی دلچسپی کو اس سے کہیں زیادہ دلچسپی سے نوٹ کر رہا تھا۔ مشفق، منزہ اور حمید سے باتیں کرنے لگا جبکہ مائرہ تھیلا کھول کر تحائف کا معائنہ کرنے لگی۔ زیتونی اور پیلے رنگ

کے پھولوں والی خوبصورت ساڑھی نکال کر اس نے مشفق کی طرف دیکھا تو مشفق کو یوں لگا جیسے وہ پوچھ رہی ہو یہ والی میرے لیے ہے ناں؟ نظریں ٹکرائیں تو غیر ارادی طور پر مُش نے اس خاموش سوال کا جواب دے دیا، ''جی یہ ربابہ نے آپ کے لیے بھیجی ہے۔''

مائرہ نے کیمرہ نکالا اور تصویریں کھینچنے لگی۔ اس کی کوشش تھی کہ مُش ہر تصویر میں ہو۔

''لائیں میں آپ لوگوں کا فیملی گروپ بھی بنادوں۔'' مُش نے تجویز پیش کی۔

''بیٹا اب تو آپ بھی ہماری فیملی میں شامل ہو۔'' حمید اسے یاد دہانی کرانے لگے۔

مختلف کمبینیشن بنا کر گروپ فوٹو کھینچے جانے لگے۔ آخری تصویر حمید نے منزہ، مائرہ اور مُش کو اکٹھا کھڑا کر کے کھینچی جس میں مائرہ نے ماں کے کندھے پر سر رکھا ہوا تھا جبکہ منزہ نے مشفق کے کندھے پر اپنا ہاتھ۔ دوپہر کے کھانے کے بعد گپ شپ کا دوسرا دور شروع ہوا تو بزرگوں نے مشرقی پاکستان بارے معلومات حاصل کرنی شروع کر دیں جبکہ مائرہ کو رُبابہ بارے بہت کچھ جاننا تھا۔ جنٹلمین کیڈٹ مشفق الاسلام کو شاید پاسنگ آؤٹ پریڈ والے دن اتنی خوشی نہ ملنے والی تھی جس قدر اسے آج مل رہی تھی۔ وقت تو ہوتا ہی بیتنے کے لیے ہے سو یہ یادگار دن بھی پلک جھپکنے میں گزر گیا۔ رات ڈھلنے لگی تو مُش نے اجازت مانگی۔ حمید بولے کہ وہ لوگ اسے اپنی گاڑی پر چھوڑ آتے ہیں، وہ کہاں اس وقت ٹیکسی ڈھونڈے گا۔ راستے میں جب جھجکتے ہوئے اس نے پوچھا کہ کیا اسے آج کی تصویروں کی کاپی مل سکتی ہے تو عقبی نشست سے آواز آئی کہ اسے تصویریں پاسنگ آؤٹ کے بعد ملیں گی ابھی وہ ٹریننگ پر دھیان دے۔ مائرہ کے اس بے ساختہ جملے پر سب ہنس پڑے۔ منزہ پوچھنے لگیں کہ اس کی پاسنگ آؤٹ میں ابھی کتنا وقت ہے جس پر اس نے انھیں اطلاع دی کہ بمشکل دو ماہ کا وقت رہ گیا ہے۔

''کاش ہم بھی تمھاری پاسنگ آؤٹ پر آسکتے۔'' منزہ نے خواہش کا اظہار کیا۔

''کاش کا کیا مطلب آنٹی؟ آپ ضرور آئیں گے۔ آپ مجھے بیٹا کہتی ہیں تو یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ماں باپ، بیٹے کی پاسنگ آؤٹ پر نہ آئیں؟ ڈھاکہ سے کسی کا آنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ میں آپ کو دعوت نامے وقت پر بھجوادوں گا۔''

''جیتے رہو بیٹا۔ بس اب ہم بھی تمھاری پاسنگ آؤٹ پر ہی آئیں گے۔ ہم نہیں چاہتے کہ تمھاری پڑھائی میں کوئی حرج ہو۔ ہماری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔''

اکیڈمی کا گیٹ آیا تو اس نے اتر کر سب کو خدا حافظ کہا۔ منزہ اتر کر آگے بیٹھ رہی تھیں تو اسی اثنا

میں مشفق کی نظر پچھلی نشست پر پڑی جہاں مائرہ اسے شیشے میں سے ہاتھ اٹھا کر اداس چہرے کیساتھ الوداع کہہ رہی تھی۔ اس نے بھی جواباً ہاتھ ہلایا اور حمید نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا اور حال ہی میں دیکھی فلم چکوری کا گیت بے اختیار اس کے لبوں پر مچلنے لگا، ''کہاں ہو تم کو ڈھونڈھ رہی ہیں وہ بہاریں وہ سماں۔'' کمرے میں پہنچ کر اس نے اپنی آواز اونچی کر لی جسے سن کر سائڈ روم میٹ آ گیا۔ اس نے آج مشفق کو بہت دنوں بعد خوش دیکھا تھا۔ مُش نے بھی جو بابر کی وفات کے بعد قدرے تنہائی پسند ہو گیا تھا اپنے ساتھی کو پاس پا کر خوشی کا اظہار کیا اور اس کے ساتھ گپیں ہانکنے لگا اور اس کے جانے کے بعد وہ مستقبل کے خیالوں میں کھو گیا۔ سوچنے لگا کہ وہ گزشتہ دنوں کی غفلت سے ہونے والی کمی کو ہر صورت پورا کریگا اور کمانڈر انچیف کی اعزازی چھڑی حاصل کرنے کے لیے جان لڑا دے گا اور پھر وہ چھڑی اپنے مرحوم دوست کے نام کر دے گا جو اس کی زندگی میں خوشیاں لانے کا سبب بنا۔

مشفق کے کورس کی پاسنگ آؤٹ سے چند ہفتے قبل جب اس کے کورس کی Final Assessment ہوئی تو اس کے پلاٹون کمانڈر نے اسے یہ نوید دی کہ اس نے کورس میں ٹاپ کیا ہے اور اسے کمانڈر انچیف کی اعزازی چھڑی کا حقدار ٹھہرایا گیا ہے۔ مشفق کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس سے اب دن گننا مشکل ہو رہے تھے۔ اسی شام اس نے خاص طور پر پہلے ڈھاکہ کی کال بک کرائی اور اماں ابا کو اس کامیابی کی اطلاع دی۔ جن کی خوشی دیدنی تھی۔ تاہم انھوں نے وجوہات کی بنا پر پاسنگ آؤٹ پر آنے سے معذوری ظاہر کی۔ مشفق کو ان مجبوریوں کا احساس تھا، سو اس نے مزید کچھ نہ کہا البتہ انھیں یہ اطلاع ضرور دی کہ وہ اپنے مرحوم روم میٹ بابر کے اہل خانہ کو دعوت دے رہا ہے، جس پر ناہیدہ بیگم اور بدر نے خوشی کا اظہار کیا اور ان لوگوں کے لیے سلام بھیجا۔ ناہیدہ نے بیٹے کو یہ بتانا ضروری سمجھا کہ انھوں نے منزہ کو تعزیت کا خط لکھ دیا تھا، جس پر مشفق نے بتایا کہ اسے اطلاع مل گئی تھی۔ ڈھاکہ سے فراغت پا کر اس نے لاہور کی کال بک کروا کر منزہ آنٹی کو کامیابی کا مژدہ سنایا۔ منزہ بے حد خوش تھیں۔ بات کرتے کرتے بولیں، ''بیٹا! یہ مائرہ سے بھی بات کر لو۔ یہ بھی مبارک دینا چاہ رہی ہے۔''

''ہیلو! السلامُ علیکم.... آپ کو بہت بہت مبارک ہو'' مترنم آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''شکریہ مائرہ۔'' اس نے جھجکتے ہوئے پہلی دفعہ اس کا نام لیا، ''آپ کو بھی مبارک ہو۔''

مائرہ نے جواباً ایسے شکریہ ادا کیا جیسے اسے علم تھا کہ اسے کیوں مبارک دی جا رہی ہے اور پھر فون دوبارہ ماں کو دے دیا۔ مشفق نے انھیں بتایا کہ وہ جلد ہی دعوت نامے بھجوا دے گا۔

O

بالآخر وہ دن آ ہی گیا جس کا اس نے بچپن سے خواب دیکھا تھا۔ آج اس کی پاسنگ آؤٹ پریڈ تھی۔ اسے پنجاب رجمنٹ کی ایک تاریخی بٹالین میں کمیشن مل رہا تھا۔ ذاتی طور پر وہ باپ کی خواہش کے احترام میں ایسٹ بنگال رجمنٹ میں کمیشن حاصل کرنا چاہتا تھا مگر ایک تو پنجاب رجمنٹ اس کی اپنی بھی خواہش تھی اور دوسرا یہ پلٹن اس کے پیارے مرحوم دوست جنٹلمین کیڈٹ بابر حمید کا خواب تھی جسے زندگی نے مہلت نہ دی تو مشفق نے اپنے مرحوم دوست کی روح کو خوش کرنے کے لیے اس بٹالین کا انتخاب کیا۔ اس نے سوچا کہ آنٹی اور انکل کتنے خوش ہونگے جب انھیں علم ہوگا کہ میں نے ان کے بیٹے کی خواہش کا احترام کیا ہے اور پھر مائرہ کو کتنا سکون ملے گا۔

پی ایم اے کاکول کا مشہور زمانہ کالا گراؤنڈ (ڈرل اسکوائر) مہمانوں سے بھرا پڑا تھا۔ کیڈٹس کے والدین، عزیز و اقارب، وردیاں، تمغے ایک عجیب بہار دکھا رہے تھے۔ بحیثیت CSUO مشفق الاسلام اپنی اورنگ زیب کمپنی کی قیادت سنبھالے تلوار ہاتھ میں لیے گراؤنڈ میں داخل ہونے کے لیے تیار تھا۔ مہمان خصوصی کی آمد کا بگل بجا تو گھوڑے پر سوار اکیڈمی ایڈ جوٹنٹ نے مارچ کا اعلان کیا۔ چپ راست چپ راست کرتے کیڈٹس گراؤنڈ کے وسط میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ ساکت و جامد مشفق کی آنکھیں مائرہ کو ڈھونڈھ رہی تھیں لیکن اس کا دماغ ایڈ جوٹنٹ کی کمانڈ کی طرف تھا۔ اچانک اسے مائرہ ایک طرف انکل آنٹی کے ساتھ بیٹھی اپنی جانب اشارہ کرتے نظر آئی۔ اس نے وہی ساڑھی زیب تن کر رکھی تھی جو وہ اس کے لیے ڈھاکہ سے لایا تھا۔ یہ اس کے لیے اعزازات کے اعلان سے بھی پہلے ملنے والا 'اعزاز' تھا۔ اعزازات کا اعلان ہوا تو کمانڈر انچیف کی اعزازی چھڑی کے لیے اس کا نام لیا گیا۔ سینکڑوں تالیوں کی گونج میں بھی اسے مائرہ کی پرجوش تالیاں واضح طور پر سنائی دیں۔ چھڑی وصول کرتے بھی اس کی نظروں نے مائرہ کے کھلے چہرے کو ڈھونڈھ لیا۔ کیڈٹس سے عہد لیا گیا، مارچ ہوا اور جنٹلمین کیڈٹس، کمیشنڈ آفیسرز بن کر کالے گراؤنڈ سے باہر آ گئے۔

اکیڈیمی میس میں وہ چائے پر منزہ، حمید اور مائرہ کے پاس پہنچ گیا۔ دونوں بزرگوں نے اسے گلے لگایا اور دعائیں دیں۔ مائرہ نے اسے مبارک دی اور چھڑی مانگ لی، ''یہ میں لے لوں؟'' وہ نہایت معصومیت سے بولی۔

''جی یہ آپ ہی کے لیے ہے مگر اماں ابا کو دکھانے کے بعد۔'' وہ بولا۔

''ارے پاگل ہوئی ہو لڑکی؟ یہ اس کا اعزاز ہے۔'' منزہ نے بیٹی کو پیار سے ڈانٹا۔

''نہیں آنٹی وہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' سب اس کی طرف دیکھنے لگے، ''میں آج آپ کو بتا رہا ہوں کہ میرا یہ عہد تھا کہ اگر مجھے اعزازی چھڑی ملی تو وہ میں اپنے بھائیوں جیسے دوست بابر کے نام کروں گا۔ میں اماں ابا کو دکھالاؤں تو اس کے بعد یہ چھڑی بابر کے کمرے میں ہی جائے گی۔''

منزہ نے جب یہ سنا تو بے ساختہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ مشفق نے ان کا سر اپنے ساتھ لگا لیا، ''نہیں آنٹی آج خوشی کا موقع ہے آج نہیں رونا۔''

''نہیں بیٹا یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ تم نے بابر کے جانے کے بعد ہمیں قطعی اس کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ اللہ تمھیں ہمیشہ سلامت رکھے۔''

حمید صاحب نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا اور بولے، ''بیٹا اب کیا پروگرام ہے تمھارا؟''

''انکل میں نے کراچی کے لیے سیٹ کل شام کی لاہور سے ہی بک کروائی ہے اور پھر وہاں سے ڈھاکہ۔ ایک ہفتہ بعد میں واپس لاہور ہی آؤں گا۔ میری پلٹن لاہور میں ہی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی نظریں مائرہ سے ٹکرائیں جسکا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

''میرا مطلب ہے اب کیا پروگرام ہے؟ ہمارے ساتھ چلو گے؟''

''نہیں انکل.... مجھے تھوڑی دیر لگے گی۔ سامان بھی کافی ہے میرے پاس۔ ہم لاہور جانے والے لڑکوں نے گاڑی بک کرائی ہے۔ میں ان شاء اللہ شام تک گھر پہنچ جاؤں گا۔'' اس نے یقین دہانی کرائی۔

''لیٹ ہوئے تو کھانا نہیں ملے گا۔ وقت پر آجایئے گا کیونکہ آپ کو اکثر گاڑی دیر سے ملتی ہے۔'' مائرہ نے شرارت سے اسے بلوچ سنٹر میس لیٹ پہنچنے کا طعنہ دیا۔ نجانے مشفق کو کیوں ایسا لگا کہ جیسے مائرہ اس کی زندگی پر اپنا حق سمجھنے لگ گئی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس خیال سے اس کا دل کھل اٹھا۔

''یہ چھڑی میں احتیاط سے لیجا رہی ہوں، آپ کہیں گم نہ کر دیں، شام کو آ کر لے لیجیے گا۔'' مائرہ

نے اس سے پوچھے بغیر اس کے ہاتھ سے چھڑی لے لی۔ حمید صاحب اور مشفق ہنس پڑے اور منزہ اسے ایک دفعہ پھر ڈانٹنا نہ بھولیں۔

شام کو مشفق جب لاہور پہنچا تو گلبرگ کی 'اُلفت لاج' پھر آباد ہو چکی تھی۔ بوبی کو دُنیا سے رخصت ہوئے کوئی زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا لیکن اتنے قلیل وقت میں مشفق اس بدنصیب گھر کی رونقیں جس حد تک واپس لانے میں کامیاب رہا یہ اسی کا کارنامہ تھا۔ آپس میں ان لوگوں کا تکلف کافی حد تک دور ہو چکا تھا اور مائرہ بھی خوب چہک رہی تھی۔ مشفق کو احساس ہوا کہ مائرہ شوخ و چنچل ضرور ہے لیکن فطرتاً وہ بے حد معصوم ہے۔ مُش کو اتنے طویل سفر کے باوجود ذرا بھر تھکان محسوس نہیں ہو رہی تھی اور نہ ہی اس کے ذہن میں اگلا سفر تھا۔ حمید کب کے سونے کے لیے جا چکے تھے اور جب فجر کی اذان پر منزہ بھی نماز کے لیے اٹھیں تو مشفق نے اسے محفل برخاست ہونے کا اشارہ سمجھا۔ اس نے مناسب جانا کہ وہ بھی نیند کا بہانہ کر کے اٹھ جائے سو منزہ کے ساتھ ساتھ جب وہ بھی اٹھا تو مائرہ بولی، ''ہیں؟ آپ بھی جا رہے ہیں؟ آپ تو بیٹھتے میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔ اتنا تو مزہ آ رہا ہے باتوں کا۔''

اٹھتے اٹھتے منزہ نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔ مشفق کو مائرہ کی معصومیت پر پیار تو بہت آیا لیکن یہ سمجھ نہ آئی کہ وہ اس کی اس بچگانہ خواہش کا کیا جواب دے۔ بس اتنا کہا، ''نہیں اب جانا ہی مناسب ہے صبح سفر بھی کرنا ہے۔'' اور اللہ حافظ کہہ کر منزہ سے پہلے ٹی وی لاؤنج چھوڑ کر خوابگاہ کی جانب چلا گیا۔

اگلی صبح اٹھنے کے بعد زیادہ وقت ناشتے کی میز پر ہی گزرا ماسوائے اس تھوڑے سے وقت کے جب اس نے حمید سے درخواست کی کہ وہ بوبی کی قبر پر جانا چاہتا ہے۔ نکلتے ہوئے اس نے کھسیانا سا ہو کر مائرہ سے کہا، ''وہ....وہ مجھے چھڑی مل سکتی ہے تھوڑی دیر کے لیے؟''

''کیوں کیا کرنی ہے؟'' وہ بولی۔

''بوبی کو دکھانی ہے۔'' مشفق اداس لہجے میں بولا۔ مائرہ جیسے ایکدم خاموش ہو گئی، اس کی آنکھوں میں نمی تیرتی نظر آ رہی تھی۔ وہ کچھ کہے بغیر گئی اور چھڑی لا کر مشفق کو دیدی اور وہ خاموشی سے چھڑی پکڑ کر حمید کے ساتھ نکل گیا۔ شہرِ خموشاں میں اس نے جس انداز میں بوبی کی مرقد کے سرہانے کھڑا ہو کر جذباتی انداز میں اسے اعزازی چھڑی کے حصول کی کہانی سنائی اور پھر جس طرح اس اعزاز کو بوبی

کے نام کیا، وہ حمید کو رلانے کے لیے کافی تھا۔ وہ نہ رہ سکے اور آگے بڑھ کر مشفق کو سینے سے لگا لیا۔ مُش جو بابر کی موت سے اب تک ضبط کا بند باندھے ہوا تھا نہ رہ سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ جب ذرا طبیعت ہلکی ہوئی تو حمید نے اسے گھر چلنے کو کہا۔ واپس آ کر وہ سامان باندھنے میں مصروف ہو گیا۔ اسے گھر جانے کی خوشی بھی تھی اور مائرہ سے رخصت ہونے کی اداسی بھی۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے مائرہ تھی۔ وہ گھبرا کر بولا، ''جی مائرہ۔''

مائرہ ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے بولی، ''یہ لیجیے آپ کی رسٹ واچ۔''

مشفق نے چند لمحوں کے لیے گھڑی کو اور پھر مائرہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ آج اس نے پہلی مرتبہ نہایت غور سے ان جھیل جیسی گہری سرمئی اداس آنکھوں میں جھانکا تھا اور بہت کچھ کہنے کی تمنا دل میں رکھے صرف اتنا کہہ سکا، ''یہ کلائی گھڑی اب آپ کی ہے۔ مجھے ضرورت پڑی تو آپ ہی سے وقت پوچھ لیا کروں گا۔''

معصوم مائرہ غالباً اتنے گہرے جملے کا مفہوم نہ پا سکی اور خالی نظروں سے مشفق کو تکتی رہی۔ مُش نے ہمت کر ہی ڈالی اور نہایت نرمی سے اپنے ہاتھ سے مائرہ کی کلائی گھڑی والی مٹھی کو دھیرے سے بند کر دیا۔ اس نے محسوس کیا کہ مائرہ کا ہاتھ شدت سے کانپ رہا تھا۔ وہ بجلی کی تیزی سے کمرے سے نکل گئی اور مشفق خود کو ملامت کرنے لگا کہ شاید اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن دوسرے لمحے خود کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ یہ تو غیر ارادی عمل تھا جس کی اس نے ہرگز کوئی منصوبہ بندی نہ کر رکھی تھی۔ وہ اپنی دلیل سے قائل بھی ہو گیا اور دوبارہ پیکنگ میں مصروف ہو گیا۔

نیچے آیا تو سب لاؤنج میں منتظر تھے۔ مائرہ پر اس کی نظر پڑی تو اس نے اسے بالکل نارمل پایا۔ مشفق نے اطمینان کا سانس لیا۔ ہزار کہا کہ وہ چلا جائے گا مگر حمید کہاں ماننے والے تھے۔ بولے کہ یہ ساتھ ہی تو ہے ایئر پورٹ۔ منزہ اور مائرہ کو فرداً فرداً اللہ حافظ کہا۔ مائرہ بولی، ''آپ جب واپس آئیں تو ربابہ کو بھی لیتے آئیں۔ بہت دل چاہتا ہے اس سے ملنے کو۔ مشفق نے کہا کہ وہ وعدہ تو نہیں کرتا کیونکہ اسے ربابہ کی تعلیمی سرگرمیوں کا کوئی علم نہیں لیکن وہ اگر فارغ ہوئی تو ضرور ساتھ لائے گا۔ یہ سن کر مائرہ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ شکریہ کہنا نہ بھولی۔ منزہ نے واپسی کا پوچھا تو بولا دس بارہ روز تک آئے گا۔ اور یہاں سے اپنا سامان اٹھا کر اپنی یونٹ میں جائے گا۔ گاڑی تک پہنچا تو مائرہ کی ہانپتی

کانپتی آواز آئی، ''سنیے سنیے!!!!!''

اس نے چونک کر مڑ کر دیکھا تو مائرہ اعزازی چھڑی اٹھائے پورچ میں بھاگی چلی آ رہی تھی۔ سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''یہ چھڑی بھی لیجیے اور اپنی گھڑی بھی۔ جو رسٹ واچ بابر بھائی نے آپ کے لیے خریدی تھی، میں اسے آپ کی طرف سے رکھ لوں گی۔'' مائرہ اسے دونوں چیزیں تھماتے ہوئے بولی۔

مشفق نے سرمئی آنکھوں میں جھانکا اور انکار کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس نے سوچا کہ یہ گھڑی تو اب اور انمول ہو گئی ہے کیونکہ کچھ دن مائرہ کی کلائی پر جو رہی تھی۔ اس نے دونوں چیزیں پکڑیں اور کار میں بیٹھ گیا۔

''اس کی باتوں کا برا مت ماننا۔ دل کی کھری مگر معصوم ہے۔'' حمید نے صفائی پیش کی اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔

''بھائی آپ کو کیسا لگا جب آپ کو اعزازی چھڑی مل رہی تھی۔'' ربابہ اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہ رہی تھی۔

''ایسا لگ رہا تھا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ دیکھے! یہ ایک ایسا سپنا ہے جسے ہر کیڈٹ دیکھتا ہے لیکن سچ صرف کسی ایک کا ہوتا ہے۔'' مشفق نے جواب دیا۔

''بیٹا تمھارے دوست کے گھر والے آئے تھے پریڈ دیکھنے؟'' ناہیدہ کسی اور خبر کی تلاش میں تھیں۔

''اماں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ نہ آتے۔ وہ تو شاید ایک روز پہلے ہی آگئے ہونگے۔'' ربابہ نے بھائی کو چھیڑا اور پھر بھائی سے مخاطب ہوئی، ''شفو بھیا! مائرہ آئیں تھیں؟''

''ہاں آئی تھی۔'' اس نے دانت پیستے اور آنکھیں نکالتے ہوئے جواب دیا۔

''بیٹا میں نے انھیں روبی سے تعزیت کا خط لکھوا دیا تھا۔'' ناہیدہ نے اسے مطلع کیا۔

''جی اماں آنٹی نے بتایا تھا۔''

''آنٹی نے یا مائرہ نے؟ کیوں کہ خط تو میں نے مائرہ کو لکھا تھا۔'' بہن نے پھر لقمہ دیا۔

''شرم کرو۔ وہ بڑی ہیں تم سے۔'' مشفق نے تنبیہہ کی۔

''اوئے ہوئے.... ابھی سے ہی؟ چلیں جی آج سے موموآپی کہوں گی۔'' ربابہ کھلکھلاتے ہوئے بولی۔

''بیٹا یہ مائرہ کرتی کیا ہے۔'' ناہیدہ کا اگلا سوال تھا۔

''اماں کالج میں پڑھتی ہیں۔'' وہ اس براہ راست سوال پر جھینپتے ہوئے بولا۔

''دیکھنے میں کیسی ہے؟ ایک بار تم نے کچھ تصویریں بھیجیں تھیں لیکن ان میں شکل واضح نہیں۔''

''کیا کہہ سکتا ہوں ماں؟ اچھی ہیں۔''

''صرف اچھی ہیں؟ اماں آفت ہیں آفت موموآپی۔ بھیا کے پاس کوئی نہ کوئی کلوز اپ ضرور ہو گا پرس میں۔ ہیں ناں بھیا؟''

''نہیں اماں میرے پاس کوئی تصویر نہیں لیکن اکیڈیمی میں کھینچی ہوئی کچھ تصویریں شاید میرے سامان میں ہوں۔ ملیں تو دکھاتا ہوں۔''

تصویروں کا سن کر ربابہ تو خوشی سے پاگل ہوگئی۔ بھائی سے اصرار کرنے لگی کہ جلدی دکھائے۔

''بیٹا تمھیں پسند ہے مائرہ؟'' یہ سوال ماں کا نہیں ایک دوست کا تھا۔

''جی اماں۔'' مشفق نے اپنے پتے شو کرادیئے۔

''تو میں خط لکھ کر ہاتھ مانگ لوں اس کا؟'' سادہ لوح ناہیدہ بولیں۔

''ارے نہیں اماں.... پہلے آپ میں سے کوئی مل تو لے ان لوگوں سے۔''

''بیٹا اتنی دور سے کون جائے گا انھیں ملنے۔''

''میں جاؤنگی موموآپی کو ملنے۔'' ربابہ نے مشورہ دیا۔

''ارے ہاں اماں.... ویسے بھی مائرہ اور آنٹی کی خواہش تھی کہ واپسی پر روبی کو ساتھ لاؤں۔ اگر آپ اسے اجازت دیں تو میں اسے ساتھ لے جاؤں گا چھٹی ختم ہونے پر۔ دراصل مجھے اس کی پڑھائی کے معمولات کا نہیں پتہ تھا سو وعدہ نہیں کیا۔''

''شفو بھیا! میں تو میٹرک سے فارغ ہو چکی ہوں۔ آجکل چھٹیاں ہیں۔ اب کہیں اکتوبر میں کالجوں کے داخلے ہوں گے۔ فارم کب کے جمع کروا چکی ہوں۔''

''ٹھیک ہے اپنے بابا سے آج بات کر لینا.... مگر یہ رہے گی کہاں پر؟''

''اماں! یہ مائرہ لوگوں کے پاس رہے گی، اور کہاں رہنا ہے اس نے؟ ان لوگوں کے گھر میں بس وہی تین لوگ تو رہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے مگر زیادہ دیر نہ رکھنا۔ اچھا نہیں کسی پر بوجھ بننا۔''

''یہ کیا بات ہوئی اماں؟ میں پھپھی (مغربی) پاکستان جا رہی ہوں۔لاہور کی بہت تعریف سنی ہے۔خوب گھوموں پھروں گی، پھر واپس آؤں گی۔'' ربابہ نے صدائے احتجاج بلند کی۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے کرادوں گا سیر بھی۔ ہر وقت ہری مرچ نہ بنی رہا کرو۔'' اب چھیڑنے کی باری مشفق کی تھی۔اور سب نے قہقہہ بلند کیا۔

○

آج دوسرا دن تھا کہ بارش ہو رہی تھی۔ لاہور کی ساون کی جھڑی کا اپنا ایک منفرد انداز ہوتا ہے لیکن سبزہ اور خاموشی، یہ دو چیزیں اِسے کسی نہ کسی طرح ڈھاکہ کی برسات سے مماثلت دیتی ہیں۔منزہ اور مائرہ لاؤنج میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔منزہ اسے پوچھ رہی تھی کہ مشفق کی واپسی کب ہے۔منزہ بچوں سے دوستی رکھنے والی مگر چوکنی اور باخبر ماں تھی۔ وہ اپنی بیٹی کی آنکھوں میں مشفق کے لیے پسندیدگی کی جھلک دیکھ چکی تھی مگر اسے یہ بھی علم تھا کہ مائرہ کو اپنی حدود و قیود کا بخوبی علم ہے۔ یہ الگ بات تھی کہ اس نے اس معاملے پر براہ راست مائرہ سے کبھی بات نہیں کی کیونکہ اس کے خیال میں ابھی اس بات کا وقت نہیں آیا تھا۔ ہاں سلجھا ہوا پرکشش نین نقش والا مشفق اسے بھی بے حد پسند تھا۔منزہ کو علم تھا کہ وہ جب بھی کسی حوالے سے مشفق کا ذکر کرتی ہے تو مائرہ کے مکھڑے پر رونق سی آجاتی ہے۔جواں سال بیٹے کی موت کے بعد وہ اپنی لاڈلی بیٹی کو کسی صورت اداس نہیں دیکھ سکتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ وقت بے وقت مُش کا ذکر کر کے مائرہ کو زندگی کی طرف واپس لانے کی کوشش کیا کرتی تھی۔

''مشفق کیا چیز شوق سے کھاتا ہے؟'' منزہ نے مائرہ کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

مائرہ نے سر اٹھایا اور حیرانگی سے ماں کو پوچھنے لگی، ''ماما مجھے کیا پتہ ہو؟''

منزہ اپنی شرارت پر خود ہی ہنسنے لگی اور بولی، ''اوہ میں تو بھول ہی گئی تھی کہ تمھیں بھلا کیسے پتہ ہوگا۔'' پھر بات بدلتے ہوئے بولیں، ''آج پکوڑے بنانے کو دل چاہ رہا ہے۔آج بوبی زندہ ہوتا تو اب تک نجانے کتنی دفعہ بنوا بھی چکا ہوتا۔''

مائرہ نے فوراً اٹھ کر ماں کے گلے میں اپنے بازو حمائل کر دیئے، ''ماما ایسے نہ سوچا کریں۔ دیکھیں ناں اللہ نے مشفق کی شکل میں بوبی بھائی کو دوبارہ ہم سے ملا دیا۔''

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ مائرہ فوراً سننے کے لیے اٹھی، ''میں دیکھتی ہوں کون ہے۔''

''ہیلو.....جی یہی نمبر ہے۔ٹرنک کال ہے؟ کہاں سے؟....اچھا ملائیے۔''

منزہ، جو مائرہ کے چہرے پر آتی جاتی سرخی کو دیکھ کر اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ کال کہاں سے ہوسکتی ہے، ہار مان کر بولی، ''کہاں سے ٹرنک کال ہے بیٹا؟ سب خیریت تو ہے ناں؟''

''ماما ڈھاکہ سے ہے، شاید مشفق ہیں۔'' مائرہ کے چہرے پر آئی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

''بڑی لمبی عمر ہے۔ ابھی اس کا ہی ذکر ہو رہا تھا۔'' منزہ بولی۔

''ہیلو.... السّلامُ علیکم۔ جی کون بات کر رہا ہے؟''

''وعلیکم السّلام.... میں ربابہ بات کر رہی ہوں ڈھاکہ سے۔'' روبی نے انگریزی میں جواب دیا اور پھر ساری گفتگو انگلش میں ہی ہوئی، ''آپ مائرہ بات کر رہی ہیں ناں؟''

''جی جی.... میں مائرہ ہی ہوں۔ آپ کیسی ہو ربابہ؟''

''فائن.... آپ نے مجھے پہچان لیا ہے؟''

''ارے کیوں نہیں.... مشفق ہر وقت آپ لوگوں کا ہی ذکر کرتے رہتے تھے۔ کیسے ہیں انکل آنٹی؟''

''جی آپی سب ٹھیک ہیں۔ شفو بھیا نے ہی کال ملوا کر دی ہے کہ آپ سے بات کرلوں۔ میں نے آپ کو ایک گڈ نیوز دینے کے لیے فون کیا تھا لیکن وہ شفو بھیا ہی بتائیں گے۔ یہ لیں ان سے بات کر لیں۔'' اور اس نے فون مشفق کو تھما دیا۔

''السّلامُ علیکم مائرہ.... کیسی ہیں آپ، انکل آنٹی بھی ٹھیک ہیں؟''

''جی سب ٹھیک ہیں۔ آپ کا کیا حال ہے؟'' گھبراہٹ میں اس سے بات کرنی مشکل ہو رہی تھی اور منزہ اس کی اس کیفیت سے لطف اندوز ہو رہی تھی کیونکہ اسے علم ہو گیا تھا کہ لائن پر اب مشفق ہے۔

''مائرہ آپ کو ایک خبر دینی تھی۔''

اور مائرہ نے نجانے کیا سوچا جو گھبراہٹ میں یہ کہہ کر فون ماں کو دے دیا، ''جی یہ لیں آپ ماما سے بات کرلیں۔''

''جی مشفق بیٹا کیسے ہو؟ گھر پر سب کیسے ہیں؟''

''الحمدللہ آنٹی سب ٹھیک ہیں سلام کہہ رہے ہیں۔ امّی سے کسی وقت آپ کی بات کراؤں

گا۔آپ سے اجازت لینی تھی؟''

''اجازت؟ کیسی اجازت بیٹا؟ بولو۔''

''وہ دراصل ربابہ ویسٹ پاکستان، میرا مطلب کہ لاہور دیکھنا چاہتی ہے اور مائرہ نے بھی کہا تھا کہ اسے لے کر آؤں سو میں نے کہا کہ آپ سے اجازت لے لوں۔''

''بہت بری بات..... بچے بھلا اپنے گھر آنے کے لیے اجازت مانگتے ہیں؟''

''تھینک یو آنٹی.....وہ میرے ساتھ آ رہی ہے.....ہیلو، ہیلو۔''

''ہیلو..... مشفق بیٹا، ہیلو..... میرا خیال ہے کال کا وقت ختم ہو گیا تھا۔'' فون کریڈل پر رکھتے ہوئے وہ مائرہ کو بتانے لگیں اور کہنے لگیں، ''نہ یہ تم نے مجھے کیوں فون پکڑا دیا تھا؟ مشفق ہی تھا کوئی ہوا تو نہیں تھا۔''

''ماما مجھے شرم آ گئی تھی بات کرتے۔'' مائرہ سرخ چہرے اور تپتی لوؤں کے ساتھ بولی۔

''اللہ کی شان ہے۔جب اس کی اعزازی چھڑی چھین رہی تھیں تب شرم نہیں آئی۔اور بائے دا وے اس کی کلائی گھڑی پر قبضہ کیوں جما لیا ہے آپ نے؟''

مائرہ کو تو جیسے ۴۴۰ وولٹ کا کرنٹ لگا ہو۔ ماں کو دیکھا تو وہ مسکرا رہی تھیں۔

''ماما وہ بابر نے مجھے خود دی تھی لیکن جناب میں نے انھیں واپس کر دی تھی جب وہ ڈھاکہ جا رہے تھے اور جوان کے لیے بوبی بھائی گفٹ لائے تھے وہ رکھ لی ہے۔''

''اوہو.....تو بات یہاں تک پہنچ چکی ہے۔جناب یہ کب ہوا جو ہمیں پتہ بھی نہیں چلا۔'' منزہ ابھی تک بیٹی کو تنگ کرنے کے موڈ میں تھیں۔

مائرہ ماں کے مذاق کو نہ سمجھ سکی اور ایک لمحے میں سنجیدہ ہو کر بولی، ''ماما.....آپ کو اپنی بیٹی پر اعتماد ہونا چاہیے۔ پاسنگ آؤٹ کے بعد جب وہ آئے تو میں انھیں گھڑی دینے گئی تو انھوں نے کہا کہ چوری کر ہی لی ہے تو اب آپ ہی رکھیں۔اس وقت میں نے رکھ تو لی لیکن پھر سوچا کہ کیوں نہ وہ رکھ لوں جو بوبی بھائی خرید کے لا رہے تھے اور ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا؟ چنانچہ جس دن ڈھاکہ جا رہے تھے تو ان کی والی واپس کر دی تھی۔'' یہ کہہ کر اس نے ہولے ہولے سر اٹھایا تو دیکھا کہ ماں بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کیے ہوئے تھی۔

''ماما!!!.....آپ مجھے تنگ کر رہی تھیں؟''

''نہیں میں تمھیں صرف یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ میں تمھاری ماں ہی نہیں بلکہ سہیلی بھی ہوں اور مجھے ہر پل ہر بات کی خبر ہوتی ہے۔ مشفق بہت اچھا بچہ ہے۔ میں نے اس کی نظر میں بھی تمھارے لیے چاہت اور احترام دیکھا ہے۔ اور اگر میرے اللہ نے تم دونوں کو ایک کر دیا تو میں سمجھوں گی میرا بوبی واپس آ گیا ہے۔''

''میری جان ماما۔'' مائرہ نے وفورِ جذبات میں اٹھ کر منزہ کا منہ چوم لیا اور اس کی آغوش میں سر رکھ کر بیٹھ گئی۔

''اچھا سنو!.....وہ کب آ رہا ہے؟''

''ماما بتا کر تو گئے تھے کہ نو ستمبر کو واپسی ہے۔'' پھر جیسے کچھ یاد آیا ہو، ''اوہ خدایا.....آج سات ستمبر ہے مطلب پرسوں واپسی ہے ان کی؟''

''جی بیٹا جی اور تمھاری اطلاع کے لیے کہ وہ اکیلا نہیں آ رہا۔'' منزہ نے اسے خبر دی۔

مائرہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی، ''کیا مطلب ماما؟''

''مطلب یہ کہ رُبابہ بھی اس کے ساتھ آ رہی ہے۔ تمھی نے تو اس سے فرمائش کی تھی۔ اب اس بچی کو لاہور گھمانا پھرانا، دوستوں سے ملانا۔''

مائرہ کی تو جیسے لاٹری نکل آئی ہو۔ خوشی سنبھالی نہیں جا رہی تھی، ''ماما جی ہمیں تو بہت تیاری کرنی ہے اور وقت بہت تھوڑا ہے۔''

''تمھارے مہمان ہیں تم تیاری کرو بھئی۔ میں تو اب آرام کروں گی۔'' منزہ نے پھر شرارت کی۔

''ماما!.....آپ بھی ناں۔'' مائرہ جھینپتے ہوئے بولی۔

○

رات کا وقت تھا اور گھر والے کچھ دیر پہلے ہی کھانے سے فارغ ہوئے تھے، بدر پلنگ پر نیم دراز تکیے سے ٹیک لگائے مشفق سے باتیں کر رہے تھے جو ان کے پاؤں کی جانب بیٹھا تھا۔ ناہیدہ شاید کچن میں برتن سمیٹ رہی تھیں اور ربابہ جسے لاہور جانے کا سن کر نیند نہیں آ رہی تھی، اپنی تیاریوں میں مصروف تھی۔ بدر، بیٹے سے اس کی اگلی پیشہ ورانہ سرگرمیوں بارے معلومات حاصل کر رہے تھے۔ انھوں نے اس سے ایسٹ بنگال رجمنٹ چھوڑ کر پنجاب رجمنٹ میں جانے کی وجہ پوچھی تو مشفق نے جو جواب دیا اس نے بدر کا دل موہ لیا۔

''بابا ایک تو تمام رجمنٹس ہماری ہی فوج کی ہیں خواہ بنگال رجمنٹ ہو یا پنجاب، بلوچ ہو یا پھر فرنٹیئر فورس، سو اس سے فرق نہیں پڑتا اور دوسرا یہ کہ میرا اکیڈیمی کا مرحوم دوست پنجاب رجمنٹ میں جانا چاہتا تھا لیکن زندگی نے وفا نہیں کی تو اس کی خواہش کے احترام میں، میں نے پنجاب رجمنٹ میں جانے کا فیصلہ کیا ہے۔اور پھر یہ میری اپنی خواہش بھی تو تھی، آپ شاید بھول گئے ہیں؟''

بدر میاں بیٹے کے فیصلے کو سراہتے ہوئے بولے،''یہ وہی دوست ہے ناں جو تم لوگوں کی طرح دو ہی بہن بھائی تھے؟''

''جی بابا جان....لیکن اب صرف بہن اکیلی رہ گئی ہے۔''

''اللہ کی مرضی بیٹا....اچھا کر رہے ہو جو رابعہ کو کچھ دنوں کے لیے لے کر جا رہے ہو۔ یہ لاہور بھی دیکھ لے گی اور اس بچی کا بھی کچھ دنوں کے لیے دل بہل جائے گا۔''

''جی بابا!'' مشفق نے سعادتمندی سے کہا اور ساتھ ہی دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ اس کا مطلب ہے کہ اماں نے بابا سے بات کی ہے اور انھیں ساری تفصیل بتا دی ہے۔

''اور دیکھو۔'' بدر نے اس کے خیالات کا سلسلہ توڑا،''جہاں تک ہو سکے ان لوگوں کا خیال رکھنا۔انھیں کبھی بیٹے کی کمی محسوس نہ ہونے دینا۔''

بدر کی یہی خوبی تھی کہ اگر کچھ کہنا ہوتا تو کبھی براہ راست بات نہیں کرتے تھے۔ان کا کہنا تھا کہ اس طرح یا تو انسان شرمندہ ہو جاتا ہے اور خود کو قصوروار سمجھنا شروع کر دیتا ہے یا پھر آپ کی بات کو حکم تصور کر لیتا ہے۔آپ بالواسطہ بات کریں جس سے تعلق ہوگا وہ فوراً سمجھ جائے گا اور اپنی سہولت کے مطابق فیصلہ کریگا۔اور یہی ہوا کہ مشفق سمجھ گیا کہ اماں نے بات کر لی ہے اور بابا نے اس معاملے میں گرین سگنل دکھا دیا ہے۔اس کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔اب اس سے زیادہ واضح الفاظ اور کیا ہو سکتے تھے کہ 'انھیں کبھی بیٹے کی کمی محسوس نہیں ہونے دینا'۔

بدر بات مکمل کرتے ہوئے بولے،'' پاکستان بننے سے پہلے ایک دفعہ تمھارے دادا کے ساتھ لاہور گیا تھا جو شیر بنگال مولوی فضل الحق کے قریبی ساتھی تھے اور اسی وقت سے ہمارا خاندان مسلم لیگ کے ساتھ رہا ہے۔''

''بیٹا! ان شاء اللہ زندگی رہی اور تم کچھ عرصہ لاہور میں رہے تو میں تمھارے پاس ضرور آؤں گا۔ اللہ تمھارا گھر آباد کرے تو بہو کے ہاتھ کے کھانوں سے بھی لطف اندوز ہوں گا۔'' انھوں نے شستہ انداز

میں بیٹے سے مذاق کیا اور اسے لطیف انداز میں احساس دلا دیا کہ انھیں گھر کے تمام معاملات کا بخوبی علم ہے، ''اب تو لاہور یقیناً بہت بدل گیا ہوگا۔ مجھے منٹو پارک، ماڈل ٹاؤن اور مال روڈ کی تازہ تصویریں ضرور بھیجنا۔ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اب وہ جگہیں کیسی ہیں۔''

''جی بابا ضرور بھیجوں گا۔''

''اور دفتر میں اپنے پہلے دن کی بھی، اگر ہو سکے تو۔ میری خواہش تھی کہ میں یہ خوبصورت وردی پہنتا لیکن کیا ہوا اگر میں نہیں پہن سکا؟ میرے بیٹے نے پہنی، میں نے پہنی ایک ہی بات ہے۔''

''جی بابا، ان شاءاللہ آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔''

''تم نے مغربی پاکستان کے بھائیوں کا رویہ کیسا پایا ہے؟'' بدر نے غیر متوقع سوال داغا۔

''اچھا اور دوستانہ ہے۔ میرا زیادہ واسطہ تو اکیڈمی میں اپنے کورس والوں اور سینئرز سے ہی پڑا یا پھر دکانداروں سے پڑتا تھا اور ان سب کو تو میں نے نہایت گرم جوش اور دوستانہ پایا تھا۔''

''اس کا مطلب کہ یہ جھگڑے، اختلافات صرف سیاست کے ہی ہیں؟''

''جی بابا معذرت کے ساتھ کہ جیسا آپ کا دوست مجیب ادھر ہے ویسے ہی ادھر کے بھی چند سیاستدان ہیں۔ عوام کو انگلیوں پر نچانا ان سیاستدانوں کی قدر مشترک ہے لیکن ہمیں سیاست میں دلچسپی لینے سے سختی سے منع کیا جاتا ہے۔''

''بہت اچھی بات ہے۔ ایک سپاہی کا سیاست سے سروکار ہونا بھی نہیں چاہیے۔ وہ وطن کا سپاہی ہوتا ہے کسی علاقے یا گروہ کا نہیں۔''

''جی بابا بالکل درست کہا آپ نے۔''

سنا ہے کہ تمھارے دوست کے والد بھی کوئی کاروبار کرتے ہیں؟ کیا کرتے ہیں وہ؟''

''جی ان کا گلبرگ میں ہی ایک معقول میڈیکل سٹور ہے، دوائیوں کا بزنس ہے انکا۔''

''اچھا اچھا.... اپنے دوست کے والد کو میرا اسلام کہنا۔''

''جی بہت اچھا بابا۔'' مشفق نے الوداعی جملے کہے اور شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

اُلفت لاج میں گویا عید کا سا سماں تھا۔ مشفق اور رُبابہ تھوڑی ہی دیر پہلے لاہور پہنچے تھے۔ منزہ کو شکایت تھی کہ بچوں نے اطلاع کیوں نہیں دی کہ کس فلائٹ سے آ رہے ہیں ورنہ حمید انھیں لینے جاتے اور مشفق کا کہنا تھا کہ اسی وجہ سے اس نے نہیں بتایا تھا کیونکہ وہ انکل کو زحمت نہیں دینا چاہتا تھا کیونکہ اسے اچھا نہیں لگتا تھا کہ انکل اسے چھوڑنے اور لانے کی ڈیوٹی دیں۔ سہ پہر کا وقت تھا اور حمید ابھی سٹور پر ہی تھے۔ ڈھاکہ اور لاہور میں 'معلومات' کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ منزہ درمیان میں کچھ دیر کے لیے اٹھ کر کچن جاتیں اور پھر آ کر بچوں کے پاس بیٹھ جاتیں۔ ربابہ بھی یہاں آ کر بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔ حالانکہ انھیں آئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی لیکن وہ آپس میں ایسے گھل مل گئے تھے جیسے برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔

"مائرہ آپی! میں اگر آپ کو موموآپی کہوں تو آپ کو اعتراض تو نہیں ہوگا؟"

"ارے نہیں.... بالکل بھی نہیں۔ یہ تو اتنا پیارا نام ہے۔ اور اگر میں تمھیں روبی کہوں تو تمھیں بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیے؟ ہیں ناں؟"

"بالکل بھی نہیں آپی، گھر میں بھی مجھے روبی یا دکچے کہا جاتا ہے.... آپ مجھے جو چاہیں کہہ سکتی ہیں۔"

"ویسے مائرہ میں اسے 'چھوٹو دکچے' (بلی) کہتا ہوں۔ اگر خالی 'دکچے' کہا جائے تو بلی جنگلی ہو جاتی ہے۔" مشفق نے لقمہ دیا اور سب کا زوردار قہقہہ بلند ہوا۔

ابھی چائے کے برتن سامنے ہی پڑے تھے کہ حمید بھی آگئے۔ وہ بچوں کیوجہ سے آج جلدی آئے تھے کیونکہ مائرہ انھیں مُش کی آمد کی اطلاع دے چکی تھی۔ وہ ربابہ سے خصوصی شفقت سے ملے۔ باتوں کے ساتھ ساتھ چائے کا دوسرا دور بھی چلا۔ حمید نے مشفق کا اگلا پروگرام پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ صبح یونٹ رپورٹ کریگا تو اس کے بعد ہی پتہ چلے گا کہ کیا ہونا ہے۔ بقول اس کے کہ وہ ابھی تک اکیڈیمی کے ماحول سے نہیں نکلا اور خود کو کیڈٹ ہی سمجھ رہا ہے۔ پلٹن سے واسطہ پڑیگا تو اسے یقین ہوگا کہ وہ سیکنڈ لیفٹیننٹ بن چکا ہے۔ مائرہ نے جب دیکھا کہ ابو اور مشفق کی گپیں شروع ہو گئی ہیں اور منزہ دوبارہ کچن میں جا چکی ہیں تو وہ روبی کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

روبی مائرہ کے کمرے میں داخل ہوئی تو سامنے ہی بابر کا خوبصورت پورٹریٹ دیوار پر لگا تھا جسے روبی دیکھتی ہی رہ گئی، ''بہت خوبصورت تھے بوبی بھائی.... بالکل آپ کی طرح موموآپی۔''

''روبی وہ دل کا بھی بہت پیارا تھا۔ ہر ایک کا احساس کرنے والا۔ مجھے ابو اور ماما سے زیادہ تو وہ چاہتا تھا۔ ہر طرح سے خیال رکھتا تھا۔ دن ہو یا رات، میرے ایک اشارے پر وقت کی پروا کیے بغیر میری خواہش پوری کرنے نکل پڑتا تھا۔ مجھے یہ خوداعتمادی بوبی کی ہی دی ہوئی ہے۔'' مائرہ نے اسے نم آنکھوں سے بتایا۔

''بالکل شفو بھیا کی طرح.... وہ بھی میرا اسی طرح خیال رکھتے ہیں۔''

''اللہ انھیں سلامت رکھے۔ بوبی بھائی ہمیں بھولتے تو کسی لمحے نہیں لیکن جب سے مشفق ہمیں ملے ہیں ہمارا دکھ انھوں نے بہت زیادہ بانٹ لیا ہے ورنہ ہم لوگ تو شاید جیتے جی مر گئے ہوتے۔'' مائرہ ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولی۔

''موموآپی! ایک بات پوچھوں، مائنڈ تو نہیں کریں گی؟''

''ارے نہیں بالکل بھی نہیں، پوچھو پوچھو۔''

''شفو بھیا آپ کو کیسے لگتے ہیں؟''

مائرہ اس غیر متوقع سوال کے لیے ہرگز تیار نہ تھی سو گڑبڑا گئی، ''کک.... کیا مطلب روبی؟ میں سمجھی نہیں۔''

''میرا مطلب ہے کہ آپ انھیں کیسا سمجھتی ہیں؟ مم.... مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ سے کیسے

پوچھوں؟ میری ہمت نہیں ہو رہی۔'' مائرہ کو خاموش دیکھ کر اس نے بات جاری رکھی، ''سوری آپی اگر میں نے کوئی غلط بات کہہ دی ہو۔ ہم ابھی چند گھنٹے قبل ہی ملے ہیں اور میں نے ذاتی سا سوال کر دیا جو مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''ارے نہیں روبی.... میری جان تم نے کوئی غلط سوال نہیں کیا۔ تم تو میری بہت پیاری بہن ہو۔'' مائرہ اب تک روبی کا مطمع نظر سمجھ چکی تھی کہ وہ کیا جاننا چاہتی تھی اور اسے اعتراف کرنے کے لیے یہ موقع مناسب لگا، ''تم یہی جاننا چاہتی ہوناں کہ مشفق مجھے اچھے لگتے ہیں یا نہیں؟''

''جی موموآپی۔''

''نہیں.... وہ مجھے اچھے نہیں لگتے۔'' مومو نے نہایت سنجیدہ شکل کے ساتھ جواب دیا۔ روبی کا چہرہ جیسے بجھ سا گیا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کا ہزار میل دور آنا بے سود ثابت ہوا ہے۔ وہ مایوس لہجے کے ساتھ بولی، ''واقعی وہ آپ کو اچھے نہیں لگتے؟''

''ہاں کہا ناں وہ مجھے اچھے نہیں لگتے.... بلکہ بہت ہی اچھے لگتے ہیں۔ پگلی وہ تو میرے دل میں بستے ہیں۔'' اور یہ کہہ کر شرارت بھری نظروں سے روبی کو دیکھنے لگی۔

''آپی.... میری موموآپی۔'' وہ فرط جذبات سے اٹھی اور مومو کو بھینچ کر اپنے ساتھ لگا لیا، ''آپ نے تو مجھے میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی دے دی ہے۔''

''مجھ سے تو تم نے پوچھ لیا شرارتی لڑکی، اب ذرا مجھے بھی ادھر کی خبر دو۔'' مائرہ نے بے چینی سے پوچھا۔

''آہم، آہم.... موموآپی دراصل صورتحال کچھ یوں ہے کہ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔ شفو بھیا بھی کسی نہ کسی بہانے آپ کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں۔ بہت ظلم کر رہی ہیں آپ میرے بھیا پر۔'' وہ آنکھ مارتے ہوئے بولی اور مائرہ کو یوں لگا جیسے اچانک وہ ساتویں آسمان پر اڑ رہی ہو۔ اس نے نہایت پیار سے روبی کا کان کھینچا اور بولی، ''بس اتنا ہی؟ کچھ مزید خبریں دو میری پیاری بلی۔''

''مزید خبروں کے لیے آپ تھوڑی دیر بعد ریڈیو سٹیشن سے خود رابطہ کیجیے گا۔ ویسے آپ دونوں بہت پہنچی ہوئی چیزیں ہیں۔ پانی سر سے گزر چکا ہے اور معصوم گھر والوں کو کچھ پتہ ہی نہیں۔ میں آنٹی کو بتاتی ہوں۔'' وہ اٹھنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولی تو مائرہ نے اسے پکڑ کر بٹھا لیا، ''ارے نہیں ظالم سماج مت بنو۔ تم تو آج سے میری سفیر ہو۔''

''قانون کہتا ہے کہ دو ملک ایک ہی شخص کو سفیر نہیں رکھ سکتے۔'' روبی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اچھا بابا دو ملکوں میں نہ سہی.... لیکن ایک ہی ملک کے دو حصوں میں تو مشترکہ سفیر ہو سکتا ہے کہ نہیں؟'' حاضر جواب مائرہ بولی۔ لیکن روبی بھلا کہاں ہار ماننے والی تھی، ''جی وہ سفیر نہیں، وزیر رابطہ ہوتا ہے۔''

''چلو وزیر رابطہ ہی بن جاؤ۔'' مائرہ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ ہوئی ناں بات.... کل تو شفو بھائی نے ڈیوٹی جوائن کر لینی ہے، چلیں آج رات کچھ کرتے ہیں۔ بس اب خدمت و دمت کیا کریں اپنی ہونے والی نند کی۔''

''بہت اچھا نند جی.... جو حکم آپ کا۔'' مائرہ تعظیماً جھکتے ہوئے بولی اور دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ نیچے سے منزہ کی آواز آئی کہ کھانا لگ چکا ہے اور دونوں نیچے چل پڑیں۔

کھانے کی ٹیبل پر بھی خوش گپیاں جاری رہیں۔ وہیں مائرہ کو علم ہوا کہ روبی ان لوگوں کے پاس تقریباً ایک ماہ کے لیے ہے اور اس دوران مشفق گاہے بگاہے ویک اینڈ پر بشرط فراغت چکر لگاتا رہے گا۔ اسی رات جب یہ تینوں کھانے کے بعد بابر کی خوابگاہ میں بیٹھے گپ شپ میں مصروف تھے تو ربابہ نے اپنا سفارتکاری کا حق ادا کر دیا اور پھر جلد نیند آنے کا بہانہ کر کے اٹھ گئی مگر جاتے ہوئے بھی شرارت کرنے سے نہ چوکی، ''سنیں رابطہ وزیر نے تو اپنی ذمہ داری پوری کر دی اب یہ فریقین کی ڈیوٹی ہے کہ وہ تحمل سے معاملات طے کریں اور ایوان کو مچھلی منڈی نہ بنائیں۔''

مشفق بہن کو پکڑنے کے لیے اٹھا مگر وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔ وہ واپس آ کر مائرہ کے سامنے دوسری بیڈ روم کرسی پر بیٹھ گیا۔ دونوں گھبرائے ہوئے اور بالکل خاموش تھے البتہ مشفق کے مقابلہ میں مائرہ قدرے پر اعتماد تھی اور مُش کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ مشفق کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا بات کرے اور سلسلہ کلام کیسے شروع کرے۔ اچانک دونوں کی نظریں ٹکرائیں تو مشفق گڑبڑا کر بولا، ''وہ.....و.....وہ وقت کیا ہوا ہے؟''

''اتنا معلوم ہے کہ دیر نہیں ہوئی۔'' مائرہ شرارت سے بولی، ''ویسے بھی وہ بوبی بھائی والی گھڑی میں نے سنبھال کر رکھ دی ہے۔ ہر وقت تو میرے پاس نہیں ہوتی ناں۔''

''یہ دکھے بہت شرارتی ہے۔'' مُش نے خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

''دعا دیں اس کو کہ شرارت کی تو سہی ورنہ آپ ایسے ہی زندگی گزار دیتے۔''

''نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں تھی۔ بس عجیب سا احساس جرم محسوس ہوتا تھا۔''

''محبّت کا اظہار کرتے ہوئے؟'' مائرہ نے بات مکمل کر دی۔

''ہاں.... یہی کہ میرے دوست کا گھر ہے اور اگر انکل آنٹی کو پتہ چل گیا تو وہ کیا کہیں گے۔''

''کیا محبّت کسی کے بس میں ہوتی ہے؟ کیا اس جذبے کو جرم کا نام دیا جا سکتا ہے؟ کیا یہ اجازت لے کر کی جاتی ہے یا کی جانی چاہیے؟ نہیں بالکل بھی نہیں۔ تو پھر آپ کو کیسا احساس جرم تنگ کر رہا تھا؟''

''تمھاری ہر بات سے متفق ہوں مومو۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں ڈر سا گیا تھا۔'' مشفق خاصی حد تک پر اعتماد ہو چکا تھا۔

''اچھے سپاہی ہیں آپ! جو محبّت میں ڈر جائے وہ دشمنی کیا پالے گا؟'' مائرہ اپنی عادت سے مجبور، اسے تنگ کیے جا رہی تھی، ''آپ کو پتہ ہے کہ میرے دل میں آپ کے لیے محبّت کب جاگی؟'' مشفق کا خاموش سوالیہ چہرہ دیکھ کر اس نے بات جاری رکھی، ''پہلے روز جب بوبی بھائی نے پہلے آپ کا غائبانہ تعارف کرایا اور پھر لے کر آئے تو کسی انجانی کشش نے مجھے آپ کی طرف کھینچا اور میں وہ وجہ بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ پھر جب بوبی بھائی کی رحلت پر آپ پی ایم اے سے صرف تعزیت کے لیے آئے تو آپ نے میرا دل موہ لیا اور جب جاتے ہوئے اپنی کلائی گھڑی بھول گئے تو میں نے ہار مان لی۔ مجھے یوں لگا جیسے آپ ہمیشہ کے لیے میرے پاس رہ گئے ہیں۔ مجھے اس احساس نے اتنا دلیر کر دیا کہ ماما کے یاد کرانے کے باوجود آپ کو گھڑی واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ ماما نے میرے دل کی کیفیت کو بھانپ لیا لیکن آپ کو اتنے ڈھیر سارے وقت میں کہیں بھی کچھ بھی نہیں ہوا؟''

''مومو اب تم نے اعتراف کیا ہے تو ایک اعتراف میں بھی کر ہی ڈالوں۔ جب پہلی دفعہ ہم لوگ ملے تو تم سے نگاہ ملتے ہی میرے دل نے کہا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے ہیں۔ بس اس کے بعد دل اور دماغ کی جنگ شروع ہو گئی۔ دل محبت کے سبق پڑھانے کی کوشش کرتا رہا جبکہ دماغ اخلاقیات کا درس دینے کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا اور سچی بات یہ ہے کہ بوبی سے دوستی کے رشتے کیوجہ سے میں بھی زیادہ تر دماغ کی ہی سنتا تھا۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ اس معرکے میں جیت بلاشبہ تمھاری ہوئی ہے۔ آج اگر میں نے محبّت کا اعتراف کر بھی لیا ہے تو اس کا سہرا بھی تمھارے سر جاتا

ہے۔وہ کہتے ہیں ناں کہ Its never late بس یہ کچھ ایسی ہی صورتحال ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ آج سے آپ میرے ہوئے؟'' مائرہ شرارت سے بولی۔

''صرف اور صرف تمھارا۔'' مشفق نے مائرہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا، ''یہ ایک سپاہی کا عہد ہے۔

''حوصلہ رکھیں حوصلہ....آج صرف مذاکرات کی اجازت دی تھی ہاتھ تھامنے کی نہیں۔'' روبی دروازے سے جھانکتے ہوئے بولی تو مائرہ نے مارے شرم کے ہاتھ فوراً پیچھے کھینچ لیا۔

''وہ کہنا تھا کہ آج آپ کا اپنی بٹالین میں پہلا دن ہوگا تو اب نماز کا وقت ہوا چاہتا ہے سو اللہ کو بھی یاد کرلیں اور موموآپی کو جلد پانے کے لیے نفل وغیرہ بھی پڑھ لیں۔فکر نہ کریں باقی باتیں موموآپی کو میں بتادوں گی۔''

''نہیں تم رحم کرو.....میں نے بتادی ہیں ساری باتیں۔''

''اوہ میرے خدا!!!اتنی پھرتی؟'' بہن بھائی کی جملہ بازی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مائرہ اٹھی اور بولی، ''میرے خیال میں آپ کو بھی کچھ دیر آرام کرلینا چاہیے اور ہمیں بھی اب چلنا چاہیے۔چلو روبی چلیں۔'' مائرہ نے آنکھوں کی ناقابل بیان مسکراہٹ سے مشفق کو الوداع کہا اور دونوں اپنی خوابگاہ کو چلی گئیں۔مشفق بھی دو دن کا تھکا ہارا تھا، نیند کی وادی میں جانے کے لیے قطعی وقت نہ لگا۔

سیکنڈ لیفٹیننٹ مشفق الاسلام کی یونٹ لاہور چھاؤنی کے آراے بازار میں واقع تھی۔ لاہور سے مشفق کی ناواقفیت کی بنا پر حمید نے فون پر پہلے ہی معلومات اکٹھی کر لی تھیں۔ انھوں نے تو اسے چھوڑنے کی آفر بھی دی تھی لیکن مشفق نے حسب عادت انھیں تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا اور ٹیکسی منگوا لی۔ وہ دس بجے کے قریب گھر سے نکلا تو سب نے اسے گیٹ پر خدا حافظ کہا۔ منزہ نے تاکید کی وہ اپنے آفس کا نمبر فون کر کے ضرور بتا دے تا کہ رابطے میں آسانی ہو۔ مائرہ کے پاس سے گزرا تو اس نے سرگوشی میں ویک اینڈ پر آنے کی تاکید کی۔

ٹیکسی چھاؤنی کی حدود میں داخل ہوئی تو ایک مختلف فضا نے اسے خود بتلا دیا کہ وہ اب شہری ماحول کو الوادع کہہ چکا ہے۔ صاف ستھری سڑکیں، نظم وضبط کی پابند اور بالکل منفرد انداز میں رواں زندگی نے اسے آگاہ کیا کہ وہ اب اسی زندگی کا باسی ہوگا۔ مختلف یونٹوں کے گیٹ پر ان کی آر پی (رجمنٹل پولیس) کے چاک وچوبند جوان مستعد کھڑے نظر آئے۔ کوئی پنجاب کا تھا تو کوئی بلوچ رجمنٹ کا، کوئی ایف ایف کا تھا تو کوئی توپخانہ کا۔ یونٹوں کے رنگ برنگے پرچم بھی ایک عجب بہار دکھلا رہے تھے۔ دو سال قبل ہی جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء ختم ہوئی تھی اور چھاؤنی کے درودیوار سے جھلکنے والی اداسی اور سوگواری اس کی چغلی کھا رہی تھی۔ وہ مختلف جگہوں پر رکتا اور پوچھتا پاچھتا بالآخر اپنی بٹالین کے دروازے پر پہنچ گیا۔ گیٹ پر سنتری نے روک کر شناخت دریافت کی اور پتہ چلنے پر فوراً سیدھا ہو کر

نہایت سمارٹ سیلوٹ کیا۔ یہ لیفٹیننٹ مشفق کے فوجی کیریئر کا اولین سیلوٹ تھا۔ ایک عجیب سے فخر نے اس کا سر بلند کر دیا وہ ٹیکسی سے نکلا اور با قاعدہ اٹینشن ہوکر سیلوٹ کا جواب دیا۔ سنتری نے ڈرائیور کو گاڑی کار پارک میں کھڑی کرنے کو کہا اور بازو سے لٹکی وسل بجاتے ہوئے کسی کو مشفق کی آمد سے آگاہ کیا۔ سامنے بیرکوں کی جانب سے جہاں دفتر تھے ایک اور چاک و چوبند جوان مارچ کرتا ہوا آیا اور اس کی راہنمائی کرتے ہوئے دفتر میں لے گیا۔ ایک بورڈ پر لکھا تھا، ''ایڈ جوٹنٹ کیپٹن اظہر علی۔'' دروازے پر چک لٹک رہی تھی۔ اندر کوئی افسر غالباً کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔ سنتری نے اشارے سے اسے کہا کہ سر اندر چلے جائیں۔ مشفق نے چک اٹھا کر اجازت مانگی، ''May I come in Sir!''

''یس۔'' جواب ملا۔ مشفق اندر داخل ہو کر ایڈ جوٹنٹ کی میز کے سامنے جا کر ایک مرتبہ پھر اٹینشن ہوا اور کہا، ''السّلام علیکم سر۔'' کیپٹن اظہر غالباً اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ناکام رہا۔ ظاہر ہے کبھی ملاقات ہوئی ہوتی تو پہچان پاتا۔ اس نے کھڑے ہو کر مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ مشفق نے بھی جواباً چست طریقے سے دایاں ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا اور تعارف کرایا، ''سر! میں سیکنڈ لیفٹیننٹ مشفق الاسلام ہوں۔ اس یونٹ کا نیا آفیسر۔''

''ہیلو ینگ مین.... ویلکم ٹو دی پنجاب رجمنٹ۔'' شناخت ہونے کے بعد کیپٹن اظہر کے لہجے سے وہ سینارٹی جھلکنے لگی جو فوج کا حسن ہے، ''تمھارا پوسٹنگ آرڈر ہمیں مل چکا ہے۔ تم ڈھاکہ کے رہنے والے ہو ناں؟ بیٹھ جاؤ۔'' اس نے مشفق کو بیٹھنے کی دعوت دی۔

''تھینک یو سر۔''

''تمھارا سفر کیسا رہا؟ یقیناً تھک گئے ہو گے؟''

''نہیں سر میں کل پہنچ گیا تھا۔ میں فریش ہوں۔''

''کل پہنچ گئے تھے تو کہاں ٹھہرے تھے؟'' کیپٹن اظہر نے حیران ہو کر پوچھا۔

مشفق نے سوچا کہ اب اس وقت وہ کیا لمبی کہانی سنائے سو مختصر بات کی، ''دراصل سر میری چھوٹی سسٹر بھی آئی ہے۔ ہمارے ایک عزیز یہاں رہتے ہیں۔ اسے ان کے ہاں چھوڑا اور آج رپورٹ کر رہا ہوں۔''

''گڈ.... اگر میں غلط نہیں کہہ رہا تو تم نے کورس میں ٹاپ کیا ہے اور کمانڈر انچیف کی اعزازی چھڑی بھی حاصل کی ہے؟''

''جی سر، الحمدللہ۔'' مشفق نے عاجزی سے کہا۔

''گریٹ..... یہ تو یونٹ کے لیے بہت فخر کی بات ہے۔''

ابھی وہ بات کر ہی رہے تھے کہ ایڈ جوٹنٹ کا آفس رنر (اردلی) اندر آیا۔ ایڈ جوٹنٹ کے پوچھنے پر بولا کہ ٹیکسی والا کہہ رہا ہے کہ اسے فارغ کر دیا جائے۔ مشفق ایڈ جوٹنٹ سے معذرت کر کے گیا سامان اتروایا اور پھر واپس آ کر گفتگو جاری رکھی۔

''مشفق فوج کی روایت ہے کہ جو پلٹن کا سب سے جونیئر افسر ہوتا ہے اس کو یا تو چھوٹا کہا جاتا ہے یا سنیئر اپنی منشا کے مطابق اس کا کوئی نام رکھ دیتے ہیں۔ تم چونکہ اعزاز یافتہ ہو، سو اس سے قبل کہ تم سینئرز کے ہتھے چڑھو اور تمھارا کوئی الٹا سیدھا نام رکھ دیا جائے، میں آج ہی تمھارا نام مُش رکھتا ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے دوستانہ انداز میں مُش کو کہا۔

مُشفق نے مسکراتے ہوئے اتفاق کیا تو ایڈ جوٹنٹ نے اسے بریفنگ دی کہ آج تو وہ کمرے میں جا کر اپنا سامان وغیرہ درست کرے۔ اس کو بیٹ مین بھی دیا جائے گا جو اس کی وردی وغیرہ استری کروا کر لایا کریگا اور اس کے انتظامی امور کا ذمہ دار ہوگا۔ صبح پہلا دن ہے سو اسے پی ٹی معاف ہوگی البتہ سات بجے اسے ناشتہ کر کے تیار ہو کر دفتر پہنچنا ہوگا۔ اس کے بعد اس نے رنر کو بلا کر ہدایت کی کہ جیپ منگوا کر لفٹین صاحب کو میس میں چھوڑ کر آئے۔ اسے بتا دیا گیا کہ بیٹ مین کمرے میں پہنچ جائے گا۔ مشفق کمرے میں پہنچا تو بیٹ مین انتظار کر رہا تھا جس نے مشفق کا استقبال کیا اور سامان کمرے میں پہنچایا۔ ایک عجیب سا خاموش اور اداس ماحول تھا یا پھر مُش شاید گہما گہمی والے ماحول سے آیا تھا سو اس لیے اسے اداسی کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک عام سا سادہ کمرہ تھا جس میں کسی اور افسر کا پلنگ بھی لگا تھا اور مختصر سا سامان بھی پڑا تھا۔ اردلی نے کچھ اشاروں، کچھ اُردو پنجابی اور دو چار انگریزی الفاظ سے بتایا کہ پلنگ لیفٹیننٹ اسد کا ہے جو اس کے ساتھ رہیں گے۔ ان کا تعلق صوبہ سرحد کے شہر مردان کے ایک گاؤں سے ہے۔ اپنا نام محمد عاشق بتایا اور یہ کہ وہ تاندلیانوالہ کا رہنے والا ہے اور دونوں افسروں کے لیے اس کی ڈیوٹی لگی ہے۔ اس نے بتایا کہ افسر دفتر سے چھٹی ہونے پر سیدھے میس جاتے ہیں اور کھانا کھا کر ہی کمروں میں آتے ہیں۔ شام کو کھیلیں ہوتی ہیں۔ تمام افسروں جوانوں کو کوئی نہ کوئی کھیل ضرور کھیلنا ہوتی ہے۔ پھر رات کا کھانا بھی میس میں ہوتا ہے۔ اردلی نے کہا کہ مشفق چاہیے تو وہ اسے لنچ کے لیے میس چھوڑ آئے گا مگر مشفق نے معذرت کر لی اور محمد عاشق کو صبح کے لیے وردی وغیرہ تیار

کرنے کا کہہ کر پلنگ پر دراز ہو گیا۔ اس نے دل میں سوچا کہ معمولات پی ایم اے سے بس تھوڑے سے ہی مختلف ہیں مگر اسے عجیب عجیب سا کیوں محسوس ہو رہا ہے۔ ذہن پر بہت زور ڈالنے کے بعد اسے سمجھ آئی کہ اکیڈیمی میں سٹاف کا ڈنڈا اور سینئر کا ڈر ہوتا تھا جبکہ یہاں سب افسر، افسر ہونگے۔ اس کے لیے اگلا مسئلہ عاشق سے بات چیت کرنے کا تھا کیونکہ عاشق بنگالی زبان سے نابلد تھا اور مُش کے لیے پنجابی مریخ کی زبان تھی۔ دل کو تسلی دی کہ کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اسے برآمدے میں ملا جلا شور سنائی دیا۔ کچھ اونچی آواز میں گپیں لگ رہی تھیں تو کچھ گنگنا رہے تھے، بالکل اسی طرح جس طرح اکیڈیمی میں چھٹی کے بعد کمروں میں واپس ہوتی تھی۔ اس کا مطلب ہے افسروں کی واپسی ہو گئی ہے۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دھماکے سے کمرے کا دروازہ کسی نے کھولا اور کوئی پشتو دھن گنگناتا ہوا اندر آیا۔ مشفق اٹھ کر بیٹھ گیا اور آنے والا افسر بھی اسے دیکھ کر فوراً محتاط ہو گیا۔ اس لمبے تڑنگے بھورے بالوں اور سبز آنکھوں والے افسر نے اپنا تعارف لیفٹیننٹ اسد خان کی حیثیت سے کرایا تو جواباً مشفق نے بھی اپنا تعارف کرایا۔ جس انداز سے اسد نے 'اوہ' کہا اس سے اندازہ ہو گیا کہ پلٹن کے افسروں کو اس کی آمد کا علم تھا۔ گرمجوش معانقے کے بعد دونوں کی گپ شپ شروع ہو گئی۔ جلد ہی مشفق خود کو مطمئن محسوس کرنے لگا۔ اسے سب سے گھل مل جانے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ رات کے کھانے پر اسد اسے اپنے ساتھ میس لے کر گیا اور مزید کچھ افسروں سے تعارف کرایا جن میں اپنی پلٹن کے بھی تھے اور دوسری یونٹوں کے بھی جو اس میس میں کھانا کھاتے تھے۔ ایک بات جو اسے اچھی لگی کہ اسد ہر افسر سے اس کا تعارف کرواتے وقت اس کے اعزاز حاصل کرنے کا ذکر بڑے فخر سے کرتا۔

اگلی صبح مشفق کا دفتر میں باضابطہ طور پر کمانڈنگ آفیسر لیفٹیننٹ کرنل نوازش سے تعارف کرایا گیا۔ اس کے بعد بٹالین کے سیکنڈ ان کمانڈ میجر شاہد ظفر سے ملاقات ہوئی اور پھر دیگر افسروں سے۔ سب نے اسے کھلے دل سے خوش آمدید کہا بلکہ اسے اعزازی چھڑی حاصل کرنے پر مبارکباد بھی دی۔ اسے مائرہ کو الوداع کہے کم وبیش چوبیس گھنٹے ہو چکے تھے لیکن اسے یوں لگ رہا تھا جیسے چوبیس سال بیت گئے ہوں۔ اس نے سوچا کہ آج میس میں دوپہر کے کھانے کے بعد وہ مائرہ سے بات ضرور

کریگا۔اسے چارلی کمپنی میں میجر ولی کے زیر کمان کمپنی آفیسر پوسٹ کیا گیا۔جس نے اس کا تعارف کمپنی کے تمام عہدیداروں اور سپاہیوں سے کرایا اور یوں مشفق کی پیشہ وارانہ زندگی کا آغاز پنجاب رجمنٹ کی اس تاریخی بٹالین میں ۱۳ ستمبر ۱۹۶۷ء بروز بدھ سے لاہور میں ہوگیا۔

دوپہر کو کھانے کے بعد مشفق میس میں رک گیا۔اسد نے کمرے میں چلنے کو کہا تو اس نے بتایا کہ وہ فون کر کے آتا ہے۔ اسد نے مذاقاً کہا، ''اوہ بڈی! زبردست۔تم نے اتنی جلدی گرل فرینڈ بھی ڈھونڈھ لی؟''

''نوسر....میں نے گھر کال کرنی ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا جس پر لیفٹینٹ اسد فوراً محتاط ہوگیا اور معذرت کی۔ جب میس تقریباً خالی ہوگیا تو مشفق نے نمبر ڈائل کیا اور سوچنے لگا کہ نجانے کون فون اٹھائے گا؟ اگر آنٹی نے اٹھایا تو کیسے کہے گا کہ اس کی مائرہ سے بھی بات کرادیں کیونکہ اس میں تو اتنی ہمت نہیں ہے۔پھر سوچا کہ انھیں کہوں گا روبی سے بات کرادیں اور باقی کام روبی خود کر لے گی۔ہاں یہ زبردست آئیڈیا ہے۔اس نے خود کو داد دی اور نمبر ڈائل کر دیا۔

''ہیلو....کون بات کر رہا ہے؟'' حمید کی آواز نے خاموشی توڑی۔

ارے باپ رے.... یہ آج انکل دوپہر کو گھر پر کیا کر رہے ہیں؟ انھوں نے بھی آج ہی گھر پر ہونا تھا، ''السلامُ علیکم انکل!....میں مشفق بول رہا ہوں۔کیا حال ہے آپ کا؟''

''ارے وعلیکم السلام بیٹا....جیتے رہو۔کیا حال ہے؟'' حمید نے گرمجوشی سے جواب دیا۔

''اللہ کا شکر انکل....جوائن کرلیا تھا اور آج یونیفارم میں پہلا دن تھا۔''

''بہت خوب....تو سیٹ ہوگئے؟''

''ہو جاؤں گا انکل....وقت تو لگے گا'' بے خیالی میں اسے یاد ہی نہ رہا کہ وہ بابا سے نہیں بلکہ انکل سے بات کر رہا ہے جنھیں بنگالی زبان کا سر پیر نہیں پتہ تھا۔

اسی لیے حمید نے فوراً حیرانگی سے پوچھا، ''کیا کہہ رہے ہو بیٹا میں بالکل نہیں سمجھا؟''

''سوری انکل میں بھول گیا کہ بابا سے نہیں آپ سے بات کر رہا ہوں۔''

''کوئی بات نہیں....لیکن اب ہمیں بھی بنگلہ بھاشا سکھا ہی دو۔'' حمید نے خوشدلی سے کہا۔

''کیوں نہیں انکل....ضرور سکھاؤں گا۔'' مشفق نے کہا اور دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ یا اللہ

اب انکل کسی اور سے بھی بات کرنے کی دعوت دیں گے یا خود ہی فون پکڑے کھڑے رہیں گے۔

''اچھا بیٹا فون کرتے رہنا، میں چلتا ہوں دکان پر جانا ہے۔ اللہ حافظ۔'' اور فون بند کر دیا۔

مشفق فون ہاتھ میں پکڑے کھڑا سوچتا رہ گیا کہ انکل حمید نے یہ کیا کیا؟ کیا انھیں میری کوئی بات بری لگی؟ پھر خود کو تسلی دی کہ نہیں، انھیں خیال نہیں رہا ہوگا ورنہ وہ میرا فون نمبر تو مانگتے۔ مایوسی سے فون واپس کریڈل پر رکھا اور سوچنے لگا کہ اب کیا کیا جائے۔

''کس کا فون تھا؟'' کچن سے لاؤنج میں آتے ہوئے منزہ نے حمید سے پوچھا۔

''وہ اپنے مشفق کا تھا۔ بتا رہا تھا کہ خیریت سے ڈیوٹی جوائن کر لی ہے اور خوش باش ہے۔''

منزہ حیرت سے شوہر کا منہ تکنے لگیں تو حمید بھی چونکے اور پوچھنے لگے کہ کیوں کیا ہو گیا۔

''اللہ کے بندے کیا صرف آپ ہی نے بات کرنی تھی؟ گھر میں اور کسی سے نہیں بات کرنی تھی اس نے؟ مجھ سے تو بات کرا دیتے۔'' منزہ ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولیں۔

''تو بیگم ایسی کونسی قیامت آ گئی؟ آپ خود کر لو۔''

''لائیں دیں مجھے نمبر۔ فون نمبر لیا ہے اس سے؟''

''نہیں میں نے تو نہیں لیا، سوچا آپ لوگوں کے پاس ہوگا۔'' حمید سادگی سے بولے۔ ماں باپ کی بحث کی آواز سن کر مائرہ بھی کمرے سے نکل آئی اور پیچھے پیچھے روبی بھی۔

مائرہ بولی، ''کیا ہوا ماما؟ کس کا فون تھا؟''

''بیچارے مشفق کا فون تھا اور تمھارے بابا نے خود ہی بات کر کے اللہ حافظ بھی کہہ دیا اور نمبر بھی نہیں لیا۔'' منزہ بولیں۔

مائرہ کو غصہ بھی آیا اور دل بھی بیٹھ گیا کہ مُش سے بات نہ ہو سکی حالانکہ کل سے اب تک کا وقت اس نے نجانے کس طرح پل پل گن کر کاٹا تھا۔ روبی کو اُردو بات چیت خاص سمجھ تو نہیں آ رہی تھی لیکن اتنا اندازہ ہو گیا تھا کی شفو کے فون کی کچھ بات ہو رہی ہے۔ اس نے ماحول سنجیدہ ہوتا دیکھ کر مائرہ کو کہا، ''موموآپی فکر نہ کریں شفو بھیا دوبارہ کال کر لیں گے۔''

''چلیں آپ تو جائیں کام پر..... دیر ہو رہی ہے۔'' منزہ خفگی سے بولیں۔ حمید کے جانے کے بعد وہ لڑکیوں سے بولیں، ''نجانے بیچارے نے کیسے موقع نکالا ہوگا بات کرنے کے لیے۔ آج اس کا

پہلا دن تھا۔ پتہ نہیں اب پہلے ہی دن فون کر لینا کتنا مشکل ہوا ہوگا اس کے لیے؟''

''اوہو آنٹی.... فکر نہ کریں۔ شفو بھیا زیادہ دیر نہیں رہ سکیں گے۔'' پھر مومو کو آنکھ مارتے ہوئے بولی،'' دیکھ لیجیے گا ابھی چند منٹوں میں ان کا دوبارہ فون آجائے گا۔''

منزہ بھی روبی کا مذاق سمجھ گئی تھی سو وہ بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔ ابھی وہ لوگ بات کر ہی رہے تھے کہ دوبارہ فون کی گھنٹی بجی۔ روبی شرارت سے بولی،''مومو آپی آپ کا فون ہے اٹھایئے۔''

اس سے پہلے کہ وہ فون اٹھاتی منزہ بولیں،'' بھئی پہلے مجھے اپنے بیٹے سے بات کر لینے دو پھر تم دونوں جتنا جی چاہے باتیں کرنا۔'' یہ کہا اور فون اٹھالیا،''ہیلو کون؟''

''السلام علیکم آنٹی مشفق بات کر رہا ہوں۔''

''جیتے رہو بیٹا.... سوری کہ تمھاری کال آئی اور تمھارے انکل نے خود ہی بات کر کے فون بند کر دیا۔ میں نے خوب لڑائی کی ان سے۔''

''ارے نہیں آنٹی ایسا کیوں کیا آپ نے؟ کوئی بات نہیں، انھیں خیال نہیں رہا ہوگا لیکن میں نے دوبارہ کرلیا ہے ناں، ایک ہی بات ہے۔''

''اچھا چھوڑو مجھے یہ بتاؤ کہ میرا بیٹا کیسا ہے؟ دل لگ گیا اپنی نئی روٹین میں؟''

''جی آنٹی، آہستہ آہستہ عادی ہوجاؤں گا۔''

''اللہ تمھیں کامیاب کرے بیٹا.... یہ لڑکیاں میرے سر پر کھڑی ہیں، یہ کہاں مجھے بات کرنے دیں گی؟ میں پھر بات کرلوں گی کبھی۔ لو تم ان سے بات کرو اور ہاں اپنا فون نمبر دینا نہ بھولنا۔''

''جی آنٹی ضرور۔'' مشفق جیسے منزہ کی اجازت کے انتظار میں ہی تھا اور اس کے بعد وہ اگلی آواز کا انتظار کرنے لگا۔

''ہیلو! کیسے ہیں آپ؟'' مائرہ کی مترنم آواز مشفق کے کانوں سے ٹکرائی تو اسے یوں لگا جیسے کسی معبد میں ایک ساتھ کئی گھنٹیاں بج اٹھی ہوں۔ کل سے اس آواز کو سننے کے لیے اس کے کان ترس گئے تھے۔

''جی مائرہ میں ٹھیک ہوں.... تم سناؤ یہ ایک دن کیسا گزرا۔''

''جی جی.... روبی بھی میرے پاس ہی کھڑی ہے میں بات کراتی ہوں۔'' مائرہ کے جواب سے مُش کو سمجھ آگئی کہ روبی کی موجودگی میں مومو کے لیے اس کی بات کا جواب دینا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور

تھا۔ اتنے میں روبی نے فون پکڑا اور بغیر بریک کے بولنا شروع کر دیا۔ دونوں بنگلہ میں بات کر رہے تھے سوموموکے سر سے گزر رہا تھا جو وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔

''شفو بھیا! میں آپ کے دکھ کا اندازہ کر سکتی ہوں۔ ادھر موموآپی کا حال بھی کچھ اچھا نہیں۔ کل سے اداس ہیں، کچھ کھا پی نہیں رہیں۔ مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ مُش ویک اینڈ پر ضرور آئیں گے ناں۔''

''دیکھیے! تو بریک بھی لگائے گی یا یونہی بولتی چلی جائے گی؟ اگر مومو کا بھی حال میری طرح ہے تو تم ظلم کیوں کر رہی ہو ہم دونوں پر؟ بات کیوں نہیں کرنے دیتیں؟''

''اوہو! تو یہ بات ہے۔ ہاں جی اب تو وزیر رابطہ کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ ٹھیک ہے جناب یہ لیں بات کریں اور کھل کر جذبات کا اظہار کریں۔ میں کمرے میں جا رہی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے فون مائرہ کو پکڑا دیا۔

''ہیلو..... کیا کہا آپ نے کہ روبی کمرے میں چلی گئی؟ کہیں ناراض نہ ہوگئی ہو؟''

''نہیں نہیں فکر نہ کرو، یہ اس کا میرے ساتھ لاڈ کا انداز ہے۔ اسے پتہ ہے کہ میں نے اسے زندگی میں کبھی بھی ناراض نہیں ہونے دیا۔''

''آپ کیسے ہیں؟ دل لگ گیا رجمنٹ میں آپ کا؟'' مائرہ نے پوچھا۔

''دل کہاں لگنا تھا۔ وہ تو یہاں آ کر چیک کیا تو علم ہوا کہ دل تو گلبرگ، اُلفت لاج میں ہی چھوڑ آیا ہوں۔ ڈھونڈھ کر رکھ لینا، آؤں گا تو لے لوں گا۔'' مشفق نے مائرہ کو تنگ کرتے ہوئے کہا۔

''جناب..... جو چیز یہاں رہ جاتی ہے وہ ہماری ہو جاتی ہے۔ کیا گھڑی، کیا چھڑی اور کیا دل، سو یہ تو اب نہیں ملنے کا۔ کچھ اور بندوبست سوچیے۔'' مومو نے بھی حاضر جوابی کا مظاہرہ کیا۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ روبی تنگ یا بور تو نہیں کرتی آپ لوگوں کو؟''

''ارے نہیں ہم سب تو اتنے خوش ہیں اس کے آنے سے۔ بوبی بھائی کے جانے کے بعد پہلی مرتبہ ہم لوگوں کو زندگی کا احساس ہوا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مجھے بہن مل گئی ہے۔''

''میرے خیال میں ہم سب خوش قسمت ہیں جو ایک دوسرے کو ملے ہیں۔ ابھی تو اماں اور ابا جب تم لوگوں کو ملیں گے تو انھیں بے حد خوشی ہوگی۔''

''میں بھی ہر وقت یہی سوچتی ہوں کہ کب ان سے ملاقات ہوگی۔ خاص طور پر روبی سے ان کے بارے سن کر اشتیاق اور بڑھ گیا ہے۔ اچھا یہ بتائیں ویک اینڈ پر تو آ رہے ہیں ناں؟''

''واہ جناب آپ تو چوبیس گھنٹوں میں ہی اداس ہو گئی ہیں۔آرمی میں تو بڑی بڑی دیر ایک دوسرے سے دور رہنا پڑتا ہے، پھر کیا ہو گا آپ کا؟''

''میری بات کا جواب دیں، آ رہے ہیں ناں؟'' مائرہ سوال نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

''کوشش تو پوری کروں گا۔ ویسے ابھی تک تو مجھے یونٹ کی روٹین اور روائتوں کا بھی نہیں پتہ چلا اس لیے کچھ کہہ نہیں سکتا۔نجانے میرے لیے انھوں نے کیا ذمہ داری رکھی ہے۔''

''آپ کو دیکھنے کی ایسی عادت ہو گئی ہے کہ ایک دن بھی دیکھے بغیر گزارنا مشکل ہے۔''

''او کے موموجی.... پوری کوشش کروں گا۔اب چلتا ہوں، شام کو گیمز پر بھی جانا ہے۔ پھر بات ہو گی۔اور ہاں میں دفتر کا نمبر لکھوا دیتا ہوں وہ بھی اس لیے کہ کبھی خدانخواستہ کوئی ہنگامی صورتحال ہو تو اس نمبر پر فون کر کے ایڈ جوٹنٹ کیپٹن اظہر کو پیغام دے دیا جائے تو وہ بلا دے گا۔'' مشفق نے اسے نمبر لکھوایا اور پھر بات جاری رکھی، ''عام صورتحال میں، میں خود ہی دوپہر یا رات کو ڈنر کے بعد کال کر لیا کروں گا لیکن اگر کسی روز نہ کر سکوں تو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔کوئی ایسی ویسی بات ہو تو فوج والے تابوت گھر پہنچا دیتے ہیں۔''

مومو کے تو جیسے کلیجے کو ہاتھ پڑ گیا۔فون پر چیختے ہوئے بولی، ''مُش!....آئندہ ایسی بات کی تو میری شکل نہیں دیکھیں گے۔ابھی میں بوبی بھائی کی موت کے صدمے سے نہیں سنبھلی اور آج آپ نے یہ بات کر کے میرا دل دکھا دیا ہے۔''

''اوہ سوری موموجی....میرا یہ مطلب نہیں تھا۔میں نے تو مذاق میں بات کی تھی۔''

''اگر یہ مذاق ہے تو بے حد بھونڈا مذاق ہے۔آپ بہت برے ہیں۔''

''اچھا میری مومو....سوری بھئی، میں نے ہاتھ جوڑ لیے ہیں۔'' مشفق اس کی ناراضی دُور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

''جائیے آپ کو دیر ہو رہی ہے۔میں اس وقت بات کرنے کے موڈ میں نہیں۔اللہ حافظ۔'' اور کچھ سنے بغیر مومو نے فون بند کر دیا۔مُش فون کا ریسیور ہاتھ میں پکڑے سوچتا رہا کہ کیا اس نے غلط بات کر دی ہے؟ آخر مذاق ہی تو تھا لیکن جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ اس نے بلا سوچے سمجھے بات کی جو عام حالات میں تو مذاق کہلا سکتی تھی لیکن ان مخصوص حالات میں موزوں نہیں تھی کیونکہ ان لوگوں نے تازہ تازہ ایک جواں سال موت کا صدمہ سہا تھا اور ایسے میں اس گھر کے کسی بھی فرد کا دل دکھانا کسی

صورت مناسب نہیں تھا۔ پہلے تو اس کے دل میں آیا کہ ابھی دوبارہ کال کر کے مومو سے معافی مانگ لے لیکن پھر سوچا کہ اس وقت تو شاید وہ بالکل بھی بات نہ کرے پھر فیصلہ کیا کہ رات کھانے کے بعد کال کریگا۔ وہ کمرے کی طرف واپس جاتے ہوئے بھی بجھا بجھا سا تھا اور خود کو کوس رہا تھا کیونکہ مشفق کبھی بھی بلا سوچے سمجھے نہیں بولتا تھا۔

فون رکھ کر مومو بجھے بجھے موڈ کے ساتھ کمرے میں واپس پہنچی تو روبی کسی رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ مومو کو اداس دیکھ کر رسالہ ایک طرف رکھ دیا اور مومو سے موڈ آف ہونے کی وجہ پوچھی جس پر اس نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ روبی نے اسے تسلی دی اور کہنے لگی کہ مومو فکر نہ کرے وہ شفو بھیا کی خبر لے گی۔ جس پر مومو فوراً بدک کر بولی، ''ارے نہیں نہیں تم نہ بات کرنا، میں خود ہی معاملہ سلجھا لوں گی۔''

''واہ جی واہ! اللہ کی شان ہے۔ ابھی تو آپ ان کی شکایت کر رہی تھیں اور ایکدم ان کے دفاع میں آگئی ہیں۔ یہ بھی خوب ہے بھئی۔'' روبی طنز کرتے ہوئے بولی۔

''نہیں.... ایسی بات نہیں۔ دراصل انھوں نے ابھی نیا نیا جوائن کیا ہے اور شروع کے دن ان کے لیے خاصے مشکل اور تھکانے والے ہونگے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ چھوٹی سی بات لے کر پریشان ہوجائیں اور ان کی صحت اور کارکردگی پر اثر پڑے۔''

''میں صدقے جاؤں اپنی ہونے والی بھابی کے۔ ابھی سے ہی اتنا خیال ہے تو آگے تو رومیو جولیٹ کی داستان بنے گی یہ کہانی۔''

مائرہ شرم سے بیر بہوٹی بنتے ہوئے بولی، ''اگر ہم نے ایک دوسرے کا زندگی بھر ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے تو ہمیں ایک دوسرے کا خیال بھی تو رکھنا ہوگا۔''

روبی نے اٹھ کر فرط جذبات سے مائرہ کا منہ چوم لیا۔ دونوں نے مشفق کو تھوڑا تنگ کرنے کا پروگرام بنایا۔ منزہ نے لاؤنج سے گزرتے ان دونوں کو شرارت کا پروگرام بناتے سنا تو پیار سے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ خبردار جو کسی نے ان کے بیٹے کو تنگ کیا اور تینوں ہنسنے لگ گئے۔

ادھر مشفق سے غلطی تو ہوگئی تھی لیکن اب اسے کسی پل چین نہیں آرہا تھا۔ شام کی کھیلوں پر بھی وہ

بجھا بجھا سا رہا۔ ساتھی افسران سمجھے کہ آج پہلا دن ہے یقیناً گھر والوں کی یاد ستا رہی ہوگی۔ ادھر اسے انتظار کہ کب رات ہو اور وہ ڈنر کے لیے جائے اور وہ بھی صرف فون کرنے کے لیے ورنہ بھوک تو اس کی مائرہ کے فون بند کرنے کے ساتھ ہی مر گئی تھی۔ خدا خدا کر کے رات کا وقت ہوا اور میس کے لیے اکیلا ہی نکل پڑا۔ کھانا اور اس کے بعد رش کم ہونے تک کا ڈیڑھ گھنٹہ مُش نے کیسے گزارا یہ صرف وہی جانتا تھا۔ فون خالی پا کر وہ فوراً پہنچا اور کانپتے ہاتھوں سے گھر کا نمبر ملایا۔ کافی دیر بیل بجتی رہی تب کہیں جا کر کسی نے فون اٹھایا اور ادھر مشفق دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ یا اللہ انکل حمید نہ اٹھا لیں۔

''جی کون؟'' فون روبی نے اٹھایا تھا۔

''روبی تم نے فون اٹھایا؟ کیوں اور کوئی نہیں گھر میں؟''

''کیوں میں نہیں اٹھا سکتی؟ انکل آنٹی تو سونے چلے گئے ہیں تو ظاہر ہے میں نے ہی اٹھانا تھا۔'' روبی سرگوشی میں بات کر رہی تھی۔

''میرا مطلب ہے مائرہ کدھر ہے؟ اس نے کیوں نہیں اٹھایا فون؟''

''کیوں آپ نے پھر ان کا دل دکھانا ہے؟'' روبی بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کر کے بولی۔

''دیکھو! نہیں میں نے تو مذاق میں بات کی تھی.... وہ برا مان گئی۔ مجھے بعد میں احساس ہوا کہ مجھے ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ چلو اسے بلا دو میں معافی مانگ لیتا ہوں۔''

''پتہ ہے وہ بہت دیر تک روتی رہیں اور پھر سو گئیں۔ انھیں شاید ہلکا ہلکا بخار بھی ہے۔'' روبی نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی دباتے ہوئے کہا جس پر پاس کھڑی مائرہ نے اس کا کان کھینچا۔

''پھر اس کا مطلب ہے بات نہیں ہو سکتی؟'' مُش مایوسی سے بولا۔

''نہیں.... کہتے ہیں تو اٹھا دیتی ہوں؟''

''نہیں، نہیں.... رہنے دو۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں، آرام کرنے دو۔ میں کل کسی وقت دوبارہ کال کر لوں گا۔ تم بھی آرام کرو، رات بہت ہو گئی ہے۔ میں بھی چلوں، صبح جلدی اٹھنا ہے۔ اللہ حافظ۔'' اور مزید کوئی بات کیے بغیر فون بند کر دیا۔ روبی حیرانگی سے ریسیور ہاتھ میں پکڑے کھڑی تھی کیونکہ وہ توقع کر رہی تھی کہ شفو بھیا اصرار کریں گے کہ ان کی بات کروائی جائے۔

''کیوں کیا ہوا؟ فون بند ہو گیا؟'' مائرہ نے پوچھا۔

''جی موموآپی.... میں انھیں ستا رہی تھی لیکن وہ تو سچ سمجھ گئے۔ آپ کا خیال رکھنے کو کہا اور فون

بند کر دیا۔"

دونوں کچھ دیر کے لیے پریشان ہو گئیں۔ موموکو بھی ان چند دنوں میں مشفق کی عادت سی ہوتی چلی جارہی تھی۔

"اب کیا ہوگا؟ ہمارے پاس تو میس کا نمبر بھی نہیں ہے۔" مائرہ پریشان ہو کر بولی۔

"ارے آپی.... فکر نہ کریں، وہ کل کرلیں گے فون آپ کو۔ حوصلہ رکھیں۔" روبی اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔

"کاش میں ان سے ناراض نہ ہوتی.... آرام سے سمجھا دیتی کہ ایسی باتیں مجھے تکلیف پہنچاتی ہیں۔" وہ تاسف کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

"ارے! دل پہ ناں لیں، کل آجائے گا فون۔ چلیں سوتے ہیں، رات بہت ہوگئی ہے۔" روبی یہ کہہ کر مائرہ کا بازو پکڑ کر اسے بیڈروم میں لے گئی۔ دونوں کچھ دیر تک لیٹی باتیں کرتی رہیں لیکن روبی فوراً ہی گہری نیند سو گئی۔ مائرہ بہت دیر تک بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدلتی رہی پھر اچانک اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل پر گئی، آہستگی سے دراز کھول کر مشفق کے لیے بابر کی لائی ہوئی گھڑی نکالی۔ اسے منہ کے قریب لا کر چند لمحے سامنے رکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ مُش مجھے معاف کر دیں اس کے بعد نہایت پیار سے اسے اپنے سینے سے لگایا اور واپس دراز میں اس محبّت سے رکھا جیسے کوئی کسی نوزائیدہ بچے کو بستر پہ سلاتا ہے۔ مائرہ کا بوجھ ہلکا ہو چکا تھا۔ وہ واپس بستر پر آئی اور جلد ہی نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

اگلے روز صبح کے وقت منزہ، مائرہ اور روبی لاؤنج میں بیٹھے چائے کے کپ پر باتیں کر رہے تھے۔ حمید ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے اپنے سٹور پر گئے تھے۔ تقریباً دن کے گیارہ بج رہے ہونگے کہ اچانک پورچ میں کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی جو کہ کم از کم کار کی نہیں ہوسکتی تھی۔ تینوں حیران ہو کر چونکیں کہ اس وقت تو کبھی کوئی نہیں آتا۔ مائرہ اٹھنے لگی تو منزہ نے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کو کہا اور بولیں کہ وہ خود دیکھتی ہیں۔ ابھی وہ ڈیوڑھی کے دروازے تک ہی پہنچی ہوں گی کہ دروازہ کھلا اور کڑکڑاتی خاکی وردی میں سر پر سبز پلوم والی سبز ٹوپی پہنے سمارٹ سیکنڈ لیفٹیننٹ مشفق الاسلام داخل ہوا۔ منزہ کا سامنا ہوا تو وہ تو جیسے ہکی بکی رہ گئیں۔ مشفق ابھی دو دن پہلے ہی گیا تھا لیکن اس کی اس منفرد انداز میں اچانک آمد نے تو ایسا تاثر دیا جیسے کوئی برسوں کا بچھڑا واپس آیا ہو۔ مُش نے وہیں ہوشیار ہو کر منزہ کو ایک

زبردست سلیوٹ مارتے ہوئے سلام کیا۔ منزہ نے فرط جذبات سے مغلوب ہو کر نعرہ مارا، ''میرا بچہ، میری جان۔'' اور لپک کر اسے سینے سے لگا لیا۔ مشفق کو یوں لگا جیسے اماں نے اسے اپنے ساتھ لگا یا ہو۔ اس نے جھجکتے ہوئے منزہ کے کندھے پر سر رکھ دیا۔ ڈیوڑھی میں شور سن کر دونوں لڑکیاں بھی فوراً اٹھیں اور بھائی کو سامنے دیکھ کر تو روبی نے شفو بھیا کا نعرہ مارا اور اس سے جا لپٹی اور کان میں سرگوشی کی کہ وہ خالی ہاتھ کیوں آیا ہے۔ بس تو مائرہ کا بھی نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ بھی جھٹ سے اس کے سینے سے جا لگتی مگر جس قدر قریب وہ جا سکتی تھی گئی۔ مائرہ کے چہرے پر شرم و حیا اور محبت کی سرخی دیکھ کر کوئی بھی اس کے جذبات کا با آسانی اندازہ لگا سکتا تھا۔ منزہ مشفق کو اپنے ساتھ لگائے لاؤنج میں لے کر آ گئی اور لڑکیاں بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئیں۔

''بیٹا! بہت سرپرائز دیا ہے تم نے۔ اور وہ بھی دن کے وقت آفس ٹائم میں؟''

''اصل میں شفو بھیا کو پتہ ہے ناں کہ انکل اس وقت گھر پر نہیں ہوتے۔'' روبی نے شرارت سے چٹکلہ چھوڑا جس پر مائرہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

''نہیں بیٹا.... اس کا اپنا گھر ہے جب دل چاہے آ سکتا ہے۔'' منزہ بولیں۔

''وہ آنٹی دراصل کینٹ سے نزدیک ہونے کی وجہ سے تمام پلٹنوں سے لوگ کاموں اور شاپنگ کے سلسلہ میں گلبرگ آتے جاتے رہتے ہیں۔''

مشفق اور منزہ باتیں کر رہے تھے اور مائرہ ٹکٹکی باندھے مشفق کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھے جا رہی تھی جبکہ روبی، مائرہ کے انہماک سے محظوظ ہو رہی تھی۔

''تو آپ بھی کسی کام کے سلسلہ میں آئے ہو؟'' منزہ نے سوال کیا۔

''جی نہیں آنٹی میرا تو کوئی ایسا کام نہیں تھا۔ دراصل یونٹ والوں نے جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کے شہدا کی تصویریں لبرٹی میں فریم ہونے کے لیے دی تھیں۔ ہمارا میس حوالدار وہ تصویریں لینے آ رہا تھا تو ایڈجوٹنٹ نے اسے کہا کہ لفٹین صاحب کو بھی لے جاؤ اور انھیں لاہور گھما لاؤ۔''

''بہت اچھا کیا بیٹا.... چلو تم لوگ باتیں کرو میں تازہ چائے بناتی ہوں۔'' منزہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''آنٹی وہ میرے ساتھ میس حوالدار اور ڈرائیور ہیں اگر کولڈ ڈرنک ہو تو میں انھیں دے آتا ہوں۔''

''ارے نہیں تم بیٹھو..... باہر مالی ہے ناں میں اسے آواز دیتی ہوں وہ پکڑا دیتا ہے۔'' ربابہ بھی مائرہ کو آنکھ مارتے ہوئے اٹھی اور منزہ سے بولی، ''چلیے آنٹی میں آپ کا ہاتھ بٹاتی ہوں۔'' اور پھر سرگوشی میں دونوں سے مخاطب ہوئی، ''اچھے بچوں کی طرح صلح صفائی سے رہنا، لڑنا نہیں۔''

مشفق نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ ان کے جاتے ہی جب مُش نے اس کا حال پوچھا تو دیکھا کہ مائرہ پر سخت گھبراہٹ طاری تھی اور وہ پسینے سے تر تھی۔

''ارے مومو! یہ کیا؟ کیا ہوگیا؟ کیا طبیعت ابھی تک ٹھیک نہیں ہوئی؟''

''نہیں مُش میں بالکل ٹھیک ہوں.... وہ روبی نے آپ سے کل جھوٹ بولا تھا۔ آئی ایم سوری مُش مجھے ایسے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔''

''ارے کیا ہوگیا؟ تمھارا حق ہے جیسے دل چاہے بات کرو۔ غلطی تو ویسے بھی میری ہی تھی۔ مجھے تمھارا دل نہیں دکھانا چاہیے تھا۔ اور ایک اور بات کہ جو محبّت کرتے ہیں ان کے درمیان 'سوری' اور 'شکریہ' نہیں ہوتا۔ جو ہوا اسے بھول جاؤ۔ دیکھو پریشان میں بھی تھا اور ویک اینڈ تک صبر کرنا بہت مشکل تھا لیکن محبّت سچی تھی سو اللہ نے سبب پیدا کر دیا اور میں اپنی مائرہ کے پاس ہوں۔''

'میں اپنی مائرہ کے پاس ہوں' ان الفاظ کو سن کر تو جیسے مائرہ بادلوں پر تیرنے لگی۔ اب اس کے لیے بھی اعتراف کو روکنا مشکل ہوگیا تھا، ''مُش کل آپ سے بات کے بعد میں بھی بہت بے چین رہی۔ رات بھر نیند نہیں آئی سورات کو اٹھ کر آپ کی گھڑی دراز سے نکالی، اسے سینے سے لگایا اور سوری بولا۔''

''پھر وہی سوری؟'' مُش نے مسکراتے ہوئے کہا اور نہایت پیار سے مائرہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ مائرہ کا دل چاہا کہ وقت تھم جائے اور وہ دونوں یونہی بیٹھے رہیں۔ اچانک کچن کے دروازے پر آہٹ ہوئی تو دونوں سنبھل کر بیٹھ گئے۔ منزہ اور روبی چائے کی ٹرالی لا رہی تھیں اور مُش کی نظریں سیدھی اپنے پسندیدہ حلوے سے جا ٹکرائیں۔

روبی کو پھر شرارت سوجھی، ''اوہ ہم لوگوں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟''

سب کھلکھلا کر ہنس پڑے اور مشفق بہن کو آنکھیں دکھانے لگ گیا۔

''بیٹا.... یہ تو ویسے ہی چکر لگا تھا تمھارا مگر ویک اینڈ پر تو آؤ گے ناں؟''

''جی آنٹی کوئی مسئلہ ہونا تو نہیں چاہیے۔ اگر کوئی ڈیوٹی نکل آئی تو آپ کو وقت پر اطلاع دے دوں گا۔''

''ٹھیک ہے بیٹا!''

پھر وہ بہن سے مخاطب ہوا، ''دیکھئے تمھاری اماں ابا سے بات تو نہیں ہوئی؟''

''نہیں شفو بھیا، میں نے سوچا آپ نے کر لی ہوگی۔''

''نہیں میری بھی نہیں ہوئی، دراصل دفتر سے کال ملنا مشکل ہے۔ ویسے میں نے ٹیلیگرام سے پہنچنے کی اطلاع کر دی تھی۔''

''ارے تم لوگوں نے گھر بات بھی نہیں کی؟ کتنی بری بات ہے؟ وہ لوگ ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہونگے؟'' منزہ نے حیران ہو کر پیار بھری سرزنش کی، ''چلو میں آج روبی کی بات کرا دوں گی اور خود بھی آپ کی اماں سے بات کروں گی۔''

چائے پی کر اور کچھ دیر گپ شپ کے بعد مشفق نے اجازت چاہی، ''تھینک یو آنٹی....اب میں چلتا ہوں۔ دیر ہو رہی ہے مجھے آفس ٹائم کے اندر واپس پہنچنا ہے۔'' بات کرتے ہوئے اس کی نظریں مائرہ کی ملتجی نگاہوں سے ٹکرائیں جیسے کہہ رہی ہوں کہ پلیز کچھ دیر اور بیٹھ جائیں اور وہ اتنا منہمک تھا کہ بے خودی میں جواب دے دیا، ''نہیں بہت دیر ہو جائے گی۔''

سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ روبی ہنستے ہوئے بولی، ''کیا کہا شفو بھیا؟ کس سے باتیں کر رہے ہیں؟''

''کسی سے نہیں....مجھے لگا آنٹی اصرار کر رہی ہیں۔'' وہ جھینپتے ہوئے بولا۔

سب اسے دروازے تک چھوڑنے آئے اور جب اس کے ڈرائیور اور حوالدار نے اسے سیلوٹ کیا تو ان سب نے مشفق سے ناطہ ہونے کے سبب بے حد فخر محسوس کیا۔ مائرہ نہایت انہماک سے اسے جیپ میں بیٹھتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ سپاہی کی ایک خاص عادت ہوتی ہے وہ جو بھی کام کر رہا ہو یہ فرض کر لیتا ہے کہ کوئی نہ کوئی آنکھ اسے دیکھ رہی ہے سو وہ اپنی چال ڈھال، اپنے سرکاری امور، اٹھنے بیٹھنے غرضیکہ ہر عمل میں وقار احتیاط اور انفرادیت برقرار رکھتا ہے۔ ایسا ہی کچھ مشفق بھی کر رہا تھا جس سے مائرہ کو اس پر بے پناہ پیار آنے لگا، نجانے کیوں جیپ کے گیٹ سے نکلتے ہی اسے بوبی بھی شدت سے یاد آنے لگا اور بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے جنھیں روبی کچھ اور سمجھ کر اسے تنگ کرنے لگی لیکن جہاندیدہ ماں سمجھ گئی کہ اس کی بیٹی کے دل پر اس وقت کیا گزر رہی تھی۔ اندر آ کر وہ بستر پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ روبی کو کچھ سمجھ نہ آئے کہ کیا ہوا ہے۔ وہ پریشان ہو کر منزہ کے پاس گئی تو انھوں نے

اسے مومو کو کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دینے کو کہا اور روبی کو بتایا کہ انھیں یقین ہے کہ مومو کو آج بھائی شدت سے یاد آرہا ہے۔ روبی نے واپس جا کر اسے اپنے ساتھ لگایا اور پیار کیا تسلی دی۔

لیفٹیننٹ اسد کو مشرقی پاکستان بے حد پسند تھا اور اس کی خواہش ہوتی تھی کہ وہاں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرے۔ یہی وجہ تھی کہ پچھلے دو دنوں سے اسے جب بھی اور جہاں بھی موقع ملتا، وہ مشفق سے مشرقی پاکستان بارے باتیں کرتا۔ اس نے مشفق کو بتایا کہ وہاں کے کچھ نام اسے بے حد افسانوی اور رومانوی لگتے ہیں مثلاً دریائے میگھنا، سلہٹ، پدما، سندر بن وغیرہ۔ مشفق بھی اسے وہاں کی بود باش، لوگوں کی عادات و خصائل اور طرز زندگی بارے معلومات فراہم کرتا۔ اس شام جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو اسد نے اسے میس کے اینٹی روم میں چلنے کو کہا۔ وہاں چائے کے کپ پر گپ شپ کا دور چلا تو اسد بولا، ''مُش! بڑی مجھے ایک بات تو بتاؤ۔''

''جی سر ضرور پوچھیے۔'' مشفق بولا۔

''جیسا کہ میں نے دیکھا اور سنا ہے کہ مشرقی پاکستان کے بنگالی اور بہاری آفیسر زیادہ تر ایسٹ بنگال رجمنٹ میں جانا چاہتے ہیں اور اکثر کو بھیج بھی دیا جاتا ہے۔ تم نے تو کمانڈر انچیف کی اعزازی چھڑی بھی حاصل کی تھی اور تمھیں تو تمھاری پہلی چوائس لازماً مل جاتی مگر تم بنگال رجمنٹ میں نہیں گئے.... کیوں؟''

''سر آپ پشتون ہیں ناں؟''

''بالکل۔''

''آپ کی بھی خواہش ہوگی کہ فرنٹیئر فورس رجمنٹ میں کمیشن حاصل کرتے؟''

''بالکل.... ظاہری بات ہے۔''

''لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ اس وقت پنجاب رجمنٹ میں بیٹھے ہیں؟ کیوں؟''

''میری قسمت نے ساتھ نہیں دیا۔'' اسد نے جواب دیا۔

''ایسا ہی ہوتا ہے سر۔ بس وجوہات مختلف ہو جاتی ہیں۔ لیکن آپ نے پوچھا ہے تو میں آپ کو اس کی وجہ تفصیل میں بتانا پسند کروں گا۔''

لیفٹیننٹ اسد فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے بولا، ''ضرور ضرور بتاؤ۔''

''سر! پی ایم اے میں میرا روم میٹ جی سی بابر حمید تھا جس کا تعلق لاہور سے ہے۔ ہم دونوں میں بہت جلد ہم آہنگی ہوگئی اور ہم بھائیوں جیسے دوست بن گئے۔ بابر مڈٹرم بریک پر گھر آیا تو یہاں گلبرگ میں اس کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ وہ ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ بابر کی خواہش تھی کہ وہ اس پلٹن میں جہاں میں بیٹھا ہوں کمیشن حاصل کرے۔ شاید اس لیے کہ یہ یونٹ لاہور میں تھی مگر قسمت نے یاوری نہ کی۔ اس کے گھر والے گہرے صدمے سے گزرے۔ وہ مجھے بھی اپنے بیٹے کی طرح ہی پیار کیا کرتے تھے۔ خاص طور پر جب انھیں یہ پتہ چلا کہ میرے والدین مشرقی پاکستان میں ہیں۔ وہ بابر کی وفات کے بعد بھی مجھے اکیڈیمی ملنے آتے رہے۔ میں نے بھی انھیں کبھی مایوس نہ کیا اور عہد کیا کہ جو خوشیاں انھیں بابر سے ملنا تھیں وہ میں انھیں دینے کی اپنے تئیں پوری سعی کروں گا۔ میرے والدین تو پاسنگ آؤٹ پر نہ آسکے لیکن میں نے بابر کی فیملی کو اپنے والدین کی جگہ پر مہمان بلایا۔ میری خواہش تھی کہ ایسٹ بنگال رجمنٹ میں کمیشن حاصل کروں مگر جب میرا دوست چلا گیا تو اس کی روح کو خوش کرنے کے لیے میں نے اس پلٹن کی چوائس دی۔''

مشفق نے بات ختم کی تو اسد ایک دم کھڑا ہوگیا اور اسے گلے سے لگا کر بولا، ''پارٹنر! دوست ہو تو تمھارے جیسا۔ I am proud of you۔ کیا بابر کے اور بہن بھائی نہیں ہیں؟''

مشفق بھانپ گیا کہ اسد کا مقصد کچھ اور نہیں بلکہ وہ صرف اس خاندان کے بارے جاننا چاہتا ہے سو اس نے چھوٹتے ساتھ ہی بات کا رخ موڑ دیا، ''جی سر اس کی صرف ایک بہن ہے جو بھائی کی بہت لاڈلی تھی۔ وہ بھائی کو بہت مس کرتی ہے۔ پاسنگ آؤٹ کے بعد جب میں ڈھاکہ گیا تو اپنی چھوٹی سسٹر کو ساتھ لے آیا تاکہ وہ بابر کی بہن کے ساتھ کچھ وقت گزارے اور اس کا دکھ بانٹے۔''

'' Mushfiq! I am really impressed by you. (مشفق میں تم سے بے حد متاثر ہوا ہوں)۔''

بہت دیر تک وہ دونوں باتیں کرتے رہے اور پھر سونے چلے گئے۔ حقیقت میں مشفق سے یہ کہانی سننے کے بعد لیفٹیننٹ اسد خان اور مشفق الاسلام میں دوستی اور گہری ہوگئی۔

بدر میاں اپنے کام پر جا چکے تھے اور ناہیدہ کچن سمیٹنے میں مصروف تھیں۔ ربابہ گھر کی رونق تھی۔ اس کے موجود ہونے سے زندگی کا احساس ہوتا تھا لیکن جس روز سے وہ بھائی کے ساتھ لاہور گئی ہوئی تھی، اس گھر کو اداسی نے گھیرا ہوا تھا۔ بدر صاحب ایک تو ویسے ہی سارا دن چھاپہ خانہ پر رہتے اور شام کو آتے بھی تو تھکے ہارے۔ کھانا کھا کر خبریں سننے ٹیلیوژن کے سامنے بیٹھ جاتے۔ بیگم سے تھوڑی بہت بات چیت ہوتی اور پھر سونے چلے جاتے۔ ہاں اگر بچے گھر پر ہوتے تو ان سے ان کی دلچسپی کے معاملات پر ضرور بات چیت کیا کرتے۔ سو دن کے اس وقت جبکہ کوئی گھر میں نہیں تھا ناہیدہ بیگم کام کرنے کے ساتھ ساتھ بچوں کو بھی یاد کر رہی تھیں کہ مشفق نے بھی کام کے سلسلہ میں کبھی نہ کبھی گھر سے نکلنا ہی تھا اور رہ گئی ربابہ تو وہ ویسے ہی پرائی امانت ہے۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی۔

''یا اللہ اس وقت کس کی کال آ گئی؟ بدر تو کبھی کال نہیں کرتے اور ویسے بھی انھیں گئے تھوڑی دیر ہی تو ہوئی ہے۔'' خود کلامی کرتے ہوئے انھوں نے فون اٹھایا تو آپریٹر نے لاہور کی کال کا کہہ کر کال ملا دی۔

''ہیلو امّی ربابہ کتھا بولے چھے (ہیلو اماں ربابہ بات کر رہی ہوں)۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''جیتی رہو میری جان.... کیسی ہو؟ سب ٹھیک ہے ناں؟''

''جی اماں.... اللہ کا شکر ہے۔ شفو بھیا تو اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے تھے اور میں ادھر انکل آنٹی اور

مائرہ کے پاس مزے کر رہی ہوں۔"

"ہاں بیٹا مشفق کا ٹیلیگرام ملا تھا خیریت کا۔تم لوگ بہت یاد آتے ہو۔"

"اماں آپ بالکل فکر نہ کریں۔ انکل آنٹی بہت خیال رکھتے ہیں میرا، اور مائرہ آپی تو مجھے ایک منٹ کے لیے بھی اکیلا نہیں چھوڑتیں۔" اس نے موموکو مسکرا کر دیکھتے ہوئے ماں کو اطلاع دی۔

"تمھاری آنٹی ٹھیک ہیں؟ میرا اسلام کہنا۔"

"اماں میں آپ کی بات کراتی ہوں۔آنٹی اتنی پیاری ہیں کہ کیا بتاؤں لیکن انھیں بنگالی زبان نہیں آتی۔آپ کو انگریزی میں بات کرنی پڑ یگی۔"

"نالائق لڑکی تو کیا مجھے انگریزی کی سمجھ نہیں ہے؟ میرے ابا نے بھی مجھے اسی کانونٹ میں پڑھایا تھا جس میں تم پڑھی ہو۔ہاں تیری طرح منہ ٹیڑھا کر کے نہیں بول سکتی مگر بات ضرور کرسکتی ہوں۔چلو بات کراؤ میری وقت ختم ہو جائے گا۔" روبی نے فون منزہ کو دیا۔

"السّلام علیکم ناہیدہ بہن! کیمون آچھے (کیسی ہیں)؟.... بس مجھے اتنی بنگلہ ہی آتی تھی۔" منزہ نے ہنستے ہوئے بات انگلش میں مکمل کی۔

"وعلیکم سلام مونوزہ (منزہ) کیسی ہیں؟ بہت تعریف سنی تھی مشفق سے آپ کی۔" ناہیدہ نے انگریزی میں ہی جواب دیا۔

"ارے نہیں یہ بچے تو خود بہت اچھے ہیں۔ ماشاءاللہ آپ لوگوں نے بہت اچھی تربیت کی ہے۔ نہایت سلجھے ہوئے اور مؤدب ہیں۔"

"ہاں بس یہ ربابہ ذرا باتونی ہے۔اس کی باتوں کا برا مت مانیے گا اور اس کو فارغ بھی مت بیٹھنے دیں۔اس سے کام کروایا کریں۔" ناہیدہ نے مشورہ دیا۔

"ارے نہیں یہ تو رونق ہے ہمارے گھر میں سب کو ہنساتی رہتی ہے اور حمید تو اسے بہت پیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں میری ایک نہیں دو بیٹیاں ہیں۔ رہا کام تو وہ واپس آئے گی تو آپ خود کرا لیجیے گا ہمارے پاس تو وہ مہمان ہے۔"

"آپ کا بے حد شکریہ کہ آپ بچوں کا اتنا خیال رکھتے ہیں۔"

"ناہیدہ بہن یہ ہمارے اپنے بچے ہیں۔اور ہاں میں آپ کا شکریہ ادا کرنا تو بھول ہی گئی۔" منزہ کو جیسے اچانک کچھ یاد آیا ہو۔

''کس بات کا شکریہ بہن؟''

''آپ نے اتنے خوبصورت تحفے جو بھیجے ہیں۔سب ہی جوڑے بہت پیارے ہیں خاص طور پر میری اور مائرہ کی ساڑھیاں۔''

''نہیں بہن میں تو جلدی میں کچھ بھی نہیں بھجوا سکی،شرمندہ ہوں۔ان شاءاللہ آئندہ کسر نکالوں گی۔''

درمیان میں آپریٹر نے وقت ختم ہونے کا مژدہ سنایا تو دونوں نے جلدی جلدی ایک دوسرے کو اللہ حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

''آنٹی آپ کو میری اماں کیسی لگیں؟'' روبی نے نہایت اشتیاق سے پوچھا۔

''بہت محبّت والی اور نہایت شیریں گفتگو....لگتا ہی نہیں تھا کہ ہم پہلی مرتبہ بات کر رہے ہیں۔'' منزہ نے جواب دیا اور اٹھ کر کچن کی طرف چل دیں،''جاؤں دوپہر کے کھانے کا کچھ کروں۔''

مشفق صبح ہی سے 'ہفتہ بند' (ویک اینڈ) کے لیے منصوبے بنا رہا تھا۔ گو کہ وہ ایک روز پہلے ہی مائرہ سے ملکر آیا تھا لیکن نجانے کیوں اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے مومو سے ملے صدیاں بیت گئی ہوں۔ اس نے پہلے ہی اسد سے ویک اینڈ بارے معلومات حاصل کر لی تھیں، جس نے اسے بتایا تھا کہ وہ ایڈ جوٹنٹ کو اطلاع دے کر اور آفس میں اپنا رابطہ نمبر چھوڑ کر رات باہر گزار سکتا ہے۔لوازمات اس نے صبح دفتر پہنچتے ہی پورے کر لیے تھے اور اب اسے دو بجنے کا انتظار تھا کہ چھٹی ہو اور وہ کمرے میں جا کر تیار ہو۔اللہ اللہ کر کے چھٹی کا وقت ہوا اور اس نے میس کھانا کھانے کے لیے جانے کی بجائے کمرے میں جانے کو ترجیح دی کہ کون میس جا کر 'قیمتی' وقت برباد کرے۔لیکن کمرے میں پہنچ کر اسے حیرانگی ہوئی کہ بیشتر آفیسرز، میس کی بجائے کمروں میں پہنچ چکے تھے۔تب اس پر یہ عقدہ کھلا کہ کوئی بھی سمجھدار افسر ویک اینڈ یا چھٹی کے روز میس میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ کچھ کے گھر ہوتے ہیں اور کچھ کے کوئی نہ کوئی عزیز و اقارب اور جن کا کوئی نہیں ہوتا انھوں نے بھی دوستیاں وغیرہ پالی ہوتی ہیں اور یوں ماسوائے ان کے جو تنہائی پسند ہوں یا جنھیں ڈیوٹی افسر بننے کا کڑوا گھونٹ پینا ہو اور کوئی بھی نظر نہیں آتا۔

مشفق کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر اُلفت لاج پہنچ جائے۔مائرہ نے اسے باتوں باتوں

میں کہیں بتایا تھا کہ اسے Olive اور Rust رنگ بے حد پسند ہیں اور وہ بوبی کو بھی مجبور کیا کرتی تھی کہ وہ سیاہ رنگ کے علاوہ ان رنگوں کو بھی خدمت کا موقع دیا کرے۔ مُش نے رات کو ہی اپنی Olive رنگ کی پولوٹی شرٹ اور سیاہ پتلون استری کروالی تھی۔ تیار ہونے کے دوران اس نے کچھ نہیں کچھ نہیں تو کم از کم چھ سات بار شیشے میں اپنا جائزہ ضرور لیا ہوگا۔ ایک ساتھی افسر جس کے پاس موٹر سائیکل تھا اور وہ شہر جا رہا تھا اس نے گلبرگ چھوڑنے کی آفر کی جسے مُش نے قبول کر لیا۔ گیٹ پر اتر کر اسے کچھ یاد آیا تو اس نے اپنا سر پکڑ لیا، ''اوہ خدایا.... میں آج بھی خالی ہاتھ آ گیا ہوں؟ یہ تو بہت برا ہوا'' اس نے سوچا۔ نظر دوڑائی تو دوست کب کا نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اب کوئی چارہ نہ تھا سوائے اس کے کہ ہاتھ لٹکائے اندر جایا جائے۔ اس کی بدقسمتی کہ کوریڈور کا دروازہ کھولنے پر اس کا سامنا روبی سے ہوا جو شاید لاؤنج سے بیڈروم میں جا رہی تھی۔ وہ بھائی کو دیکھ کر رک گئی اور لپک کر اسے گلے لگا لیا۔

''سب لوگ کدھر ہیں؟'' مشفق نے ادھر ادھر نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''آنٹی اپنے کمرے میں ہیں اور میں اور مائرہ آپی اپنے کمرے میں باتیں کر رہے تھے، بس پانی پینے آئی تھی۔'' پھر مشفق کے ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ''آج پھر خالی ہاتھ؟''

''دیکھو آج پھر بلنڈر ہو گیا۔'' مشفق سر کھجاتے ہوئے بولا۔

''بھیا اماں یہاں ہوتیں تو آپ کے کان کھینچتیں۔''

''میرا خیال ہے میں پاس مارکیٹ میں کوئی مٹھائی کی دکان دیکھوں۔'' مشفق یہ کہہ کر ابھی جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ منزہ کمرے سے نکلیں اور حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے بولیں، ''ارے بیٹا!! تم کس وقت آئے اور اب کہاں جا رہے ہو؟''

''آنٹی! بھیا ابھی آئے ہیں اور کہہ رہے تھے میں خالی ہاتھ آیا ہوں۔ اچھا نہیں لگتا۔ جا کر کچھ لے آؤں۔'' مُش سے پہلے روبی نے وضاحت کر دی۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ بھلا اپنے گھر میں تکلف کیسا.... چلو اندر آؤ۔ باہر ویسے بھی گرمی ہو رہی ہے۔''

''نہیں آنٹی میں بس پانچ منٹ میں آیا۔''

''کہا ناں اندر چلو۔'' منزہ پیار سے ڈانٹتے ہوئے بولیں اور پھر روبی سے کہنے لگیں، ''چلو بھیا کو بٹھاؤ، میں اس کے لیے ٹھنڈا لے کر آتی ہوں۔''

جتنی دیر میں مشفق لاؤنج میں آیا، آوازیں سن کر مائرہ بھی باہر نکل آئی اور مُش کو سامنے پا کر ایکدم کھل اٹھی۔

''نہیں نہیں آپی! آپ خواب نہیں دیکھ رہیں۔ یہ لفٹین صاحب ہی ہیں۔'' روبی مائرہ کو چھیڑتے ہوئے بولی۔ منزہ بھی پاس آ کر بیٹھ گئیں اور کچھ دیر بچوں کے ساتھ گپ شپ کر کے رسوئی میں چلی گئیں اور یہ تینوں ہنسی مذاق میں لگ گئے۔

''آپ شام کو چلے جائیں گے یا آج یہیں رہیں گے؟'' مومو بہت دیر سے یہ سوال ذہن میں لیے بیٹھی تھی اور بالآخر پوچھ ہی لیا۔

''نہیں مومو آپی..... بھیا کو کوئی ضروری کام ہے بس تھوڑی دیر کے لیے آئے ہیں۔ ابھی چلے جائیں گے۔'' روبی نے نہایت سنجیدہ ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا تو مائرہ کا چہرہ ایک دم لٹک گیا۔

''ارے نہیں مائرہ..... میرا آنٹی سے وعدہ تھا کہ میں ویک اینڈ پر آؤں گا اور رہوں گا۔'' مُش نے فوراً وضاحت پیش کی۔

''خیر وعدہ تو آپ نے مجھ سے کیا تھا..... آپ بھول رہے ہیں۔'' مومو نے بے ساختہ کہا تو روبی نہ رہ سکی، ''اوئے ہوئے! یہاں چپ چاپ وعدے معاہدے بھی ہو گئے اور ہمیں پتہ بھی نہیں چلا؟''

مائرہ کا چہرہ مارے شرم کے سرخ ہو گیا اور وہ بولی، ''روبی بہت خراب ہو تم۔'' اور سب کا ایک ساتھ قہقہہ بلند ہوا۔

''شفو بھیا! کہیں گھومنے پھرنے کا پروگرام بناتے ہیں۔'' روبی نے مشورہ دیا تو مومو کو ایسا لگا جیسے اس نے اس کے دل کی بات کہہ دی ہو۔

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔ ہاں آنٹی انکل سے اجازت لے لیں بلکہ ان کو بھی ساتھ لے کر چلتے ہیں۔'' سادہ لوح مشفق بولا۔

''ماما ابا تو کہیں بھی نہیں جاتے..... ہم خود ہی چلتے ہیں۔'' مائرہ فوراً بولی اور روبی شرارتی لقمہ دیئے بغیر نہ رہ سکی، ''دیکھا بھیا آپ سے زیادہ سمجھدار تو میری پیاری مومو آپی ہیں۔''

''کہاں چلیں؟'' مُش نے سوال پھینکا۔

''میرے خیال میں کوئی اچھی سی مووی دیکھتے ہیں پھر گوگو کیفے کی آئس کریم کھانے چلیں گے۔'' لاہور کی رہائشی اور شہر سے واقف مائرہ نے صلاح دی۔ تجویز تو مشفق کے دل کی بات تھی مگر مسئلہ یہ تھا کہ

بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھتا؟ فوراً جواب دیا، ''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔ آپ ہی آنٹی سے اجازت لے لیں۔

منزہ کاموں سے فارغ ہو کر ان کے پاس آئیں تو روبی اور مائرہ ایک دوسرے کو آنکھوں آنکھوں سے اشارے کرنے لگیں کہ منزہ سے اجازت لی جائے۔ منزہ ان دونوں کی کھسر پھسر نوٹ کرتے ہوئے بولیں، ''کیا اشارے ہو رہے ہیں آپس میں؟ کچھ ہمیں بھی پتہ چلے۔''

''کچھ نہیں ماما دراصل روبی کہہ رہی تھی کہ آج کوئی اچھی سی فلم دیکھی جائے۔ میں نے کہا بھی کہ فلم کیا دیکھنی گھر پر ہی انجوائے کرتے ہیں۔'' موموگڑ بڑاتے ہوئے بولی۔

''بھئی اگر مائرہ کا دل نہیں چاہ رہا تو اسے گھر پر ہی رہنے دو اور آپ دونوں بہن بھائی جا کر دیکھ آؤ۔'' منزہ بھی شرارت کے موڈ میں لگ رہی تھیں۔

''لیکن ماما!! مشفق اور روبی کو تو یہاں کی جگہوں سے کوئی واقفیت نہیں اور سینما گھروں کا تو بالکل بھی نہیں پتہ؟''

''آنٹی میں نے تو کہا تھا کہ انکل آنٹی کو بھی ساتھ لے چلتے ہیں۔'' مشفق بولا۔

''یقیناً مائرہ نہیں مانی ہوگی؟ مجھے پہلے ہی علم تھا۔'' منزہ پوری طرح بیٹی کو تنگ کرنے کے موڈ میں تھی۔ پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولیں، ''نہیں بچو آپ لوگ جاؤ میں تو یونہی مذاق کر رہی تھی۔ اللہ تم سب کو سدا یونہی ہنستا مسکراتا رکھے۔''

''لیکن آنٹی جی آپ اور انکل بھی چلتے تو زیادہ مزہ آتا۔'' مشفق نے پھر دعوت دی۔

''نہیں نہیں میں پھر کبھی چلوں گی اور رہ گئے انکل آپ کے تو ویسے بھی فلموں کے بالکل شوقین نہیں۔ وہ تو ٹی وی بھی بہت کم دیکھتے ہیں۔ میں انھیں فون کر دیتی ہوں کہ جلدی آ جائیں، آپ ان کی گاڑی لے جانا۔'' منزہ کی اجازت کے بعد ان تینوں کے چہروں پر کھلنے والی رونق بخوبی دیکھی جا سکتی تھی۔ اس خوشخبری کے بعد بھوک بھلا کس کافر کو لگنی تھی سو منزہ کے کہنے کے باوجود انھوں نے کہا وہ لوگ کھانا باہر ہی کھائیں گے۔ حمید بھی تھوڑی ہی دیر میں آ گئے اور بچوں کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ انھیں مشفق کے یونٹ جوائن کرنے کا حال جاننے سے بہت دلچسپی تھی سو وہ اس سے نہایت تفصیل سے معلومات حاصل کرتے رہے۔ بچے جب جانے کے لیے نکلے تو منزہ انھیں دروازے تک چھوڑنے آئیں۔ مشفق نے گاڑی سٹارٹ کی تو روبی اور مائرہ دونوں پیچھے بیٹھ گئیں۔ منزہ نے وہیں سے

آواز لگائی، ''لڑکیو! میرا بیٹا تمھارا ڈرائیور نہیں ہے۔ کوئی ایک تو اس کے ساتھ آگے بیٹھے۔'' وہ دیکھ رہی تھی کہ روبی اور مائرہ دونوں آپس میں کچھ بات کر رہی ہیں اس کے بعد مُش نے مڑ کر کچھ کہا تو روبی اتر کر آگے بھائی کے ساتھ بیٹھ گئی اور وہ لوگ نکل گئے۔

راستے میں فیصلہ ہوا کہ پہلے کسی اچھے ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا جائے پھر کسی اچھی فلم کا آخری شو دیکھا جائے۔ مائرہ کو یہ سب ایک خواب لگ رہا تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ نہایت بلندی پر ہواؤں میں اڑ رہی ہو۔ کھانے کے دوران مُش نے مشورہ دیا کہ دو آپشن ہیں۔ اول کہ اُردو فلم دیکھی جائے اور دوئم کوئی انگلش موری۔ پہلا آپشن تو مائرہ نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اُردو سینما گھر زیادہ تر ایبٹ روڈ اور گردونوح میں ہیں اور وہ بہت دور ہے ہاں البتہ انگلش فلم دیکھی جاسکتی ہے۔ مشفق نے بتایا کہ اس نے Jonnie & Clyde کی بہت تعریف سنی ہے سو کیوں نہ وہ دیکھی جائے؟ سب نے ہامی بھر لی۔

سینما ہاؤس میں داخل ہوتے ہی مائرہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ مشفق نے گیلری کے ٹکٹ لیے اور جب وہ سیڑھیاں چڑھ رہے تھے تو مائرہ نے یک لخت روبی کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے کان میں سرگوشی کی، ''روبی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

روبی نے ہنستے ہوئے جواب دیا، ''مومو آپی! کس بات کا ڈر؟ ہم ہیں ناں آپ کے ساتھ۔''

''بس مجھے نہیں معلوم کہ میرا دل کیوں زور زور سے دھڑک رہا ہے۔ تم میرے ساتھ بیٹھنا۔''

''ارے بالکل فکر نہ کریں۔ آپ کے دو عدد باڈی گارڈ ہیں جو آپ کے دائیں بائیں بیٹھیں گے۔ Just relax and don't you worry۔''

''نہیں نہیں صرف تم میرے ساتھ بیٹھنا۔''

''اوہو.... کیا دونوں طرف میں ہی بیٹھوں گی؟ ایک طرف تو میں بیٹھ جاؤنگی مگر آپ کے دوسری طرف بھی تو کسی کو بیٹھنا ہے ناں۔ بھیا نہ ہوئے تو کوئی اور ہوگا، پھر کیا کریں گی؟'' روبی نے چھیڑا۔ گیلری میں پہنچ کر روبی نے جھٹ سے قطار کی آخری سیٹ پر قبضہ کر لیا اور مومو کو اپنے اور مُش کے درمیان بٹھا دیا۔ مائرہ کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، ادھر مشفق بھی خاصا گھبرایا ہوا لگ رہا تھا اور روبی ان

دونوں کی حالت سے دل ہی دل میں لطف اندوز ہو رہی تھی۔ فلم شروع ہوئی تو مائرہ بار بار کن اکھیوں سے مُش کو دیکھتی رہی جو فلم دیکھنے میں محو تھا۔ نجانے کیوں اسے بار بار ایسا لگے کہ مُش کا ہاتھ نہایت آہستگی سے اس کی جانب بڑھ رہا ہے مگر یہ اس کا وہم تھا۔ فلم کا وقفہ ہوا تو مائرہ نے قدرے سکھ کا سانس لیا لیکن نجانے کیوں اسے وہ بے چینی اور انجانا دھڑکا ایک دم اچھا لگنے لگا اور دل کے کسی کونے سے آواز اٹھی کہ کاش مشفق میرا ہاتھ تھام لیتا اور کبھی نہ چھوڑتا۔ روبی جو وقتاً فوقتاً چٹکلے چھوڑ رہی تھی بولی، ''آپ دونوں پورے دھیان سے فلم دیکھیں کیونکہ میں نے گھر واپس جا کر آپ دونوں سے فلم کے متعلق سوالات کرنے ہیں۔ وقفہ کے بعد مائرہ بھی قدرے نارمل ہو چکی تھی اور اب اس نے فلم میں دلچسپی بھی لینی شروع کر دی تھی۔ اچانک ایک جذباتی منظر کے دوران مائرہ کو مشفق کا ہاتھ اپنے ہاتھ پر محسوس ہوا۔ اس نے ہاتھ کھینچنا چاہا تو مُش نے نرمی سے اپنی گرفت میں لے لیا۔ پسینے میں شرابور مائرہ کو یوں لگا جیسے اس کے جسم سے جان نچوڑ لی گئی ہو۔ وہ کچھ دیر تو اس حالت میں رہی مگر پھر دل کے کسی گوشہ سے یہ آواز اٹھی کہ کاش مشفق اس کا ہاتھ زندگی بھر نہ چھوڑے۔ وہ خود کو دُنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھنے لگی اور وہ ایسا سوچنے میں حق بجانب بھی تھی کیونکہ جس لڑکی کے من مندر کے دیوتا نے اعلیٰ اعزاز کے ساتھ آرمی میں کمیشن حاصل کیا ہو، نہایت محبّت اور احترام کرنے والا ہو تو وہ خود کو کیوں نہ نصیبوں والی سمجھے؟ اس نے آنکھ کے کونے سے دیکھا تو مُش کی نظریں تو سامنے سکرین پر تھیں مگر اس کے چہرے پر ایک محبّت آمیز شرارتی مسکراہٹ تھی۔ کچھ دیر بعد مُش نے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیاں مائرہ کے ہاتھوں کی انگلیوں میں الجھا کر مٹھی بھینچ لی۔ اس کے بعد فلم میں کیا ہوا یہ تو مائرہ کو معلوم نہیں تھا لیکن اسے اتنا ضرور یاد رہا کہ باقی کی فلم ان دونوں نے ہاتھوں میں ہاتھ تھامے دیکھی۔ سینما گھر سے فلم دیکھ کر نکلنے والی مائرہ، سینما ہاؤس میں داخل ہونے والی مائرہ سے یکسر مختلف تھی۔ کیوپڈ نے بالآخر اپنا وار کر ہی دیا تھا۔ جذبات کے مدوجزر نے اس کا سانس بے ترتیب کر دیا تھا۔

رات بھر وہ تینوں بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ مشفق تو سونے چلا گیا مگر روبی مومو کو خوب تنگ کرتی رہی۔ کبھی فلم کی کہانی پوچھے تو کبھی کہے کہ شفو بھیا نے تنگ تو نہیں کیا۔ مومو کا دل روبی کی باتوں سے کھل رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی کہ اللّٰہ نے بوبی بھائی کو ہم سے لے لیا لیکن مشفق کو ہمارے خاندان کے لیے رونق بنا کر بھیج دیا۔ اگر مشفق نہ آتے تو ہم لوگ شاید جیتے جی مر جاتے۔ یہی

سوچتے سوچتے نجانے وہ کب نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔ اتوار کا دن بھی ان سب نے خوب ہلے گلے میں گزارا۔ تینوں بچوں نے منزہ کو کہہ دیا کہ وہ چھٹی کریں اور دوپہر کا کھانا وہ تینوں پکائیں گے۔ منزہ اور حمید دونوں بے حد خوش کہ ان کے گھر کی رونقیں پھر سے لوٹ آئیں۔ مشفق اور روبی نے نہ صرف مشہور بنگالی رومانوی ڈش 'پتلا کچوری' اور 'موروگ (مرغ) پلاؤ' بنائی بلکہ مائرہ کو بھی سکھانے کی کوشش کی۔ روبی ساتھ ساتھ موموکو چھیڑتی بھی جائے کہ وہ یہ سب کچھ سیکھ لے کیونکہ سسرال جا کر بنگالی کھانے ہی بنانے ہونگے۔ منزہ، حمید اور مائرہ تینوں کو بنگلہ کھانے بے حد پسند آئے۔ شام ہوئی تو حمید نے فیصلہ سنایا کہ وہ سب مشفق کو چھوڑنے جائیں گے تاکہ اس کا میس بھی دیکھ لیں۔

○

مائرہ کالج کے لیے تیار ہو رہی تھی کیونکہ اس کی کچھ کلاسز آج جلدی تھیں۔ اس نے روبی کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی لیکن اس نے پس و پیش اختیار کی۔ مائرہ اصرار کیے جا رہی تھی، ''روبی میری جان چلو ناں پلیز.... تمھیں اپنی فرینڈز سے ملواؤں گی۔ انھیں بہت شوق ہے تم سے ملنے کا۔''

''مجھ سے ملنے کا شوق؟ نہ میں انھیں جانتی ہوں اور نہ ہی وہ مجھے جانتی ہیں پھر یہ ملنے کا شوق کیوں چرایا انھیں جی؟ بولیں؟''

''بھئی میں نے انھیں تمھارے بارے میں بتایا ہے اس لیے۔'' مائرہ بولی۔

''آپ نے بتایا ہے؟ کیا بتایا ہے کہ میں کون ہوں؟''

''اللہ کبھی تو سیریس ہو جایا کرو۔ تمھیں پتہ نہیں کہ میں نے کیا بتایا ہوگا؟''

''مجھے بالکل نہیں پتہ.... موموآپی آپ کچھ فرمائیں گی تو پتہ چلے گا ناں؟ میں آپ کے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔ شاباش جلدی بولیں۔''

''یہی ناں کہ تم....''

''ہاں ہاں.... بولیں بولیں، رکیں نہیں۔''

''بابا یہی بتایا ہے کہ تم میری ہونے والی نند ہو۔'' اور یہ کہہ کر مومو نے شرما کر ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ روبی نے اٹھ کر موموکو گلے سے لگا لیا اور چھیڑتے ہوئے بولی، ''یہی تو میں سننا چاہتی تھی۔''

''سن لیا ناں؟ اب تو چلوگی ناں میرے ساتھ؟''

''ضرور جاؤنگی لیکن آج نہیں بلکہ آئندہ کسی بھی دن۔ اور جب میں آپ کو بتاؤنگی کہ میں کیوں

آپ کے ساتھ نہیں جا رہی تو پھر میں جانا بھی چاہوں گی تو آپ مجھے نہیں لے کر جائیں گی۔"

"کیوں بھئی ایسی کیا خاص بات ہے کہ تم گھر رہنا چاہتی ہو؟ مجھے بھی تو پتہ چلے ذرا؟"

"بات تو کوئی ایسی خاص نہیں.... سوچا تھا کہ آج آنٹی سے شفو بھیا کے اور آپ کے رشتے کی بات چھیڑوں۔ کام تو بڑوں کا ہے لیکن مجھے آتے ہوئے اماں نے کہا تھا کہ روبی بیٹا تم جا رہی ہو تو اپنی آنٹی سے ان لوگوں کی مرضی ضرور پوچھنا اس کے بعد ہی میں بات کرنے کی جرأت کروں گی۔"

موموکا چہرہ یہ سن کر دمک اٹھا اور کانوں کی لوئیں تک سرخ ہو گئیں۔ وہ روبی کے پاس پلنگ پر بیٹھ گئی اور اس کے کاندھے پکڑ کر بولی، "ارے تو پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"پہلے کیسے بتاتی؟ ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے۔ پرسوں رات سینما میں لوہا گرم دیکھا تو دل نے کہا ربابہ خانم پانی سر سے گزر رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی ہنگامہ ہو جائے تم لڑکی کے گھر والوں سے بات کر ہی ڈالو۔"

"نہیں نہیں ٹھیک ہے تم بیشک نہ جاؤ۔ پھر کسی دن لے جاؤں گی تمہیں۔"

"نہیں میرا خیال ہے ابھی بات رہنے ہی دوں۔ یہ مناسب وقت نہیں ہے۔ چلیں آپی مجھے دس منٹ دیں میں تیار ہوتی ہوں اور آپ کے کالج چلتے ہیں۔"

"نہیں روبی وہ کوئی ضروری تھوڑا ہی ہے۔ تم ماما سے بات کرلو، کالج پھر کسی دن چلی جانا۔"

"نہیں میں تو آج ہی جاؤں گی۔ آپ کا دل نہیں توڑنا چاہتی۔" روبی بدستور اسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھی۔

"جہنّم میں گیا میرا دل.... تم آرام سے گھر بیٹھو۔ سنا ناں؟" اب موموکی بھی بس ہو چکی تھی۔

"ارے ارے یہ کیا؟ بھئی دل کیوں جہنّم میں جائے؟ بی بی آرام سے.... یہ دل اب آپ کا نہیں ہے۔ یہ میرے راجکمار بھیا کب کا خرید چکے ہیں۔ چلیں کیا یاد کریں گی کسی رئیس نند سے پالا پڑا تھا۔ کرتی ہوں بات ناشتے کے بعد۔"

مائرہ نے وفورِ جذبات سے روبی کا منہ چوم لیا۔

منزہ اور روبی کھانے کی میز پر اپنی اپنی چائے کی پیالی لیے بیٹھی تھیں۔ حمید صاحب کام پر اور مائرہ کالج جا چکی تھی۔ جب سے روبی آئی تھی یہ پہلا موقع تھا کہ صرف وہ دونوں گھر پر تھیں۔ منزہ روبی

سے اس کے خاندان کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔

''بیٹا کیا تم صرف دو ہی بہن بھائی ہو؟''

''جی آنٹی اب تو دو ہی ہیں۔ ایک بڑے بھائی تھے جو شفو بھیا سے بھی بڑے تھے لیکن چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے تھے۔ ہم دونوں نے انھیں صرف تصویروں میں ہی دیکھا ہے۔''

''اور تمھارے بابا کا بزنس کیسا ہے؟''

''الحمد للہ آنٹی.... کوئی بڑے امیر نہیں لیکن ہم لوگ خوشحال ضرور ہیں۔ اماں بابا خود بھی اچھے سکولوں میں پڑھے ہیں اور ہمیں بھی بہترین تعلیم دلوائی۔ ہمارے منہ سے نکلنے والی ہر جائز خواہش کو انھوں نے فوراً پورا کیا۔ ڈھاکہ میں ہمارا اپنا کشادہ گھر ہے۔ آپ اور انکل ضرور ڈھاکہ آیئے گا اور صرف ہمارے پاس رہیے گا۔''

''ضرور بیٹا.... اللہ کو منظور ہوا تو کیوں نہیں۔ لگتا ہے آپ کے اور ہمارے خاندان کی بہت سی قدریں مشترک ہیں۔ ہماری بہت سی باتیں آپس میں ملتی ہیں۔''

''جی آنٹی ہم نے بھی نوٹ کیا ہے۔ اللہ کرے کہ ہم دو خاندان بھی آپس میں مل جائیں۔''

''کیا مطلب؟'' منزہ نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے کہا۔

''آنٹی.... میرا منہ بہت چھوٹا ہے اور میں اتنی بڑی بات بھلا کیسے کہہ سکتی ہوں؟''

''نہیں نہیں.... کہو۔ تم بھی میری مائرہ کی طرح کی ہی بیٹی ہو۔ کھل کر بات کرو۔''

''آنٹی اگر آپ کو میری بات بری لگے تو محسوس نہ کیجیے گا بلکہ مجھے معاف کر دیجیے گا۔ دراصل جب میں آرہی تھی تو اماں نے مجھے کہا تھا کہ موقع ملے تو اپنی آنٹی سے بات کر کے ان کا ذہن پڑھنے کی کوشش کرنا۔ اگر انھوں نے مثبت جواب دیا تو پھر ہم بڑے خود بات کریں گے۔''

''لیکن بات ہے کیا؟''

''آنٹی! آپ لوگوں نے بوبی بھائی کی ڈیتھ کے بعد بھی شفو بھیا کو بدستور اسی طرح پیار کیا جیسے آپ بوبی بھائی کی زندگی میں کرتے تھے بلکہ اسے اپنے گھر کا فرد سمجھا۔''

''بالکل وہ ہمارے بوبی کی طرح ہی ہمارا بیٹا ہے۔''

''تو پھر آپ انھیں ہمیشہ کے لیے اپنا بیٹا بنا لیں اور مومو آپی ہمیں دے دیں؟؟؟؟.... سوری آنٹی میں کچھ زیادہ ہی کہہ گئی ہوں، مجھے معاف کر دیں۔'' وہ منزہ کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔

منزہ نے اس کے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف بلایا اور پیار کیا۔

''میرے بچے.... اس سے زیادہ ہماری اور کیا خوش نصیبی ہوگی کہ مشفق اس گھر کا داماد ہو۔ سچ پوچھو تو بابر کی زندگی میں ہی ہم جب اکیڈیمی میں مشفق سے ملے تو یہ بچہ ہمارے دل کو بھا گیا۔ ہم نے بابر سے بھی کہا کہ بیٹا تمھارا یہ دوست ہمیں بہت اچھا لگا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوا گر یہ اور مائرہ جیون کے بندھن میں بندھ جائیں۔ کاش آج بوبی زندہ ہوتا تو میری اس بات کی گواہی دیتا۔''

''آنٹی.... آپ کتنی سویٹ ہیں۔'' روبی کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلک پڑی۔

''بس جھجک یہی تھی کہ ہم لڑکی والے ہیں اور ہمارے معاشرے میں لڑکی والوں کا خواہش کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔''

''تو پھر آنٹی میں آپ کی طرف سے ہاں سمجھوں۔'' روبی نے بچوں کی سی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''پگلی.... میں اتنی پیاری بیٹی کو بھلا ناں کہہ سکتی ہوں لیکن بات وہی ہے کہ اپنے بڑوں کو بات کرنے دو۔ تمھیں یقین دلاتی ہوں کہ ہم انھیں مایوس نہیں کریں گے۔ اب خوش؟''

روبی نے مارے خوشی کے منزہ کے گلے میں بازو حمائل کر دیئے اور بولی، ''بس اب آپ کسی وقت میری اماں بابا سے بات کرا دیں تا کہ میں انھیں کہوں کہ کم از کم اماں ہی میرے لاہور میں قیام کے دوران آجائیں اور ہم ماں بیٹی یہ خوشی سمیٹ کر واپس جائیں۔ اور ہاں آنٹی جی آپ نے اس بات کو راز رکھنا ہے۔ میں شفو بھیا اور مائرہ کو خوب تنگ کرنا چاہتی ہوں۔ پلیز وعدہ کریں۔''

''اچھا بابا نہیں بتاؤں گی کسی کو۔'' منزہ نے وعدہ کر لیا اور روبی نہایت بے چینی سے خود کلامی کرتے ہوئے مائرہ کی واپسی کا انتظار کرنے لگی، ''کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ مرحلہ اس قدر آسانی سے طے ہو جائے گا۔ اللہ کس قدر مہربان ہے اور میں کس قدر خوش نصیب ہوں کہ قدرت یہ نیک کام میرے ہاتھوں سے کروا رہی ہے۔ بس اب مجھے ایک آدھ دن میں اماں کو فون کرنا ہوگا کہ وہ جس قدر جلد آسکتی ہیں آجائیں۔ اور شفو بھیا؟ ان کو تو میں ایسا تنگ کروں گی کہ کیا یاد کریں گے۔ گن گن کر سب بدلے لوں گی۔'' روبی واپس کمرے میں آچکی تھی اور اپنے پلنگ پر لیٹے نہایت سنجیدگی سے مستقبل کی منصوبہ بندی میں ایسے مصروف تھی گویا سارے جہاں کی ذمہ داریاں اسی کے کندھوں پر آن پڑی ہوں۔ اچانک اسے مائرہ کی آواز آئی جو گھر میں داخل ہوتے ہی اسے

پکارتی پھر رہی تھی اور روبی نے اگلی شرارت کی تیاری شروع کردی۔

مائرہ کمرے میں داخل ہوئی تو روبی کو' گہری نیند' سوئے ہوئے پایا۔ وہ بہت بے صبری سے بیڈ روم میں آئی تھی کہ جاتے ہی روبی پر سوالات کی بوچھاڑ کردے گی کہ بات ہوئی؟ کیا ہوئی؟ ماما نے کیا کہا؟ وغیرہ وغیرہ مگر یہاں تو روبی کو گھوڑے بیچے سوتا دیکھ کر اس کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔ سوچنے لگی کہ کیا کرے؟ اسے اٹھائے یا اس کے خود اٹھنے کا انتظار کرے؟ بالآخر فیصلہ کیا کہ فریش ہو کر روبی کے پاس پلنگ پر بیٹھ کر اس کے بیدار ہونے کا انتظار کرتی ہے۔ ادھر روبی نے کچھ دیر تو اداکاری خوب نبھائی پھر جب ادھ کھلی آنکھوں سے مائرہ کو بے چین پایا تو بیدار ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولی،

''اوہ.... آپی آپ آگئیں؟ کس وقت آئیں؟''

''میں تو ابھی آئی ہوں لیکن تم کس وقت کا سو رہی ہو؟ یہ سونے کا کونسا وقت ہے؟''

''کچھ نہیں بس ایسے ہی دل اداس تھا تو کمرے میں آکر سوگئی۔'' وہ جمائی لیتے ہوئے بہت اداس لہجے میں بولی۔

''تو ماما کے پاس کیوں نہیں بیٹھیں؟ ان سے بات نہیں ہوئی؟'' بے صبر مائرہ نے براہ راست سوال پوچھ لیا۔

''گئی تھی آنٹی کے پاس، مگر....''

''.... مگر کیا؟'' مائرہ نے جلدی سے اس کی بات کاٹی۔

''بات بھی کرنی چاہی مگر انھیں جب یہ علم ہوا کہ میں آپ کے اور شفو بھیا کے بندھن بارے ان کی رائے جاننا چاہتی ہوں تو انھوں نے بڑی خوبصورتی سے مجھے ٹال دیا کہ وہ اس وقت کچھ پریشان ہیں سو پھر کسی وقت بات کریں گی۔''

''کیا واقعی ہی ماما نے ایسا کہا۔'' مائرہ نے زور دے کر پوچھا کیونکہ اسے بالکل یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ ماما جو خود اسے مشفق اور اس کی گھڑی کے حوالے سے گاہے بگاہے چھیڑتی رہی ہیں وہ ایسی بات بھی کرسکتی ہیں۔

''اور کیا آپی.... یقین نہیں تو آپ خود جا کر پوچھ لیں۔'' اس نے بڑے اعتماد سے مشورہ دیا۔ مائرہ سوچ میں پڑ گئی۔ اس کا مسکراتا ہوا چہرہ ایکدم لٹک گیا۔ اسے زندگی بے رونق نظر آنے لگی اور

ہر چیز سے بیزاری سی محسوس ہونے لگی۔ شرارتی روبی نہایت غور سے مومو کے چہرے کے اتار چڑھاؤ اور اس کا بدلتا موڈ دیکھ رہی تھی۔ ایک مرتبہ تو اسے مائرہ پر بے حد پیار بھی آیا اور ترس بھی اور سوچا کہ اسے سب کچھ بتا دوے لیکن پھر فیصلہ کیا کہ ڈرامہ کچھ دیر اور چلنے دیا جائے۔

اتنے میں منزہ نے کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھولا اور جھانک کر کھانا تیار ہونے کا مژدہ سنایا، ''چلو لڑکیو آجاؤ کھانا تیار ہے۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے ماما۔'' مائرہ نے بجھے ہوئے دل سے کہا۔

منزہ جاتے جاتے ٹھٹھک کر رک گئی، ''بھوک کیوں نہیں؟ کیا کالج میں کچھ الم غلم کھا آئی ہو؟''

روبی جو شرارت کو ابھی جاری رکھنا چاہتی تھی، اس ڈر سے کہ کہیں پول نہ کھل جائے فوراً بیچ میں بولی، ''آنٹی آپ چلیں میں آپی کو لے کر آتی ہوں۔''

منزہ کچھ دیر تو دونوں کا منہ تکتی رہیں پھر واپس چلی گئیں۔

''آپی! یوں نہ کریں۔ چلیں کھانا کھالیں۔ میں دوبارہ بات کرنے کی کوشش کروں گی۔''

''نہیں روبی مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔ ماما کو سب پتہ تھا اور وہ بے حد خوش بھی تھیں پھر انھوں نے تمھارے ساتھ سرد مہری کیوں دکھائی؟''

روبی بجلی کی سی تیزی سے پلنگ پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ اگر بقول مائرہ کے آنٹی کو ان دونوں کی کہانی کا علم ہے تو پھر یہ شرارت زیادہ دیر نہیں چلے گی۔ وہ ابھی سوچوں میں گم ہی تھی مائرہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔

''ماما آپ نے ایسا کیوں کیا؟'' وہ منزہ کو ڈھونڈتی کچن میں پہنچ گئی اور اس کے سامنے پھٹ پڑی۔ منزہ کا چمچے والا ہاتھ ڈونگے میں سالن ڈالتے ڈالتے رک گیا اور وہ حیران ہو کر بیٹی کو دیکھنے لگی،

''کیوں میری جان، میں نے کیا کیا؟''

''مشفق کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے لیے میرے فیصلے کی آپ ہی نے حوصلہ افزائی کی تھی۔''

''وہ تو ہے.... مگر ہوا کیا؟''

''روبی آج آپ سے اسی سلسلے میں بات کرنا چاہتی تھی لیکن آپ نے اس سے نہ صرف سرد مہری کا برتاؤ کیا بلکہ اس کی بات تک نہ سنی۔''

منزہ کو لمحے بھر میں ساری بات سمجھ آ گئی اور روبی کی بات بھی کہ آنٹی آپ مومو اور بھیا کو مت بتایۓ گا میں ان دونوں کو خوب ستاؤں گی۔ ہنسی اس کے لبوں تک آتے آتے رک گئی۔ فیصلہ کیا کہ چلو آج میں بھی اس شرارت کا کچھ دیر کے لیے حصہ بن ہی جاؤں۔ سنجیدہ شکل بناتے ہوئے بولیں، ''مائرہ بیٹا! مجھے تو کوئی اعتراض نہیں تھا، لیکن....'' اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''لیکن کیا ماما؟ بولیں.... لیکن کیا؟'' اسی دوران منزہ کی نظر کچن کے دروازے پر پڑی جہاں روبی اوٹ میں کھڑی گفتگو سن رہی تھی۔ منزہ نے مائرہ سے نظر بچا کر روبی کو آنکھ مار کر شرارت میں شریک ہونے کا اشارہ دیا۔

''بیٹا دراصل جب تمھارے بابا سے بات ہوئی تو انھوں نے سرے سے ہی اس رشتے کو رد کر دیا۔''

''کیوں ماما انھوں نے کیوں رد کر دیا۔ انھیں تو مشفق بہت اچھے لگتے ہیں؟''

''بالکل.... میں نے بھی انھیں یہی کہا کہ آپ تو مُش کو بہت پسند کرتے ہیں پھر آپ کو کیوں اعتراض ہے تو وہ کہنے لگے کہ مشفق کو تو وہ بوبی کی طرح چاہتے ہیں مگر تمھارے رشتے کے لیے اپنے عزیز دوست رشید علی سے اس کے بیٹے کے لیے بہت پہلے وعدہ کر چکے ہیں۔''

''ماما What ؟.... رشید انکل کے بیٹے کے لیے؟ اس کارٹون فیضان کے لیے جو ابھی تک بی اے میں ہی لٹک رہا ہے اور جس کی زندگی کا کوئی مقصد بھی نظر نہیں آتا۔''

''مائرہ میری جان! اس نے کسی مقصد کو کیا کرنا ہے؟ خاصے خوشحال بزنس مین کی اکلوتی اولاد ہے۔ باپ کا سب کچھ اسی کا ہی تو ہے؟''

''اللہ کا واسطہ ہے ماما Oh come on کبھی اس کا حلیہ دیکھا ہے آپ نے؟ بھالو کی طرح لمبے لمبے بال، گلے میں لاکٹ اور ہر وقت سموکنگ۔ قسم سے چرسی لگتا ہے۔'' مائرہ نے اس کی صفات گنوانی شروع کیں تو منزہ کی بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی، ''آپ ہنس رہی ہیں؟ قسم سے اگر آپ لوگوں نے میرے ساتھ زبردستی کی تو اچھا نہیں ہوگا، میں بتائے دیتی ہوں۔ کاش آج بوبی بھائی زندہ ہوتے تو میں دیکھتی کہ بابا کیسے یہ فیصلہ کرتے ہیں۔''

''بیٹا اتنا غصہ اچھا نہیں.... شام کو وہ لوگ آئیں گے۔ تم ایک دفعہ مل تو لو، ہوسکتا ہے تم اپنا فیصلہ تبدیل کر لو۔''

''یعنی اتنی جلدی ہے بابا کو مجھے گھر سے نکالنے کی کہ ان لوگوں کو گھر آنے کی دعوت بھی دے ڈالی؟.... یہ ہو کیا رہا ہے اس گھر میں؟''

''ہاں تمھارے بابا نے رشید بھائی، آصفہ بھابی اور فیضان کو شام چائے پر بلایا ہے۔'' اس دوران منزہ کی نظر مائرہ کے عقب میں موجود روبی پر پڑی جسے کچھ نہ کچھ سمجھ ضرور آ رہی تھی اور جو پیٹ پکڑے زمین پر دوھری ہوئی ہنس رہی تھی، ''سنو تم سینڈوچ بہت اچھے بناتی ہو ایسا کرو کہ سینڈوچ تم بنا لینا۔''

''ہاں ہاں، ضرور بناؤں گی میں سینڈوچ اور ان میں زہر ملاؤں گی۔'' مومو پھٹ پڑی اور بے اختیار سسکیاں لے کر رونے لگ پڑی۔ کام زیادہ سیریس ہوتا دیکھ کر اچانک روبی سامنے آ گئی اور مائرہ کو گلے لگا کر دلاسا دینے لگ گئی۔

منزہ کی بھی ہنسی چھوٹ گئی تو روبی بولی، ''مومو آپی سوری۔'' مومو ایک دم چپ کر کے اس کا منہ دیکھنے لگ گئی، ''کیا مطلب روبی؟''

''آپی دراصل یہ میری شرارت تھی جس میں، میں نے آنٹی کو بھی شامل کر لیا تھا۔'' اب مائرہ نے نظر منزہ پر ڈالی تو وہ بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کیے کھڑی تھی۔ مایوس مائرہ کی نظریں ماں سے ملیں تو منزہ کا کنٹرول ختم ہو گیا اور وہ بے اختیار ہنس پڑیں۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ کوئی مجھے بھی کچھ بتائے گا؟ یہ کوئی ہنسنے کا موقع ہے؟'' مائرہ جو ابھی تک صورتحال کا تعین کرنے سے قاصر تھی سٹپٹا کر بولی۔

''مائرہ جی! دراصل ہم نے تمھارے ساتھ چھوٹی سی شرارت کی ہے اور یہ آئیڈیا روبی کا تھا۔'' انھوں نے توپوں کا رخ اب روبی کی طرف موڑ دیا۔ یقیناً منزہ اگر پاکستانی سیاست میں ہوتیں تو نہایت کامیاب سیاستدان ہوتیں۔ مائرہ نے مڑ کر روبی کو دیکھا جو اپنے کان پکڑے کہہ رہی تھی، ''آپی اسی لیے تو سوری کہہ رہی تھی.... پلیز معاف کر دیں۔'' وہ پلیز کو لمبا کرتے ہوئے بولی۔

''ماما!!.... آپ کو تو میں بعد میں پوچھتی ہوں پہلے اس سے نمٹ لوں۔'' اور وہ روبی کے پیچھے بھاگ کھڑی ہوئی۔ کمرے میں پہنچنے تک اس نے روبی کو جا لیا اور باقاعدہ فن کشتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے پلنگ پر گرا کر قابو کر لیا، ''ہاں دکھے! اب بولو؟ ہماری بلی اور ہمیں ہی میاؤں؟ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ تم اس قدر خطرناک ہو سکتی ہو۔ تم نے تو آج میری جان ہی لے لی تھی۔''

روبی بے تحاشا ہنستے ہوئے مومو سے معافیاں مانگے چلی جارہی تھی، ''آپی کہاناں سوری....بس آپ کو تنگ کرنے کو دل چاہا تھا۔ مجھے نہیں علم تھا کہ معاملہ سیریس ہونے لگے گا۔ میری تو صبح آنٹی سے بات ہو بھی گئی تھی۔''

''کیا....؟ تمھاری بات ہوگئی تھی؟'' مائرہ چونکی، ''تو پھر مجھ سے کیوں جھوٹ بولا؟....بولو۔''

''اوہو....میرا سانس گھٹ رہا ہے۔ میرے اوپر سے ہٹیں گی تو بتاؤں گی ناں۔''

مائرہ اٹھ کر کرسی پر جا بیٹھی، ''ہاں شاباش چلو بتاؤ۔''

''آنٹی سے بات ہوئی تو انھوں نے کہا کہ ہماری اس سے زیادہ اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ مشفق ہمارا بیٹا بن جائے۔ تمھارے امّی ابو رشتہ لے کر آئیں گے تو ہم انکار نہیں کریں گے۔ بس اب آنٹی نے میری اماں سے بات کرانی ہے اور وہ کچھ دنوں تک آپ کا ہاتھ مانگنے آئیں گی۔''

''آنٹی لاہور آ رہی ہیں؟....کب؟'' مائرہ کو جیسے یقین نہ آ رہا ہو۔

''فون کروں گی تو جلد از جلد آنے کی کوشش کریں گی ناں۔''

''اور مشفق کو اس بات کا علم ہے؟'' مائرہ کا اگلا سوال تھا۔

''نہیں....اب آپ کے بعد انھیں تنگ کرنا ہے۔'' روبی نے شرارتی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

''ایک بات بولوں روبی؟ میں نے تمھاری شرارت پر تمھارا گلا دبا دینا تھا لیکن تم نے اتنی اچھی خبر سنائی ہے کہ تمھیں معاف کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جاؤ کیا یاد کرو گی۔'' دونوں کے قہقہوں سے کمرہ گونج اٹھا۔

روبی اور مائرہ کا آنے والے ویک اینڈ پر مشفق کو بھی تنگ کرنے کا پروگرام تھا لیکن جب منزہ کے کان میں بھنک پڑی تو اس نے دونوں لڑکیوں کو وارننگ دیدی کہ اگر انھوں نے کچھ ایسا ویسا کرنے کی کوشش کی تو وہ بھانڈا پھوڑ دیں گی۔ ناچار شرارتی لڑکیوں کو اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا تاہم انھیں مشفق کی آمد کا شدت سے انتظار تھا تاکہ اسے یہ خبر سنا کر اس کے تاثرات نوٹ کیے جاسکیں۔ اسی لیے روز رات کو فون پر باقاعدگی سے بات ہونے کے باوجود انھوں نے مشفق کو ناہیدہ کی لاہور آمد کے ممکنہ پروگرام کی ہوا تک نہ لگنے دی۔ اسی دوران منزہ نے روبی کی گھر بات بھی کرا دی تھی اور ناہیدہ نے اگلے ہی روز اپنا لاہور آنے کا پروگرام فون کر کے کنفرم کر دیا تھا۔ ویک اینڈ پر جب مشفق اُلفت لاج آیا تو

اسے تمام چہرے کھلے اور مسکراتے ہوئے نظر آئے۔اس کا خیال یہی تھا کہ شاید روبی کے آجانے سے سب کا دل لگ گیا ہے۔رات کھانے پر بھی اسے کچھ عجیب سا لگا جب اسے منزہ اور دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے نظر آئیں۔مُش سے نظریں ملنے پر وہ سب محتاط ہو جاتے۔ منزہ نے محسوس کیا کہ مشفق کا تجسس اب ختم کر دینا چاہیے سو اس نے کھانا ختم ہونے پر اعلان کیا کہ ناہیدہ بہن اگلے ہفتہ والے دن لاہور پہنچ رہی ہیں۔ مشفق اگر کھانا کھا رہا ہوتا تو اس خبر کو سن کر یقیناً چمچ یا پلیٹ اس کے ہاتھ سے گر جاتی۔اس نے حیران کن نظروں سے پہلے منزہ کو اور پھر روبی کو دیکھا اور وہ دونوں اسے مسکراتی ہوئی نظر آئیں۔

''دراصل اماں لاہور دیکھنا چاہتی ہیں تو آنٹی نے انھیں دعوت دی ہے۔'' روبی نے وضاحت پیش کی۔

''اماں لاہور دیکھنا چاہتی ہیں اور اس قدر جلدی میں؟ نہ ہم کہیں بھاگ رہے ہیں اور نہ لاہور۔'' مشفق نے اپنا غصہ مزاح میں چھپاتے ہوئے کہا۔دراصل اسے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی خصوصاً تین سال پہلے بدر السلام کو ہونے والے ہارٹ اٹیک کے بعد سے انھیں کبھی بھی اکیلا نہیں چھوڑا گیا تھا اور ناہیدہ تو ایک منٹ کے لیے بھی ادھر ادھر نہیں ہوتی تھیں۔اگر کبھی پریس سے واپسی پر ذرا سی بھی دیر ہو جاتی تو فوراً فون کر دیا کرتی تھیں۔پریس کے مینیجر کو ہدایت تھی کہ انھیں زیادہ تھکنے نہ دیا جائے۔بدر کو نیند میں ہلکے خراٹے لینے کی بھی عادت تھی اور اگر کبھی رات کو ان کے خراٹوں کی آواز بند ہو جاتی تو ناہیدہ گھبرا کر فوراً اٹھ کھڑی ہوتیں اور بدر کو ہلانے جلانے لگتیں۔مشفق کو یہی بات پریشان کر رہی تھی کہ ان حالات میں یہ کیسے ممکن تھا کہ بدر صاحب کی پاکھی انھیں اکیلا چھوڑ کر لاہور دیکھنے کا ارادہ کر لے۔

''بیٹا کیا سوچ رہے ہیں۔'' منزہ نے اس کے خیالات کا سلسلہ توڑا۔

''کچھ نہیں آنٹی.... سچ پوچھیں تو مجھے اماں کا صرف لاہور دیکھنے کے لیے آنا کچھ عجیب سا لگ رہا ہے خصوصاً بابا کی دل کی بیماری کے تناظر میں۔''

''اوہ! تو بھائی صاحب کو عارضہ قلب ہے۔'' منزہ نے پوچھا جو اب تک اس بات سے لاعلم تھی۔ پہلے وہ اسے خود سب کچھ بتانے لگیں مگر پھر کچھ سوچ کر یہ فیصلہ کیا کہ روبی ہی اس ڈرامے کا ڈراپ سین کرے، سو بولیں، ''روبی بھائی تھکا ہوا ہے اسے کمرے میں لیجاؤ اور اگر یہ مناسب نہیں سمجھتا تو اماں کو کہہ دو کہ وہ فی الحال ارادہ ملتوی کر دیں۔''

مشفق کو یہ بات بھی کچھ معیوب لگ رہی تھی کہ منزہ نے اتنی اپنائیت سے دعوت دی اور اب اس کا موڈ دیکھ کر سب اس پروگرام کو ملتوی کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اسے رہ رہ کر روبی پر غصہ آرہا تھا کہ وہ ہی اس بات کا احساس کر لیتی اور اماں کو منع کر دیتی۔ اسی گومگو کی کیفیت اور منتشر ذہن کے ساتھ وہ روبی اور مائرہ کیساتھ کمرے میں آگیا۔ کمرے میں آکر بھی وہ سر جھکائے کسی سوچ میں گم رہا جبکہ مائرہ اور روبی ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسی دبا رہی تھیں۔

''مُش کیا ہو گیا اگر آنٹی آ رہی ہیں.... کچھ دن رونق لگ جائے گی؟''

''نہیں مائرہ.... بات یہ نہیں ہے۔ دراصل مجھے بابا کی صحت کی بہت فکر ہے۔ گزشتہ تین سالوں میں ہم نے شاید ایک یا دو دفعہ ناگزیر حالات میں انھیں اکیلا چھوڑا ہوگا، سیر سپاٹے کے لیے ہرگز نہیں۔''

''تو شفو بھیا آپ اتنا لال پیلے کیوں ہو رہے ہیں؟ وہ اب بھی شاید کسی ناگزیر صورتحال کیوجہ سے ہی آرہی ہوں؟''

''ایسی کون سی وجہ ہے جو وہ بابا کو چھوڑ کر آنے پر مجبور ہیں؟''

''ہوسکتا ہے وہ انکل آنٹی سے آپ کے لیے موموآپی کا ہاتھ مانگنے آرہی ہوں۔'' روبی نے کھلی باچھوں اور شریر آنکھوں کے ساتھ راز فاش کر ہی دیا۔

مشفق نے پہلے روبی کو دیکھا اور پھر جب مائرہ پر نظر ڈالی تو اس نے لجاتے ہوئے دونوں ہاتھ مارے شرم کے اپنی آنکھوں پر رکھ لیے۔ ایک لمحے میں اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور وہ روبی سے مخاطب ہوا، ''دیکھے تم کب سدھرو گی؟'' اس کے لہجے میں واضح شکایت بھی تھی اور پیار بھی جھلک رہا تھا۔

''ٹھیک ہے آپ کہتے ہیں تو میں اماں کو آنے سے منع کر دیتی ہوں۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے؟ ویسے بھی ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے؟ آٹھ دس سال انتظار کر لیتے ہیں تب تک آپ تھوڑے سے گنجے بھی ہوجائیں گے اور چھوٹی سی توند بھی نکل آئے گی۔ تب کر دیں گے آپ کی شادی۔ ٹھیک ہے ناں؟''

مُش اٹھ کر روبی کی طرف لپکا تو وہ باہر بھاگ گئی۔ وہ واپس مائرہ کے پاس آیا اور بولا، ''سوری مائرہ جی میں ناراضی دکھا گیا۔''

''آپ کو غصہ بھی آتا ہے، یہ مجھے آج پتہ چلا۔ بابا آپ سے تو ڈر کر رہنا پڑیگا۔''

''اب معاف بھی کر دیں ناں۔ میں صرف بابا کی صحت کیوجہ سے تھوڑا پریشان ہو گیا تھا۔'' وہ مائرہ کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا تو مائرہ نے فوراً اس کے ہاتھ جھٹک دیئے اور بولی، ''میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا کہ آپ معافی مانگتے اچھے نہیں لگتے۔ پلیز مت میرا دل دکھایا کریں۔'' مشفق نے نہایت محبّت اور شفقت سے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور انھیں سہلانے لگا۔ روبی نے انھیں چند منٹوں کا موقع فراہم کیا اور پھر کباب میں ہڈی بننے کے لیے آن دھمکی۔ تینوں رات دیر تک باتیں کرتے رہے اور مختلف پروگرام بناتے رہے۔ مائرہ نے تشویش کا اظہار کیا کہ آنٹی اکیلی آرہی ہیں اور انھیں کراچی میں فلائٹ بدلنا ہوگی، سو کہیں انھیں پریشانی نہ ہو۔ مشفق اور روبی دونوں نے تسلی دی کہ اماں کا ایک خالہ زاد بھائی کراچی میں ایک بہت بڑی مل میں اچھے عہدے پر ہے۔ بابا نے یقیناً انھیں ذمہ داری سونپ دی ہوگی اور ہم بھی ان سے رابطہ رکھیں گے۔
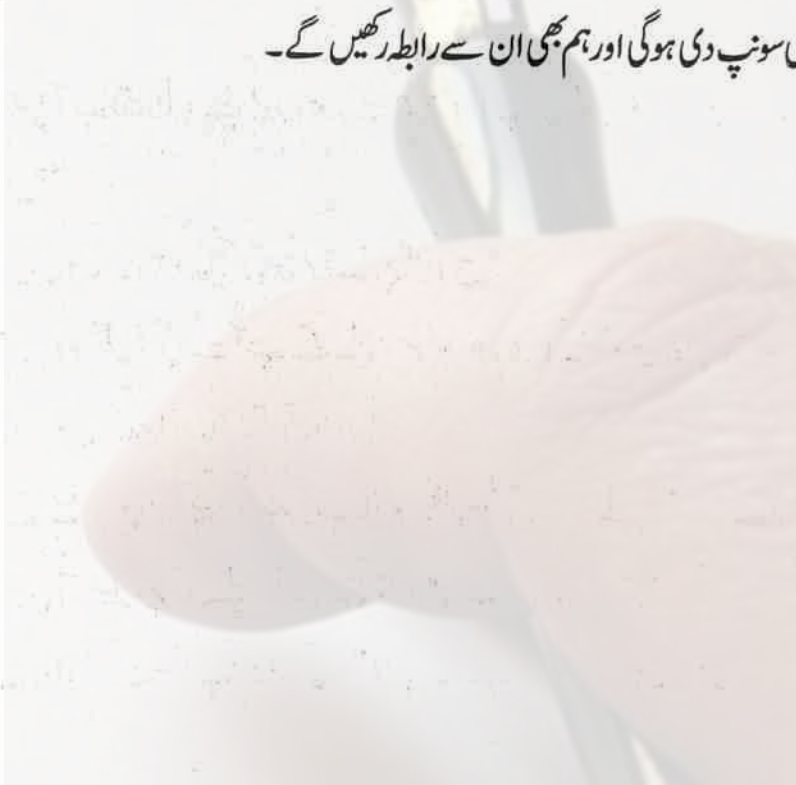
بچوں کی ضد تھی کہ ناہیدہ کے لاہور پہنچنے پر وہ انھیں خوش آمدید کہیں گے مگر حمید صاحب کا کہنا تھا کہ یہ ان کی روایات کے خلاف ہے کہ ان کا کوئی مہمان آئے اور اسے بچے لینے جائیں۔ انھوں نے فیصلہ سنایا کہ وہ منزہ اور مشفق، ناہیدہ بہن کو لینے جائیں گے۔ ان کا حتمی فیصلہ سن کر سب نے سر جھکا دیا ورنہ مائرہ کی تو شدید خواہش تھی کہ وہ آنٹی کو ایئر پورٹ پر ہی اپنا دیدار کرائے۔ روبی اور مائرہ نہایت بے چینی سے گھر پر ناہیدہ کے منتظر تھے۔ روبی کا انتظار کرنا تو سمجھ میں آتا تھا لیکن موموکی بے چینی ایک منفرد انداز کی تھی۔ ہر اس مشرقی لڑکی کی طرح، جسے علم ہوتا ہے کہ آنے والی خاتون اس کا ہاتھ مانگنے آرہی ہے اور وہ اس کی ہونے والی ساس ہے، اس کی بھی شدید خواہش تھی کہ ناہیدہ کو سب سے پہلے وہ ملتی اور موقع ملتا تو انھیں گلے بھی لگاتی۔ حمید صاحب نے پورچ میں پہنچ کر ہارن دیا تو دونوں لڑکیاں بے اختیار باہر کی طرف بھاگیں۔ ناہیدہ کار سے اتر چکی تھیں۔ مائرہ نہایت تپاک سے سلام کرتے ہوئے آگے بڑھی تو ناہیدہ نے پہلے تو اس کا خوبصورت مکھڑا اپنے دونوں ہاتھوں کے بنائے کٹورے میں پکڑ کر دیکھا، ماشاءاللہ کہا اور پھر نہایت گرمجوشی سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ روبی بھلا کب موقع ہاتھ سے جانے دیتی تھی۔ فوراً فقرہ کسا، ''اوہو..... بیٹی کا کچھ پتہ نہیں اور جس سے کبھی ملی ہی نہیں اسے گلے لگایا جارہا ہے۔'' اس کا جملہ اس کی دلی مسرت کی عکاسی کر رہا تھا اور خوشی اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔ ناہیدہ نے بڑھ کر بیٹی کو بھی گلے لگایا اور دعا دی۔ رات کے کھانے کے بعد دیر تک محفل جمی رہی اور اس کے بعد منزہ نے مائرہ کو ہدایت کی کہ وہ ناہیدہ کو مہمان خانے تک پہنچا دے۔ منزہ اور حمید تو صبح

تک کے لیے اجازت لے کر چلے گئے اور بچے ناہیدہ کو لے کر مہمان خانے میں آ گئے۔ جہاں گپ شپ کا دوسرا دور شروع ہوا۔ کچھ دیر بعد روبی نے مائرہ کو چھیڑتے ہوئے کہا، ''اب ہم آپ کی منگنی کی بات کرنے لگے ہیں۔ ہمیں امید ہے آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟'' مائرہ کا بس چلتا تو وہ ان لوگوں کے پاس بیٹھ کر ساری گفتگو سنتی۔ اسے ان کے پاس بیٹھنا بے حد اچھا لگ رہا تھا، خصوصاً ان لوگوں کی آپس میں بنگلہ زبان میں گفتگو، مگر اسے یہ بھی پتہ تھا کہ مشرقی لڑکیاں ایسے موقعوں پر حیا کا مظاہرہ کیا کرتی ہیں سو اس نے بھی وہی کیا اور ان سب سے اجازت لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ نیند مائرہ کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور اس کا دھیان ساتھ والے کمرے میں بیٹھے مشفق، روبی اور ناہیدہ کی طرف ہی تھا کہ نجانے وہ کیا باتیں کر رہے ہونگے۔

اتوار کا روز تھا اور صبح ناشتے کی میز پر سب گھر والے موجود تھے۔ سب کے چہروں پر ایک عجیب سی خوشی جھلک رہی تھی خصوصاً مشفق اور مائرہ سے بے چینی اور خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ منزہ اور حمید اس انتظار میں تھے کہ ناہیدہ بات شروع کریں اور اُلفت لاج کے در و دیوار کی اداسی کچھ تو دور ہو۔ بات سے بات نکالی جا رہی تھی۔ کبھی بدر کے بزنس کی صورتحال پوچھی جا رہی تھی تو کبھی مشرقی پاکستان کے دگرگوں سیاسی حالات کو موضوع گفتگو بنایا جا رہا تھا۔ بالآخر مناسب موقع پر ناہیدہ نے تھوڑا جھجکتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا، ''منزہ بہن اور بھائی صاحب میں آپ لوگوں کی بے حد مشکور ہوں کہ آپ نے مشفق کا بالکل اپنے بچوں کی طرح خیال رکھا۔''

''اس میں شکریے کی کیا بات ہے بہن؟ مشفق ہمارا بیٹا ہی تو ہے بالکل ہمارے بوبی کی طرح۔ شاید اللہ نے دونوں کو اسی لیے دوست بنایا کہ بابر کا وقت پورا ہو چکا تھا اور وہ اپنی جگہ مشفق کو دے کر جا رہا تھا اور اس بچے نے بھی ایک مخلص دوست ہونے کی ذمہ داری کو سچے دل سے نبھایا۔ ہمیں یہ بوبی کی طرح ہی پیارا ہے۔'' منزہ نے وضاحت کی۔

بچے سمجھ گئے کہ اب ناہیدہ اصل بات کرنے جا رہی ہیں سو مائرہ اٹھی تو روبی بھی اس کے ساتھ نہ چاہتے ہوئے ڈائننگ روم چھوڑ گئی۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد مشفق نے بھی یہی مناسب جانا کہ اس کا اس موقع پر موجود رہنا بے ادبی اور چھچھورا پن ہوگا سو وہ بھی لڑکیوں کے پیچھے پیچھے نکل گیا۔

ناہیدہ بچوں کو کمرے سے نکلتا ہوا دیکھ رہی تھی اور جب وہ تینوں چلے گئے تو اس نے منزہ کی بات

کا جواب دیا ''جی بہن یہ آپ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے ہمارے بچے کو پردیس میں گھر کا ماحول دیا۔ مجھے زیادہ باتیں کرنا تو نہیں آتیں۔ انگریزی میں بات چیت بھی شاید میرے جذبات کی ترجمانی نہ کر سکے لیکن میرے چہرے کے تاثرات آپ کو میری التجا بارے سب کچھ کہہ دیں گے۔''

منزہ نے نہایت پیار سے ناہیدہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور بولیں، ''ناہیدہ یہ بھی آپ ہی کا گھر ہے آپ کھل کر بات کریں۔''

''منزہ جی! میں بہت دور سے بڑی امید لے کر آئی ہوں مجھے مایوس نہ کیجیے گا۔ روبی نے مجھے امید دلائی تھی لیکن اس کے باوجود آپ اپنے فیصلے کرنے یا کیے ہوئے فیصلوں میں ردوبدل کرنے کے مجاز ہیں۔ میری درخواست ہے کہ مشفق کو اپنا بیٹا بنالیں اور مائرہ بیٹی کو ہماری جھولی میں ڈال دیں۔''

''بہن آپ اتنی انکساری کا مظاہرہ کر کے ہمیں شرمندہ کر رہی ہیں۔'' اس دفعہ حمید نے جواب دیا۔ اس محفل میں موجود سب کو معلوم تھا کہ اچھے ریت رواجوں والے گھروں میں گھر کی عورتیں مشورے ضرور دیتی ہیں لیکن فیصلے گھر کے سربراہ مرد کے ہوتے ہیں۔ ''ہمیں بھی علم تھا کہ آپ اس مقصد کے لیے آرہی ہیں اور اگر خدانخواستہ ہمارا ارادہ انکار کا ہوتا تو ہم آپ کو آنے کی زحمت ہی نہ دیتے۔'' حمید بولے۔

''ہم سب اس معاشرے کے اسیر ہیں ورنہ سچ پوچھیں تو اس مسئلہ پر روبی کا سوال کرنا ہی کافی تھا۔ ہم آپ کو کبھی اتنی دور سے آنے کی تکلیف نہ دیتے۔'' منزہ نے شوہر کی بات کو بڑھاوا دیا۔

''تو میں پھر اسے آپ کی طرف سے ہاں سمجھوں؟''

''بالکل بلکہ ہم آپ کے شکرگزار ہیں کہ آپ نے ہمیں اتنا فرمانبردار اور لائق سلجھا ہوا بیٹا سونپ دیا۔ آج سے مائرہ آپ کی بیٹی ہے۔'' منزہ نے جواب دیا۔

ناہیدہ نے اٹھ کر منزہ کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی کو فرط جذبات سے بوسہ دیا اور پھر بیٹی کو آواز دے کر بلایا۔ روبی آئی تو اسے کہنے لگیں کہ وہ مٹھائی اور جو چیزیں لائی تھیں وہ لے آئے۔

روبی کی تو مارے خوشی کے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی، ''اوہ مائی گاڈ!!! آنٹی نے آپ کو ہاں کہہ دی؟ تو پھر ہم واپس چلیں ڈھاکہ موموآپی کو لے کر؟'' اس نے چہکتے ہوئے کہا۔

''شرم کرو بدتمیز۔'' ماں نے پیار سے مسکراتے ہوئے ڈانٹا، ''جو کام کہا ہے وہ کرو۔''

''اماں میں ابھی آئی، فکر ہی نہ کریں۔'' وہ تقریباً بھاگتے ہوئے کمرے سے نکلی اور پھر چند ہی لمحوں بعد دوسرے کمرے سے اس کا نعرہ بلند ہوا، ''موموآپی! شفو بھیا! آنٹی نے ہاں کر دی۔'' تینوں بزرگوں نے اس کا اعلان سنا اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر اپنی ہنسی نہ روک پائے اور کھلکھلا کر ہنس دیئے۔ کسی نے بھی نہ سوچا تھا کہ معاملات مہینوں کا سفر لمحوں میں طے کر لیں گے۔ کچھ دیر بعد روبی نہایت فخر سے، کچھ تحفوں کا پلندہ اور ڈھاکہ کی سوغات مٹھائی رس گلے لے کر آئی اور میز پر چیزیں سجا دیں۔ ناہیدہ نے وضاحت پیش کی، ''منزہ جی یہ رس گلے شیرے کے بغیر وہ مزہ تو نہیں دیتے لیکن مجبوری تھی اتنی دور شیرہ لایا نہیں جا سکتا تھا۔ یہ چند کپڑے ہیں آپ لوگوں کے لیے۔ میری خواہش ہے کہ اب آئی ہوں تو ایک چھوٹا سا فنکشن بھی کر ڈالیں کیونکہ میں اپنی بیٹی کو بھی کچھ دینا چاہتی ہوں۔''

''ارے نہیں ناہیدہ بہن اس کی کیا ضرورت ہے بھلا؟ دونوں خاندان راضی ہو گئے تو بس بات پکّی ہو گئی۔''

''نہیں منزہ جی، بات ضروری ہونے کی نہیں بلکہ ہماری خوشی کی ہے۔ اللہ اسے سلامت رکھے، مشفق ہمارا اکلوتا بیٹا ہے۔ ان بچوں کی خوشیاں ہی ہماری خوشیاں ہیں۔ آپ لوگ تازہ تازہ ایک صدمے سے دوچار ہوئے ہیں لہٰذا میں اصرار نہیں کروں گی لیکن خواہش یہی تھی۔ بدر نے بھی کہا تھا کہ جا رہی ہو تو کچھ شگون وغیرہ کر کے آنا۔ باقی آپ کی خوشی میں ہماری خوشی۔''

''نہیں نہیں.... ناہیدہ بہن ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم صدمے سے دوچار ضرور ہوئے ہیں لیکن ساری زندگی اس غم کے ساتھ گزارنا بھی بہت مشکل ہے۔ ہماری بھی خواہش ہے کہ اس گھر کے آنگن میں خوشیاں بکھریں۔ آپ کی خوشی میں ہماری خوشی، جیسا چاہیں گی ویسا ہی ہوگا۔''

''بہن جی آپ یہاں کب تک ہیں؟ مطلب یہ آپ کا اپنا گھر ہے لیکن آپ کے پروگرام کا پتہ ہو تو اسی حساب سے تقریب رکھی جائے۔'' حمید نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

''بس بھائی جی زیادہ تو نہیں لیکن اتنا ہے کہ تقریب ہو جائے اور پھر مشفق سے کہوں گی کہ اگر وہ فارغ ہو تو تھوڑا سا لاہور دکھا دے۔ بچپن کی خواہش ہے کہ لاہور دیکھوں۔ سنا بہت ہے اس شہر کے بارے۔ پھر ہم ماں بیٹی واپس چلے جائیں گے۔ بدر کو بھی زیادہ دیر اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ان کی ہمشیرہ کو بتا کر آئے ہیں وہ گاہے بگاہے چکر لگاتی رہیں گی۔''

''بہن جی مشفق بیٹا کیوں دکھائے گا؟ ہم جو ہیں۔ میں ڈرائیور کا بندوبست کر لوں گا اور منزہ مائرہ

آپ لوگوں کو لاہور کے خاص خاص مقامات دکھا دیں گی۔"

"شفو بھیا کو تو ویسے بھی بس اپنی یونٹ سے اُلفت لاج تک کا راستہ آتا ہے۔" روبی نے شرارتی لقمہ دیا اور سب ہنس پڑے۔

ناہیدہ نے شکریہ ادا کیا اور پھر جیسے کچھ یاد آیا۔ روبی سے بولی، "ارے میری بیٹی کو تو بلا کر لاؤ۔ میں نے تو اسے نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں۔"

"اماں! شفو بھیا کو بھی ناں بلا لاؤں؟ اکیلے کمرے میں بیٹھ کر بور ہو نگے۔"

"نہیں بدتمیز.... اس وقت نہیں۔" ماں نے آنکھیں دکھائیں۔

"ارے کوئی بات نہیں ناہیدہ جی.... دونوں اپنے ہی بچے ہیں اور ویسے بھی ہم فرسودہ خیالات اور ذہن کے مالک نہیں۔ دوستی کے ذریعے بچوں کا اعتماد جیتنے کے قائل ہیں۔" منزہ نے وضاحت پیش کی اور روبی سے مشفق کو بھی بلا لانے کو کہا۔ تھوڑی دیر میں مائرہ روبی کے ہمراہ شرمائی، لجائی داخل ہوئی اور ان کے پیچھے پیچھے سر جھکائے مشفق نے بھی انٹری دی۔ ناہیدہ نے ہاتھ پھیلا کر مائرہ کو اپنے پاس بلایا، بلائیں لیں، دعائیں دیں اور بے حد پیار کیا۔ پھر میز پر سے ایک پیکٹ اٹھا کر اسے دیا کہ کرتا پاجامہ سلوا لے۔ مشفق کو حمید نے اپنے پاس بلا کر بٹھا لیا۔

منزہ کو جیسے کچھ احساس ہوا ہو، بولیں، "مشفق بیٹا آپ کی اماں تو تیاری کر کے آئی ہیں لیکن ہمیں انھوں نے بے خبری میں پکڑا۔ اب تقریب والے دن ہی کچھ شگون کریں گے، ویسے تو یہ گھر اور اس کی ہر چیز پر آپ کا حق ہے۔"

"موموآپی سمیت۔" چنچل روبی لقمہ نہ دے، یہ بھلا کیسے ممکن تھا؟

حمید نے مشفق کو آگاہ کیا کہ وہ ڈرائیور کا انتظام کر دیں گے جو خواتین کو لاہور کی سیر کرائے گا، وہ بھی جب چاہے اپنی سہولت کے مطابق ان کو جوائن کر سکتا ہے۔ دوپہر ہو رہی تھی لیکن اتنی خوبصورت نشست کی وجہ سے کھانے کو سہ پہر تک مؤخر کیا گیا۔ آج اُلفت لاج کی خوشی بھی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔ اس کے در و دیوار سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔ کہنے کو تو بعض خوشیاں چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں لیکن وہ لوگوں کی زندگی میں بڑے بڑے انقلاب برپا کر دیتی ہیں۔ منزہ و حمید نے ناہیدہ کو سر آنکھوں پر بٹھایا اور مائرہ تو اس کے سامنے بچھی جا رہی تھی۔ ناہیدہ نے بھی پیار کا اظہار کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اگلے چند دنوں میں ان لوگوں نے ناہیدہ کو لاہور کی تقریباً ہر تاریخی اور تفریحی جگہ دکھا دی اور

پھر ایک روز مشفق نے ان سب کو یہ کہکر سرپرائز دیا کہ وہ انھیں اپنے میس میں چائے پر بلا رہا ہے۔ ایک بہت جونیئر آفیسر ہونے کے سبب شاید مشفق کے ذہن میں یہ آئیڈیا کبھی نہ آتا اگر وہ اپنے روم میٹ لیفٹیننٹ اسد سے اپنی والدہ کی آمد کا ذکر نہ کرتا۔ اسد نے نہ صرف اسے یہ مشورہ دیا بلکہ یونٹ ایڈ جوٹنٹ کو بھی مطلع کرنے کا کہا۔ مشفق نے ابھی تک قصداً کسی کو بھی اپنی اور مائرہ کی نسبت سے متعلق آگاہ نہیں کیا تھا۔ یہ فوج کی خوبصورت روایات کا ایک اہم جزو ہے کہ اپنے یونٹ افسروں اور خصوصاً قریبی دوستوں سے کوئی بات، خاص طور پر محبّت کے قصے نہیں چھپائے جاتے کیونکہ یونٹ کی حد تک کسی بھی خبر کا خفیہ رہنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا ہے۔ ایسی کہانیاں چلتی ضرور ہیں لیکن ثمر بار عموماً کپتانی کے پھول سجنے تک ہی ہوتی ہیں۔ ایسے کچھ خوش قسمت ضرور ہوتے ہیں جن کے سر پر لفٹینی میں ہی سہرے سج جاتے ہیں مگر اس کے لیے کمانڈنگ آفیسر سے معقول وجہ بیان کر کے تحریری اجازت لینی پڑتی ہے اور مشفق میاں ان گنے چنے افسران میں شمار ہوتے نظر آرہے تھے۔ لیفٹیننٹ اسد نے اس چائے کے انتظام میں اپنے جونیئر کی بہت مدد کی۔ میس حوالدار کو مینو بتایا اور میس کے اینٹی روم میں سب سے خوبصورت گوشہ مہمانوں کے بیٹھنے کے لیے چنا۔ یہ وہ گوشہ تھا جہاں رجمنٹ کے تاریخی نوادرات، شیلڈیں اور پینٹنگز آویزاں تھیں جب مشفق نے اپنے سینئر کا شکریہ ادا کرنا چاہا تو اس کا جواب بہت دلچسپ اور فوجی مزاج سے میل کھاتا تھا، ''میرا صرف آئیڈیا ہے جیب تمھاری ہوگی۔''

دعوت والی شام مشفق وقت سے پہلے ہی میس میں پہنچ گیا تاکہ انتظامات کو دیکھ سکے۔ اس نے لیفٹننٹ اسد کو بھی اس کے انکار کے باوجود دعوت دے رکھی تھی اور کہا تھا کہ اس کی خواہش ہے کہ اس کے گھر والے یونٹ میں اس کے پہلے دوست سے ملیں۔ اسد نے مشروط ہامی بھری کہ وہ ذرا تاخیر سے آئے گا۔ آخر کار مہمانوں کی آمد ہوئی۔ حمید نے کار میس کے پورچ میں پارک کی۔ اتفاق سے مائرہ اور مشفق دونوں نے وہی لباس زیب تن کیا تھا جو انھوں نے کاکول کے دنوں میں بلوچ میس والی یادگار ملاقات کے روز پہنا تھا۔ مشفق کو اس حسین اتفاق پر بہت حیرت ہوئی۔ مائرہ نے گاڑی سے اترتے ہوئے ہر چیز کا بغور جائزہ لینا شروع کر دیا؛ عمارت، پودے، لان، سبزہ زار اور پھر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے برآمدے میں لگی قدیم شیلڈیں۔ روبی کی دلچسپی معصوم بچوں کی سی تھی، مائرہ سے یکسر مختلف۔ مشفق نے انھیں اینٹی روم میں بٹھایا۔ چند لمحوں بعد سفید براق لباس اور کلف لگی پگڑی میں ملبوس میس ویٹر آیا۔

اس کے مشروب پیش کرنے کی ادا ہی نرالی اور دلفریب تھی۔ سب کے چہروں پر ایک فخر واضح طور پر دیکھا جا سکتا تھا جبکہ ناہیدہ بھی بیٹے کی شان اور دبدبہ پر صدقے واری جا رہی تھیں مگر مائرہ کا فخر اور غرور بالکل مختلف تھا، وہ خوابوں ہی خوابوں میں نجانے کہاں پہنچ چکی تھی۔ ایک آدھ ماہ کے اندر مشفق کو اس میس اور یہاں کے نوادرات بارے جو معلومات حاصل ہوئیں تھیں وہ بڑے اعتماد سے گھر والوں کے ساتھ شیئر کر رہا تھا۔ موقع پا کر مشفق نے مائرہ کے کان میں یہ کہہ کر اسے ہنسنے پر مجبور کر دیا کہ ان دونوں کے یہ لباس شاید کسی بھی میس میں ملاقات کے لیے یونیفارم بن چکے ہیں۔ مائرہ کی بے ساختہ ہنسی پر سب چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئے لیکن پھر جیسے سب کو خیال آیا ہو کہ اب ان دونوں کا نام تو لیا جا چکا ہے سو ان کی ہر بات پر نظر رکھنا واجب نہیں۔ البتہ روبی مومو کے کان میں کچھ کھسر پھسر کرتی رہی۔ کچھ دیر بعد اسد بھی آ گیا جس کا تعارف مشفق نے نہایت گرمجوشی سے سب کیساتھ کرایا۔ سب گھر والوں کو اسد کی شخصیت اور وقار بہت بھایا۔ حمید اس کے ساتھ خاصی مفصل گفتگو کرتے رہے اور وہ بھی انھیں نہایت تحمل اور تفصیل سے رجمنٹ کی تاریخ اور میس میں آویزاں نوادرات کے متعلق بتا تا رہا۔ اور یوں ایک حسین، خوبصورت اور یادگار شام کی حسین یادیں لیے وہ لوگ میس سے واپس آئے۔ مائرہ تو جیسے مستقبل کے حسین محل کی تعمیر میں ابھی سے مصروف ہو گئی تھی۔ راستے میں بھی اس نے روبی کی باتوں کا ہوں ہاں میں جواب دیا تو روبی اس کے کان میں سرگوشی کیے بغیر نہ رہ سکی، ''میری پیاری نند جی ابھی سے آپ نے سپنوں کا محل سجانا بھی شروع کر دیا؟'' مائرہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

منزہ اور حمید نے زیادہ وقت ضائع نہ کیا اور جلد ہی گھر پر منگنی کا فنکشن رکھ دیا گیا۔ فنکشن تھا تو سادگی کا مظہر لیکن نہایت باوقار انداز میں۔ کسی عزیز کو بلانے کا تردد نہ کیا گیا۔ منزہ کا نکتہ نظر تھا کہ جب ادھر سے کوئی نہیں آ سکا تو ادھر سے بھی بس ہم ہوں۔ ویسے بھی بوبی کی موت کے بعد وہ کچھ ڈری سی گئی تھیں اور وہم بیٹھ گیا تھا کہ ان کی خوشیوں کو بہت جلد نظر لگتی ہے۔ مشفق منگنی سے ایک روز پہلے ہی رات کو آ گیا تھا اور آج منگنی کے موقع پر اس نے اپنا روائتی لباس زیب تن کیا ہوا تھا؛ ململ کا کرتہ، پاجامہ اور کھدر کی واسکٹ اسے بہت جچ رہی تھی۔ مائرہ پستہ رنگ کے شلوار کرتہ میں ملبوس الگ قیامت ڈھا رہی تھی۔ دونوں کو ساتھ ضرور بٹھایا گیا تھا لیکن پرانی روائتوں کا خیال رکھتے ہوئے مشفق کو انگوٹھی منزہ نے ہی پہنائی۔ ناہیدہ نے جسطرح رسم پوری کی اس نے تو سب کو حیران کر دیا۔ وہ بولیں، ''بھئی مجھے مائرہ

کی انگلی کا ناپ تو معلوم نہیں تھا تو بہتر جانا کہ میں اپنی پیاری بیٹی کے لیے روائتی سونے کا سیٹ لیجاؤں۔ انگوٹھی اس کے ساتھ ہی ہے اگر بڑی چھوٹی ہوئی تو آپ خود ہی اسے ناپ کی کروالیجیے گا۔"

یہ کہہ کر ناہیدہ نے ایک خوبصورت سونے کا سیٹ بیگ سے نکالا اور دعاؤں کے ساتھ مائرہ کے گلے میں ڈال دیا۔ کچھ ایسا اتفاق تھا کہ پستہ رنگ کے لباس کے ساتھ یہ جنجر سٹون کا سیٹ بہت بچ گیا اور یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اپسرا آسمان سے اتری ہو۔

اچانک روبی نے شوشہ چھوڑا، "ویسے انگوٹھی پہنا کر دیکھنے میں حرج ہی کیا ہے؟ ہوسکتا ہے ناپ کی ہی ہو؟"

ناہیدہ بولیں کہ یہ بھی ٹھیک ہے اور انگوٹھی مائرہ کو پہنانے کی کوشش کی جو بالکل پوری آئی۔ سب نے اسے نیک شگون جانا اور بے اختیار تالیاں بجا دیں۔ منزہ نے آنسو روکتے ہوئے بوبی کے کیمرے سے تصاویر کھینچیں۔ مشفق نے بوبی کا کیمرہ پہچان لیا جو وہ کچھ دنوں کے لیے اکیڈیمی بھی لایا تھا اور پھر بلوچ رجمنٹ میس والی یادگار ملاقات پر اسی کیمرے سے تصویریں کھینچی گئی تھیں۔ اس کا دل چاہا کہ وہ منزہ سے یہ کیمرہ مانگ لے مگر پھر ارادہ ملتوی کر دیا۔

آخر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ اسد نے جب مشفق سے گزشتہ رات کی تقریب بارے آگاہی حاصل کرنا شروع کی تو جلد ہی اسے سب کا حدود اربعہ معلوم پڑ گیا اور اس کا پہلا ردعمل تھا، "واہ مُش! یار تم تو چھپے رستم نکلے! ہم ابھی تک دھکے کھاتے پھر رہے ہیں اور تم ایک عدد بیگم بھی لے اڑے۔ مان گئے استاد تمھیں۔"

مشفق کچھ شرماتے اور کچھ ڈرتے ہوئے بولا، "سر کہانی تو آپ کو پہلے ہی سنا چکا ہوں اور اب آپ کو یقین ہو جانا چاہیے کہ یہ سب کچھ قدرت کی طرف سے ہوا ہے۔ نہ میرا دوست فوت ہوتا اور نہ یہ نوبت آتی۔"

"نہیں نہیں اس میں کوئی بری بات نہیں ہے بلکہ یہ تو اچھی بات ہے کہ تم نے ذمہ داری کا مظاہرہ کیا اور ان لوگوں کے بیٹے کی جگہ لے لی۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جلد یا بدیر پوری یونٹ کو یہ خبر پتہ چل ہی جائے گی۔"

"سر اگر آپ نہیں بتائیں گے تو کیسے پتہ چلے گی؟" مشفق نے استفسار کیا۔

''بڈی! تمھارا کیا خیال ہے کہ جو میس کا سٹاف اس روز چائے پر تمھاری خدمت کر رہا تھا وہ اندھا، بہرہ یا گونگا تھا؟ مائی ڈیئر ان کی چار آنکھیں اور دو کان فالتو ہوتے ہیں۔ وہ سننے کے علاوہ باڈی لینگوئج سے بھی حقائق کا اندازہ لگانے کے ماہر ہیں اور پھر وہ 'سینہ گزٹ' چلانے میں بھی دیر نہیں کرتے۔ اور پھر تم بھی تو کل کیپٹن اظہر سے کسی تقریب کا کہہ کر چھٹی لے کر گئے تھے۔ کیا وہ نہیں سوچیں گے کہ ہمارا ہیرو لفٹین تو مشرقی پاکستان سے ہے اور یہاں لاہور میں یہ کونسی تقریبوں میں شریک ہوتا پھر رہا ہے۔ یقین نہ آئے تو صبح دیکھ لینا سب مختلف طریقوں سے تمھیں احساس دلائیں گے کہ انھیں سب علم ہے۔''

''تو اس کا مطلب ہے کہ صبح میں ایڈ جوٹنٹ کو خود ہی یہ خبر دے دوں؟''

''بشرطیکہ سر اظہر تمھیں خود مبارک دینے میں پہل نہ کر دیں.... آگے تمھاری قسمت۔'' اسد نے کھلکھلاتے ہوئے اسے تنگ کیا۔

اگلی صبح مشفق نے سوچا کہ ٹریننگ ایریا جانے سے پہلے ایڈ جوٹنٹ کو اپنی منگنی کی خبر دیدے۔ جونہی اجازت لے کر دفتر میں داخل ہوا تو کیپٹن اظہر کی کڑک دار آواز گونجی، '' congratulations buddy مٹھائی کدھر ہے؟''

حواس باختہ مشفق بولا، ''سر میں آپ کو اطلاع دینے آیا تھا۔ مٹھائی اب اس کے بعد لینے جاؤں گا۔''

''ینگ مین! یونٹ کا اطلاعی نظام مؤثر ہے۔ تمھارا کام اطلاع دینا نہیں، بلکہ دعوت کا انتظام کرنا ہے۔ اب اباؤٹ ٹرن کرو اور ٹی بریک پر نرالے کی مٹھائی کے ساتھ موجود ہونا۔ Now don't waste the time باقی باتیں بعد میں۔''

مشفق سیلوٹ کر کے نکلا اور اسد کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے کمپنی کے کسی جوان کو مٹھائی لینے بھیج دیا۔ ٹی بریک یا گیارہ بجے دن کی چائے بھی فوج کی ایک خوبصورت روایت ہے جہاں چائے کی پیالی پر یونٹ کے معاملات سے لے کر ملکی حالات تک پر تبادلہ خیال اور ہلکی پھلکی گپ شپ ہوتی ہے۔ کمانڈنگ آفیسر بھی اس دن چائے پر موجود تھے۔ مشفق کا ان سے پہلے دن کے انٹرویو کے بعد آج سامنا ہو رہا تھا۔ کرنل نوازش ایک خوش مزاج اور بذلہ سنج انسان تھے۔ انھوں نے مُش کو تنگ کرنے کا

پروگرام بنایا ہوا تھا سو اسے حکم ملا کہ وہ اپنی محبّت کی داستان پانچ منٹ میں بیان کرے۔ٹرافیاں حاصل کرنے والے مشفق کے لیے تقریر کرنا تو کوئی مشکل نہ تھا لیکن الفاظ کا چناؤ خاصا محنت طلب کام تھا۔ بہرحال اس کی تقریر کو سب نے بے حد سراہا لیکن سی او نے اٹھتے اٹھتے ہوئے چیتاونی دے دی کہ اب وہ زیادہ دھیان پڑھائی کی طرف رکھے تاکہ اکیڈیمی کی طرح بنیادی کورسز میں بھی نمایاں پوزیشن حاصل کرے جس کے لیے عنقریب اسے انفنٹری سکول کوئٹہ جانا تھا۔مشفق نے اپنی قابلیت اور خوش اخلاقی کے سبب جلد ہی یونٹ کے افسروں اور جوانوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنالی تھی۔

دوپہر کا وقت تھا اور مشفق ٹریننگ ایریا میں کمپنی کمانڈر میجر ولی کے ہمراہ اپنی کمپنی کی ٹریننگ کی نگرانی کررہا تھا۔عموماً سال کے ان دنوں میں لاہور میں راتیں تو بہتر ہو جاتی ہیں لیکن دن خاصے حبس زدہ ہوتے ہیں جس کے باعث جوانوں کی تربیت خاصی مشکل ہوجاتی ہے۔اچانک دفتر سے ایڈ جوٹنٹ کا رنر (قاصد) تیزی سے سائیکل چلاتا ہوا ٹریننگ ایریا میں داخل ہوا۔میجر ولی کو سلوٹ کرنے کے بعد پیغام دیا کہ لفٹین صاحب کے لیے کال ہے اور ایڈ جوٹنٹ صاحب بلا رہے ہیں۔مشفق کا دل اچانک دھڑکا کہ ضرور کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے۔میجر ولی نے جانے کی اجازت دی تو فوراً دفتر کی طرف بھاگا اور سارے راستے دل ہی دل میں اللہ سے خیریت کی دعا مانگتا رہا۔دفتر پہنچا تو کیپٹن اظہر نے بیٹھنے کو کہا۔وہ اس سے نظریں ملائے بغیر بات بھی کررہا تھا اور ساتھ ساتھ دفتری امور بھی نمٹا رہا تھا۔

''مُش تمھارے انکل کے گھر سے فون تھا۔تم ایک سپاہی ہو میری بات کو ہمت سے سننا۔کوئی حمید صاحب تھے کہہ رہے تھے کہ ڈھاکہ میں تمھارے والد کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔وہ ہسپتال میں ہیں اور خیریت سے ہیں۔میں نے سی او کو بتا دیا ہے اور اگر تم چھٹی جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔ویسے حمید صاحب سے بات کرلو۔انھوں نے تاکید کی تھی کہ بات کرادوں۔''

''گھبرانے کی بھی کوئی بات نہیں اور وہ خیریت سے بھی ہیں تو پھر ہسپتال میں کیوں ہیں؟'' دل ہی دل میں سوچتے ہوئے اس نے گھر کال ملائی تو حمید نے فون اٹھایا۔انکل تو اس وقت شاپ پر ہوتے ہیں؟ یہ کیا ماجرا ہے؟

''ہیلو....!!'' ادھر سے حمید کی آواز نے اس کی سوچوں کا سلسلہ توڑا۔

''السلام علیکم انکل....سب خیریت ہے ناں؟''

''جی بیٹا.... خیریت ہی ہے۔ بدر بھائی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ انھیں ہسپتال پہنچا دیا گیا ہے۔ آپ کی پھوپھی ان کے کے پاس ہیں۔ پریس سے منیجر کا فون آیا تھا۔ میری آپ کے اظہر صاحب سے بھی بات ہوئی ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ آپ کو چھٹی دے دی جائے گی۔ بس اب میں کوشش کر رہا ہوں کہ آج رات لاہور سے اور کل کراچی سے آپ لوگوں کی نشستیں بک کروا دوں۔ آپ بھی اپنے دفتر کی طرف سے کوشش کرو۔''

''ٹھیک ہے انکل آپ فون رکھیں۔ میں بھی کوشش کرتا ہوں اور پھر گھر آتا ہوں۔'' فون رکھ کر اس نے جب اظہر کی طرف دیکھا تو اس نے اسے کچھ کہنے کی مہلت ہی نہ دی اور بولا، ''سی او نے تمھاری پندرہ دن کی رخصت منظور کر لی ہے۔ مزید ضرورت ہوئی تو وہاں سے ٹیلیگرام دے دینا۔ میں کراچی سے کل کے اور آج شام یہاں سے کراچی کی سیٹوں کا بندوبست کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہمارا کوٹہ ہوتا ہے مل جائیں گی۔ تم میس میں جا کر سامان پیک کرو اور جاتے ہوئے مجھے مل کر جانا۔ جیپ تمھیں گلبرگ چھوڑ آئے گی۔''

مشفق کی آنکھوں کے سامنے جیسے اندھیرا سا چھا رہا تھا۔ اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ مسلسل نظروں کے سامنے بابا کا باوقار اور شفیق چہرہ ٹھہرا ہوا تھا۔ آج وہ جس مقام پر تھا اس میں اپنی محنت سے زیادہ بابا کی تربیت اور دوستی کا ہاتھ تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ دل اور دماغ تو جیسے موقع کی تلاش میں ہوں۔ ایسے لمحات میں بھی اپنی بحث لے کر بیٹھ گئے۔ دماغ نے اسے سمجھایا کہ دیکھو تم اب ایک سپاہی ہو جس کے لیے وطن ان تمام رشتوں پر مقدم ہے۔ تمھیں کمزور ہرگز نہیں پڑنا۔ دل کی اپنی منطق تھی اور خاصی وزنی منطق تھی۔ دل کا کہنا تھا کہ فرض اور احساس ذمہ داری خون کے رشتے نہیں چھین سکتا۔ اچانک مشفق کو خیال آیا کہ ابھی تو اس نے اماں کا روبی کا سامنا کرنا ہے اور پھر انھیں لے کر ڈھاکہ بھی جانا ہے اگر وہ خود ڈھے گیا تو ان کو کیسے سنبھالے گا؟ یکایک اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی کے بھی سامنے کمزور نہیں پڑے گا۔

سامان لے کر آفس آیا تو کیپٹن اظہر نے بتایا کہ سیٹیں کنفرم ہو گئی ہیں اور اس نے حمید صاحب کو بتا دیا ہے۔ اسے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مُش نے شکریہ ادا کیا اور جیپ پکڑ کر روانہ ہو گیا۔ فوجی

نظم وضبط کی یہی ایک خوبی ہے کہ تمام کام ایک سلیقے اور ضابطے کے تحت اس طرح ہوتے ہیں کہ دیکھنے والے کولگتا ہے کہ مسائل بہت معمولی تھے۔ گھر پہنچا تو ناہیدہ کو منتظر پایا جو اسے دیکھتے ہی گلے لگ گئی اور سسکیاں بھرنے لگ گئی۔ اس نے ماں کو تسلی دی اور روبی کو بھی گلے سے لگایا۔ بدر صاحب کے بعد گھر کا بڑا ہونے کے ناطے یہ اس کا فرض تھا۔ منزہ اسے حوصلے کی تاکید کر رہی تھیں۔ حمید صاحب نے بتایا کہ انھوں نے اپنے سٹور کیپر کو بھیجا ہے وہ ٹکٹیں لے کر آتا ہی ہوگا۔ مشفق نے جب ٹکٹوں کی رقم کا پوچھا تو انھوں نے پیار سے ڈانٹ دیا کہ یہ ان باتوں کے لیے مناسب وقت نہیں جب وہ واپس آئے گا تو پھر حساب کر لیں گے۔ فی الحال وہ چلنے کی تیاری کرے۔ مشفق ماں اور روبی کا سامان لینے کمرے میں آیا تو مائرہ بھی اس کے پیچھے ہی داخل ہوئی۔ وہ مشفق کے انتہائی قریب آ کر بولی، ''انکل کو ان شاءاللہ کچھ نہیں ہوگا۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں ہوں ناں آپ کے ساتھ۔''

وہ شاید یہی سننا چاہتا تھا۔ مائرہ کو اس کی خوبصورت سیاہ آنکھوں میں دو چراغ ٹمٹماتے نظر آئے تو وہ نہ رہ سکی اور بے اختیار مُش کے سینے سے جا لگی۔ مشفق کو یوں لگا جیسے وہ محاذ پر دشمن کی شدید گولہ باری میں بغیر کسی آڑ کے کھڑا تھا کہ اچانک اسے ایک مضبوط بنکر مل گیا اور اب وہ ڈٹ کر بے جگری سے دشمن کا مقابلہ کریگا۔ کچھ ہچکچاہٹ کے بعد اس نے بھی مائرہ کو اپنے مضبوط بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔ وہ مائرہ کی گرم سانسیں محسوس کر رہا تھا۔ روبی جو ہر موقع پر ہڈی میں کباب بنتی تھی آج اندر نہیں آئی تھی۔ شاید اس کی بھی خواہش تھی کہ اس کے شفو بھیا کو اصل میں جس سہارے کی ضرورت ہے وہ اسے مل جائے۔ مشفق نے مائرہ کی پیشانی چومی اور وہ دونوں باہر گھر والوں کے پاس سامان اٹھائے آ گئے۔ شام ڈھل چکی تھی اور ہلکا ہلکا اندھیرا چھا رہا تھا۔ لاہور سے کراچی کی پرواز رات نو بجے کی تھی۔ تھوڑی دیر میں ٹکٹ بھی آ گئے۔ منزہ کے اصرار کے باوجود کسی نے کھانا نہ کھایا۔ حمید انھیں ایئرپورٹ چھوڑنے گئے اور تاکید کی کہ تازہ صورتحال سے انھیں ضرور آگاہ کیا جائے۔

ان تینوں سے وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ اصل عذاب کراچی ایئر پورٹ پر صبح سات بجے تک کا انتظار تھا۔ وہ ساتھ ساتھ ناہیدہ اور روبی کا حوصلہ بھی بڑھا رہا تھا۔ وقت نہ کبھی تھما ہے اور نہ کبھی تھمے گا۔ انتظار کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو بالآخر ختم ہو ہی جاتا ہے۔ خدا خدا کر کے وہ ڈھاکہ پہنچے۔ سامان گھر پر پھینکا اور سیدھے ہسپتال کو دوڑے۔

پریس کا منیجر انیس باہر برآمدے میں ہی ٹہلتا نظر آیا جو انھیں دیکھ کر ان کی طرف لپکا اور مشفق کو صورتحال سے آگاہ کرنے لگا، ''بابو جی را مارا تمکا ہارت اتیک ہوئے چھے (بابو جی کو بہت شدید ہارٹ اٹیک ہوا ہے)۔''

''کیا ہم انھیں مل سکتے ہیں؟'' ناہیدہ نے سسکیاں بھرتے منیجر سے استفسار کیا۔

''ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ اگلے اڑتالیس گھنٹے بہت نازک ہیں۔ وہ ہوش میں تو ہیں لیکن ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ان کے سامنے مایوسی کا مظاہرہ نہیں کرنا اور زیادہ بات چیت بھی نہیں کرنی۔ آپ لوگوں نے حوصلے کا مظاہرہ کرنا ہے یہ ان کی زندگی کے لیے بہت ضروری ہے۔''

روبی نے اپنی پھوپھی کے بارے میں پوچھا تو منیجر نے بتایا کہ وہ دو دن سے گھر نہیں گئی تھیں ابھی کچھ دیر پہلے لباس تبدیل کرنے کے لیے گئی ہیں۔

''انیش بھائی تارا کیمہ سوچیتنا؟ (انیس بھائی وہ ہوش میں تو ہیں ناں؟)۔'' مشفق نے پوچھا۔

''جی جی چھوٹے بابو وہ ہوش میں ہیں لیکن آکسیجن لگی ہوئی ہے۔ زیادہ اشاروں سے ہی بات

ہوتی ہے۔''اس کے بعد وہ ان کی رہنمائی کرتے ہوئے انھیں آئی سی یو میں لے گیا۔ وہاں پہنچ کر مشفق نے ناہیدہ کو آگے کیا۔ ناہیدہ نے ہلکا سا دروازہ کھولا تو اپنے مجازی خدا کو آنکھیں موندے، منہ پر آکسیجن ماسک چڑھائے خاموش لیٹا پایا۔ یہ سب انتہائی دبے پاؤں بدر کے سرہانے جا کر کھڑے ہو گئے۔ شاید بدر کو انھی خاموش آہٹوں کا انتظار تھا جو انھوں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ ناہیدہ نے انھیں مردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ منہ پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا مگر اتنی دیر میں بدر اپنی 'سندر پاکھی' کی آنکھوں میں جمع ہونے والی نمی کو دیکھ چکے تھے۔ اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جیسے ناہیدہ سے کہہ رہے ہوں کہ وہ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیدے۔ ناہیدہ نے فوراً خواہش کی تعمیل کی اور نہایت محبّت سے بدر کے سرد ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ روبی اور مشفق جو پاس ہی کھڑے تھے وہ بھی آگے بڑھے اور اماں بابا کی گرفت پر اپنے اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔

''چلّے (بیٹا) اماں.... اور.... بہن.... کا بہت.... خیال رکھنا.... من.... گنی.... ممبا.... رک ہو۔''

''بابا آپ کیوں ایسی باتیں کرتے ہیں؟ اللہ آپ کو جلد صحت دے گا۔ ابھی آپ نے روبی کو بھی رخصت کرنا ہے اور اپنی ہونے والی بہو کو بھی گھر لانا ہے۔'' مشفق نے حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی۔

ناہیدہ منہ موڑ کر چپکے سے اپنے آنسو صاف کرنے لگ گئیں۔ اسی دوران ڈیوٹی ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا اور انھیں کمرہ چھوڑنے کو کہا۔

''سنیں جی.... میں باہر ہی بیٹھی ہوں، فکر نہیں کرنا۔'' ناہیدہ نے جیون ساتھی کو تسلی دی۔ اور انھوں نے بھی جواباً ہاتھ سے نحیف سا اشارہ کیا۔ باہر آ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں اور روبی ماں کو ساتھ لپٹا کر اسے دلاسا دینے لگی۔

''کاش میں لاہور نہ جاتی، کاش میں بدر کے پاس ہی ہوتی۔'' ناہیدہ نے پچھتاوے کا اظہار کیا تو کچھ دیر کے لیے مشفق خود کو قصوروار گردانے لگا لیکن پھر اچانک بولا، ''اماں جو قسمت میں لکھا ہو وہ ہو کر رہتا ہے۔ آپ اگر لاہور نہ جاتیں تو بابا نجانے یہ خوشی کی خبر کب سنتے۔ ایسے نہیں کہتے، اللہ اپنا کرم کریگا۔''

مینیجر انیس نے کہا کہ ہسپتال والے آئی سی یو میں کسی کو نہیں رہنے دیتے اور یہاں باہر یونہی پڑے رہنا مناسب نہیں، بہتر ہوگا کہ آپ لوگ گھر جائیں۔

''نہیں انیس بھائی آپ اماں اور روبی کو گھر چھوڑ کر واپس آ جائیں۔ میں یہیں رکوں گا کیونکہ میرا یہاں رہنا اور ڈاکٹروں سے رابطہ رکھنا بے حد ضروری ہے۔'' ناہیدہ کچھ کہنے لگی تو مشفق نے بیچ میں ٹوک دیا، ''اماں آپ کا گھر جانا ضروری ہے۔ ویسے بھی شام ہو رہی ہے۔ آپ جا کر نماز پڑھیں اور بابا کی صحت زندگی کے لیے دعا مانگیں۔''

ناہیدہ کچھ نہ بولی اور نہ چاہتے ہوئے بھی انیس اور ربابہ کے ہمراہ گھر کو روانہ ہوگئی۔ اچانک مشفق کو خیال آیا کہ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ یکا یک یہ سارے فیصلے میں ہی کیوں کرنے لگا ہوں؟ مجھے نہ تو کسی نے اس کی تربیت دی اور نہ کسی نے اس کا مجاز بنایا۔ دل کے ایک گوشے سے جواب اٹھا کہ مشفق میاں وہ اس لیے کہ اس گھر کا فیصلے کرنے والا بستر پر آخری سانسیں گن رہا ہے۔ ایسے میں کسی نے تو یہ ذمہ داری نبھانی ہے یا نہیں؟ اس کے بدن نے ایک جھرجھری سی لی اور منہ سے بے اختیار نکلا، ''اللہ بابا کو سلامت رکھے، ہم ان کے بغیر تو زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔'' اسے خود کلامی کا احساس ہوا تو فوراً ادھر ادھر دیکھا لیکن پورے کوریڈور میں مردنی سی چھائی تھی اور موت کا سا سکوت طاری تھا اور دور دور تک کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔ مشفق نے ڈیوٹی ڈاکٹر سے بدر کی صحت بارے تفصیلات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔

ناہیدہ گھر داخل ہوئی تو اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ گھر اسے کاٹ کھانے کو دوڑے گا۔ وہ اپنی خوابگاہ میں گئیں تو سیدھی پلنگ پر نظر جا پڑی۔ وہ دن یاد آ گیا جب انھوں نے لاہور جانا تھا۔ بدر آخر وقت تک انھیں ہدایات دے رہے تھے۔ بہت سالوں بعد انھوں نے اپنی پاکھی کو سینے سے لگایا تھا۔ ناہیدہ کو یاد آیا کہ وہ بھی اس وقت گھبرا گئی تھیں۔ منظر یاد آتے ہی وہ فوراً باہر نکل آئیں اور تقریباً چیخ کر ربابہ کو آواز دی۔

وہ بھاگتی ہوئی آئی، ''اماں خیریت ہے؟''

''روبی! مجھے اکیلے ڈر لگ رہا ہے۔ خدا کیواسطے تم میرے پاس آ جاؤ۔'' ناہیدہ نے التجا کی۔

''اماں فکر نہ کریں میں آپ کے پاس ہی ہوں، کہیں نہیں جا رہی۔''

''بیٹی یہ فون کان سے لگا کر دیکھو ٹھیک ہے ناں؟'' انھوں نے روبی سے ٹیلیفون کو چیک کرنے کو کہا جس نے کان سے لگا کر چیک کیا، ''جی اماں بالکل ٹھیک ہے ٹون آ رہی ہے۔'' ناہیدہ کا دل دو

دُنیاؤں میں بٹا ہوا تھا جو یہ بھی خواہش رکھتا تھا کہ فون بالکل ٹھیک ہو اور دعا یہ بھی تھی کہ اس کی گھنٹی نہ ہی بجے تو اچھا ہے۔ وہ عشا کی نماز کے بعد دعاؤں اور وظائف میں مشغول ہو گئیں جبکہ روبی اماں بابا کے بستر پر بابا کی سائیڈ پر بابا کے تکیے کو اپنے سینے سے لپٹائے نیند کی وادیوں میں چلی گئی۔ بچپن کے بعد آج وہ پہلی مرتبہ اماں بابا کے پلنگ پر سو رہی تھی اور اسے یوں محسوس ہوا کہ وہ بابا کی آغوش میں ہے۔ بابا اس سے لاہور کے قصے پوچھ رہے تھے اور وہ موموآپی کی تعریفوں کے پل باندھ رہی تھی۔

''دکھیے! کیسی ہے تمھاری ہونے والی بھابی؟'' بابا نے شرارت سے پوچھا۔

''بابا! تو را جمائی کھوب شُندری (بابا آپ کی بہو بہت خوبصورت ہے)۔'' اس نے نہایت محبّت سے کہا۔

''اچھا؟ لیکن میں بھلا اسے کہاں دیکھوں گا؟''

''کیوں نہیں بابا آپ اسے ضرور دیکھیں گے۔ آپی کو بھی آپ سے ملنے کا بہت شوق ہے۔''

''کہاں ملوں گا میں اس سے بیٹی؟ میں تو جا رہا تھا لیکن جب پتہ چلا کہ آپ لوگ واپس آ رہے ہیں تو سوچا کہ تم سب سے مل کر ہی جاؤں۔''

''آپ کہاں جا رہے ہیں بابا؟''

''تمھارے پِتا مہو (دادا) اور نانی (دادی) مجھے لینے آئے تھے لیکن میں نے انھیں کہا ہے کہ صبح آنا میں پاکھی اور بچوں سے مل لوں۔ چلو اب تم سو جاؤ، میں نے بھی تیاری کرنی ہے۔ شفو کو کہنا کہ میری بہو کو کبھی کوئی دکھ نہ دے۔'' بدر ہاتھ چھڑا کر چل پڑے تو روبی نے فریاد کی، ''بابا اماں کو تو نماز پڑھ لینے دیں۔ انھیں مل کر جائیں۔''

''نہیں اسے نماز پڑھنے دو۔ وہ ضروری ہے۔ اب چلتا ہوں وقت ہو گیا ہے۔ اللہ حافظ۔'' اور بدر ہاتھ چھڑا کر روبی کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

''بابا.... بابا۔'' وہ چیخی تو آنکھ کھل گئی۔ بابا سے ملنے کا تاثر اتنا گہرا تھا کہ اسے قطعی سمجھ نہیں آئی کہ وہ سو رہی تھی یا بیدار تھی۔

''کیا ہوا، میری بیٹی نے خواب دیکھا ہے کوئی؟'' ناہیدہ نے تسبیح چھوڑ کر پوچھا۔

''نہیں اماں، بابا آئے تھے یہاں بیٹھے تھے پلنگ پر اور میں ان کی گود میں سر رکھے ان سے باتیں کر رہی تھی۔ بولے مجھے صرف تم لوگوں کا انتظار تھا اب جا رہا ہوں، دادا اور دادی لینے آ رہے ہیں

اور پھر ہاتھ چھڑا کر چلے گئے۔"

ناہیدہ کے دل نے کہا کہ پاگلی! مشیت اپنا نقارہ بجا چکی ہے۔وہ دبی دبی سسکیاں لینے لگی تو روبی نے پوچھا،"اماں کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں بیٹی بس ایسے ہی دل بھر آیا تھا۔"

"صبح انیس بھائی کو فون کروں گی کہ وہ ہمیں جلدی ہسپتال لے جائیں۔" روبی نے ماں کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر

اشھدُ ان لا الہ الا اللہ....

ڈھاکہ کی مسجدوں سے فجر کی روح پرور اذان کی آوازیں گونجنا شروع ہوگئیں۔ناہیدہ نے ایک اچٹتی نگاہ فون پر ڈالی اور تسبیح رکھ کر نماز کے لیے نیت باندھ لی۔روبی بھی وضو کر کے ماں کے ساتھ آن کھڑی ہوئی۔ناہیدہ کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے تھے کہ وہی خوف جو رات سے اس کے دل میں جا گزیں تھا پورا ہو گیا۔فون کی کرخت گھنٹی بج اٹھی تو ناہیدہ کے ہاتھ سے تسبیح گر گئی۔

"میں دیکھتی ہوں۔" روبی فون کی جانب لپکی اور ریسیور اٹھا کر بولی،"ہیلو کیہ کا تھا بول چھے؟ (ہیلو کون بول رہا ہے؟)۔"

"روبی! آمی مشفق۔بابا چلے گئے چھے(روبی میں مشفق ہوں۔بابا چلے گئے ہیں)۔"

روبی کے ہاتھ سے فون گرتے گرتے بچا تو ناہیدہ نے فوراً پکڑ لیا،"مشفق! کیا ہوا بیٹا؟ سب ٹھیک ہے ناں؟"

"نہیں اماں سب ٹھیک نہیں ہے۔بابا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔اللہ کی یہی مرضی تھی۔آپ حوصلہ رکھیں میں تمام کاغذی کارروائیاں پوری کر کے انھیں گھر لاتا ہوں۔آپ روبی سے کہیں کہ لاہور کال بک کروا کر انکل آنٹی کو بھی اطلاع دیدے اور انکل سے کہے کہ وہ میری یونٹ میں کیپٹن اظہر کو بھی اطلاع کر دیں۔" اس نے فون بند کر دیا اور ماں بیٹی ایک دوسرے کے گلے لگ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔بدرالاسلام کی کاروباری حیثیت اور سیاسی ساکھ تھی۔ان کا ایک نام تھا اور جتنا بڑا ان کا نام تھا اتنا ہی بڑا جنازہ تھا۔ان کے خاندانی دوست مگر سیاسی حریف شیخ مجیب الرحمان کے افراد خانہ بھی جنازے میں شریک تھے۔

روبی کا فون مائرہ نے ہی سنا تھا اور وہ اس وقت سے رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی۔ منزہ اور حمید اسے تسلی دے رہے تھے لیکن وہ بار بار اپنی اس حسرت کا اظہار کر رہی تھی کہ کاش وہ بدر انکل سے ایک دفعہ تو مل لیتی، ان کے سینے سے لگتی ان کی دعائیں لیتی۔ روبی اور مشفق سے بدر کے بارے سن سن کر اسے ملنے کی شدید خواہش ہونے لگی تھی۔ حمید نے منزہ کو صلاح دی کہ ناہیدہ بہن تعزیت کرنے والوں سے فارغ ہو لیں تو رات کو تسلی سے بات کریں گے۔ انھوں نے مشفق کی رجمنٹ میں اس کے والد کی رحلت کی خبر تمام تفصیلات کے ساتھ پہنچا دی تھی۔ ایسے موقعوں پر فوج کے کچھ اپنے ضابطے اور رسومات ہوتی ہیں جو اس پلٹن نے بھی پوری کیں۔ خوشی غمی کی کسی بھی صورتحال میں یونٹ کا پارٹ ون آرڈر ہوتا ہے جس کی وساطت سے پلٹن سے کسی بھی طرح تعلق رکھنے والوں کو اس خبر سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ بدر الاسلام کی موت پر بھی یونٹ کا پارٹ ون آرڈر ہوا جو دیگر جگہوں کے ساتھ ساتھ مشفق کے گھر کے پتہ پر بھی ارسال کیا گیا۔

○

بدر صاحب کا سوئم گزر چکا تھا۔ گھر پر ہنوز سوگواری کی کیفیت طاری تھی۔ مشفق جانتا تھا کہ اس کے کندھوں پر رب باری تعالیٰ نے اچانک بہت زیادہ بوجھ ڈال دیا ہے جسے پورا کرنے کے سوا اس کے پاس کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ اس کے لیے فوج سے مستقل رخصت لے کر ہمیشہ کے لیے گھر واپس آنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ اتنی قلیل سروس میں آرمی نے اسے مشکل حالات کا سامنا کرنا اور ایسی پیچیدہ صورتحال سے نمٹنا سکھایا تھا سو اس نے اس سانحہ کو اپنے لیے ایک مشکل چیلنج سمجھا۔ اسے نہ صرف فوج کی ملازمت کو جاری رکھنا تھا بلکہ اپنی والدہ اور بہن کا سرپرست بن کے ان دونوں کی زندگی کو بھی آسان بنانا تھا اور اس کی آج کی پریس مینیجر سے ملاقات اسی سلسلے کی کڑی تھی۔ مشفق اپنے والد کے پرنٹنگ پریس میں بیٹھا مینیجر انیس سے گفتگو کر رہا تھا۔ گو فیصلے تو اسے بہت سے کرنے تھے مگر دو سب سے اہم فیصلے وہ آج ایک ساتھ ہی کرنے جا رہا تھا؛ ایک ساتھ اس لیے کہ وہ دونوں بیک وقت اور جلد ہونے ضروری تھے کیونکہ مشفق کی آدھی چھٹیاں گزر چکی تھیں۔ سی او نے تعزیت کے لیے جب اسے فون کیا تو اسے چھٹی بڑھا لینے کی پیشکش کی لیکن اس نے نہایت ادب کیساتھ معذرت کر لی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سروس کے شروع میں ہی وہ اپنی ذاتی مجبوریوں اور پریشانیوں کو اپنی کمزوری بنائے۔ وہ

بہت آگے جانے کی خواہش رکھتا تھا اور اس بات کے لیے ایسے فیصلے لینے ناگزیر تھے۔

انیس الحق تیس کی عمر کو چھوتا ہوا ایک دبلا پتلا گہری سانولی رنگت مگر نہایت جاذب نین نقش اور پرکشش شخصیت کا مالک پڑھا لکھا نوجوان تھا۔ ماں باپ کا اکلوتا بیٹا جسے وہ اس وقت چھوڑ کر چلے گئے جب وہ میٹرک کا طالبعلم تھا۔ دونوں کی موت دریائے میگھنا میں ہونے والے ایک لانچ کے حادثے میں ہوئی تھی۔ رشتہ داروں نے جب بے اعتنائی برتی تو اس نے زندگی میں اپنے بل بوتے پر آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ فٹ پاتھوں پر سو کر اور پٹ سن کی گانٹھیں ڈھو کر اس نے گریجویشن کی اور پھر ایک روز حالات اسے مرحوم بدر الاسلام کے سامنے لے آئے۔ نرم دل بدر نے جب اس کی کتھا سنی تو اس کی محنت، جانفشانی اور ایمانداری سے بے حد متاثر ہوئے۔ انھوں نے اسے اپنے چھاپہ خانے میں ابتداً لیبر میں رکھا مگر جلد ہی اس کی شخصیت اور کام سے متاثر ہو کر فورمین بنا دیا۔ انیس نے بھی کام سیکھنے میں ذرہ بھر دیر نہ لگائی۔ بدر کا اعتماد تو وہ اپنے اوصاف سے پہلے ہی جیت چکا تھا اب دل بھی جیت لیا تھا۔ دو سال کے قلیل عرصہ میں انھوں نے اسے پرنٹنگ پریس کا منیجر بنا دیا۔ عملاً اس نے نہ صرف پریس کے کام کو سنبھالا ہوا تھا بلکہ وہ گھر کے معاملات کو بھی بخوبی دیکھتا تھا۔ روبی کی فیسیں ہوں، کتابیں ہوں، گھر کا راشن ہو، بلوں کی ادائیگی ہو یا کوئی اور کام۔ اس نے ایک ڈائری بنا رکھی تھی اور ہر کام وقت پر ہوتا تھا۔ روزانہ شام کو وہ بدر صاحب کی گھر روانگی سے قبل انھیں دن بھر کے اخراجات، آمدن اور دیگر خرچ کی سمری بنا کر دیتا۔ نئے آرڈرز اور ان کی تکمیل کی تاریخ سے آگاہ کرتا۔ سچ پوچھا جائے تو بدر صاحب اپنے پریس میں صرف مالک ہونے کی اتھارٹی کا لطف اٹھانے کے لیے آیا کرتے تھے۔ اگر انھیں کبھی کوئی کال سننی بھی پڑ جاتی تو ان کا جواب ہوتا کہ ٹھہریئے میں انیس میاں سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔

مشفق پریس پہنچا تو سیدھا بابا کے دفتر میں گیا اور ان کی کرسی کے سامنے پڑی مہمانوں کی کرسی پر بیٹھ کر سامنے دیوار کا جائزہ لینے لگا جس پر تحریک پاکستان سے متعلق کچھ تصاویر اور سال ۱۹۶۷ء کا کیلنڈر لگا ہوا تھا۔ وہ بے اختیار اٹھا، میز پر سے سرخ پنسل اٹھائی اور کیلنڈر کے پاس جا کر اپنی پاسنگ آؤٹ کی تاریخ، یونٹ میں رپورٹ، منگنی، بدر کی رحلت اور اس دن کی تاریخ پر نمایاں دائرے لگا کر

واپس مڑا ہی تھا کہ انیس دفتر میں داخل ہوا اور آتے ہی موجود نہ ہونے کی معذرت کی، ''چھوٹے بابو! معافی چاہتا ہوں کہ میں موجود نہیں تھا۔ دراصل بابو جی کی وفات سے سارے کام رکے پڑے تھے اور لوگ تنگ کر رہے تھے۔ میں پریس میں ورکروں کو ہدایات دے رہا تھا۔''

''انیس بھائی ایسے مت کہیں۔ آپ میرے محترم بڑے بھائی ہیں۔ آپ نام لے لیا کریں یا زیادہ سے زیادہ مشفق بھائی کہہ لیا کریں۔ آئیں بیٹھیں۔'' اس نے بدر کی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انیس کو بیٹھنے کی دعوت دی۔

''ارے نہیں نہیں.... کیوں مجھے گنہ گار کرتے ہیں۔ میں بابو جی کی کرسی پر بیٹھنے کی جرات نہیں کر سکتا۔'' انیس نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''انیس بھائی آپ نہیں بیٹھیں گے تو پھر کون بیٹھے گا؟''

''مشفق بابو.... آپ بیٹھیں گے اور کون بیٹھے گا؟''

''چلیں آج تو میں بیٹھ جاؤں گا مگر ہفتہ بعد جب میری چھٹی ختم ہو جائے گی تو پھر کس نے بیٹھنا ہے؟''

''پھر کی بات اور ہے۔'' انیس نے بحث ختم کرنے کی کوشش کی۔

''جب آپ نے اس وقت بھی بیٹھنا ہے تو آج میرے سامنے کیوں نہیں؟ کیا آپ مجھے اور بابا کی روح کو خوش نہیں دیکھنا چاہتے؟ میری موجودگی میں بیٹھیں گے تو ورکروں تک میرا پیغام پہنچے گا کہ آپ کو مالکان نے خود اس کرسی پر بٹھایا ہے۔ ان کی جرأت نہیں ہوگی کہ کبھی آپ کی حکم عدولی کریں لیکن اگر میری غیر موجودگی میں بیٹھیں گے تو ان لوگوں تک ایک مختلف اور منفی پیغام جائے گا۔''

''جی بھائی میں سمجھ گیا ہوں۔'' انیس میز سے گھوم کر بدر صاحب کی کرسی کے پاس گیا اور جھجکتے ہوئے بیٹھتے بیٹھتے نہایت جذباتی انداز میں بولا، ''آپ مجھ پر بہت بھاری ذمہ داری ڈال رہے ہیں مشفق بھائی۔''

''ہم سب اس دُنیا میں ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے ہی تو آئے ہیں۔ ابھی تو میں نے آپ پر اس سے بھی بڑی ذمہ داری کا بوجھ ڈالنا ہے۔ امید ہے کہ آپ انکار نہیں کریں گے؟''

انیس چونکتے ہوئے بولا، ''وہ کیا؟''

''ابھی نہیں لیکن لاہور جانے سے پہلے ضرور بتاؤں گا مگر آپ کو اختیار ہوگا کہ اس ذمہ داری سے

انکار کردیں۔'' مشفق نے بات ادھوری چھوڑ کر انیس سے تمام ورکروں کو باہر برآمدے میں اکٹھا کرنے کو کہا۔ چند منٹوں میں سب وہاں موجود تھے۔ مشفق نے سب کی خیریت دریافت کی اور رسمی کلمات کہے اور اس کے بعد ان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا، ''آپ سب جانتے ہیں کہ بابو جی اس دُنیا میں نہیں رہے۔ اس پرنٹنگ پریس کو انھوں نے بچوں کی طرح پروان چڑھایا ہے۔ انھوں نے آپ لوگوں کا ہمیشہ خیال رکھا ہے اور آپ سب کا روزگار بھی اسی پریس سے وابستہ ہے۔ بابا کے جانے کے بعد میرے پاس صرف دو راستے ہیں؛ یا یہ پریس چلے یا پھر اس کو بند کر دیا جائے۔ لیکن چونکہ اس پریس نے چلنا ہے سو انیس بھائی سے بہتر کوئی شخص نہیں جو اس کو مؤثر طریقے سے چلائے۔ آج سے وہ اس پریس کے انچارج اور مختارِ کل ہیں۔ چھاپہ خانہ کے پیشہ ورانہ امور سے میرے خاندان کا کوئی لینا دینا نہیں اور اس کے مالی معاملات کے سلسلہ میں انیس بھائی صرف مجھے جوابدہ ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ سب ان سے پہلے کی طرح ہی تعاون کریں گے اور اس ادارے کی کاروباری ساکھ کو قائم رکھنے کے لیے دن دگنی رات چوگنی محنت کریں گے۔ اگر کسی کو اس فیصلے پر اعتراض ہے تو وہ آج میری موجودگی میں یہ ادارہ چھوڑ کر جا سکتا ہے۔ مجھے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے اور اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں کہنا۔'' اس کی تقریر کے بعد ایک دو کرتا دھرتا کھڑے ہوئے جنھوں نے انیس کی محنت و ایمانداری کی تعریف کی اور مشفق کو اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

چائے کی پیالی پر اس نے انیس کو آئندہ کے لیے تمام معاملات سمجھائے کہ انھیں کیسے چلانا ہے نیز یہ کہ اماں کو کبھی کوئی مالی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔ ہفتہ میں ایک دفعہ انیس کو گھر آنا ہوگا اور اماں کو تمام حساب کتاب آسان فہم انداز میں سمجھانا ہوگا۔ اس کی تنخواہ اس نے اسی وقت تین سو روپے سے بڑھا کر چار سو روپیہ کر دی اور اسے کہا کہ وہ ایک آدھ روز میں اس سے دوبارہ ملے گا اور جو دوسری اور زیادہ بھاری ذمہ داری ہے اس بارے کھل کر بات کریگا۔ نیا عہدہ اور تنخواہ میں اضافہ پا کر انیس بے حد خوش تھا۔ اس نے مشفق سے عہد کیا کہ اسے جو عزت دی گئی ہے وہ خود کو اس کا اہل ثابت کریگا۔ گھر آ کر اس نے سب سے پہلے روبی کو اپنے پاس بلایا اور کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے اور اس کا دل بہلانے کے بعد اصل موضوع کی طرف آیا۔

''دیکھو! تم مجھے صرف شفو بھائی ہی سمجھتی ہو یا پھر اپنا دوست بھی؟''

روبی جو بھائی کے اس غیر متوقع سوال پر چونک سی گئی تھی بولی، ''کیوں بھیا؟ آپ نے یہ سوال کیوں پوچھا جبکہ آپ کو علم ہے کہ آپ میرے بھائی، میرے دوست میرے ہیرو سب کچھ ہیں۔''

''ایسی بات نہیں میری پیاری بہن.... دراصل ہر انسان کی زندگی میں کبھی نہ کبھی ایسا موڑ آتا ہے جب وہ اپنا جیون ساتھی پسند کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ میری مثال تمھارے سامنے ہے۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ مائرہ میری زندگی میں آئے گی اور پھر یوں آئے گی۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ تم سے پوچھ لوں اگر کسی کو بطور جیون ساتھی پسند کیا ہے تو پھر میرا فرض ہے کہ تمھاری خواہش کا احترام کروں اور اگر ایسی کوئی بات نہیں تو پھر میں تمھارے پاس ایک درخواست لایا ہوں تمھاری مرضی ہے کہ اسے قبول کرو یا رد کر دو۔''

''بھیا پہلی بات تو یہ کہ میرا ایسا کوئی سلسلہ سرے سے ہی نہیں ہے اور دوسرا آپ نے کیوں ایسا سوچا کہ میں اپنے پیارے بھیا کا حکم ماننے سے انکار کر دوں گی؟ ایسے سو رشتے بھی میرے بھائی کی آنکھ کے اشارے پر قربان۔ میرا ایمان ہے کہ میرے شفو بھیا میرے لیے جو بھی فیصلہ کریں گے وہ میری بہتری کے لیے ہوگا۔ ہاں ایک اور بات جو آپ کہنے سے جھجک رہے ہیں میں خود کہے دیتی ہوں کہ مجھے علم ہے آپ کیا بات کرنا چاہتے ہیں سو میں پہلے کہے دیتی ہوں کہ وہ جو کوئی بھی ہے مجھے قبول ہے کیونکہ وہ میرے شفو بھیا کی پسند ہے اور ان کی پسند کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔''

مشفق نے اٹھ کر بے اختیار بہن کے سر پر بوسہ دیا اور دعا دینے کے بعد بولا، ''روبی تم نے میری بہت بڑی مشکل آسان کر دی لیکن میں اب بھی یہی کہوں گا کہ آخری فیصلہ نہ اماں کا اور نہ ہی میرا بلکہ صرف اور صرف تمھارا ہوگا۔''

''آپ بات کیجیے بھیا۔''

''روبی تم اچھی طرح جانتی ہو کہ بابا کے اچانک چلے جانے سے اس گھر کی روزمرہ زندگی میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے جو شاید ہی پر ہو سکے....ان حالات میں ساری ذمہ داری مجھ پر آن پڑی ہے اور مجھے تم اور اماں کتنی عزیز ہو یہ بتانے کی ضرورت نہیں مجھے۔ میں اگر فوج میں نہ گیا ہوتا تو آج خاموشی سے سر جھکا کر بابا کے چھاپہ خانہ پر جا کر بیٹھ جاتا اور باقی زندگی وہیں گزار دیتا لیکن ایک تو ایسا ہوا نہیں اور دوسرا میری واپسی بھی تقریباً ناممکن ہے۔ فوجی ملازمت میں مجھے نہ جانے کس کس گھاٹ کا پانی پینا پڑے ورنہ میں تمھیں اور اماں کو ہمیشہ کے لیے ساتھ رکھ لیتا۔ اماں کی ویسے بھی اس گھر سے

خوبصورت یادیں وابستہ ہیں اور وہ کبھی اسے چھوڑنا پسند نہیں کریں گی۔''

''جی.... وہ مجھے کل ہی کہہ رہی تھیں کہ مجھے اب کوئی یہاں سے نہ ہلائے۔ میں یہاں سے اب مر کر ہی نکلوں گی۔'' روبی، بھائی کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

''مجھے اس کا اندازہ ہے روبی! میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ بابا کی آخری نشانی، یہ گھر سدا سلامت رہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ دونوں کے لیے سلسلہ روزگار قائم رہنے کے ساتھ ساتھ آپ کی حفاظت کا بھی مکمل بندوبست ہو۔ مجھے اس سلسلے میں دو اہم فیصلے کرنے تھے جن میں سے ایک تو میں آج کر آیا ہوں اور دوسرا تمھاری منشا کے بغیر نہیں ہوسکتا۔'' مشفق بات یہاں تک کر کے روبی کی طرف تکنے لگا۔

''بھیا! جو مجھ سے متعلق ہے وہ تو مجھے علم ہے۔ جو فیصلہ کر کے آئے ہیں مجھے اس کے بارے بتائیں۔''

''تمھیں علم ہے کہ بابا انیس بھائی پر کتنا اعتماد کرتے تھے؟ اور وہ بھی بابا کے اس جذبے اور محبّت کی قدر کرتے تھے کہ بابا نے ایک بن ماں باپ کے بچے کو سڑک سے اٹھا کر نہ صرف پناہ دی بلکہ برسر روزگار بھی کیا۔ چھاپہ خانہ کے معاملات کا علم بابا سے زیادہ انیس بھائی کو ہے۔''

''جی شفو بھیا مجھے علم ہے اور انیس بھائی کو بھی نہ صرف اس گھر سے انس ہے بلکہ اس کی عزت کا بھی بے حد پاس ہے۔ ہمارے لیے وہ اس گھر کے ایک فرد ہی کی طرح ہیں۔''

''شکر ہے میں نے پہلا فیصلہ بھی غلط نہیں کیا اور ان شاء اللہ دوسرا بھی غلط نہیں ہوگا۔ دیکھے! اس پریس کو کسی نے تو چلانا تھا۔ سو آج ایک محتاط طریقے سے میں پرنٹنگ پریس کے انتظامی و پیشہ ورانہ امور مکمل طور پر انیس بھائی کو سونپ دیئے ہیں۔ ہاں مالی امور کے لیے وہ اماں کو باخبر رکھیں گے۔ آپ دونوں کو کوئی مالی پریشانی نہیں ہوگی۔ اپنے خون کے رشتوں کے بارے تمھیں اچھی طرح علم ہے۔ لے دے کر ایک پھوپھو سے ہی تعلقات اچھے ہیں لیکن وہ بیچاری خود بے سہارا اور بیوہ ہیں۔''

''بھیا! آپ نے بالکل درست اور بہترین فیصلہ کیا ہے۔ میری پہلی فکر ہی یہی تھی کہ ہمیں بابا کی رحلت کے بعد کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑیں کیونکہ مجھے یہ پریس بند ہوتا نظر آ رہا تھا۔ آپ نے جو فیصلہ کیا یہ میرے کیا اماں کے بھی وہم و گمان میں نہ ہوگا۔ مجھے آج آپ میں بابا کی جھلک نظر آئی ہے۔ اب لگے ہاتھوں دوسرا فیصلہ بھی بتادیں۔'' وہ منہ پر سوگوار سی مسکراہٹ بکھیرے بولی۔

''دوسرا فیصلہ اسی فیصلے سے جڑا ہے۔ اللہ نے میرے دل میں یہ خیال ڈالا ہے کہ ہم انیس بھائی

کو اپنے گھر کا مستقل فرد بنالیں اور تمھارا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا جائے لیکن اس کے لیے تمھارا بخوشی راضی ہونا اولین شرط ہے۔'' مشفق یہ کہہ کر روبی کی جانب تکنے لگا جو پہلے ہی اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔

''بھیا مجھے خوشی ہے کہ میرے بھائی نے جو اب میرے لیے باپ کی جگہ پر بھی ہے، اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کا اختیار پوری طرح مجھے سونپ دیا ہے۔ یہ میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے اور میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ مجھے آپ کا یہ فیصلہ دل و جان سے منظور ہے۔ اس لیے نہیں کہ یہ میرے بھائی کا فیصلہ ہے بلکہ اس لیے کہ آپ نے اپنی بہن کے لیے ایک شریف النفس، باحیا اور محنت کش شخص کو چنا اور کسی بھی لڑکی کے لیے اس سے بڑھ کر فخر کی بات ہو ہی نہیں سکتی۔ میں انیس کی دل سے عزت کرتی ہوں....''

''....مگر ابھی تو تم انھیں انیس بھائی کہہ رہی تھیں؟'' مشفق نے بات کاٹتے ہوئے اسے چھیڑا تو دونوں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''وہ چند لمحے پہلے کی بات تھی۔ تب آپ نے اپنا فیصلہ نہیں سنایا تھا۔ ویسے آپ چاہتے ہیں تو میں پھر بھائی کہہ دیتی ہوں آپ فیصلہ واپس لے لیں۔'' حاضر جواب روبی بھلا کہاں ٹلنے والی تھی؟

''میں نے ابھی تک انیس بھائی سے بھی بات نہیں کی، ہاں اشارہ ضرور دیا ہے۔ میری خواہش تھی کہ سب سے پہلے تمھارے ساتھ اور اس کے بعد اماں سے بات کر کے ان کی منظوری حاصل کروں پھر کل ان شاء اللہ انیس بھائی سے کھل کر بات کروں گا اور واپس جانے سے قبل انھیں کسی وقت ساتھ لے کر اماں کے پاس آؤں گا۔''

''یعنی ادھر سے بھی آپ ہی؟'' روبی نے شرارت سے سوال کیا۔

''ظاہر ہے ان کا کون ہے اس دُنیا میں؟ اماں سے کسی نے تو بات کرنی ہی ہے۔ اچھا نہیں کہ بجائے وہ کسی کو ادھار پر پکڑ کر لائیں گھر کا شخص ہی بات کر لے۔ اس میں برائی ہی کیا ہے؟''

''ارے نہیں شفو بھیا بالکل بھی نہیں۔ اللہ آپ کو ہمارے سروں پر سلامت رکھے اور ہماری خوشیوں کو مزید کوئی نظر نہ لگے۔''

''آمین۔ کچھ دیر آرام کر لوں پھر رات اماں سے تفصیلاً بات کروں گا۔'' مشفق نے بہن کو آگاہ کیا اور اپنے کمرے میں آرام کے لیے چلا گیا۔

O

انیس سارا دن چھاپہ خانہ میں بھی اور گھر واپس آ کر بھی انھی خیالات میں الجھا رہا کہ مشفق نے اسے کیا پہیلی بجھائی ہے۔ مشفق کا انیس کو سارے کاروبار کا مختار کل بنا دینا ہی کیا کم تھا جواب وہ اسے کوئی اور ذمہ داری بھی سونپنا چاہتا تھا؟ رات بستر پر بھی وہ کروٹیں لیتا یہی سوچتا رہا کہ کہیں مشفق نے ناتجربہ کاری میں تو کوئی غلط فیصلہ نہیں کر دیا؟ بھلا اتنا عروج کا کاروبار کوئی کسی کو ایسے ہی سنبھالنے کو تھوڑا دے دیتا ہے؟ لیکن پھر اس کے ذہن کے کسی گوشے سے آواز اٹھی کہ بابو جی نے بھی تو تمھیں سڑک پر سے اٹھا کر چھت کے نیچے اس وقت بٹھایا تھا جب تمھارا کوئی سہارا نہ تھا۔ یہ بھی تو اسی بابو جی کا بیٹا ہے، آخر خون بولتا ہے۔ ''میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اللہ مجھ پر کبھی اتنا بھی مہربان ہوگا؟'' اسے اپنا بچپن اور پھر لڑکپن یاد آنے لگا جب وہ سہلٹ سے ڈھاکہ کے نواح کی ایک کچی بستی میں آ کر آباد ہوئے تھے۔ بڑی تگ و دو کے بعد اس کے ابا کو دھان منڈی کے پاس ایک پٹ سن کی فیکٹری میں مزدوری ملی تھی۔ ہر بار بارش اور طوفان کے بعد وہ اپنی کچی جھونپڑی کو نئے سرے سے کھڑا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ کسی کسی روز تو فاقہ بھی کرنا پڑتا تھا۔ اس کے ابا کی خواہش تھی کہ انیس پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنے تو پھر وہ مزدوری چھوڑ دے گا لیکن اس کی اماں ہمیشہ اس بات کی مخالف تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ غریبوں کے بچے کبھی بڑے آدمی نہیں بنتے۔ سیدھے سبھاؤ اسے بھی مزدوری پر لگا دو پھر گھر میں کبھی فاقہ نہیں ہوگا۔ وہ شاید میٹرک میں تھا جب ایک روز وہ گھر آیا تو پتہ چلا کہ اس کے اماں ابا جو شہر سے باہر گئے تھے واپس نہیں آئے

اور ہفتہ بعد پتہ چلا کہ ان کی موت لانچ ڈوبنے سے ہوگئی تھی۔ اوروں کے ساتھ ان کی بھی لاشیں نہیں ملی تھیں۔ مجبوراً اس نے پڑھائی چھوڑ کر ابا والی فیکٹری میں پٹ سن کی گانٹھیں اٹھانے کی مزدوری شروع کر دی۔ جھونپڑی کچھ دیر تو رہی پھر کسی طاقتور نے دھونس سے خالی کرا لی اور وہ سڑک پر آ گیا۔ دن کو مزدوری کرتا رات کسی کھمبے کے نیچے بیٹھ کر پڑھتا اور یوں اس نے میٹرک، ایف اے اور پھر بی اے بھی کر لیا۔

جس کھمبے کے نیچے وہ رات کو پڑھتا تھا اس کے عین سامنے سڑک کے پار بدر کا پرنٹنگ پریس تھا۔ وہ اکثر شام پریس بند کرتے وقت اس کو کھمبے کی روشنی میں پڑھتے ہوئے دیکھتے لیکن جب وہ صبح

آتے تو یہ وہاں موجود نہ ہوتا۔ ایک روز وہ صبح آئے تو یہ لڑکا چڑھی دھوپ میں کھمبے کے نیچے نڈھال پڑا نظر آیا۔ خدا خوف بدر اسے فوراً اٹھوا کر پریس میں لے گئے۔ پتہ چلا کہ اسے شدید بخار تھا۔ کچھ کھلایا پلایا تو اسے ہوش آئی۔ اپنی گاڑی میں ڈال کر ڈاکٹر پر لے گئے اور دوائی لے کر دی۔ بات کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ بے سہارا ہے اور سر چھپانے کی کوئی جگہ بھی نہیں۔ اسے گودام میں جگہ صاف کروا کر دی اور رہنے کا باعزت بندوبست کر دیا۔ انھیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ وہ پڑھ رہا ہے اور ایم اے کے امتحانات کی تیاری کر رہا ہے۔ انھوں نے اس کے معقول وظیفے کا بندوبست کر دیا اور کہا کہ وہ امتحان دے لے پھر وہ اسے پریس میں ہی نوکری دے دیں گے۔ انیس نے نہ مانا اور کہا وہ بغیر محنت کے وظیفہ نہیں لے گا۔ بدر کو اس کی خودداری بہت بھائی اور انھوں نے چھاپہ خانہ میں لیبر بھرتی کر لیا۔ رفتہ رفتہ اس کے کام سے متاثر ہو کر نہ صرف اسے ترقی دے کر فورمین بنا دیا بلکہ پریس کے اوپر والی منزل پر دو کمروں کا ایک فلیٹ بھی کرائے پر لے دیا۔ انیس سوچ رہا تھا کہ آج وہ جس مقام پر تھا اس میں بدر مرحوم کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ وہ اسے فٹ پاتھ سے نہ اٹھاتے تو وہ آج بھی کسی مل میں پٹ سن کی گانٹھیں اٹھا رہا ہوتا۔ اس کی سوچ کی سوئی ایک بار پھر اسی بات پر آن اٹکی کہ چھوٹے بابو اس سے کل صبح کیا بات کرنا چاہتے ہیں؟ آج اللہ نے ان کے ہاتھ سے مجھے وہ عزت دلوائی جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا بلکہ مجھے تو اب بھی یہ لگ رہا ہے جیسے کوئی سپنا دیکھ رہا ہوں۔ یہ سوچتے سوچتے وہ نہ نجانے کب نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

مشفق نے اماں کو رات کا کھانا زبردستی کھلایا۔ منتیں واسطے دیئے تب کہیں جا کر انھوں نے تین چار لقمے زہر مار کیے۔ وہ انھیں زندگی کی طرف واپس آنے کے لیے قائل کرتا رہا، ''اماں! آپ کب تک فاقہ کرتی رہیں گی؟ تین چار دن تک میں بھی چلا جاؤں گا، اس کے بعد روبی کا آپ کے سوا کون ہے؟ ہم سب کو ایک دوسرے کے لیے زندہ رہنا ہے۔ اس طرح زندگی گزارنا بہت مشکل ہو جائے گی۔ میں تو آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہ رہا تھا لیکن میرا خیال ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔'' مشفق نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''نہیں میرے بچے تم کرو بات..... میں سن رہی ہوں۔''

''نہیں اماں ایسے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ذہن آپ کا منتشر ہے، کھانا آپ نہیں

کھائیں، بات ہماری آپ نہیں مانتیں تو پھر بات کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ میرا خیال ہے ہم دونوں بھی کھانا چھوڑ دیتے ہیں، بلکہ میں واپس ہی نہیں جاتا، استعفیٰ لکھ کر بھیج دیتا ہوں۔'' مشفق نے ترپ کا پتہ چلا جو کام کر گیا۔

''نہیں نہیں میرے بچے ایسا کوئی کام نہ کرنا۔ یہ تمھارے بابا کی خواہش تھی کہ تم فوج میں اعلیٰ مقام حاصل کرو۔ فوج چھوڑنے کا کبھی سوچنا بھی ناں۔'' وہ تڑپ کر بولیں۔

''تو پھر آپ وعدہ کریں کہ میرے جانے کے بعد روبی کو بھی تنگ نہیں کریں گی اور اس کا کہا مانیں گی؟''

''ہاں میں وعدہ کرتی ہوں لیکن مجھے وقت دینا بیٹا کیونکہ میں مشین تو ہوں نہیں۔ دکھ تو ساری عمر کا ہے لیکن نارمل ہوتے کچھ وقت تو لگے گا ہی۔ ہاں بولو تم کیا بات کرنے لگے تھے۔'' وہ بھولی نہیں تھیں کہ مشفق ان کے پاس کوئی اہم بات کرنے آیا تھا۔

''میں یہ کہنے آیا تھا کہ بابا تو چلے گئے۔ اب ہمارا اللہ مالک ہے۔ آپ لوگوں کا رزق روزی پریس سے ہی وابستہ ہے۔ اب اس کا کیا کرنا ہے؟''

''مجھے تو بیٹا کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ رزق تو وہ پتھر میں کیڑے کو بھی دیتا ہے لیکن یہ ایک بہت اچھا کاروبار تھا جو تمھارے بابا نے سنبھالا ہوا تھا۔ ان کے بعد تو مجھے یہ کشتی بھی ڈوبتی نظر آ رہی ہے۔ تمھیں کچھ سمجھ آتی ہے تو بتاؤ۔''

''اماں بس آپ حوصلہ رکھیں۔ اللہ اپنا کرم کریگا۔ وہ اپنے بندوں کو کبھی بے سہارا نہیں چھوڑتا۔ آپ اس بات سے تو اتفاق کریں گی ناں کہ چھاپہ خانہ کا سارا کام حقیقت میں انیس بھائی نے سنبھالا ہوا تھا؟''

''اس میں تو کوئی شک نہیں۔ تمھارے بابا تو بس مصروف رہنے کے لیے یا دوستوں کے ساتھ بیٹھک کے لیے ہی جایا کرتے تھے۔ لیکن میں کچھ سمجھی نہیں؟''

''اماں میں آپ کے پاس دو باتوں کے لیے آیا ہوں۔ گو ایک فیصلہ کر آیا ہوں اور دوسرا کرنے جا رہا ہوں لیکن دونوں کے لیے آپ کی حتمی منظوری ناگزیر ہے۔ مجھے صرف ایک بات بتائیں کہ آپ کو انیس بھائی طبعاً، مزاجاً اور ایمانداری کے حوالے سے کیسے لگتے ہیں؟''

''بہت اچھا بچہ ہے۔ نہایت ایماندار، محنتی اور مؤدب.... لیکن تم سب یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''میری پیاری اماں! آپ کو علم ہے کہ میں تین چار دن میں واپس چلا جاؤں گا۔ہم پریس بند بھی نہیں کر سکتے کیونکہ اس سے درجن بھر مزدوروں کا روزگار وابستہ ہونے کے علاوہ ہماری روزی روٹی بھی اسی سے جڑی ہوئی ہے؟''

''بالکل بیٹا، وہ تو ہے....تو پھر؟''

''اماں! مالک آپ ہی رہیں گی لیکن میں نے پریس نظم ونسق کے حوالے سے مکمل طور پر انیس بھائی کو سونپ دیا ہے۔ وہ آپ کو مالی امور سے باقاعدہ آگاہ رکھیں گے اور آپ کو خرچہ بھی ملتا رہے گا اور آپ دونوں کو کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔''

ناہیدہ چونک کر بولیں، ''بیٹا میرے تو وہم گمان میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی! صرف چار دنوں میں اللہ نے میرے بیٹے کو اتنا سمجھدار کر دیا۔'' یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ مشفق نے انھیں دلاسہ دیا اور اپنے ساتھ لگایا۔

''اماں! ویسے بھی یہ پریس بابا کی نشانی ہے اور کم از کم میں اسے اپنی زندگی میں کبھی بند نہیں ہونے دوں گا۔ ان شاء اللہ۔''

''اللہ تمھیں ہمیشہ سلامت رکھے اور میری عمر بھی تمھیں لگ جائے۔تم نے میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتار دیا ہے ورنہ مجھے ہر وقت یہی غم کھائے جا رہا تھا کہ چند دنوں میں جو کچھ پس انداز ہوا ہے وہ ختم ہونے کے بعد کہیں گھر کا چولہا نہ بجھ جائے۔''

''مجھے بس آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے اور کچھ نہیں چاہیے۔ یہ پرنٹنگ پریس میں دکچے (ربابہ) کے نام کر رہا ہوں۔آپ سے کچھ کاغذات ستخط کروانے ہونگے۔''

''اور دوسرا فیصلہ کیا ہے بیٹا؟'' قدرے مطمئن ناہیدہ بولیں۔

''اماں! اب جب آپ نے انیس بھائی پر اعتماد کا اظہار کر ہی دیا ہے اور وہ آپ کی نظروں میں نہایت قابل اعتبار، محنتی اور ایماندار انسان ہیں تو میں نے سوچا ہے کہ آپ کی اجازت سے روبی کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں۔ وہ ویسے ہی بن ماں باپ کے بچے ہیں، کوئی آگے پیچھے نہیں۔ میری غیر موجودگی میں اس گھر کو ایک مرد کی اشد ضرورت ہے اور میری نظر میں ان سے بہتر کوئی نہیں ہوسکتا۔''

''لیکن تم نے اس سلسلہ میں روبی سے پوچھا ہے؟ اس کی مرضی کے بغیر یہ کس طرح ہوسکتا ہے؟'' ناہیدہ یکدم چونک کر بولیں جیسے کوئی انوکھی خبر سن لی ہو۔

''اماں آپ کا کیا خیال ہے میں اس کی منشا کے خلاف آپ سے یہ بات کر رہا ہوں؟ میں نے سب سے پہلے اسی سے ہی بات کی ہے اور مجھے خوشی ہے کہ ہمارے اماں بابا کی تربیت نے ہمیں حقیقت پسند بنایا ہے۔ اس نے میری ساری بات سن کر بہ رضا و رغبت ہاں کی ہے بلکہ مجھے تو آج علم ہوا کہ وہ انیس بھائی کی نہ صرف عزت کرتی ہے بلکہ انھیں پسند بھی کرتی ہے۔''

''یا اللہ میں تیری کس کس نعمت کا شکر ادا کروں تو نے ایک آزمائش تو دی لیکن ساتھ اتنے سکھ بھی دے ڈالے۔ میں تیری رضا میں راضی۔'' ناہیدہ نم آنکھوں کے ساتھ دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

''بس اماں اب میں انیس بھائی سے کھل کر بات کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ انھیں اس گھر کا بیٹا بننے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اس کے بعد میں انھیں کل یا پرسوں ساتھ لے کر آپ کے پاس سوال کے لیے آؤں گا۔ آپ کو علم ہے کہ ان کا کوئی آگے پیچھے نہیں سو ادھر سے بھی میں ہی ہوں گا۔'' مشفق ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو ناہیدہ نے آگے بڑھ کر اس کی بلائیں لیں اور سینے کے ساتھ لگاتے ہوئے بولیں، ''اللہ نے میرے ننھے سے بچے کو وقت سے پہلے بڑا کر دیا۔''

''بس اماں یہ یاد رکھیں کہ زندگی اللہ کی امانت ہے اور آپ نے اس کو اپنے ہاتھ سے نہیں کھونا ورنہ بابا کی روح بے سکون رہے گی۔''

○

''اٹھو بیٹا کچھ کھا لو تم نے دوپہر کو بھی کچھ نہیں کھایا، اس طرح تو کام نہیں چلے گا۔'' منزہ نے مائرہ سے التجا کی۔

''ماما جی نہیں کر رہا۔ جب سے آنٹی اور روبی سے بات ہوئی ہے سوچ رہی ہوں کہ اگر میرا انکل سے ملے بغیر یہ حال ہے تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا؟''

''بیٹا زندگی اسی کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دُنیا میں بھیجنے کی تو ترتیب رکھی ہے لیکن واپس بلانے کی کوئی ترتیب نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو تمھارے بھائی بوبی سے پہلے میں جاتی، لیکن نہیں، یہ قادرِ مطلق کی مصلحتیں ہیں اور وہی بہتر جانتا ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے ماما، لیکن پھر ہمیں صبر بھی تو دے ناں۔''

''میرے بچے وہ بالکل صبر دیتا ہے۔ وہ کیوں کہتا ہے کہ ''میں صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوں'۔

یہ بس ہم ہی کمزور ایمان کے مالک ہیں جو اس کے دیئے ہوئے صبر کو استعمال میں لانا نہیں جانتے۔ میں نے اور تمھارے ابو نے بابر کی موت کے بعد کیسے صبر کیا یہ تمھارے سامنے ہے اور پھر تم نے دیکھا کہ اس نے اس صبر کا انعام ہمیں اور تمھیں مشفق بیٹے کی صورت میں دیا۔''

''جی ماما! واقعی میں نے اس پر تو غور ہی نہیں کیا تھا۔''

''تو بیٹا اب غور کرو.....وہ صبر کریں گے تو یقیناً اللہ پاک نے ان کے لیے بھی کوئی نہ کوئی انعام ضرور رکھا ہوگا۔ بدر بھائی کی وفات سے مشفق پر اچانک بے پناہ ذمہ داریاں آن پڑی ہوں گی۔ نہیں معلوم وہ ان سے کیسے نمٹے گا۔ ان کے روزگار کا واحد ذریعہ بدر بھائی کا پرنٹنگ پریس تھا، نجانے اس کا کیا ہوگا اور پھر روبی بھی تو ابھی پڑھ رہی ہے۔ ان لوگوں نے اس کے مستقبل کا بھی سوچنا ہوگا۔ نہیں معلوم وہ اکیلا بیچارہ یہ سب کیسے کر پائے گا؟ اس کے لیے اللہ سے بہت دعا کرنا اور ہاں جب وہ واپس آئے تو اس کا حوصلہ بڑھانا ہے۔ اسے تمھارے اخلاقی تعاون کی بہت ضرورت ہوگی۔''

''ان شاء اللہ ماما میں پوری کوشش کروں گی۔''

''چلو پھر اٹھو کچھ کھالو.....اور مشفق کی واپسی کا کچھ پتہ ہے مائرہ؟ مجھے تو پوچھنا یاد نہیں رہا۔''

''آپ کو پوچھنا یاد نہیں رہا اور مجھے پوچھنا مناسب نہیں لگا۔ اتنا پتہ ہے کہ پندرہ دن کی چھٹی تھی جو تین چار روز میں ختم ہونے والی ہے۔ وہ ضرور فون کر کے بتا دیں گے۔''

○

شام کو جب ساری لیبر چھٹی کر گئی تو مشفق، انیس کو دفتر میں لے کر بیٹھ گیا۔ انیس کو بالکل کوئی اندازہ نہیں تھا کہ چھوٹے بابو اس سے کیا بات کریں گے۔

''انیس بھائی آج میں آپ سے آپ کی اجازت سے کچھ انتہائی ذاتی نوعیت کے سوالات کرنے کی جرأت کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا؟''

''ارے نہیں چھوٹے بابو.....مم میرا مطلب مشفق بھائی بالکل بھی نہیں۔ آپ غیر تھوڑے ہی ہیں، پوچھیے۔''

''آپ نوجوان ہیں، خوش شکل ہیں باروزگار ہیں۔ کیا آپ نے اپنا گھر بسانے بارے کبھی نہیں سوچا؟''

''مشفق بھائی! یہ باتیں تب سوجھتی ہیں جب انسان کو کوئی فکر فاقہ نہ ہو۔ پہلے ماں باپ کو عسرت

بھری زندگی گزارتے دیکھا، پھران کے جنازے کو کندھا دینا بھی نصیب نہ ہوا۔ بابو جی اگر فٹ پاتھ سے اٹھا کر نہ لاتے تو آج کہیں لاوارثوں کی طرح پڑا ہوتا۔ اب آ کر ذرا خوشحالی کا منہ دیکھا تو بابو جی کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اب آپ بتائیں کہ ایسے میں گھر بسانے کی کس کو سوجھتی ہے؟''

''چلیں انیس بھائی اب سوچ لیتے ہیں۔ میں آپ کا چھوٹا بھائی آپ کے ساتھ ہوں۔''

''اللہ میری باقی عمر بابو جی کے گھر کے ہر فرد کو لگا دے۔ سچ بات ہے کہ کہ جن کا کوئی آگا پیچھا نہ ہو انھیں بیٹی کون دیتا ہے؟ میں نے تو اس بارے کبھی سوچا ہی نہیں۔ میری زندگی میں اگر کسی نے آنا ہوا تو آجائے گی۔''

''اور اگر میں کہوں کہ وہ آچکی ہے تو پھر؟''

''نہ مذاق کریں مشفق بھائی۔'' انیس چونکتے ہوئے بولا۔

''یہ مذاق نہیں ہے انیس بھائی.... اگر آپ کے بابو جی کا گھرانہ اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی ربابہ کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دینا چاہے تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟''

انیس تو جیسے سکتے میں آ گیا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کچھ دیر مشفق کو دیکھتا رہا کہ کہیں وہ مذاق تو نہیں کر رہا پھر بولا، ''یہ یہ.... کک.... کیا کہہ رہے ہیں آپ مشفق میاں؟ اگر آپ نے کبھی میری آنکھیں حیا سے عاری دیکھی ہیں اور آپ مجھ پر طنز کر رہے ہیں تو مجھے کھڑے کھڑے گولی مار دیں یا یہاں سے نکل جانے کو کہیں۔ میں آئندہ کبھی آپ کو اپنی شکل نہیں دکھاؤں گا اور اگر یہ مذاق ہے تو سچ پوچھیں مجھے ایسا گھناؤنا مذاق بالکل پسند نہیں۔''

''انیس بھائی ہم سب گھر والوں نے ہمیشہ آپ کو باحیا اور باکردار پایا ہے اور رہی بات مذاق کی تو آپ کا اور میرا مذاق کبھی بھی نہیں رہا۔''

''تو پھر آپ نے کیوں ایسا سوچا مشفق بھائی؟'' انیس احتجاج کرتے ہوئے بولا۔ یہاں پھر مشفق کو اسے سمجھانا پڑا کہ وہ خود تو گھر سے باہر ہے اور اماں اور روبی اکیلی ہیں۔ ایسا کوئی قابل ذکر رشتہ دار نہیں جس پر اعتبار کیا جا سکے۔ وہ ایک واحد شخص ہے جس پر اس گھر کا ہر فرد نہ صرف اعتبار کرتا ہے بلکہ اس کی دل سے عزت بھی کرتا ہے۔ بدر میاں نے ہمیشہ اسے اس گھر کا فرد ہی سمجھا تھا تو ایسے میں اسے اپنی غیر موجودگی میں انیس کے سوا کوئی بھی اور شخص اس گھر کا نگہبان بننے کا اہل نظر نہیں آیا۔

''مگر مشفق بھائی یہ روبی بابا سے زیادتی ہوگی.... میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ رشتہ نہ بھی ہو میں

پھر بھی زندگی بھر اس گھر کا غلام رہوں گا مگر آپ ان کی خواہشات کا خون نہ کریں۔ میں ہاتھ جوڑتا ہوں۔"

"یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ ہم روبی کی خواہشات کا خون کر رہے ہیں۔آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں روبی کی منشا پوچھ کر اور اماں کی اجازت ملنے کے بعد آج آپ سے بات کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر بابا زندہ ہوتے تو آج وہ بھی یہی فیصلہ کرتے۔اگر آپ کو کوئی اعتراض نہیں تو کل ہم اماں کے پاس چلیں گے روبی کا ہاتھ مانگنے۔"

انیس کچھ دیر تو خالی نگاہوں سے مشفق کو دیکھتا رہا جیسے اس نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو یا وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی تو مُش کو اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ کر اس کی ڈھارس بندھانی پڑی اور حوصلہ دیا تو وہ گویا ہوا، "مشفق بھیا میں غریب اس عزت کے قابل نہیں جو بابو جی کا خاندان مجھے دے رہا ہے۔آپ لوگ واقعی میں مہان ہیں۔میں سر جھکا کر مزدوری کرنے والا ایک محنت کش تھا جس کی زندگی میں خواب ممنوع تھے۔پہلے بابو جی نے اور اب آپ نے نہ صرف خواب دکھائے بلکہ ان کی تعبیر بھی خوبصورت پیکنگ میں ساتھ تھما دی۔نذرالاسلام نے کہا تھا 'زندگی کی جد و جہد سے تھکا ماندہ میں ایک انقلابی، صرف اس سمے آرام کروں گا جب مجھے نصیب ہوگا' سو چھوٹے بابو اپنا بھی وہی حال ہے۔"

"تم نے نذرُل بابو کو پڑھا ہے؟" مُش نے حیرت سے پوچھا کیونکہ اس کی دانست میں انیس ایک عام سا محنتی انسان تھا جس کا ادب و شاعری سے کوئی شغف نہ تھا۔

"جی بھائی.... انقلابی شاعری مجھے پسند ہے اور نذرُل بابو سے زیادہ انقلابی کون ہوسکتا ہے؟ لیکن آج آپ نے مجھے جو عزت دی ہے وہ قرض شاید میں کبھی نہ ادا کر سکوں۔" یہ کہہ کر وہ ایک مرتبہ پھر آبدیدہ ہو کر مشفق کے گلے لگ کر سسکیاں لینے لگا۔

مُش نے اسے تسلی دی اور بولا، "انیس بھائی! بس بہت ہوگیا اب مجھے اور شرمندہ نہ کریں۔ یہ سب اللہ کے کام ہیں انسان تو صرف ذریعہ بنتا ہے۔کل شام کو پریس ذرا جلدی بند کر لیجیے گا۔ میں پانچ بجے کے قریب آپ کو لینے آؤں گا۔"

دوسرے روز حسب وعدہ مشفق انیس کو لے کر اماں کے سامنے حاضر ہوا اور جو کردار اسے دونوں جانب سے ادا کرنا تھا وہ اس نے کیا۔آبدیدہ ناہیدہ نے انیس کے سر پر دست شفقت رکھا اور دعا دی اور پھر مشفق سے مخاطب ہو کر بولیں، "بیٹا! آج تم نے اس گھر کا بڑا ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ یقیناً

تمھارے بابا کی روح بے حد خوش ہوگی کیونکہ تم نے ان کا کفن میلا ہونے سے پہلے ہی دو بہت بڑی ذمہ داریاں پوری کر دی ہیں۔ اب ایک بات میں بھی کہوں گی اور مجھے امید ہے کہ تم دونوں مجھے مایوس نہیں کرو گے؟''

''جی اماں آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ کہیے۔'' دونوں ایکساتھ بولے۔

''مشفق بیٹا تم نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے لیے بہت جرأت درکار ہے اور پھر اس پر عمل درآمد کے لیے سر پر کسی مرد کا موجود ہونا ضروری ہے جو مخالفت کرنے والوں کا سامنا کر سکے۔''

''اماں آپ کھل کر بات کریں، میں سمجھا نہیں۔'' مشفق بولا۔

''بیٹا مجھے سر دست تو ایسا کوئی مسئلہ نظر نہیں آرہا لیکن دُنیا میں آپ کے خیر خواہ کم اور حاسد زیادہ ہوتے ہیں اور خطرہ چھپے ہوئے دشمنوں سے ہوتا ہے۔ انیس میرے بچوں کی طرح ہے اور آج تو میں نے اسے اپنا بیٹا بھی مان لیا ہے لیکن شاید یہ بات تمھارے کچھ عزیزوں اور کاروباری لوگوں کو ہضم نہ ہو۔ تم سمجھ رہے ہو ناں میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں؟''

''جی اماں میں بالکل سمجھ گیا ہوں۔ آپ حکم کیجیے۔'' جو بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا بولا۔

''تمھاری چھٹی کتنی رہ گئی ہے؟''

''آج منگلوار ہے اماں اور علی الصبح میری فلائٹ ہے۔''

''تو بس یوں کرو کہ جمعہ کے مبارک دن، بعد نماز جمعہ یہیں گھر پر سادگی سے نکاح رکھ دو۔ یہیں سے ڈولی اٹھے اور یہیں بارات اترے۔ تمھارے بابا کا غم تازہ تازہ ہے بہت ڈھول ڈھمکا ویسے بھی نہیں جچتا۔ اپنی پھپھو کو بلا لو، روبی اپنی ایک آدھ سہیلی کو بلانا چاہے تو بلا لے اور چھاپہ خانہ سے دو چار اہم لوگوں کو جنھیں انیس بیٹا مناسب سمجھے بلا لے اور میری ذمہ داری پوری ہو۔ اس کے بعد انیس یہیں ہمارے پاس آجائے گا تو کسی کو اعتراض بھی نہیں ہوگا۔ کسی نے پوچھا تو کہہ دوں گی بدر اپنی زندگی میں روبی کا ہاتھ انیس کے ہاتھ میں دے گئے تھے۔''

مشفق کو ماں کی دانشمندی پر بے حد رشک آیا اور وہ بولا کہ اس سے اچھی تو اور کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔ انیس بھی بولا کہ اس کی بڑی بھی اماں ہیں سو ان کا حکم سر آنکھوں پر۔ ناہیدہ نے انیس اور ربابہ دونوں کو سامنے بٹھا کر پیار کیا اور دعا دی۔ مشفق نے ماں سے کہا کہ وہ کچھ قانونی کاغذات تیار کروا لے گا جن پر ان کے دستخط درکار ہونگے۔ وہ چاہے گا کہ اس پرنٹنگ پریس سے اپنا حصہ چھوڑ کر

پریس روبی کے نام کر دے۔ یہ اس کی طرف سے بہن کے لیے شادی کا چھوٹا سا تحفہ ہوگا۔ روبی جذبات سے مغلوب ہو کر اٹھی اور بھائی کے گلے لگ گئی۔

''اللہ میرے اس ہنستے بستے خاندان اور اس کی خوشیوں کو نظر بد سے محفوظ رکھے۔ آمین۔'' ناہیدہ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

مشفق جب انیس کو واپس چھوڑنے جا رہا تھا تو اسے پانسو روپے تھمائے اور بولا، ''انیس بھائی نکاح کے دن کے جوڑے جوتوں کے لیے یہ میری طرف سے رکھ لیں۔ میں چاہوں گا کہ نکاح والے دن آپ اپنی پسند کے رنگ کی شرٹ پتلون پہنیں۔ انیس نے انکار کرنا چاہا لیکن اس کی ایک نہ چلی۔ انیس کے فلیٹ پر پہنچ کر اسے اتارتے ہوئے مشفق نے مشورہ دیا کہ بہتر ہوگا اگر وہ چھاپہ خانہ کے جن ملازمین کو مدعو کرے انھیں اپنے ہمراہ لائے۔ اگلے دو دنوں میں مشفق نے مقدور بھر تیاری کر لی۔ گو نکاح سادگی سے ہو رہا تھا لیکن اسے علم تھا کہ اس کی لاڈلی بہن کی بھی کچھ خواہشیں ہوں گی جو حالات کیوجہ سے ساری نہیں تو کچھ نہ کچھ تو ضرور پوری کی جا سکتی تھیں۔ نکاح سے ایک دن پہلے وہ رات دیر تک بہن کو لے کر بیٹھا رہا۔ اس سے معافی مانگی کہ وہ شادی جو بابا کی زندگی میں شان وشوکت سے ہونی تھی وہ انتہائی سادگی سے ہونے جا رہی تھی۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ کبھی نہ کبھی اس کا مداوا ضرور کریگا۔ روبی نے بھائی کو تسلی دی کہ وہ ایسا بالکل نہ سوچے کیونکہ وہ سمجھتی ہے کہ ان حالات میں یہ سب کچھ ہونا اور اس طرح ہونا ناگزیر ہے۔ بھائی نے اسے تعلیم جاری رکھنے کی تاکید کی اور کہا کہ بابا کی گاڑی وہ انیس کو تحفہ میں دے دے گا جو ویسے بھی پریس کے کاموں میں زیادہ تر اسی کے استعمال میں رہتی ہے۔ اب روبی کو کالج لانے لیجانے کی ذمہ داری بھی اسی کی ہی ہوگی۔

نکاح سے ایک روز پہلے پریس کے عملہ کے کچھ افراد نے بابو جی کی بیٹی سے انیس کے عقد کی خبر کو صرف حیرت سے جبکہ باقیوں نے مسرت سے بھی سنا۔ اس کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ اگر ملازمین میں سے بالفرض کسی کا مستقبل میں انیس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑا کرنے کا اگر کوئی ارادہ تھا بھی تو وہ ختم ہو گیا۔ مشفق مائرہ کو یہ خوشخبری دینا چاہتا تھا لیکن شومئی قسمت کہ کوشش بسیار کے باوجود ٹرنک کال نہ مل سکی تو اس نے سوچا اب خود ہی جا کر یہ خبر سنائے گا۔ نکاح کا مرحلہ بھی نہایت خوش اسلوبی سے طے پا گیا۔ گنتی

کے چند لوگ مدعو تھے جن میں پریس خانے کا عملہ اور بچوں کی پھوپھی شامل تھیں۔ روبی نے قصداً اپنی کسی دوست کو نہیں بلایا تھا بلکہ اس نے اپنی پڑوسن اور دوست جھرنا کو بھی دعوت نہ دی۔ وہ تو اس نے ان کے گھر میں گہما گہمی دیکھی تو تقریب کے بعد چکر لگانے پر صورتحال کا علم ہوا۔ مشفق نے بابا کی کار ناہیدہ کی اجازت سے انیس کو سلامی میں دے دی۔ سنیچر کی صبح لیفٹیننٹ مشفق کی لاہور واپسی تھی۔

مشفق بہن اور بہنوئی کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اسے دیکھ کر حیرانگی ہوئی کہ انیس اور روبی صبح اس سے پہلے اٹھے ہوئے تھے اور اسے ایئرپورٹ چھوڑنے کے لیے تیار تھے۔ اس کے بارہا کہنے کے باوجود وہ نہ مانے اور ایئرپورٹ چھوڑنے گئے۔ راستے میں باتوں باتوں میں اس نے انیس سے کہا، ''انیس بھائی اب اپنی ذمہ داری، میں آپ کو سونپ کر جا رہا ہوں۔ یہ گھر اب آپ کا بھی اتنا ہی ہے جتنا میرا یا روبی کا۔ روبی کی تعلیم باقی ہے اور میرے خیال میں آپ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اماں کی مرضی کے خلاف آپ دونوں کوئی فیصلہ نہیں کریں گے اور انھیں ہر طرح خوش رکھنے کی کوشش کریں گے۔ کوشش کیجیے گا کہ میں گھر کے حالات سے مکمل طور پر باخبر رہوں۔ بدر کی وفات کے بعد سے اب تک کے حالات، رونما ہونے والے واقعات اور درپیش مسائل سے جس احسن طریقے سے مشفق نمٹا تھا اور جس طرح جرأت اور بے خوفی سے اس نے کچھ بڑے فیصلے کیے تھے، اس نے مشفق کو چھوٹا ہونے کے باوجود اس گھر کا بلاشبہ بڑا بنا دیا تھا۔ وہ خود اس بات پر بے حد حیران تھا کہ اچانک اس میں یہ جرأت اور تدبر آیا کیسے؟ بیشک اس کے والدین نے اس کی اور روبی کی تربیت بہت دوستانہ اور پراعتماد ماحول میں کی تھی لیکن پھر بھی فیصلوں میں ایسی پختگی نہ صرف قابل ستائش بلکہ حیران کن بھی تھی۔ بہت سوچ بچار کے بعد بالآخر اسے اس بات کا کریڈٹ اپنی فوج کی تربیت کو دینا پڑا جہاں بروقت فیصلہ کرنا ناگزیر ہوتا ہے اور جہاں بعض حالات میں غلط فیصلے کو کوئی فیصلہ نہ کرسکنے پر ترجیح دی جاتی ہے۔

ایئرپورٹ پر دونوں سے الوداعی معانقہ کرکے جہاز میں اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اس نے ایک لمبا سانس لیا اور پشت سے ٹیک لگا دی۔ جہاز نے ٹیک آف کیا تو وہ کھڑکی سے جھانک کر گھر اور بابا کا چھاپہ خانہ تلاش کرنا آج بھی نہ بھولا لیکن ہمیشہ کی طرح نہ ہی اسے گھر نظر آیا اور نہ ہی چھاپہ خانہ ملا۔ مایوس ہوکر اس نے آنکھیں بند کرلیں اور جلد ہی نیند کی وادی میں چلا گیا۔

سارے دن کے سفر کے بعد مشفق جب لاہور ایئر پورٹ پر اترا تو سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح اس نے اپنی آمد کی اطلاع نہیں دی تھی کیونکہ اسے اچھا نہیں لگتا تھا کہ حمید انکل اسے ایئر پورٹ پر لینے آئیں۔ اس نے سوچا کہ اس کا دوست بابر زندہ ہوتا تو اور بات تھی، مگر پھر خیال آیا کہ اگر بابر آج حیات ہوتا تو شاید تعلقات میں یہ قربت ہی نہ ہوتی۔ انھی خیالات میں اس نے ٹیکسی پکڑی اور اُلفت لاج پہنچ گیا۔ حمید کی گاڑی نہیں کھڑی تھی شاید وہ ابھی سٹور سے واپس نہیں آئے تھے۔ گیٹ پر بیل بجا کر وہ بیگ اٹھائے پورچ کے دروازے تک پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا تو مائرہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ کچھ دیر کے لیے مبہوت رہ گئی مگر پھر مشفق کے چہرے پر پھیلی اداسی اور سوگواری دیکھ کر خود پر قابو نہ رکھ سکی اور ضبط کا بندھن توڑتے ہوئے اس کے سینے سے جا لگی اور بے اختیار ہچکیاں لے کر رونے لگی۔ مُش پریشان ہو گیا کہ اگر آنٹی آ گئیں تو کیا کہیں گی لیکن اس وقت مائرہ کے سینے لگنے سے اسے جو سکون اسے ملا اور جس عافیت کا احساس ہوا اس نے اسے مائرہ کو خود سے الگ کرنے سے باز رکھا۔ وہ اسے ساتھ لگائے اندر لاؤنج میں آیا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ مائرہ ابھی تک اس کے ساتھ لگی تھی۔ آنسو تھمے تو دھیرے دھیرے چہرہ اوپر اٹھا کر مشفق کو دیکھا جہاں گہری سیاہ آنکھوں میں جھڑی اُمڈی پڑی تھی لیکن ایک سپاہی کا حوصلہ اور مردانگی ان کے سامنے بند باندھے کھڑی تھی۔

''آنٹی کہاں ہیں؟'' مُش نے رندھی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

''انھیں کسی کے ہاں جانا تھا۔ ابو اور ماما کافی دیر کے گئے ہوئے ہیں اب تو آنے والے ہونگے۔

مجھے بھی کہہ رہے تھے لیکن میں نے انکار کر دیا کیونکہ دل نہیں چاہ رہا تھا۔''

''اوہ تو یہ بات تھی۔'' اس نے دل میں سوچا اور اطمینان کا سانس لیا۔ پہلے سوچا کہ مائرہ کو تمام اہم واقعات کی رپورٹ دیدے پھر خیال آیا کہ مناسب ہوگا اگر انکل آنٹی کے سامنے ہی تفصیلات بیان کرے۔

''روبی اور آنٹی کیسی ہیں؟ بہت روتی ہوں گی؟'' مائرہ جواب سنبھل چکی تھی، خاموشی کو توڑتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہیں.... ظاہر ہے گہرا گھاؤ ہے۔ دکھ کا زخم بھرتے بھرتے ہی بھرے گا۔ اللہ کی ذات ہی صبر دے گی ہم سب کو۔''

''بیشک.... مُشی! یقین کریں میں انکل کی موت پر بہت روئی تھی، حالانکہ میں نہ کبھی ان سے ملی نہ دیکھا، بس روبی اور آپ سے سن سن کر ہی ان کی گرویدہ ہوگئی تھی۔ حسرت ہی رہی کہ ان سے ملتی اور ان کے سینے سے روبی کی طرح لگتی۔ لیکن شاید اللہ کو منظور نہ تھا۔''

''یقیناً اللہ کی ذات کو منظور نہ تھا۔ شاید اسی میں کوئی بہتری ہو ہم سب کے لیے۔''

''ارے میں نے آپ کو چائے تو پوچھی ہی نہیں۔ ٹھہریں میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ مشفق کے منع کرنے کے باوجود اٹھی اور کچن میں چائے بنانے چلی گئی اور مشفق نے سامنے میز پر پڑے اخبار کا مطالعہ شروع کر دیا۔ دس پندرہ منٹ گزرے ہونگے کہ پورچ میں کار کے رکنے کی آواز آئی۔ چند لمحوں بعد منزہ اندر داخل ہو چکی تھی جو مشفق کو لاؤنج میں دیکھ کر چونک گئی، ''ارے بیٹا تم کب آئے؟ کوئی اطلاع ہی نہیں دی۔'' یہ کہہ کر اس نے بے ساختہ مُش کو گلے سے لگا لیا اور وہ بھی جس نے اپنی اماں کے سامنے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا تھا بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ چند لمحوں بعد دل ذرا ہلکا ہوا تو سر اٹھا کر بولا ''آنٹی آپ کو پتہ ہے کہ مجھے انکل کو تکلیف دینا اچھا نہیں لگتا۔''

''یہ مائرہ کدھر ہے؟'' منزہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آنٹی وہ میرے منع کرنے کے باوجود میرے لیے چائے بنانے چلی گئی ہے۔'' مشفق نے وضاحت دی۔

''تو اچھا ہے ناں۔'' تھوڑی ہی دیر بعد کوریڈور کے دروازے سے حمید نے اور کچن کے دروازے سے چائے کی ٹرالی لیے مائرہ نے انٹری دی۔ غالباً اسے اماں ابا کے آنے کا علم ہوگیا تھا جو وہ

سب کے لیے چائے بنا کر لائی تھی۔ حمید نے آتے ہی تعزیت کی اور سب نے فاتحہ کہی۔ چائے کی پیالی پر حال احوال پر تفصیل سے گفتگو ہوئی۔

''ناگہانی رحلت ایک گہرا صدمہ چھوڑ جاتی ہے۔'' حمید نے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔

''انکل آپ لوگوں سے بہتر کون جان سکتا ہے؟ لیکن بابا کو علم ہو چکا تھا کہ ان کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ یقین مانیں یوں لگتا تھا کہ وہ بس ہماری راہ دیکھ رہے تھے۔''

''ناہیدہ بہن اور روبی کا تو برا حال ہوگا؟'' منزہ نے استفسار کیا۔

''جی آنٹی.... زندگی بھر کا دکھ ہے۔ صبر آتے آتے ہی آئے گا۔ مداوے کی کچھ کوشش تو کی ہے لیکن اتنی گہری چوٹ کے بعد فوری صبر ممکن نہ ہوگا۔''

''مداوا؟.... کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔'' منزہ کا اگلا سوال تھا۔

''دراصل میں نے آپ لوگوں کو بھی اطلاع دینے کی کوشش کی مگر آپ جانتے ہیں کہ مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان کی ٹرنک کال کس قدر مشکل سے ملتی ہے۔ ورنہ میرے لیے تو آپ دونوں بھی میرے بابا اور اماں کی طرح ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں کوئی بھی کام آپ کے علم میں لائے بغیر کروں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے بیٹا.... ہمیں تم پر اتنا ہی اعتماد ہے جتنا بابر پر تھا لیکن ایسا کیا کیا ہے جو تم ہمیں بھی بتانا چاہ رہے ہو؟'' اس بار حمید نے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی جبکہ منزہ اور مائرہ ان دونوں کی گفتگو کو نہایت انہماک سے سن رہی تھیں۔

''انکل آپ اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ جن گھروں کا چولہا ہی کاروبار سے بندھا ہو، وہاں کاروبار کرنیوالا ہی دُنیا سے اٹھ جائے تو کیا مسائل پیدا ہو سکتے ہیں؟''

''بالکل میں سمجھتا ہوں۔ اللہ کسی دشمن کو بھی ایسی صورتحال سے دوچار نہ کرے۔ آمین۔''

''مجھے فوری طور پر دو تین مسائل سر اٹھاتے نظر آئے جنکا فوری حل بے حد ضروری تھا، بابا کی رحلت کے بعد پرنٹنگ پریس کا چلتے رہنا بہت ضروری تھا کہ اسی سے گھر چلنا تھا، دوسرا گھر سے میری غیر موجودگی میں اس گھر کی چادر اور چار دیواری کی حفاظت کو یقینی بنانا ناگزیر تھا اور آخری بات روبی کی ادھوری تعلیم کو ہر حال میں مکمل کرانا ضروری تھا۔''

''بالکل ٹھیک سوچا بیٹا تم نے۔'' حمید نے قابل ستائش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا، ''تو پھر کیا

کیا تم نے؟''

''بابا کے منیجر ہیں انیس بھائی، ایک سلجھے ہوئے نوجوان ہیں۔ بابا نے ہی انھیں پڑھایا لکھایا اور باپ کی طرح پالا۔ ان کی زندگی میں بھی پریس کے تمام معاملات انیس بھائی کے ہاتھ میں تھے۔ سو میں نے انھیں مشروط طور پر اس چھاپہ خانہ کا مختار کل بنا دیا تا کہ کاروبار بلا روک ٹوک چلتا رہے۔''

''یہ تو تم نے بہت اچھا کیا۔'' منزہ اور حمید ایک ساتھ بولے۔

''جی آنٹی.... کم از کم نا قابل اعتبار رشتہ داروں کی موجودگی میں ایسا کرنا بے حد ضروری تھا۔ پیچھے رہ گئے روبی کی تعلیم اور گھر کو ایک مرد کی ضرورت کے مسئلے تو اس کا حل یوں نکالا کہ ایک روز میں روبی کو لے کر بیٹھا اور اسے مسائل کی نزاکت اور صورتحال کی اہمیت سے آگاہ کیا اور پھر انیس کے متعلق اس کی منشا پوچھی۔ ظاہر ہے روبی میری ہی طرح حقیقت پسند ہے سو اس نے بخوشی ہاں کر دی اور اماں کے علم میں لا کر ان کی اجازت سے ان دونوں کا سادگی سے نکاح کر دیا گیا۔''

''ہیں؟؟؟.... کیا مطلب؟ روبی کی شادی کر دی آپ نے؟'' اس دفعہ حیرت کا اظہار کرنے کی باری مائرہ کی تھی، ''ماما! دیکھا آپ نے روبی کی شادی ہوگئی۔'' اس کے لہجے میں بے پناہ خوشی چھپی تھی جسے وہ موقع کی مناسبت کیوجہ سے دبا گئی۔

''یہ تو تم نے بہت دانشمندانہ فیصلہ کیا بیٹا۔ بڑے بڑے عقلمندوں کی سوچ یہاں آ کر ہتھیار ڈال دیتی۔''

''میں کس قابل آنٹی.... میرے اللہ نے راہ سجھائی اور میں نے اسی کا نام لے کر یہ فیصلے کر دیئے۔ اب روبی بھی پڑھے گی، کاروبار بھی چلتا رہے گا اور گھر کو ایک مرد بھی مل گیا۔ میں اللہ کا جس قدر شکر ادا کروں کم ہے۔''

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ روبی کی سچ مچ میں شادی ہوگئی ہے اور آپ نے ہمیں اطلاع تک نہیں دی؟ پکچرز تو ہوں گی آپ کے پاس؟'' مائرہ تفصیل جاننے کے لیے بے چین تھی۔

''بیٹا وہ بتا رہا ہے ناں کہ کال بک کروائی مگر مل نہ سکی؟ اب کیوں اسے پریشان کر رہی ہو؟''

''ارے نہیں آنٹی کوئی بات نہیں.... مائرہ! موقع مناسب نہ تھا سو تصویریں نہیں کھنچیں، وہ لوگ کسی وقت کھنچوا کر ضرور بھیج دیں گے بلکہ آپ خود کسی وقت روبی سے بات کر لینا یا خط لکھ کر کہہ دینا۔''

منزہ ان لوگوں کو کھانے کی تیاری کا کہہ کر اٹھی اور مائرہ کو ساتھ آنے کا کہا۔ اس دوران حمید اور

مشفق کی خاصی تفصیل سے گفتگو ہوئی۔ نظر آتا تھا کہ حمید مشفق کی دانشمندی اور بروقت فیصلوں سے بے حد خوش اور متاثر نظر آرہے تھے۔ کھانے کی میز پر بھی اسی حوالے سے باتیں ہوتی رہیں، حمید کچھ دیر بعد اجازت لے کر آرام کے لیے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد مشفق نے بھی اجازت طلب کی تو منزہ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ وہ اس وقت کہاں جائے گا۔ ویسے بھی صبح اتوار ہے۔ آج یہیں آرام کرے۔ اس دوران مائرہ اٹھ کر گئی اور مشفق کے لیے بوبی کا کمرہ تیار کر کے واپس آئی تو منزہ بھی شب بخیر کہہ کر چلی گئی۔ مشفق نے مناسب سمجھا کہ وہ بھی چل کر آرام کرلے سو وہ بھی اپنے کمرے میں آگیا۔ مائرہ اسے کمرے تک چھوڑنے آئی تو ہنستے ہوئے گلہ کیا، ''آپ اتنی دیر میری پاس بیٹھے رہے لیکن اپنی مائرہ کو کچھ نہیں بتایا؟ بہت چالاک ہیں آپ قسم سے۔''

''واقعی میں نے جان کر نہیں بتایا لیکن اس کی وجہ بھی سن لو۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ انکل آنٹی کو تم سے پتہ چلے۔ وہ کچھ بھی سوچ سکتے تھے۔ بس اتنی سی بات تھی۔ تم نے خود کو میری مائرہ کہا ہے جو مجھے بہت اچھا لگا ہے لیکن میری ہو تو مجھ پر اعتماد بھی رکھو۔'' مشفق اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے بولا۔

''ارے میں تو مذاق کر رہی تھی۔'' مائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور مِش کو شب بخیر کہہ کر نیچے چلی گئی۔

فوج کی یہی خوبصورتی ہے کہ خوشی غمی کچھ بھی ہو رفقاء کے دکھ درد میں ہر ممکن شریک ہوا جاتا ہے، خواہ وہ افسر ہوں یا ماتحت جوان۔ ایسے موقعوں کے لیے کچھ رسومات ہوتی ہیں جو برسوں سے چلی آرہی ہیں، ان کو نبھایا جاتا ہے۔ ایسا ہی کچھ مشفق کے والد کی وفات کے موقع پر ہوا۔ کمانڈنگ آفیسر سے لے کر ایک لانگری تک سب فرداً فرداً مشفق کے پاس اس کے کمپنی آفس، ٹریننگ ایریا اور میس کے کمرے میں جہاں جہاں موقع ملا تعزیت کے لیے گئے۔ جانے والا تو اس پرسہ سے واپس نہیں آسکتا لیکن کم از کم سوگواروں کو ایک عجیب سی ڈھارس بندھتی ہے کہ غم کے ان لمحات میں وہ اکیلا نہیں۔ وقت گزرتا گیا اور حالات و مصروفیات نے مشفق کو بھی قدرے نارمل کر دیا۔ اس کا گھر سے بھی رابطہ رہتا تھا اور مائرہ سے بھی۔ یہ بات اس کے لیے باعث اطمینان تھی کہ انیس اور روبی بے حد خوش تھے اور ناہیدہ کا بے حد خیال رکھ رہے تھے۔ چھاپہ خانہ کا کاروبار بھی پہلے سے کہیں زیادہ کامیابی سے جاری تھا۔ اسے

خوشی ہوئی کہ وقت نے ثابت کر دیا کہ اس کے فیصلے غلط نہیں تھے۔ اسے بے حد طمانیت ملتی جب روبی اسے خط میں بتاتی کہ انیس اس کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ باقاعدگی سے کالج لاتے لیجاتے ہیں اور اس وقت تو اس کے دل سے انیس کے لیے بے انتہا دعائیں نکلیں جب ایک دن اماں نے اسے فون پر بتایا کہ انیس روز کے روز شام کو آ کر دن کا سارا حساب اس کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اماں کی اجازت سے پریس کے خرچہ کے پیسے علیحدہ کر کے اماں سے باقاعدگی سے دستخط کرواتا ہے اور باقی کی رقم بنک میں جمع کروا دیتا ہے۔ وہ انھیں بنک اکاؤنٹ سے بھی متواتر باخبر رکھتا ہے۔ مشفق کو ہنستے ہوئے بتانے لگیں کہ کہہ رہا تھا کہ چونکہ پریس اس کی بیگم روبی کا ہے لہٰذا وہ بیگم کا ملازم نہیں کہلانا چاہتا اور تنخواہ بھی نہیں لے گا۔ ہاں البتہ میں اس کی ماں ہوں سو جب جب پیسوں کی ضرورت ہوگی وہ مجھ سے مانگ لیا کریگا۔ مشفق سوچنے لگا کہ یقیناً بابا نے اپنی زندگی میں بے انتہا نیکیاں کی ہوں گیں جو آج ان کا پھل سعادتمند اور ایماندار انیس بھائی کیصورت میں مل رہا ہے۔ وہ اس بات کا سوچ کر ہی کانپ گیا کہ وہ تو ہزاروں میل دور بیٹھا ہے اگر اس موقع پر پریس میں انیس بھائی نہ ہوتے تو ہمارے گھر، خاندان اور کاروبار کا کیا ہوتا؟

دوسری جانب مائرہ کے ساتھ نے اسے نئی ہمت اور استقامت عطا کی تھی۔ فوج میں ترقی کے بام عروج پر پہنچنے کے لیے اس کی زندگی میں مائرہ کی موجودگی نے مہمیز کا کام کیا۔ مومووہ وجہ تھی جس کے لیے وہ زندگی کی ہر کامیابی اور خوشی کو حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔ جب کبھی کسی ویک اینڈ پر اس کا اُلفت لاج جانا ہوتا تو ان لوگوں کی اپنائیت اور خصوصاً مائرہ کی محبّت اسے تازہ دم کر دیتی اور ہر دفعہ اسے جینے کی ایک نئی وجہ مل جاتی۔ اس دفعہ اُلفت لاج جا کر اسے ایک ایسا سرپرائز ملا جس نے اس کی خوشی اور فخر کو دوبالا کر دیا۔ لاؤنج میں کچھ دیر بیٹھنے کے بعد جب اس نے عادتاً ادھر ادھر نظر گھمائی تو بائیں جانب والی دیوار پر اسے دو جانی پہچانی نئی تصویریں نظر آئیں جو یہ پہلے یہاں نہیں تھیں۔ اب تک اسے ہر دیوار پر آویزاں ہر چیز ازبر ہو چکی تھی۔ وہ بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا اور پاس جا کر تصویروں کو غور سے دیکھنے لگا۔ ایک اس کے پیارے بابا اور اماں کی تھی اور دوسری روبی اور انیس کی تازہ ترین تصویر جو اس نے بھی نہیں دیکھی تھی۔ اسے مسرت کے ساتھ ساتھ حیرانگی بھی ہوئی۔ وہ واپس مڑا تو منزہ کمرے میں داخل ہو رہی تھیں جو اس کے چہرے پر سجے سوال کو بھانپ گئی تھیں۔

''یہ مائرہ نے روبی کو خط لکھ کر منگوائی تھیں۔کل ہی فریم ہو کر آئی ہیں۔کہہ رہی تھی کہ انکل آنٹی بھی تو ہماری ہی فیملی ہیں ناں، ان کی پکچرز بھی ہونی چاہییں۔''

اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا مائرہ، جو ماں کی بات سن چکی تھی لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے شرارت آمیز مسکراہٹ سے بولی،''آپ نے تو منگوا کر نہیں دیں تصویریں۔سوچا کہ اس سے پہلے کہ آپ درخواست لکھنے کا کہیں میں خود ہی منگوا لوں۔کیوں ماما ٹھیک کہا ناں میں نے؟''

''چل شریر....مت تنگ کرو میرے بیٹے کو۔'' منزہ نے شرارت کا لطف اٹھاتے ہوئے اسے پیار سے ڈانٹ دیا۔

''جناب میں نے صرف یہاں ہی تصویریں نہیں لگائیں کچھ تصویریں میرے کمرے میں بھی لگی ہیں لیکن آپ نے کبھی مجھ غریب کے کمرے کو دیکھنا ہی پسند نہیں کیا۔''

''یا اللہ یہ لڑکی ہے یا مشین؟ جو منہ میں آرہا ہے کہے چلی جارہی ہے؟'' مُش نے، جس کا چہرہ مارے شرم کے سرخ ہو رہا تھا، دل میں سوچا۔

''ماما! میں مشفق کو اپنے کمرے میں لگی تصویریں دکھا دوں؟'' اس نے ماں سے اجازت طلب کی تو جہاندیدہ ماں نے معنی خیز مسکراہٹ سے کہا،''ہاں لیکن اسے تنگ نہ کرنا۔دکھا کر جلدی آؤ پھر چائے پیتے ہیں۔'' اس مسکراہٹ آمیز جملے میں دونوں کے لیے اقدار کا خیال رکھنے کی نصیحت پنہاں تھی جسے مشفق فوراً بھانپ گیا اور بولا،''ارے نہیں تصویریں کہیں بھاگے تھوڑے ہی جارہی ہیں؟ پھر کبھی دیکھ لوں گا۔''

''نہیں بیٹا جاؤ دیکھ آؤ....اسے چین نہیں آئے گا جب تک تم دیکھ نہیں لوگے۔'' منزہ نے، جو مشفق کے انکار کا مطلب سمجھ گئی تھی، اصرار کیا۔مشفق کو مجبوراً مائرہ کے کمرے کی یاترا کرنی پڑی۔سگھڑ اور ذوق رکھنے والی لڑکیوں کے کمرے عموماً متاثر کن ہوتے ہیں لیکن یہ کمرہ اس کی توقع سے زیادہ ہی خوبصورت انداز میں سجایا گیا تھا۔تمام چیزوں میں کلر میچنگ کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ہر شے اپنی جگہ پر نہایت بھلی لگ رہی تھی۔اس کے لیے بابر کی لائی ہوئی کلائی گھڑی مائرہ کے پلنگ کی تپائی پر پڑی تھی۔

''سو جناب یہ ہے مائرہ حمید کا کمرہ۔'' وہ مشفق سے مخاطب ہوئی۔

''مجھے یہ بتاؤ تم ایسی بے وقوفی کی حد تک دلیرانہ حرکتیں کیوں کرتی ہو؟ کچھ تو خیال کیا کرو۔''

مُش اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا، ''مُشی مجھ سے نہیں رہا جاتا۔ میرے بس میں ہو تو میں زندگی بھر آپ کے کندھے پر سر رکھ کر بیٹھی رہوں یا ہر وقت ان آنکھوں میں جھانکتی رہوں۔''

''لیکن یہ بھی تو سوچو کہ آنٹی کیا کہیں گی؟ مجھے آج بھی ان کی باتوں میں ہم دونوں کو وقار سے رہنے کا پیغام ملا۔''

''ارے بابا تو نہیں تھے ناں.... ماما تو میری دوست ہیں۔ وہ تو خود مجھے چھیڑتی رہتی ہیں۔ اچھا چھوڑیں ان باتوں کو، وہ سامنے تصویر دیکھیں۔'' اس نے ڈریسنگ ٹیبل والی دیوار کی طرف اشارہ کیا جہاں اس کی ان لوگوں کی بلوچ میس میں کھینچی گئی تصویر بڑی کر کے لگائی گئی تھی۔ یہ وہ تصویر تھی جو حمید نے کھینچی تھی اور اس میں مشفق اور مائرہ منزہ کے دائیں بائیں کھڑے تھے۔

''تم نے یہ تصویر مجھے نہیں دی ناں؟'' مشفق نے گلہ کیا۔

''آپ نے بھی مجھے نہیں دیں اور حساب برابر ہو گیا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی اور مشفق کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا۔ اس کی اس حرکت نے مشفق کو بوکھلا دیا۔

''مائرہ ہوش کرو آنٹی آجائیں گی۔'' بوکھلائے ہوئے مشفق نے سرگوشی کی۔

''کوئی نہیں آتا۔ توبہ ہے۔ کاش کہ آپ لڑکی ہوتے اور میں لڑکا ہوتی۔'' اس نے مشفق کے کان میں سرگوشی کی۔

''ابھی لڑکی ہو تو یہ حال ہے، لڑکا ہوتیں تو پتہ نہیں کیا آفتیں کھڑی کرتیں۔'' اس نے جواب دیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی مائرہ کو بانہوں میں بھر لیا۔ دونوں کچھ دیر خاموش کھڑے رہے۔

''بچو! چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے آجاؤ۔'' لاؤنج سے منزہ کی آواز نے ان کے مراقبے کو ختم کیا اور دونوں لاؤنج کی طرف چل دئے جہاں منزہ ان کی منتظر تھی۔ دونوں نظریں جھکائے، بنا کچھ کہے جا کر بیٹھ گئے۔

سال کے آخر میں مشفق کو انفنٹری کے بنیادی کورس کے لیے کوئٹہ جانا پڑا۔ ایک نئی منزل، ایک نیا شہر اس کا منتظر تھا۔ فوج کی یہی ایک دلچسپ بات ہے کہ وہ مشفق جس نے بیس سال کی عمر تک ڈھاکہ کے سوا کوئی اور شہر تک نہ دیکھا تھا، گزشتہ ایک سال سے بھی کم عرصہ میں کم از کم چار شہر دیکھ چکا تھا اور پانچواں دیکھنے جا رہا تھا۔ جوں جوں مشفق کے کوئٹہ جانے کے دن قریب آ رہے تھے مائرہ کی اداسی میں

اضافہ ہو رہا تھا لیکن مُش کی ایک بات اسے بے حد خوش کرتی جب وہ یہ کہتا کہ میں فوج کے ہر شعبہ میں شاندار کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہوں اور میری ہر کامیابی کے پیچھے میری اماں اور آنٹی کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ تمھاری محبّت کا بہت بڑا ہاتھ ہے اور وہ جب بھی یہ بات کرتا مائرہ اسے اکیڈیمی کی یاد دلاتے ہوئے چھیڑتی کہ اس کی 'کمبختی' میں مائرہ کا بہت ہاتھ ہے۔ مشفق اب خاصی روانی سے اُردو بولنے اور سمجھنے لگ گیا تھا اور دوسری جانب اس کی کوششوں سے مائرہ کو بھی بنگلہ زبان کی خاصی شد بدھ ہوگئی تھی۔ بالآخر مشفق کے جانے کا وقت آ گیا اور وہ اداس دل اور نئے عزم کے ساتھ کورس کے لیے روانہ ہوگیا۔ چند ماہ کا کورس یوں لگا کہ چند دنوں میں گزرا ہو۔ مشفق نے اکیڈیمی کی روایت برقرار رکھی اور اپنے بنیادی پیشہ ورانہ کورس میں ٹاپ کیا، جس پر اسے کورس شیلڈ بھی دی گئی۔ واپسی پر وہ حسب دستور پہلے سیدھا اُلفت لاج گیا اور مائرہ کو خبر کرنے کے ساتھ ساتھ کال کر کے اماں کو بھی اطلاع دی۔ اگلے روز یونٹ رپورٹ کرنے سے قبل دوپہر کے کھانے پر اسے شرارت سوجھی اور سب کے سامنے مائرہ کو مخاطب کر کے کہا، ''اس سے پہلے کہ تم اعزازی چھڑی کی طرح کورس شیلڈ بھی چھین لو، مجھے اجازت ہے کہ میں یہ اپنے افسران بالا کو دکھالاؤں؟''

ایک لمحہ کے لیے تو کسی کو بھی سمجھ نہ آئی پھر اچانک منزہ نے قہقہہ مارنے کے ساتھ ساتھ زوردار تالی بھی بجائی اور بولیں، ''ہاہاہاہا.... آج میرا بیٹا بازی لے گیا۔'' مائرہ کھسیانی ہو کر مشفق کو منہ چڑھانے لگی۔

یونٹ رپورٹ کرنے کے چند روز بعد اسے GOC (جنرل آفیسر کمانڈنگ) اور بریگیڈ کمانڈر نے بلا کر خصوصی مبارکباد دی اور کوئی ہفتہ ڈیڑھ کے بعد اسے ایک سرپرائز ملا جو کسی دھماکے سے کم نہ تھا۔ اسے کہا گیا کہ اس کے خلاف انٹیلی جنس رپورٹ آئی ہے کہ وہ والد کی وفات پر جب ڈھاکہ گیا تھا تو وہاں اس نے نہ صرف شیخ مجیب الرحمان کے خاندان کے افراد سے ملاقاتیں کیں بلکہ اس کے دفتر کا دورہ بھی کیا جس پر اسے سی او کے سامنے پیش ہونا ہوگا۔ مشفق کی تو سیٹی گم ہوگئی کیونکہ اس کی اور اس کے خاندان کی حب الوطنی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی اور بالفرض اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو اسے آرمی کمیشن کے لیے ہرگز ہرگز نہ چنا جاتا۔ ویک اینڈ والی رات دو تین افسر اسے کمانڈنگ آفیسر کے سامنے پیشی کی تیاری کراتے رہے اور اسے اہم 'قانونی نکات' سے آگاہ کرتے رہے جو سوموار کو اس نے سی او کے دفتر

میں پیش ہونے پر بیان کرنے تھے۔اس کے روم میٹ اسد نے اسے اتوار کو یاد کرایا کہ وہ گلبرگ کا چکر لگا آئے تاکہ تھوڑا فریش ہو جائے لیکن مشفق کو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔اس نے میس سے جا کر مائرہ کو فون کر دیا کہ آج کچھ کام ہے شاید وہ نہ آسکے۔ مائرہ بھی اس کی فکرمندی کو بھانپ گئی اور وجہ پوچھنے لگی لیکن مشفق نے نہایت بے دلی سے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ کل بات کریگا۔اس کے ذہن میں آیا کہ اگر فوج اس کے خلاف کچھ فیصلہ کر چکی ہے تو ہر چیز فضول ہے۔صبح جو بھی فیصلہ ہوگا اس کے بعد وہ مائرہ کو صاف صاف بتا دے گا کہ وہ اس کے قابل نہیں کیونکہ وہ ایک ناکام افسر ہے سو وہ چاہے تو زندگی کا کوئی اور ساتھی ڈھونڈھ لے۔اس نے اتوار کا پورا دن نہ کچھ کھایا اور نہ کچھ پیا بس کمرے میں پڑا رہا۔

سوموار کی صبح وہ جلد تیار ہو کر ایڈ جوٹنٹ آفس پہنچ گیا۔کیپٹن اظہر اسے ہدایات دینے لگا کہ کیسے پہلے وہ خود اندر جائے گا پھر مشفق کو کمانڈ دے کر 'مارچ ان' کرایا جائے گا۔کرنل نوازش اسے پوچھیں گے کہ کیا وہ اپنا جرم قبول کرتا ہے۔یہ اس کی مرضی ہوگی کہ وہ قبول کرے یا نہ کرے۔انکار کی صورت میں سی او اس کے کورٹ مارشل کا حکم بھی دے سکتا ہے۔ مشفق کے چہرے پر بے حد مردنی چھائی ہوئی تھی اسے اپنے خوابوں کا محل مسمار ہوتا نظر آرہا تھا۔یوں لگ رہا تھا جیسے مائرہ کی نازک کلائی اس کی مضبوط گرفت سے رفتہ رفتہ کھسکتی جا رہی ہے۔جلد ہی اسے سی او کے آفس میں مارچ کرایا گیا۔مشفق نے کرنل نوازش کی میز کے سامنے رک کر سیلوٹ کیا اور ہوشیار کھڑا رہا۔سی او نے نظر اٹھائی اور پوچھا، ''سیکنڈ لیفٹیننٹ مشفق الاسلام تم پر الزامات ہیں کہ کورس پر جانے سے قبل جب تم چھٹی گئے تو تم نے عوامی لیگ کے شیخ مجیب الرحمان کے خاندان کے افراد سے نہ صرف ملاقاتیں کیں بلکہ اس کے دفتر کا دورہ بھی کیا۔ کیا تم یہ الزام قبول کرتے ہو؟''

مشفق کو اللہ نے نجانے کہاں سے اتنی جرأت دی کہ وہ نہایت اعتماد سے بولا، ''سر! مجیب الرحمان کے خاندان سے ہمارے تعلقات ضرور ہیں لیکن پاکستان مجھے اور میرے خاندان کو سب سے مقدم ہے۔''

''Are you sure? Saying with full responsibility؟'' کرنل نے زور دے کر پوچھا۔

''یس سر'' مشفق نے بھی جاندار آواز میں کہا۔

''ٹھیک ہے.... لیکن تمھیں پتہ تھا کہ آج تم میرے سامنے پیش ہو رہے ہو لیکن اس کے باوجود یونیفارم غلط پہن کر آئے ہو۔'' سی او بولا۔

''میں تو ہمیشہ وردی نہایت احتیاط سے پہنتا ہوں۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

اسے کنفیوز دیکھ کر سی او نے ایڈ جوٹنٹ سے کہا، ''اظہر! کیا مشفق نے رینک ٹھیک پہنے ہوئے ہیں؟''

''نو سر!'' کیپٹن اظہر نے فوراً جواب دیا۔ مشفق ہونقوں کی طرح کھڑا دیکھ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے اور کیا یہ سب آج ہی ہونا تھا؟

''اوکے.... مشفق کے رینک درست کرو۔''

''رائٹ سر۔'' اظہر نے اونچی آواز میں کہا اور اردلی کو آواز دی جو ایک پلیٹ میں لفٹینی کے پھول لے کر داخل ہوا۔ سی او اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور مشفق کے پاس آ کر ایک کندھے پر لیفٹیننٹ کے پھول خود سجائے اور دوسرے پر اظہر کو لگانے کو کہا۔ نئے رینک لگانے کے بعد کمانڈنگ آفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا،

''مبارک ہو ینگ مین.... تم پر مزید ذمہ داریاں آن پڑی ہیں۔ Keep it up۔''

مشفق نے سی او کو ایک سمارٹ سیلوٹ کیا اور اظہر کے ساتھ باہر نکل آیا۔ ایڈ جوٹنٹ کے دفتر میں ڈرامے کے کردار تمام افسران منتظر کھڑے تھے جنھوں نے زوردار قہقہہ لگایا اور مشفق کو مبارکباد دی۔ اگلے ہفتہ بھر مبارکبادیں بھی چلتی رہیں اور مختلف لوگ جن میں اردلی، کمپنی والے، میس والے، دھوبی، نائی سب افراد روائت کے مطابق اس سے مختلف رقوم کی چٹیں مٹھائی کی مد میں لکھواتے رہے۔ لیکن اس موقع پر کیپٹن اظہر نے اسے 'خصوصی حکم' دیا کہ وہ فی الفور یونیفارم میں ہی گلبرگ خوشخبری سنانے کے لیے جائے لیکن واپسی پر آنٹی سے روسٹ چکن ضرور بنوا کر لائے۔

مشفق کمرے میں آ کر گزشتہ دو دنوں کی صورتحال پر غور کرتا رہا کہ کیسے اسے لگ رہا تھا کہ اس کی زندگی تاریک ہو رہی تھی اور مایوسیاں گھیر رہی تھیں کہ اچانک خوشیوں نے اجالا کر دیا۔ پہلا خیال آیا کہ مائرہ کس قدر خوش ہوگی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر گلبرگ پہنچ جاتا۔ ایڈ جوٹنٹ کا حکم تھا کہ وہ یونٹ سے گاڑی پیمنٹ پر لے گا اور یونیفارم پہن کر جائے گا۔ یہ حکم تو اس کے دل کے جذبات کی

عکاسی کر رہا تھا، وہ کیسے انکار کر سکتا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ گھر پر تھا۔ منزہ نے دروازہ کھولا تو اسے یونیفارم میں دیکھ کر حیران ہوئیں۔ شش و پنج میں مبتلا اسے اندر لائیں، بٹھایا اور پوچھا، ''بیٹا کیا کسی کام سے ادھر آنا ہوا ہے؟''

اماں تو سمندر پار بیٹھی تھیں ایسے میں منزہ آنٹی اس سے بہت شفقت کرتی تھیں اس لیے بے حد پیاری تھیں۔ اس کا دل چاہا کہ وہ آج آنٹی سے بھی کوئی ویسی ہی شرارت کرے جیسی اکثر اماں سے کیا کرتا تھا۔ معصوم شکل بنا کر بولا، ''نہیں آنٹی سیدھا ادھر ہی آنا ہوا ہے۔ دراصل میرے کرنل صاحب نے آرڈر دیا تھا کہ وردی میں آپ کو رپورٹ کروں۔''

''وردی میں مجھے رپورٹ کرو.... کیوں بیٹا؟ میں سمجھی نہیں؟'' سادہ لوح منزہ نے اس کی بات دھرائی۔

اتنی دیر میں مائرہ بھی اس کی آواز سن کر آ گئی تھی۔ مشفق نے اسے مسکرا کر دیکھا اور منزہ سے بولا، ''دراصل آنٹی انھوں نے کہا تھا کہ آپ کو چیک کراؤں کہ آیا میں نے وردی ٹھیک پہنی ہے یا نہیں۔''

''بیٹا مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' کنفیوز منزہ بولیں۔

مائرہ جو اس دوران مشفق کا بغور جائزہ لے رہی تھی خوشی سے چیخی، ''ماما!!!!! مشی کی پروموشن ہو گئی ہے۔ دیکھیں تو انھوں نے لیفٹیننٹ کے رینک لگائے ہوئے ہیں۔'' مارے خوشی کے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ اس کا بس چلتا تو ایک لمحہ سے پہلے مشفق سے لپٹ جاتی۔

''ماشاءاللہ.... اللہ میرے بیٹے کو بے انتہا کامیابیاں نصیب کرے۔'' دعائیں دیتے ہوئے منزہ کی آنکھیں بھی بھر آئیں اور آواز بھی بھرا گئی، شاید انھیں حسب معمول بابر کی یاد آ گئی تھی۔ مشفق نے آگے بڑھ کر انھیں اپنے ساتھ لگایا اور تسلی دیتے ہوئے بولا، ''نہیں آنٹی صبر کرتے ہیں۔ میں بھی تو آپ کا بیٹا ہوں۔''

مائرہ ایسے موقع پر بھی شرارت سے نہ چوکی اور ہاتھ بڑھا کر مشفق کی کمر پر زور سے چٹکی بھری۔ مشفق بدکا تو منزہ نے فوراً سر اٹھاتے ہوئے کہا، ''کیا ہوا بیٹا؟ خیر تو ہے ناں؟''

مائرہ اس وقت تک دور جا کر کھڑی ہو چکی تھی۔ مشفق بولا، ''خیر ہے آنٹی.... شاید کمر کا پٹھا کھچ گیا تھا۔''

''بیٹا اپنا خیال رکھا کرو۔'' معصوم منزہ نے نصیحت کی جبکہ مشفق منزہ سے نظریں بچا کر مائرہ کو احتجاجی نظروں سے گھورنے لگا۔

یونٹ والوں نے تو اس کی پرتو موشن پر عوامی لیگ والا ڈرامہ کھیلا تھا اور وہ بھی اس لیے کہ وہ خود بتا چکا تھا کہ اس کے خاندان کے شیخ مجیب الرحمان کے گھر والوں سے نجی اور دیرینہ تعلقات ہیں۔ افسروں کو یہی ڈر تھا کہ مبادا اسے یہ بات یاد نہ آ جائے ورنہ سب چوپٹ رہ جائے گا اور یہ ان کی خوش قسمتی کہ مشفق کو آخر وقت تک یاد نہ آیا کہ یہ بات تو وہ خود سب کو بتا چکا ہے بلکہ آئی ایس ایس بی اور پی ایم اے کا کول میں جو کاغذات مکمل کیے جاتے ہیں وہ ان میں بھی اس بات کا تفصیل سے تذکرہ کر چکا ہے۔ لیکن شرارت برطرف، یہ ایک اٹل حقیقت تھی کہ گزشتہ کچھ برسوں سے مشرقی اور مغربی پاکستان میں دوریاں بڑھ رہی تھیں جس میں پاکستان کے ازلی دشمن ملک بھارت کا ہاتھ تو تھا ہی لیکن کچھ مشرقی خطے کے ساتھ مغربی پاکستان والوں کی جانب سے روا رکھی گئی زیادتیاں اور ناانصافیاں اور چند متعصب بنگالی لیڈروں کے کردار کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مجیب الرحمان کا گزشتہ چھ سات سال سے جیل آنا جانا لگا ہوا تھا۔ بھارتی اسے آزاد بنگالی ریاست کا جھانسہ دے کر کب کا شیشے میں اتار چکے تھے۔ اسی لیے جب سات برس پہلے، انیس سو اکسٹھ میں ڈھاکہ ہائی کورٹ کے حکم پر اسے رہائی نصیب ہوئی تو اس نے فوری طور پر 'سوادھن بنگلہ بپلو پی پریشد' (تحریک آزادی بنگلہ دیش کونسل) کے نام سے ایک زیر زمین نیٹ ورک تحریک قائم کرنے میں دیر نہ کی جس میں اس نے اس وقت کے چیدہ چیدہ نامور بنگالی طالبعلم راہنماؤں کو شامل کیا۔ اسی دوران مجیب کی جیل یاترا کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

بمشکل دو تین برس قبل ستمبر انیس سو پینسٹھ کی جنگ میں بھارت کو نہ صرف پاکستان کے ہاتھوں عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا بلکہ تاریخی ہزیمت بھی اٹھانی پڑی، جس پر بھارت کسی زخمی سانپ کی طرح بپھرا ہوا تھا۔ اس جنگ میں دیگر قومیتوں کے ساتھ ساتھ پاکستان کی مسلح افواج کے بنگالی افسروں اور جوانوں نے بھی شجاعت اور دلیری کے ناقابل فراموش کارنامے دہرائے اور اعزازات کے مستحق ٹھہرے۔ مشرقی پاکستان سے ہی تعلق رکھنے والے اسکواڈرن لیڈر ایم ایم عالم کا نام تو بھارتی فضائیہ اور بری فوج کے لیے دہشت کی علامت بن گیا۔ ان حالات میں بھارت کی مشرقی پاکستان میں دراندازی لازماً ہونی تھی۔ مجیب الرحمان کی صورت میں ایک کٹھ پتلی انھیں دستیاب تھی، سواسے پورے لوازمات کیساتھ اکھاڑے میں اتار دیا گیا۔ کوئی دو برس قبل، پانچ فروری انیس سو چھیاسٹھ کو مجیب نے اپنے تاریخی چھ نکات پیش کیے جن کو بنگالی قوم کی آزادی کا چارٹر بھی قرار دیا گیا لیکن محب وطن حلقوں نے اسے اساس پاکستان اور نظریہ پر ایک کاری ضرب قرار دیا۔ اس کونسل کی اٹھارہ سے بیس مارچ تک ہونے والی میٹنگ میں عوامی لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا اور مجیب کو اس کا صدر مقرر کیا گیا۔ اس نے اس سلسلے میں مشرقی پاکستان کے طول وعرض کے دورے کیے اس دوران وہ گرفتار اور رہا ہوتا رہا تاوقتیکہ آٹھ مئی انیس سو چھیاسٹھ کو اسے ایک لمبے عرصے کے لیے گرفتار کر لیا گیا اور وہ اب تک گرفتار تھا۔ حکومت پاکستان کو پاکستان توڑنے کی ایک بہت گہری سازش کا بہت دیر سے علم تھا جس میں چونتیس کے قریب بنگالی سرکاری سول ملازمین، سیاستدان اور فوج کے افسران و جوان بھی شامل تھے۔ کوئی ایک ڈیڑھ ماہ قبل ایوب خان کی حکومت نے ۳ جنوری انیس سو اڑسٹھ کو اس سازش کو باقاعدہ بے نقاب کیا جس کا مرکزی کردار شیخ مجیب الرحمان تھا۔ کرمی ٹولہ چھاؤنی ڈھاکہ میں مجیب کا کورٹ مارشل شروع ہوا۔ اس پر مشرقی پاکستان میں بڑے پیمانے پر ہڑتالوں اور جلسے جلوسوں کو ہوا دی گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب مشفق حال ہی میں کوئٹہ سے پیشہ ورانہ کورس کر کے آیا تھا اور اس کی اگلے رینک پر ترقی بھی ہو چکی تھی۔ لیفٹیننٹ مشفق کا اپنی یونٹ کے نہایت لائق ترین افسران میں شمار ہوتا تھا۔

نجانے کیا وجہ تھی کہ ایک روز مستقبل کی سوچوں میں گم مشفق کو اچانک خیال آیا کہ کیوں نہ سپیشل سروس گروپ (SSG) کے لیے اپنی خدمات پیش کی جائیں؟ یوں تو پاک فوج کا ہر محکمہ بہادری اور دلیری کا تقاضا کرتا ہے لیکن ایس ایس جی والوں کی شان ہی نرالی ہوتی ہے۔ ان کی یونیفارم خاص، سر

پر سجی میرون ٹوپی منفرد، ان کا رہن سہن، خطرات سے بھرپور زندگی، غرضیکہ وہ دوسروں سے ہر لحاظ سے منفرد نظر آتے ہیں۔ جوں جوں مشفق اس بارے سوچتا گیا، کمانڈوز میں شامل ہونے سے متعلق اس کا عزم پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا گیا۔ اس نے مائرہ سے بھی ایک روز بات کی اور اس کا مطمع نظر جاننا چاہا۔

''مجھے تو کمانڈوز ہمیشہ سے ہی بے حد پسند رہے ہیں۔ جب بوبی بھائی اکیڈیمی گئے تو میں نے انھیں بھی کہا تھا کہ آپ کو جب کمیشن ملے تو آپ گوریلا بنیئے گا۔ لیکن مُش آپ کیوں جانا چاہتے ہیں؟'' مائرہ نے سوال کیا۔

''اس لیے کہ یہ میرا خواب ہے۔ اصل زندگی تو وہی ہوتی ہے جو خطروں سے بھرپور ہو اور قدم قدم پر چیلنجز کا سامنا ہو۔'' مُش نے جواب دیا۔

''آپ کو ڈر نہیں لگے گا؟ میں تو جب انھیں پیراشوٹس کے ساتھ جہاز سے چھلانگ لگاتے دیکھتی ہوں تو میرا سانس بند ہو جاتا ہے۔''

''جب فوج میں چلے گئے تو ڈر کس بات کا؟ خطروں سے کھیلنے کا اپنا ہی مزا ہے۔''

اگلی صبح اس نے کیپٹن اظہر سے استفسار کیا کہ ایس ایس جی میں کیسے شامل ہوا جاتا ہے نیز اس کا طریقہ کار کیا ہے۔ اظہر نے اسے بتایا کہ جب بھی کمانڈوز میں نئے رضا کار مانگے جاتے ہیں تو اس سے قبل آرمی کی تمام یونٹوں میں ایک سرکلر بھیجا جاتا ہے۔ سب سے پہلے تو اسے ایک مخصوص فارم پر کر کے خود کو رضا کارانہ طور پر پیش کرنا ہوگا۔ اس کے بعد یہ کمانڈنگ آفیسر کی صوابدید پر ہے کہ وہ اس کی درخواست منظور کرتے ہیں یا نہیں۔ تاہم اس کے بعد کی منظوریاں محض رسمی ہوتی ہیں۔ پھر جی ایچ کیو سے کال آئے گی جس کے بعد ابتدائی امتحانات کے لیے جو خاصے کٹھن اور جان جوکھوں والے ہوتے ہیں اسے اٹک جانا ہوگا۔ کچھ تو وہی نہیں پاس کر پاتے اور گھر کو لوٹتے ہیں اور جو بچ جاتے ہیں وہ باقی تربیت مکمل کرنے کے لیے قسمت اور اسپیشل سروس گروپ کے حوالے کر دئے جاتے ہیں اور اس کے بعد ان کی پوسٹنگ کسی یونٹ میں ہو جاتی ہے۔ وہ زندگی بالکل الگ قسم کی اور عام فوج سے کئی گنا زیادہ مشکل اور حادثات سے بھری ہوتی ہے۔

''سر! میں ایس ایس جی کے لیے والنٹیر کرنا چاہتا ہوں۔'' مشفق نے اظہر پر انکشاف کیا۔

''کیوں بھابھی کے گھر والوں نے تمھیں لڑکی دینے سے انکار کر دیا ہے؟'' اظہر قہقہہ مارتے

ہوئے بولا۔

Sir! I am serious ''(سر میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں) آپ نے میری مدد کرنی ہے۔''

''او کے.... اگر تمھاری خواہش ہے کہ آ بیل مجھے مار تو ایسے ہی سہی۔ ڈویژن ہیڈ کوارٹرز یا جی ایچ کیو سے پتہ کرتا ہوں کہ اگلا کورس کب آ رہا ہے لیکن سی او کو تم نے خود ہی قائل کرنا ہوگا۔''

''سر میں بالکل کر لوں گا۔'' مشفق نے وثوق سے کہا اور اگلے روز 'ٹی بریک' (گیارہ بجے کی چائے کا وقفہ) پر جب سب بیٹھے تھے تو سی او نے خود پوچھ لیا کہ سنا ہے وہ ایس ایس جی میں جانا چاہتا ہے۔ اب تک مشفق یونٹ کے افسران کے مزاج اور حس مزاح سے بخوبی واقف ہو چکا تھا، سمجھ گیا کہ کیپٹن اظہر نے سی او کو خبر دے دی ہے۔ سو اس نے ہر سوال کا جواب محتاط ہو کر دیا۔ جب کرنل صاحب نے اسے کہا کہ وہ منگیتر سے این او سی لے کر آئے تو مُش سمجھ گیا کہ ایک اور شرارت اس کی منتظر ہے۔ مختصر یہ کہ تھوڑی ہنسی مذاق کے بعد سی او نے اصولی اجازت دے دی اور کہہ دیا کہ جب بھی اگلا کورس آئے تو مشفق کی درخواست بھجوا دی جائے۔ کوئی ایک ڈیڑھ ماہ بعد کورس آیا تو مشفق کی درخواست بھجوا دی گئی اور ابتدائی ٹیسٹ کے بعد اسے کمانڈو کورس کے لیے منتخب کر لیا گیا۔

مشفق گھر سے تو پہلے ہی دور تھا اب اس محبتوں کے محل، اُلفت لاج سے بھی دور ہونے جا رہا تھا اور ایسے میں اچانک اداسی نے اسے آن گھیرا۔ کورس پر روانگی کا وقت جب نزدیک آیا تو مشفق کو احساس ہوا کہ اسے گاہے بگاہے مائرہ سے دور رہنے کی قربانی دینا ہوگی اور یہ ایک دفعہ کی بات نہ ہوگی بلکہ اس سروس میں یہ سلسلہ اب تمام عمر چلتا رہے گا۔ اُلفت لاج کے سبھی مکین اس کی روانگی پر اداس تھے کیونکہ بابر کی موت کے بعد اس نے انھیں کبھی بھی اداس نہ ہونے دیا تھا۔ خاص طور پر اس نے منزہ کا بہت خیال رکھا اور ان کا ہر طرح سے دل لگائے رکھتا تھا۔ ادھر منزہ کو بھی مشفق میں بابر کی جھلک ملتی تھی اور انھیں اس سے خاص انس ہوتا جا رہا تھا۔ وہ کورس کے لیے روانگی سے ایک روز پہلے ہی گلبرگ آ گیا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ زیادہ سے زیادہ وقت گھر والوں اور خصوصاً مائرہ کے ساتھ گزارے۔ منزہ اور حمید تو رات جلد ہی سونے چلے گئے لیکن مشفق اور مائرہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ دونوں کی خواہش تھی کہ رات ختم نہ ہو اور وہ یونہی ساتھ ساتھ بیٹھے باتیں کرتے رہیں۔

''مجھے خط لکھا کریں گے ناں؟'' مائرہ نے فرمائش کی۔

''ضرور موموليکن میں تمھیں پہلے بتا چکا ہوں کہ گوریلا کورس کی تربیت کا انداز عام فوجی تربیت سے بالکل مختلف، ہنگامی اور خاصا کٹھن ہوتا ہے۔ اس میں قصداً زیرِ تربیت لوگوں کو مشکل ترین حالات میں رکھا جاتا ہے۔ اذیت سہنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ ہر ایکسر سائز میں چھوٹا موٹا زخمی ہونا تو معمولی بات ہے۔ میں وعدہ نہیں کرتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ مجھے جب بھی دو سطریں لکھنے کا وقت ملا تو تمھیں اور روبی کو چند لائنیں ضرور پوسٹ کر دیا کروں گا۔''

''اپنا خیال رکھیے گا، کہیں زیادہ چوٹیں نہ لگوا بیٹھیں۔''

''ایک مہلک چوٹ تو پہلے ہی لگ چکی ہے اب اس سے زیادہ خطرناک چوٹ بھلا کیا ہو سکتی ہے؟''

''ہیں؟؟؟....وہ کونسی چوٹ؟ کب لگی؟'' مائرہ چونک کر بولی۔

''دل پر لگی ہے ایک پونجابی (پنجابی) لڑکی نے لگائی۔'اکیتا پونجابی مایا امارا ہر دائیکے اگھا کرے چھیلا' (ایک پنجابی لڑکی نے میرا دل گھائل کر دیا تھا)۔''

مائرہ نے پہلے تو بے ساختہ مُش کے سینے پر ہاتھ مارا اور پھر مارے شرم کے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر دوہری ہوگئی ''آپ بہت خراب ہیں۔''

''تو ٹھیک کرو ناں مجھے۔''

''کرلوں گی فکر نہ کریں بس ایک دفعہ میری کمانڈ میں آ جائیں پھر دیکھیں کیا کرتی ہوں۔'' مائرہ نے پیار بھرے لہجے میں دھمکی دی۔

دونوں فجر کی اذان تک باتیں کرتے رہے۔ وہ تو منزہ نماز کے لیے اٹھیں تو انھوں نے مائرہ کو آ کر ڈانٹا کہ اسے سونے دے صبح اس نے سفر کرنا ہے۔ اگلے دن صبح گھر والوں نے اداس چہروں اور مائرہ نے نم آنکھوں سے اسے الوداع کہا۔

O

مشفق کو جو ہدایات موصول ہوئی تھیں ان کے مطابق اسے ایس ایس جی ٹریننگ سینٹر سے پہلے پشاور پیرا جمپنگ (چھاتہ برداری) اسکول میں رپورٹ کرنی تھی۔ جہاں سے انھیں تفصیلی ہدایات کے ساتھ ایس ایس جی سنٹر چراٹ روانہ کیا جانا تھا۔ پشاور میں پہلا استقبال ہی دھاکے دار لیکن گوریلا ٹریننگ کے شایانِ شان ضرور تھا۔ سب کے پہنچنے پر ان سے کاغذات لے کر انھیں سرکاری گاڑی خراب

ہونے کا مژدہ سنایا گیا اور پبلک ٹرانسپورٹ سے سفر کرنے کی سخت ممانعت، مگر چراٹ جلد از جلد پہنچنے کی تلقین بھی کر دی گئی۔ زیر تربیت افسران کو آگاہ کر دیا گیا کہ ان کا سامان سرکاری ٹرک کے ذریعے براہ راست چراٹ پہنچا دیا جائے گا اور وہ لوگ جس حالت اور جن کپڑوں، جوتوں میں ہیں انھی میں پشاور سے پیدل روانہ ہونگے، انھیں کسی قسم کی کوئی ٹرانسپورٹ استعمال کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اگر کوئی ایسا کرتا پایا گیا تو اسے فوراً سے پیشتر اس کی یونٹ واپس بھیج دیا جائے گا۔ مشفق نے اپنے جوتوں پر تو بہت بعد میں نظر ڈالی کیونکہ خوش قسمتی سے وہ بھاری ربڑ سول والے جوتے پہن کر آیا تھا، شاید یونٹ میں ہی سے کسی نے اسے ہدایت دی تھی مگر یہ دیکھ کر اس کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی کہ تقریباً نوے فیصد آنے والے افسران نے نہایت نفیس و نازک مکیشن یا ڈیزائن دار جوتے پہنے ہوئے تھے۔ اسے ان بیچارے افسروں کا انجام کچھ اچھا نظر نہیں آ رہا تھا۔

حکم ملنے پر سفر شروع ہوا۔ کون، کب اور کیسے چراٹ پہنچا، یہ تو ایک الگ داستان تھی لیکن یہ بات طے تھی کہ کوئی بھی پاؤں زخمی کرائے بغیر چراٹ نہ پہنچ سکا۔ خود مشفق کی ایڑیوں کو اس تقریباً چالیس میل سے اوپر کے سفر نے خاصا زخمی کر دیا تھا۔ ایس ایس جی سنٹر پہنچنے پر پتہ چلا کہ وہاں ایک علیحدہ ہی دُنیا آباد ہے۔ استقبالیہ سے لے کر بیرکوں تک بالکل ہی ایک الگ تھلگ دُنیا تھی جہاں سب زیر تربیت افسروں اور جوانوں کیساتھ یکساں سلوک کیا جاتا تھا۔ اسے سنٹر میں داخل ہوتے ہی اندازہ ہو گیا کہ زندگی یہاں کتنی کٹھن ہوگی لیکن ایک بات جس نے اسے حیران کیا کہ سنٹر میں موجود ایس ایس جی کے تمام افسران اور جوان اسے ہشاش بشاش چہروں کے ساتھ گھومتے پھرتے، مذاق کرتے اور اپنی ڈیوٹیاں بجا لاتے نظر آئے۔ اب اگلے سال بھر کے لیے اسے یہیں رہنا تھا اور اس دوران اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا وہ مشفق کو خود بھی معلوم نہیں تھا، ہاں البتہ وہاں کے انسٹرکٹروں اور دیگر عہدہداروں کو آپس میں معنی خیز ہنسی ہنستے اور چہ میگوئیاں کرتے دیکھ کر اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ جو بھی ہوگا کچھ زیادہ اچھا نہیں ہوگا۔ کم و بیش ایک سال تک جاری رہنے والی اس گوریلا تربیت کا آغاز اگلے روز علی الصبح ہی ہو گیا اور پھر رفتہ رفتہ مشفق اور کئی دوسرے افسر اس سخت کوش تربیت کے عادی ہوتے چلے گئے۔

چند ماہ کی تربیت کے بعد اسے احساس ہوا کہ ان لوگوں کے مزاج کی نہایت خاموشی سے ایک خاص نہج پر تربیت کی جارہی ہے۔ ایسا مزاج جو دشمن کے لیے تو نہایت سخت اور بے رحم لیکن عام زندگی میں نرم خوئی اور منکسر المزاجی پر مبنی۔ عام زندگی میں جارحانہ مزاج کا مظاہرہ کرنے اور لڑائی جھگڑے میں ہاتھا پائی کرنے والوں کے لیے تو فوج میں بھی کوئی جگہ نہیں لیکن ایس ایس جی میں تو بالکل بھی نہیں سوچا جا سکتا۔ واضح ہدایت تھی کہ پبلک مقامات پر یا عام زندگی میں نہ تو کسی معاملے میں الجھا جائے گا اور نہ ہی کسی اور قسم کی جارحیت کا مظاہرہ کیا جائے گا۔ جھوٹ کی گوریلا صفوں میں کوئی گنجائش نہیں۔ چھٹیوں کا کوئی تصور نہیں ماسوائے سرکاری چھٹیوں کے مثلاً عید وغیرہ۔ ہاں ویک اینڈ پر اگر فراغت ہو تو پشاور، پنڈی جایا جا سکتا تھا اور آخری لیکن ایک نہایت مشکل اصول کہ زیر تربیت کسی بھی افسر کو اپنی صحت بارے از خود کوئی فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ کوئی یہ نہیں کہے گا کہ وہ بیمار ہے، پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے ہیں، سر درد ہے، چلا نہیں جا رہا، شدید بخار ہے وغیرہ وغیرہ۔ کسی بھی زیر تربیت افسر کی صحت بارے جو بھی فیصلہ کرنا ہوگا وہ حکام کریں گے اور اگر وہ کہیں گے کہ افسر ٹھیک ہے تو افسر کو باوجود لنگڑانے کے اور ایک سو تین بخار کے ساتھ بھی چھتیس میل بمعہ اسلحہ اور جھولے کے بھاگنا بھی ہوگا اور ڈیڑھ دو سو میل کا لانگ مارچ بھی کرنا ہوگا۔ مشفق نے اس کا عملی مظاہرہ گوریلا جنگ کے ذیلی کورس میں بھی دیکھ لیا تھا اور تین سو میل کے لانگ مارچ میں بھی۔ اور مزید کوئی شک وشبہ تھا تو وہ چھاتہ برداری کے کورس کے دوران پورا ہو گیا جب پہلے سے لگی ایک شدید چوٹ کے باوجود اسے اپنے سامان سمیت آخری چھلانگ ایک تاریک رات کو لگانی پڑی۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ اکثر زیر تربیت افسر پانی کی ٹریننگ کے دوران ڈیپریشن اور اداسی کا شکار ہو جاتے تھے لیکن مشفق وہ واحد افسر تھا جس نے پاکستان کی ایک بہت بڑی جھیل میں ہونے والا یہ مشکل ترین اور خطرناک کورس نہ صرف ہنسی خوشی کیا بلکہ اس میں اول پوزیشن بھی حاصل کی۔ جب اس کے ساتھیوں اور چند انسٹرکٹرز نے وجہ پوچھی تو اس نے انھیں بتایا کہ ڈھاکہ کا رہنے والا ہے جو ایک ایسا شہر ہے جو چھ دریاؤں تنگی کھل، بالو، ستیہ لکھیا، تورغ، ڈھلیشوری اور بوڑھی گنگا میں گھرا ہوا ہے۔ اتنا شاید وہ کبھی گھر پر نہ نہایا ہو جس قدر تیرا کی اس نے بوڑھی گنگا میں کر چھوڑی تھی اسی لیے اس دریا سے اسے بے حد انس رہا۔ ڈھاکہ سے تھوڑی دوری پر واقع دریاؤں میں سے اسے میگھنا بے حد پسند تھا۔ یہی وجہ

تھی کہ کورس کے تیراکی والے حصے سے مشفق بے حد محظوظ ہوا۔

کورس کے دوران اسے لاہور اور ڈھاکہ خط لکھنے کے بمشکل دو یا تین مواقع میسر آئے جبکہ فون پر بات وہ صرف لاہور اور وہ بھی ایک مرتبہ کر سکا۔ اس کال کے لیے بھی اسے ویک اینڈ پر پشاور جانا پڑا۔ لاہور بات کرنے کے دوران ہی اسے ڈھاکہ کی خیریت معلوم ہوئی اور یہ بھی کہ روبی امید سے تھی۔ مائرہ کا روبی سے باقاعدہ رابطہ تھا اور وہ خیر خبر لیتی رہتی تھی؛ یہ جان کر مشفق کو مائرہ پر بے حد پیار آیا۔ کورس دن بدن اختتامی مراحل کی جانب رواں دواں تھا اور یہ بات مشفق کے لیے خاصی حوصلہ طلب تھی کہ اس کے بعد نہ صرف اس کی پوسٹنگ کسی کمانڈو یونٹ میں ہو جائے گی بلکہ جلد ہی اس کی بطور کپتان ترقی کا وقت بھی آ رہا تھا۔

ایک روز اس کے ساتھ کورس کرنے والے بلوچ رجمنٹ کے ایک افسر نے اسے چونکا دینے والی خبر دی اور بتایا کہ مشفق کی یونٹ چٹا گانگ جا رہی ہے۔ جب مشفق نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا کہ اسے کیسے معلوم ہوا تو اس نے بتایا کہ دراصل اس کی یونٹ چٹا گانگ سے مشفق کی پنجاب رجمنٹ کی جگہ لاہور آ رہی ہے۔ یہ خبر مشفق کے لیے بیک وقت باعث خوشی بھی تھی اور اداسی بھی لیکن فوج کے بعد سپیشل سروس گروپ کی ٹریننگ نے اسے یہ بات خوب سمجھا دی تھی کہ جس حال میں ہو اسی میں مست رہنا چاہیے اور زیادہ توقعات بھی نہیں لگانی چاہییں۔ اس کی دلچسپی بس اب اس بات میں تھی کہ کورس میں کامیابی کے بعد اسے کس کمانڈو بٹالین میں بھیجا جاتا ہے۔ اس کا پورا دھیان اور انہماک کورس میں اعلیٰ پوزیشن حاصل کرنے کی جانب تھا۔ واقعی یہ ایک ایسا سخت کوش کورس تھا جس نے اسے کسی چٹان کی مانند سخت کر دیا تھا۔ اللہ اللہ کر کے کورس مکمل ہوا۔ مشفق انتھک محنت کے باوجود پہلی پوزیشن تو حاصل نہ کر سکا لیکن دوسرے نمبر پر ضرور رہا اور یہ بھی کم اعزاز نہ تھا۔ چند افسروں کی پوسٹنگ مختلف کمانڈو بٹالینز میں ہو گئی جبکہ باقی کو واپس ان کی یونٹوں میں یا پھر مختلف ہیڈکوارٹرز میں پوسٹ کر دیا گیا۔ ایس ایس جی کی وردی لیفٹیننٹ مشفق پر خوب کھل رہی تھی، خصوصاً چھاتی پر لگے گوریلا ونگ کی نرالی شان تھی۔ مُشفق کی تعیناتی جس کمانڈو بٹالین میں ہوئی وہ اٹک قلعہ میں تھی اور کورس کے اختتام پر انھیں ایک ہفتہ کی چھٹی بھی دی گئی۔ اور مشفق کو علم تھا کہ اس نے یہ چھٹیاں کہاں گزارنی ہیں۔

اُلفت لاج والے نہایت بے چینی سے اس کے منتظر تھے لیکن مائرہ کی حالت دیدنی تھی۔ سب نہایت تپاک اور محبّت سے ملے۔ مائرہ کے بس میں ہوتا تو وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس کے پاس سے نہ اُٹھتی۔ اسے اس وقت تک چین نہ آیا جب تک اس نے مُش سے کورس سے متعلق معمولی سے معمولی تفصیل نہ حاصل کر لی۔ اس نے مُش سے وردی پہننے کی فرمائش بھی کی۔

''مجھے ایس ایس جی کی وردی پہن کر دکھائیے۔ دیکھوں تو میرا ہیرو اس یونیفارم میں کیسا لگتا ہے۔'' مائرہ شرارت سے آنکھ میچتے ہوئے بولی۔

''اگر میں تمھارا ہیرو ہوں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں نے ایس ایس جی کی یونیفارم پہنی ہے یا پنجاب رجمنٹ کی، یا پھر میں سول لباس میں ہوں؟''

''مگر میں دیکھنا چاہتی ہوں کیونکہ گوریلا کی وردی تو فوج کی دوسری یونیفارمز سے بالکل الگ تھلگ ہے۔''

''چلو ایک آدھ دن میں پہن کر دکھا دوں گا۔ بس یونٹ سے ایک، دو دن میں کاغذات لے کر فارغ ہو جاؤں۔ دراصل سرکاری کاغذات اور شناختی کارڈ وغیرہ کے لیے یونیفارم میں فوٹو کی ضرورت بھی ہے۔ بھٹی فوٹوگرافرز کی تعریف سنی ہے، ان سے کھنچوانے جاؤں گا۔''

''میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔''

''تمھارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟ اللہ کا خوف کرو۔ کیوں مجھے انکل آنٹی سے جوتے پڑوانے ہیں؟''

''کوئی کچھ نہیں کہے گا.... میں بابا سے خود اجازت لوں گی۔ ہم بس تصویر کھنچوانے جائیں گے۔ ہاں اگر آپ نے آئس کریم بھی کھلا دی تو انکار نہیں کروں گی۔'' مائرہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''مجھ پر رحم کرو۔ یہ دیکھو میرے بندھے ہاتھ۔'' مُش اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

''جو مرضی کہہ لیں یہ میرا اٹل فیصلہ ہے، ورنہ میں آپ سے کبھی بات نہیں کروں گی۔''

''اچھا بابا چلی جانا۔ ناراض مت ہو۔'' مشفق نے اس کی ضد کو بچپنا تصور کرتے ہوئے محض اس لیے ہاں کر دی کہ کہاں یہ لڑکی پوچھتی پھرے گی اور بالفرض پوچھ بھی لیا تو کون اجازت دے گا۔ مائرہ اس کی رضامندی پر خوش ہو کر بچوں کی طرح تالیاں بجانے لگ گئی۔

اگلے دو تین روز مشفق اپنی پلٹن میں مصروف رہا۔ یونٹ کے افسروں اور جوانوں سے ایس ایس جی میں جانے پر اور اچھی پوزیشن حاصل کرنے پر مبارکبادیں وصول کیں۔کوئی بھی اسے یہ خبر دینا نہ بھولا کہ یونٹ چٹا گانگ (مشرقی پاکستان) جا رہی ہے۔سب کے لیے اس کا ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ سارا پاکستان ہی میرا گھر ہے۔ایک روز سب یونٹ کے میس میں بیٹھے چائے پی رہے تھے تو میجر غازی نے جس کا تعلق لائلپور سے تھا اور جو بے پناہ حس ظرافت رکھتا تھا یہی بات ذرا مذاق میں کہی،

''مُش! بڈی ہم تمھارے گھر مشرقی پاکستان جا رہے ہیں۔ افسوس کہ تم نہیں جا رہے۔ ہم تمھیں بہت مس کریں گے۔''

''فکر نہ کریں سر۔ ویسے تو سارا پاکستان ہی میرا گھر ہے لیکن اگر آپ مشرقی پاکستان کو میرا گھر کہنے پر تلے ہیں تو یہ مت بھولیں میری ہونے والی بیگم کا تعلق لاہور سے ہے۔ اس لحاظ سے مغربی پاکستان میرا سسرال ہے۔آپ بے فکر ہو کر جائیں میں سسرال کا بھی گھر کی طرح خیال رکھوں گا۔''

چند لمحوں کے لیے تو ٹی بار پر سناٹا چھا گیا مگر اس کے بعد اس زور کا قہقہہ پڑا کہ اللہ کی پناہ۔ وہ میجر غازی جو کبھی کسی کو بات نہ کرنے دیتا تھا، بالکل جھینپ کر رہ گیا۔

'' I didn't know you are so damn witty? (مجھے علم نہیں تھا کہ تم بلا کی حس مزاح رکھتے ہوئے)۔'' جواب سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کمانڈنگ آفیسر نے حیران ہو کر کہا۔

اس کی چھٹی ختم ہونے سے تین روز قبل اس کی یونٹ کے افسران نے اس کی Dinning Out (الوداعی عشائیہ) کی جبکہ اسی روز دوپہر کو اس کی 'چارلی کمپنی' نے اسے روائتی بڑا کھانا دیا جہاں اسے زندگی میں پہلی دفعہ جوانوں کے ساتھ پنجابی لڈی ڈانس بھی کرنا پڑا جس سے سب لطف اندوز ہوئے۔آفیسرز میس کا ڈنر بھی بے حد یادگار تھا جہاں اسے یادگاری شیلڈ بھی دی گئی۔

مشفق نے یونٹ سے فراغت حاصل کی تو اسے مائرہ نے آن گھیرا اور اس کا وعدہ یاد کرایا۔ اس نے بھی جان چھڑانے کے لیے کہہ دیا کہ اجازت لے لو تو چلتے ہیں۔ شام کو سب لان میں بیٹھے تھے۔ چائے کے دور کے ساتھ خوش گپیاں بھی جاری تھیں کہ مائرہ نے بات چھیڑی۔

''بابا! وہ مشفق نے اپنی کمانڈو یونیفارم میں تصویر کھنچوانی تھی؟''

''تو ضرور کھنچوائے، یقیناً ضرورت ہوگی۔ گاڑی کی ضرورت ہے تو مجھے صبح سٹور پر اتار کر لے

جائے۔ اور بھی جو کام کرنے ہیں کر لے۔"

"مگر بابا وہ.... دراصل، میں ناں...." مائرہ بات کھینچ رہی تھی کہ حمید بات کاٹ کر بولے،

"وہ، وہ کیا لگا رکھی ہے؟ کھل کر بات کرو میری جان۔"

"بابا! وہ نہ میری خواہش تھی کہ میں بھی مشفق کے ساتھ چلی جاؤں اگر آپ کی اجازت ہو تو؟"

"ہاں ہاں.... چلی جاؤ مگر اسے پریشان نہ کرنا اور فوراً واپس آنا۔" حمید نے کمال مہربانی سے اجازت دے ڈالی۔ ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی اور منزہ اور مشفق ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے مگر مشفق نے جلد ہی نظریں چرا لیں جیسے اس نے کوئی چوری کی ہو۔ مائرہ فوراً اُٹھی اور حمید کی کرسی کی پشت پر جا کر والہانہ انداز میں ان کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے بولی:

"میرے پیارے بابا، میری جان باباI love you۔"

مشفق بظاہر تو حیران اور خاموش تھا لیکن اس کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ وہ تصور ہی تصور میں مائرہ کو لیے مال روڈ پر گھومنے نکل گیا اور واپسی تب ہوئی جب مائرہ نے اسے جھنجھوڑا، "ہیلو.... ہیلو جناب کہاں پہنچ گئے ہیں؟ واپس آ جائیں۔" خیالات کا تسلسل ٹوٹا تو اسے علم ہوا کہ وہ اور مائرہ اکیلے لان میں بیٹھے ہیں جب کہ حمید اور منزہ اسے دور اندر جاتے نظر آئے۔

منزہ نے اندر آتے ہی حمید پر سوال داغا، "سنیں جی یہ آپ نے کیا دھماکہ کر دیا مائرہ کو مشفق کے ساتھ جانے کی اجازت دے کر؟"

"کیوں؟ کیا کچھ غلط کر دیا؟ اگر ایسا ہے تو منع کر دو اسے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"نہیں نہیں.... بات یہ ہے کہ مجھ سے تو ایسی اجازت کی توقع رکھی جا سکتی تھی لیکن آپ کے مزاج سے یہ میل نہیں کھاتی۔"

"بیگم! دو باتیں ہیں۔ پہلی تو یہ کہ دونوں ماشاءاللہ بالغ اور سمجھدار ہیں اچھے برے کی تمیز رکھتے ہیں۔ میں نے ایک دُنیا دیکھی ہے اور کاروبار میں تو رنگ رنگ کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ مجھے مشفق کو سمجھنے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی وہ ایک اچھے اور شریف گھرانے کا لڑکا ہے اور اچھا خون ہے۔ وہ کبھی ہمارے اعتماد کو دھوکہ نہیں پہنچا سکتا اور دوسری بات کہ ہم ان کی سگائی کر چکے ہیں اور چند ماہ تک وہ ہمیشہ کے لیے ایک ہو جائیں گے۔ اس دوران اگر انھیں ساتھ گھومنے پھرنے کے مواقع ملتے ہیں تو اچھی

بات ہے۔ وہ ایک دوسرے کو بہتر انداز میں سمجھ جائیں گے۔''

''آپ نے تو سب کچھ کہہ کر میرے تمام تفکرات دور کر دیئے۔'' منزہ نے یہ کہتے ہوئے حمید کے کاندھے پر سر رکھ دیا۔

''واہ آج تو آپ بہت رومینٹک ہو رہی ہیں؟ دیکھ لیں....نہ تو میں وحید مراد رہا ہوں اور نہ آپ شمیم آرا۔'' حمید نے چھیڑا۔

○

اگلے روز صبح دونوں بہت جلدی تیار ہو گئے۔ مائرہ کی پھرتیوں سے تو لگتا تھا جیسے وہ رات کو سوئی بھی نہیں ہوگی۔ ناشتے کے بعد وہ حمید کو ساتھ لے کر نکلے اور انھیں سٹور پر اتارا۔ اس بار شرارت کی باری حمید کی تھی جو کہنے لگے، ''بیٹا جی مشفق تمھارا ڈرائیور تو نہیں ہے جو تم پیچھے بیٹھی ہو؟''

''وہ بابا دراصل آپ آگے بیٹھے ہوئے تھے ناں۔'' گڑبڑاتی ہوئی مائرہ کو اور کوئی جواب نہ سوجھا۔

''لیکن میں تو اتر چکا ہوں؟ کیا ہمارا بیٹا یہاں سے اگلی سیٹ خالی لے کر جائے گا؟'' حمید مسکراتے ہوئے بولے تو شرم سے بیر بہوٹی بنی مائرہ اتر کر اگلی سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی اور وہ فوٹوگرافر کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں مشفق نے اسے چھیڑا، ''مجھے اکیلا دیکھ کر تو بہت شیر بنتی ہو، آج کیا ہو گیا تھا انکل کے سامنے؟''

''وہ میرے بابا ہیں مُشی۔''

''تو میں بھی تو تمھارا ہونے والا مجازی خدا ہوں۔'' مُش نے لقمہ دیا۔

''آپ کی بات اور ہے۔''

''اچھا جی ہماری باری آئی تو بات اور ہو گئی؟ واہ مولا تیری شان۔''

دونوں مسکراہٹیں بکھیرتے ہوئے فوٹوگرافر کے اسٹوڈیو پر گئے اور مشفق نے یونیفارم تبدیل کر کے تین چار تصویریں کھنچوائیں۔ جب وہ فارغ ہوا تو فوٹوگرافر نے تجویز پیش کی کہ سرایک میڈیم کیساتھ بھی ہو جائے، جس پر مشفق نے کہا کہ دُعا کریں اس کے لیے بھی آؤں لیکن فی الحال اس کا وقت نہیں آیا۔ جہاندیدہ فوٹوگرافر فوراً اس کی بات سمجھ گیا اور معذرت کر لی۔ وہاں سے واپس نکلے تو راستے میں مائرہ نے خاموشی توڑی۔

''ایک بات کہوں مُشی؟''

''ہاں کہو کہو۔''

''میں نے ہمیشہ آپ کی بے پناہ عزت کی ہے لیکن آج سے تو آپ کو پوجنے کا دل چاہ رہا ہے۔''

''کیوں میں نے ایسا کیا کر دیا بھئی؟''

''جب ہم گھر سے چلے تو میرا خیال تھا کہ آپ اپنی تصویریں کھنچوانے کے بعد ہم دونوں کی اکٹھی تصویر کی بھی فرمائش کریں گے اور میں پریشان تھی کہ میں آپ کو کیسے انکار کروں گی کیونکہ ایسا کرنا ہرگز مناسب نہ ہوتا، مگر وہاں آپ نے اس تجویز کو رد کر کے مجھے اپنا اور گرویدہ کر لیا ہے۔''

''میں نے کوئی انوکھی بات نہیں کی مومو۔ ابھی ہمارا کوئی حق نہیں کہ ہم ایسے بے باکانہ قدم اٹھائیں۔ان کے لیے ساری زندگی پڑی ہے۔''

'' I really love you Mushi and I mean it (مشی میرا یقین کریں کہ میں آپ کو دل سے چاہتی ہوں)''۔

'' I love you too sweetheart (میری جان میں بھی تمھیں دل سے چاہتا ہوں)۔''

دونوں نے ریستوران میں رک کر اپنی اپنی پسند کی آئسکریم بھی کھائی اور خوب باتیں بھی کیں۔ وہاں سے نکلنے کے بعد مشفق نے لبرٹی میں بوتیک کے سامنے گاڑی کھڑی کر کے اسے چونکا دیا۔

''ہم نے گاڑی یہاں کیوں پارک کی ہے؟'' مائرہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

''میری خواہش ہے کہ میری ہونے والی جیون ساتھی میری تنخواہ سے اپنی پسند کا سوٹ خریدے۔''

''نہیں مُشی.... ماما ناراض ہوں گی۔''

''میں انھیں ناراض ہونے کی نوبت ہی نہیں آنے دوں گا اور خود بتاؤں گا کہ میں نے خواہش کی تھی۔ ویسے بھی ایک سوٹ میں نے ان کے لیے اور انکل کے لیے ڈریس شرٹ بھی خریدنی ہے۔''

''آپ کیا چیز ہیں؟ اتنی چھوٹی سی عمر میں بڑے بڑے کام کرتے ہیں اور بڑا بڑا سوچتے ہیں آپ۔''

دونوں شاپنگ کرنے کے بعد حمید کے سٹور کی جانب روانہ ہوئے۔ راستے میں مشفق بولا، ''اب کمانڈر انچیف کو رپورٹ کرتے ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' مائرہ جو کچھ نہ سمجھی تھی بولی۔

''مطلب انکل کو لیتے ہیں۔ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔ انھیں بھی پتہ چلے کہ ہم اچھے بچے ہیں دیر تک آوارہ گردی کرنے کے قائل نہیں اور کھانا گھر پر اکٹھے کھائیں گے۔''
سٹور پر اتر کر مُش حمید کو لینے اندر چلا گیا جونہی وہ باہر نکلے تو مائرہ باپ کو دیکھ کر اتر کر پچھلی سیٹ پر چلی گئی۔

''کھنچوالیں تصویریں؟ کیسی رہی آؤٹنگ۔'' حمید نے استفسار کیا۔

''جی انکل کھنچوا لی ہیں۔ آئسکریم بھی کھائی۔ ہمیں گاڑی دینے کا بہت شکریہ۔'' مشفق نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''اور خوب شاپنگ بھی کی۔'' باخبر حمید نے پچھلی سیٹ پر اچٹتی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''جی انکل میری خواہش تھی کہ آپ کے اور آنٹی کے لیے کچھ لوں پھر سوچا مائرہ کو کچھ نہ ملا تو لڑائی کریگی۔'' مُش نے فی البدیہہ بہانہ گھڑا۔

''ہاں اس کو خرید کر دینا ضروری تھا، ہم بوڑھوں کی تو خیر تھی۔'' جہاندیدہ حمید نے مسکراتے ہوئے کہا جیسے دل میں کہہ رہے ہوں کہ بیٹا جس کالج سے تم نے تعلیم حاصل کی تھی، میں وہاں کا پرنسپل رہ چکا ہوں۔ منزہ نے بھی مشفق کے جذبے کو بے حد سراہا۔ آج مشفق کا لاہور میں آخری دن تھا۔ سب گھر والوں نے زیادہ وقت اکٹھے گزارا لیکن مائرہ حسب معمول اداس تھی۔ اس نے رات دیر تک مُش کو جگائے رکھنے کے ساتھ ساتھ سامان پیک کرنے میں بھی اس کی مدد کرتی رہی۔ اگلی صبح مشفق اٹک اپنی نئی تعیناتی کے لیے روانہ ہو گیا لیکن جانے سے پہلے وہ حسب عادت اپنے عزیز دوست بابر مرحوم کی آخری آرامگاہ پر فاتحہ کہنا نہ بھولا۔ ویگن لاہور سے روانہ ہوئی تو نجانے کیوں اس کے دل میں خیال آیا کہ اب وہ لاہور مائرہ کو بیاہنے ہی آئے گا۔

مشرقی پاکستان میں سیاسی حالات دن بہ دن خراب ہوتے جا رہے تھے اوران کا اثر واضح طور پر مغربی پاکستان پر بھی دیکھا جاسکتا تھا جہاں پاکستان پیپلز پارٹی ذوالفقار علی بھٹو کی رہنمائی میں ایک نئی سیاسی قوت اور حکومت مخالف پارٹی کے طور پر ابھر رہی تھی۔ بھٹو نے ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد معاہدہ تاشقند کو ایک مشکوک معاہدہ کے طور پر پیش کیا اور لوہا گرم دیکھ کر ایوب خان کی حکومت سے علیحدگی اختیار کر لی، جس سے اسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی اور یہی وہ چاہتا تھا۔ وہ ایک عرصہ تک تاشقند کی بلی کو تھیلے میں لیے لیے پھرتا رہا اور پھر ایک وقت آیا کہ اسے اس کی ضرورت ہی نہ رہی۔ بات مشرقی پاکستان کے حالات کی ہو رہی تھی جو روز بروز بگڑتے جا رہے تھے اور ایسے میں پیپلز پارٹی سمیت مغربی پاکستان کی کئی اور اپوزیشن سیاسی جماعتوں نے بھی عوامی لیگ کا ساتھ دیا اور ملک کے دونوں حصوں میں سیاسی جلسے جلوسوں، ہڑتالوں اور طلبا تحریکوں کا طوفان کھڑا کر دیا جن کے ذریعے اگرتلہ سازش کیس کی واپسی اور شیخ مجیب الرحمان کی رہائی کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ ایوب حکومت دن بدن کمزور پڑتی جا رہی تھی سو نتیجتاً ۲۲ فروری ۱۹۶۹ء کو ایوب خان اگرتلہ سازش کیس واپس لینے کے ساتھ ساتھ مجیب الرحمان کی رہائی کا پروانہ بھی جاری کر چکا تھا۔ اگلے ہی روز ڈھاکہ کے ریس کورس گراؤنڈ میں لاکھوں کے مجمع میں اسے بنگلہ بندھو کا خطاب دیا گیا۔ مجیب الرحمان روز بروز دلیر سے دلیر تر ہوتا جا رہا تھا اور سب اپوزیشن جماعتوں کے ایکا کرنے کے موجب ایوب خان کی حکومت کمزور سے کمزور پڑتی جا رہی تھی۔

مشفق کو یہ سب خبریں بے حد پریشان کر رہی تھیں۔ ملک کی سلامتی کے ساتھ ساتھ وہ ڈھاکہ میں اپنے خاندان کی خیریت کے بارے میں بھی خاصا متفکر تھا۔ اگرچہ مجیب الرحمان اور اس کے خاندان کی حد تک تو فکر کی کوئی بات نہ تھی لیکن ڈھاکہ کا ہر بنگالی تو انھیں نہیں جانتا تھا۔ اس کی کوشش ہوتی کہ وہ زیادہ سے زیادہ گھر فون کر لیا کرے۔ کمانڈو یونٹ کا ماحول بے حد دوستانہ تھا اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ خطروں کے کھلاڑی ہونے کی بنا پر یہ سب ایک دوسرے کی بے پناہ عزت کرتے تھے۔ دوستی اور تعلق کے حوالے سے گوریلے، عام فوجی سپاہی سے چار ہاتھ آگے ہی ہوتے ہیں اور اس کی بنیادی وجہ ان کے مشن کی نوعیت اور اسے مکمل کرنے کا طریقہ ہوتا ہے جس میں یہ ایک دوسرے کے بے انتہا قریب ہوتے ہیں۔ مشرقی پاکستان کے مخدوش حالات کے تناظر میں گاہے بگاہے مختلف خبریں اڑنی شروع ہوئیں جنھیں فوج کی عام زبان میں 'لنگر گپ' کہا جاتا ہے۔ فوج میں کہا جاتا ہے کہ ہر لنگر گپ کے پیچھے تھوڑی بہت حقیقت ضرور موجود ہوتی ہے۔ لیکن ایک خبر ایسی تھی جس نے بٹالین میں سب کو چوکنا کر دیا کیونکہ مشرقی پاکستان کے حالات کے تناظر میں اس خبر یا لنگر گپ کے درست ہونے کے امکانات خاصے روشن تھے۔ اس بارے میں شکوک اور بھی بڑھے جب اس لنگر گپ نے تواتر سے یونٹ کے میس اور لائنوں میں گردش کرنا شروع کی۔ یہ خبر ان کی کمانڈو بٹالین کی کچھ نفری کے مشرقی پاکستان جانے کی تھی۔ اس خبر سے ایک نتیجہ تو یہ اخذ کیا جا سکتا تھا کہ مشرقی پاکستان میں چونکہ بھارتی حکومت اور را کا اثر رسوخ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے سو اس کا فی الفور توڑ کرنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ تاہم اس سلسلے میں ہنوز کوئی مصدقہ اطلاع نہیں ملی تھی لیکن مشفق کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ خبر سچ ثابت ہو کر رہے گی۔

جلد ہی یہ خبر سچ ثابت ہو گئی اور سرکاری احکامات کے مطابق بٹالین کی ایک کمپنی کو بہت جلد ڈھاکہ جانا تھا اور اتفاق سے وہ مشفق والی کمپنی تھی۔ یہ ۱۹۶۹ء کا وسط تھا جن دنوں وہ مشرقی پاکستان جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ انھی دنوں مشفق کو اپنے اگلی پروموشن کی خوشخبری ملی۔ ایس ایس جی والوں نے اپنے منفرد انداز میں اسے کپتانی کے رینک لگائے۔ اپنا کندھا بھاری دیکھ کر مشفق خود کو مزید ذمہ دار سمجھنے لگا۔ اس نے ڈھاکہ فون کر کے اماں کو تو یہ خوشخبری فوراً سنا دی تھی لیکن اس کی خواہش تھی کہ لاہور وہ خود جا کر یہ خوشخبری سنائے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر بہادر اور رومان پسند مرد کی طرح اس کی بھی خواہش تھی کہ وہ اپنی محبّت کے فوری تاثرات اور ردِ عمل نوٹ کرے۔ مشفق نے چند روز کی چھٹی

لی اور پہلی فرصت میں لاہور روانہ ہوا۔ وہ لاہور کا باسی نہیں تھا لیکن اسے لاہور سے انس سا ہو گیا تھا۔ ایک وجہ تو مائرہ کی محبت تھی ہی لیکن لاہور کی اپنی بھی کوئی نادیدہ مخصوص کشش تھی جو بیان نہیں کی جاسکتی اور جو ہر غیر لاہوری کو اپنا گرویدہ کر لیتی ہے۔

اتنے قلیل عرصہ میں اسے بھی لاہور کی مشہور کھانے پینے والی جگہوں کی اچھی خاصی پہچان ہو چکی تھی چنانچہ اُلفت لاج اترنے سے پہلے وہ نرالا سویٹ کی مٹھائی لینا نہ بھولا۔ مشفق کی اچانک آمد گھر والوں کے لیے حیران کن اور باعث مسرت تھی۔ تھوڑی دیر میں حمید بھی پہنچ گئے اور اُلفت لاج قہقہوں سے گونج اٹھی۔ چائے پر منزہ نے طریقے سے پوچھا، ''بیٹا خیریت سے آنا ہوا؟ اور یہ مٹھائی....؟ کیا ڈھاکہ سے کوئی خوشخبری آئی؟''

''جی آنٹی بالکل خیریت۔'' پھر مائرہ کی طرف شرارت سے دیکھتے ہوئے بات مکمل کی، ''ڈھاکہ کی خبریں تو مجھ سے پہلے آپ تک پہنچتی ہیں۔''

منزہ اور حمید دونوں نے بات کی تہہ تک پہنچتے ہوئے ایک ساتھ فلک شگاف قہقہہ لگایا جبکہ مائرہ کھسیانی ہو کر چوری چوری مشفق کو آنکھیں دکھانے لگی۔

''آپ سو دفعہ آؤ بیٹا، آپ کا اپنا گھر ہے لیکن یوں اچانک آنے پر تھوڑی حیرت ہوئی۔'' منزہ نے محتاط ہو کر اپنے سوال کو مزید نرم کیا۔

''جی آنٹی دراصل یونٹ ڈھاکہ جا رہی تھی تو سوچا جانے سے پہلے آپ لوگوں سے مل لوں۔'' مشفق نے اصل خبر اب بھی چھپالی۔

''یعنی یہ یونٹ بھی مشرقی پاکستان جا رہی ہے؟'' خاموش مائرہ نے لقمہ دیا، ''ایک ایک کر کے لیجانے کی بجائے آپ ایک ہی دفعہ پورا جی ایچ کیو کیوں نہیں لے جاتے وہاں؟''

''بیٹا کبھی تو ڈھنگ کی بات کیا کرو۔'' منزہ نے مائرہ کو ڈانٹا۔

''اور دوسری خبر آپ لوگوں کو یہ دینی تھی کہ آپ کا بیٹا اللہ کے فضل سے اب کیپٹن بن گیا ہے۔''

''ماشاءاللہ! بہت بہت مبارک ہو۔'' منزہ اور حمید ایک ساتھ بول اٹھے۔ مائرہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فوراً مشفق سے لپٹ جاتی۔

''یونیفارم ساتھ لائے ہیں؟'' مائرہ نے اگلا سوال داغا۔

''نہیں یونیفارم تو نہیں لیکن شرٹ لے کر آیا ہوں۔ مجھے علم تھا کہ تمھیں یقین نہیں آئے گا۔'' مُش نے ہنستے ہوئے جملہ کسا۔

''یا اللہ! اس لڑکی کو کب عقل آئے گی۔'' منزہ ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولیں۔

''کیا پتہ کسی اور آفیسر کی اٹھا لائے ہوں۔ لائیں مجھے دکھائیں کدھر ہے۔'' مائرہ ماں کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بولی۔

''اندر بیگ میں پڑی ہے جاؤ دیکھ لو۔'' مُش ہنستے ہوئے بولا اور مائرہ ماں کے روکنے کے باوجود اٹھ کر اندر چلی گئی۔ حمید اس تمام دلچسپ گفتگو کے دوران سر نیچا کیے زیر لب مسکراتے رہے۔

''بیٹا! یہ ایسی ہی ہے اس کی کسی بات کا برا نہ ماننا۔ دراصل بابر نے اسے بہت سر چڑھایا ہوا تھا۔'' منزہ صفائی پیش کرتے ہوئے بولیں۔

''ارے نہیں آنٹی.... میں بالکل بھی برا نہیں مانتا۔ میں نے بھی روبی کو کچھ اسی طرح کا ہی مان دیا ہے۔ مجھے یہ سب اپنائیت کی جھلک دکھلاتا ہے۔ ہم ایک خاندان ہیں اور میں بھی آپ ہی کا بیٹا ہوں تو پھر یہ آپ جناب والے تکلفات کیسے؟''

ابھی وہ سب باتیں کر ہی رہے تھے کہ مائرہ، مشفق کی یونیفارم کی شرٹ جس پر کیپٹن کے رینک کے ستارے جگمگا رہے تھے اپنے سفید سوٹ کے اوپر پہنے لاؤنج کے دروازے میں آن کھڑی ہوئی اور بولی، ''ہیلو لیڈی اینڈ جنٹلمین! کیپٹن مائرہ آپ کے سامنے ہے۔'' اور ساتھ میں نہایت معصوم انداز میں ہاتھ اٹھا کر سیلوٹ کر دیا۔

''یا اللہ! اس لڑکی کا دماغ تو نہیں چل گیا؟'' منزہ بولیں۔

مشفق کی تو جیسے دل کی دھڑکن بند ہوگئی ہو۔ وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ ایک تو اللہ نے مائرہ کو حسن ہی بے پناہ عطا کیا تھا اور اوپر سے سفید کپڑوں پر ایس ایس جی کی شرٹ میں وہ آسمان سے اتری کسی دیوی سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ مشفق کے بس میں ہوتا تو وہ اسے اپنی بانہوں میں چھپا لیتا۔ ایک دم چونک کر بولا، ''ارے ارے آنٹی مت ڈانٹیے۔ مجھے اجازت ہے کہ میں اس نقلی کپتان کی ایک تصویر بنا لوں؟'' اس نے خوبصورت بہانہ تراشا۔

''بالکل بیٹا! کیمرہ ہے تو بنا لو۔'' حمید نے ہنستے ہوئے حوصلہ افزائی کی تو مشفق ایک لمحے سے پہلے بجلی کی سی سرعت سے اٹھا اور اندر سے اپنا کیمرہ لے آیا، وہ دل میں سوچنے لگا کہ اس سے بہتر اور

کوئی موقع نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنی محبت اپنی زندگی کی ان گنت کلوز اپ تصویریں بنالے۔ مشفق نے آٹھ دس شاٹس لیے اور واپس آکر کرسی پر بیٹھ گیا۔ مائرہ بھی شرٹ پہنے آکر بیٹھنے لگی تو منزہ نے ذرا سختی سے ڈانٹتے ہوئے کہا، ''جاؤ شرٹ اتار کر آؤ۔''

مائرہ منہ بسورے اٹھ کر اندر گئی تو مشفق جھجکتے ہوئے بولا، ''آنٹی میری ایک التجا ہے۔ آپ لوگوں نے خصوصاً بابر نے اسے بہت لاڈ پیار سے رکھا تھا سو پلیز آپ اسے ڈانٹا مت کیجیے۔ بابر کی روح کو تکلیف ہوگی۔''

''نہیں بیٹا کبھی کبھی سمجھانا پڑتا ہے۔ آخر اس نے پرائے گھر جانا ہے۔ اسے ان باتوں کا احساس ہونا چاہیے۔''

''سچ بات بتاؤں کہ میں نے کبھی کسی کو نہیں ڈانٹا اور اس کو ڈانٹنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ میرے مرحوم اور پیارے دوست کی لاڈلی بہن ہے۔ ویسے بھی یہ آپ لوگوں کے پاس تھوڑی دیر ہی تو ہے اور پھر یہ کسی پرائے ورائے گھر نہیں جا رہی۔''

''جیتے رہو میرے بچے اللہ تمھیں صحت سلامتی سے رکھے اور بے پناہ ترقیاں عطا فرمائے۔ تم نے میرا ذہن کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔''

''مجھے آپ لوگوں کی دعاؤں کی بہت ضرورت رہے گی آنٹی۔ اور ہاں پلیز اگر برا نہ مانیں تو اسے منا کر لائیے۔ اس کی معصوم شرارتیں ہی تو اس گھر کی رونق ہیں۔''

''وہ ہٹ کی بہت پکّی ہے۔ میرے کہے پر اب بالکل بھی نہیں آئے گی۔'' منزہ نے انکشاف کیا۔

''انکل آپ کے کہنے پر بھی نہیں؟'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''نہیں بیٹا میرے کہنے پر بھی نہیں.... جب ناراض ہو جائے تو ہم دونوں اس کے لیے اپوزیشن پارٹی ہوتے ہیں۔ تم کوشش کر دیکھو۔'' حمید نے اسے مشورہ دیا۔

''ہاں بیٹا تم کوشش کر دیکھو۔'' منزہ جو مائرہ کے ناراض ہونے سے پریشان ہوگئی تھی بولی۔ کچھ دیر تو مشفق کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ یوں لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو پھر وہ آہستہ سے اٹھا اور اس کے بیڈروم کی جانب بڑھا۔ دروازے پر جا کر دستک دی لیکن کوئی جواب نہ آیا۔ دوسری دستک کے بعد اس نے دھیرے سے کواڑ کھولنے کی جرأت کی تو سامنے مائرہ اپنے بیڈ پر اوندھے منہ پڑی نظر

آئی۔ مشفق آہستگی سے پاس گیا اور جا کر شرارت کرتے ہوئے فوجی انداز میں بولا، ''میجر مائرہ! آپ کا ایڈ جوئنٹ کیپٹن مشفق رپورٹ کے لیے حاضر ہے۔'' اور ساتھ ہی زمین پر ایڑی ماری لیکن مائرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ مُش کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر تھوڑا سا آگے جھک کر اس کے کندھے پر دھیرے سے ہاتھ رکھا۔ اسے یوں لگا جیسے اسے ہائی وولٹیج کا کرنٹ لگا ہو۔ مائرہ ساکت پڑی تھی لیکن جونہی مُش نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، یکدم اس کی سسکیوں کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ گھبرا کر مُش نے اسے کندھوں سے پکڑ کر ہلایا،

''مائرہ، مائرہ!!! میری جان کیا ہوا؟ ارے ایسا کیا کہہ دیا کسی نے؟ تمھاری امّی ہی تو ہیں۔'' وہ اسے اٹھاتے ہوئے بولا۔

''انھوں نے سب کے سامنے میری انسلٹ کر دی ہے۔'' وہ سسکیاں بھرتے ہوئے مشفق کے شانے سے جا لگی۔

''کون سب؟ ایک انکل اور دوسرا میں؟.... اوہ ہاں واقعی میرے سامنے انھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، میں باہر کا جو ہوا، گھر کا فرد تھوڑے ہی ہوں؟''

''نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

''تو پھر اور کیا مطلب تھا؟ انکل کے علاوہ تو میں ہی بچتا ہوں ناں؟ You are right آنٹی کو یوں نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''آپ نہیں سمجھیں گے۔'' وہ نمناک آنکھوں سے لاجواب ہو مُش کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''چلو بیگم صاحبہ آپ مجھے سمجھا دو۔'' مُش شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ مائرہ نے بے بسی کے ساتھ مشفق کو دیکھا اور مسکرا کر اپنا منہ مشفق کے سینے میں چھپا لیا۔

''بچوں کی سی حرکتیں نہیں کرتے۔ اٹھو باہر چلو۔ تم حیران نہیں ہوئیں کہ انکل آنٹی نے خود اندر آنے کی بجائے مجھے بھجوایا ہے؟''

''ہائیں!!! یہ تو میں نے خیال ہی نہیں کیا۔'' وہ ایکدم سر اٹھا کر بولی۔

''دیکھ لو تم مجھے پرایا سمجھتی ہو لیکن وہ دونوں مجھے اپنا بیٹا سمجھتے ہیں۔ چلو اٹھو باہر چلیں۔'' مُش نے اسے اسے بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کیا تو وہ پھر اس سے لپٹ گئی، ''مجھے ہمیشہ آپ کے بازوؤں میں رہنا ہے۔''

''ان شاء اللہ وہ وقت بھی آئے گا، فی الحال مجھے برے وقت سے محفوظ رہنا ہے۔''

مائرہ شرٹ اتارنے لگی تو مشفق نے منع کر دیا اور کہنے لگا کہ وہ ایسے ہی چلے۔ باہر آتے وقت مُش نے قصداً مائرہ کے کاندھے پر ایک ہاتھ رکھ لیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ حمید اور منزہ یہ تاثر لیں کہ وہ انھیں دیکھ کر محتاط ہوا ہے۔ دونوں باہر نکلے تو حمید اور منزہ کی نظریں ایک ساتھ دونوں کی طرف اٹھی۔ مُش نے ان کی آنکھوں میں بے پناہ خوشی کی واضح جگمگاہٹ دیکھی۔

''ارے اس نے ابھی تک شرٹ پہنی ہوئی ہے؟'' منزہ پھر ٹوکے بغیر نہ رہ سکیں لیکن مشفق کو اسی سوال کی توقع تھی۔ وہ فوراً بولا، ''آنٹی فوج میں ایک کہاوت ہے کہ افسر کی بیگم اس سے ایک رینک سینئر ہوتی ہے۔ یہ ہمارا فوجی معاملہ ہے پلیز میری نوکری نہ خراب کریں۔ آپ تو اسے رخصت کر کے چین سے بیٹھ جائیں گی اس کے بعد شامت میری آنی ہے۔''

اس کے بعد اٹینشن ہو کر مائرہ سے مخاطب ہوا، ''سر آپ ادھر تشریف رکھیں۔'' اس کی اداکاری دیکھ کر اور مکالمے سن کر سب کی ہنسی چھوٹ گئی اور تھوڑی دیر کے لیے جو ماحول کشیدہ ہوا تھا پھر سے ٹھیک ہو گیا اور سب خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔

اگلی صبح سب ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ ناشتے کا دور ختم ہو چکا تھا اور حمید سٹور پر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ منزہ انھیں خدا حافظ کرنے کے لیے اٹھیں تو جاتے جاتے مشفق سے بولیں، ''بیٹا میں نے واپس آ کر آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' ان کے جانے کے بعد دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اشاروں کنایوں میں پوچھا کہ کیا بات ہو سکتی ہے۔

''میری خیال ہے کہ آنٹی ہماری شادی کی بات کرنا چاہتی ہیں کیونکہ میں بھی اب یونٹ کے ساتھ مشرقی پاکستان چلا جاؤں گا اور ایسی سنجیدہ باتیں فون پر ہونا ممکن نہیں۔'' مشی نے خیال ظاہر کیا۔

''تو آپ کا مطلب ہے کہ مجھے اٹھ جانا چاہیے؟'' مائرہ نے پوچھا۔

''مناسب تو یہی ہے، بلکہ بہتر ہوگا اگر تم ان کے آنے سے پہلے ہی ادھر ادھر ہو جاؤ۔'' مشفق نے مشورہ دیا اور مائرہ اتفاق کرتے ہوئے فوراً اٹھ کر چلی گئی۔ حمید چلے گئے تو منزہ دوبارہ میز پر آ گئیں اور آتے ہی پوچھا، ''یہ مومو کدھر چلی گئی؟''

''کہہ رہی تھی کہ ماما نے شاید آپ سے کوئی خاص بات کرنی ہے میرا موجود ہونا مناسب نہیں۔''

مشفق نے مائرہ کے نمبر بنانے کی کوشش کی۔

''ہاں بیٹا ایسی ہی بات ہے۔ دراصل میں موقع غنیمت جانتے ہوئے یہ بات کرنا چاہتی ہوں۔ آپ بھی کچھ دنوں تک خیر سے مشرقی پاکستان چلے جائیں گے اور پھر شاید تفصیل سے بات کرنے کا موقع نہ ملے۔''

''آنٹی آپ بولیئے میں سن رہا ہوں۔'' مشفق نے سعادتمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹا ہم، ہمارا گھر اور ہمارے حالات آپ سے ڈھکے چھپے نہیں۔ رشتہ تو بعد میں طے ہوا ہے لیکن آپ ہمارے گھر کے فرد اس سے کہیں پہلے بن چکے ہو اور بوبی کی وفات کے بعد تو آپ نے مکمل طور پر اس کی جگہ لے لی ہے۔ ہمارے دل سے تمھارے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔ بوبی کا تمھیں اکیڈیمی میں ملنا اور پھر اس کا اچانک ہمیں داغ مفارقت دے جانا اور پھر تمھاری اور مائرہ کی نسبت طے ہونا یہ سب اللہ کے کام ہیں۔ بوبی حیات ہوتا تو شاید صورتحال مختلف ہوتی لیکن اب موموکے جانے کے بعد ہم بالکل تنہا ہو جائیں گے۔ اس کے باوجود ہمیں یہ ذمہ داری ادا کرنی ہے۔ میں نے غنیمت جانا کہ تم آئے ہو، سو تم سے ہی بات کر لی جائے کہ تم نے اس بارے کیا سوچا ہے؟''

''آنٹی پہلی بات تو یہ کہ آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا کہ اماں کی بجائے مجھ سے بات کی جائے۔ مجھے علم ہے کہ آپ نے ایسا صرف اس لیے کیا کہ اماں ہزار میل دور بیٹھی ہیں اور ویسے بھی انھوں نے ساری ذمہ داری مجھ پر ہی ڈال دینی تھی۔ دوسری بات یہ کہ بوبی کی طرح آپ میری بھی امّی ہیں۔ آپ لوگوں کے دکھ سکھ، خوشیاں غم سب میرے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ آپ سے ملنے آنا تو تھا ہی لیکن ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ اگر موقع ملا تو آپ سے اس بارے ضرور بات کروں گا۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہ بات ضرور زیرِ بحث آئے گی۔''

''جیتے رہو بیٹا.... اللہ تمھیں سلامت رکھے۔ تمھیں علم ہے کہ ہم لوگوں کی اتنی لمبی چوڑی فیملی تو ہے نہیں۔ گنتی کے چند رشتہ دار ہیں اور ان میں سے بھی اکثریت ایسی ہے جنھیں نہ ملنا ہی بہتر ہے۔''

''جی آنٹی، میں نے منگنی کے موقع پر اس بات کا مشاہدہ کر لیا تھا۔''

''اب وہی جنھیں ہم ملنا پسند نہیں کرتے، ایسے ہیں جو مائرہ اور تمھاری نسبت کی بابت ادھر ادھر چہ میگوئیاں کرتے پھر رہے ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ ہمیں ان کی گھٹیا سوچ کی پروا نہیں لیکن ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ بات زیادہ لٹکے۔ سو میں نے سوچا کہ آپ سے پوچھ لوں کہ آپ ماشاءاللہ خیر سے کیپٹن بھی

بن گئے ہو اب اپنی امانت کو لیجانے کا کب تک ارادہ ہے؟''

''آنٹی! مائیں پوچھا نہیں کرتیں بلکہ حکم دیا کرتی ہیں۔ اتفاق ہے کہ ہم دونوں خاندانوں کے حالات اور افرادی قوت ہر طرح سے حیران کن مشابہت رکھتی ہے۔ آپ کی سائیڈ کی طرح ہمارے پاس بھی کچھ گندے انڈے موجود ہیں جنھیں ہم نے بھی ٹھکانے پر رکھا ہوا ہے۔ مجھے آپ کی اس ذمہ داری کا بخوبی احساس تھا سو اس سلسلے میں مجھے جو کچھ کرنا ہے اس کا منصوبہ میں پہلے ہی بنا چکا ہوں۔ جو آپ کی خواہش اور حکم ہوگا میں اس کے مطابق چلوں گا۔''

منزہ نے بے ساختہ اٹھ کر مشفق کی پیشانی چوم لی اور بے تحاشا دعائیں دے ڈالیں، ''نہیں بیٹا تم بتاؤ کیا ارادہ ہے، ہم پھر اسی حساب سے تیاری کریں گے، تم ہماری فکر مت کرو۔''

''ایسا ہے کہ اب تو وقت بہت کم رہ گیا ہے یونٹ کے ڈھاکہ جانے میں اور میں چاہوں بھی تو کچھ نہیں ہوسکتا۔ دوسرا آپ کو علم ہے کہ سمندر پار ہونے کیوجہ سے رشتہ دار تو آنہیں سکیں گے۔ بہت ہوا تو کراچی والے ماموں جو اماں کے چچا زاد ہیں وہ شاید آجائیں۔ میری پہلی یونٹ پنجاب رجمنٹ اگر اس وقت تک لاہور میں ہوئی تو وہ افسر ضرور شریک ہونگے مگر آپ سے التجا ہے آنٹی کہ آپ نے کوئی لمبا چوڑا تردد نہیں کرنا۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ پر زیادہ بوجھ پڑے۔ ہم تقریب مختصر اور سادہ سی رکھیں گے۔''

''نہیں مشی یہ کیسے ہوسکتا ہے میرے بچے؟ مائرہ کی سہیلیاں ہیں جنھیں اس دن کا بھی انتظار ہے اور تم سے ملنے کا شوق بھی۔ ہماری بھی خواہش ہے کہ تھوڑا اہلہ گلہ ہو جائے۔ ہمارا اور کونسا دوسرا کوئی بچہ ہے جس کی ہم نے خوشیاں دیکھنی ہیں؟'' منزہ کو بوبی کا غم بھلائے نہیں بھول رہا تھا اور اس بات کو مشفق نے شدت سے محسوس کیا تھا۔

''جو حکم آپ کا آنٹی اور جیسے آپ کی خواہش۔ میں ڈھاکہ پہنچنے کے بعد جب یونٹ سیٹل ہو جائے گی تو اپنے کمانڈنگ آفیسر سے چھٹی کی بات کروں گا۔ حالات جسطرح روز بروز خراب ہو رہے ہیں شاید زیادہ چھٹی نہ مل سکے لیکن جتنی بھی ملی آپ کو بروقت بتا دوں گا تاکہ رخصتی کی تاریخ رکھ سکیں اور پھر اماں کو لے کر آجاؤں گا۔ آپ کو پتہ ہے روبی تو سفر نہیں کرسکتی۔ آجکل میں اس کی بھی کوئی نہ کوئی خوشخبری ملنے والی ہے۔ ان شاء اللہ۔''

''سلامت رہو بیٹا۔'' منزہ نے دعا دی۔

''بس کردیں، بس کردیں.... کتنی خفیہ باتیں کریں گے ماں بیٹا؟'' مائرہ نے انٹری دی جو اندر اکیلی بیٹھی بیٹھی اکتا چکی تھی۔

''آؤ آؤ، تمھاری ہی بات ہو رہی تھی۔ آنٹی کہہ رہی تھیں کہ آئے ہو تو اس کو ابھی لے جاؤ لیکن میں نے کہا کہ آنٹی وہاں صرف 'مچھی اور چالے' (مچھلی اور چاول) ملتے ہیں، اسے پہلے یہ دونوں چیزیں پکانا سکھا دیجیے پھر لے جاؤں گا۔ اس طرح لے گیا تو دونوں بھوکے رہیں گے۔'' منزہ اس کی بات سن کر ہنسنے لگی اور مائرہ اسے منہ چڑاتے ہوئے مکے دکھانے لگی۔

اگلی صبح مشفق، مائرہ کو اداس چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ جاتے ہوئے وعدہ کیا کہ وہ باقاعدہ رابطہ رکھے گا۔ واپس یونٹ پہنچنے تک مُش خود بھی بے حد افسردہ رہا۔ وہ رفتہ رفتہ اس بات کا قائل ہو رہا تھا کہ اب اس کا مائرہ سے علیحدہ رہنا بے حد مشکل ہو رہا ہے۔ یونٹ واپس پہنچ کر وہ تذبذب کا شکار ہو گیا کہ اپنے کمانڈنگ آفیسر سے ابھی بات کرے یا پھر ڈھاکہ پہنچ کر کرے؟ وہاں سے شادی کی اجازت لینے میں ایک قباحت تھی کہ فون پر شاید وہ تفصیل سے بات نہ کر سکتا اور خط و کتابت میں دیر بھی لگ سکتی تھی۔ اس کے ذہن میں ایک خیال آیا کہ کیوں نہ وہ سی او سے ابھی بات کر کے اجازت حاصل کر لے، رہی شادی تو وہاں جا کر کسی بھی مناسب موقع پر اماں کو لے کر آئے گا اور مائرہ کو دلہن بنا کر لے جائے گا۔ اسے اپنا یہ منصوبہ اچھا لگا اور اس نے صبح اسی پر عمل کرنے کی ٹھان لی۔

اگلے روز اس نے باقاعدہ ضابطہ کے تحت کمانڈنگ آفیسر کے دفتر میں حاضری دی۔ سی او کرنل طارق احتشام ایک نہایت بذلہ سنج اور خوش باش کمانڈو تھا جس کی شجاعت اور دلیری کی کہانیاں ایس ایس جی سے باہر فوج کی دیگر یونٹوں میں بھی زبان زد عام تھیں۔ پینسٹھ کی جنگ میں کرنل طارق نے بھارتیوں کی جو درگت بنائی تھی اس نے انھیں ذہنی طور پر بیمار کر کے رکھ دیا تھا۔ لیکن وہی کرنل طارق جو فرض کو اپنا ایمان سمجھتا تھا، عام زندگی میں اپنے ماتحتوں کے لیے فرشتہ تھا۔ ان کے دکھ درد کا خیال رکھنا، ان سے دوستی اس کی عادت میں شامل تھی۔ وہ جس یونٹ میں بھی گیا اور جس رینک میں بھی گیا افسروں اور جوانوں میں یکساں مقبول رہا اور اسے ہمیشہ اچھے لفظوں میں یاد کیا گیا۔ مشفق نے سی او کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کیا۔

''سر! میری کمپنی ڈھاکہ جارہی ہے سو میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیوں مُشی تم جانا نہیں چاہتے؟ تمھیں تو بلکہ خوش ہونا چاہیے۔'' سی او نے روائتی کمانڈو لہجے میں دل لگی کی۔

''نہیں سر میں بالکل جانا چاہتا ہوں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ آپ مجھے پاکستان میں کہیں بھی بھیجیں گے میں دل وجان سے جاؤں گا۔''

''تو پھر کیا بات ہے؟''

''دراصل سر میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میری منگنی ہو چکی ہے اور میرا اسرال لاہور میں ہے۔ میرا ارادہ ہے ایک دفعہ ڈھاکہ پہنچ کر سیٹل ہو کر میں والدہ کو لے کر آؤں اور شادی کر کے بیگم کو لے جاؤں۔''

''بہت خوب ینگ مین.... پہلی بات یہ کہ کیا لمبے چوڑے جھنجٹ میں پڑنا اور پیسے خرچ کرنے؟ کل یہاں سے چار افسروں کو اور یونٹ کے خطیب صاحب کو پکڑتے ہیں، دو جیپیں لے کر جاتے ہیں اور بھابی کو لے آتے ہیں۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ اور دوسرا، یہ جانا اور جا کر والدہ کو لے کر آنا شادی کے لیے، اس میں کیا سائنس ہے؟''

''اصل میں سر ہر ماں کی طرح میری ماں کی بھی کچھ خوشیاں ہیں اور چونکہ میں اکلوتا بیٹا ہوں تو میں نہیں چاہتا کہ وہ یہ محسوس کریں کہ میں نے عجلت میں من مانی کی ہے۔ وہ میری بہن کی خوشیاں بھی نہیں دیکھ سکیں کیونکہ والد کے انتقال کے بعد مجھے واپس آنا تھا سو میں نے سادگی سے اس کی رخصتی کر دی۔'' مشفق نے جب کرنل طارق کو سارا ماجرا سنایا تو وہ بے حد متاثر ہوا بولا، ''میں تمھارے فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ یقیناً تم بحیثیت ایک گوریلا کے نہایت کامیاب افسر ثابت ہوگے۔ اب رہ گئی بات تمھاری شادی کی تو اصولاً مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن ایک بات اچھی طرح سمجھ لو کہ ایک بار کمپنی لے کر جانے کے بعد تم وہاں جلد مصروف ہو جاؤ گے۔ وہاں کے حالات تو تمھیں پتہ ہی ہیں اور رہ گئی terrain (زمین) تو وہ تم سے بہتر بھلا کون جان سکتا ہے؟ کہو تو ایک مشورہ دوں؟''

''سر مجھے شرمندہ نہ کریں، حکم کریں۔''

''حکم تو کیا تھا کہ جیپ لے کر جاتے ہیں اور بھابی کو اغواٗ کر کے لے آتے ہیں مگر وہ تم نہیں

مانے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ابھی تم لوگوں کے جانے میں لگ بھگ ایک ماہ کا عرصہ ہے۔ سو مناسب سمجھو تو کوئی تاریخ رکھ کر والدہ کو بلوا لو۔ شادی کرو، مختصر سا ہنی مون مناؤ اور پھر جب تمھاری کمپنی جانے لگے تو گھر والوں کو بھی ساتھ لے جاؤ؟''

''سر میرے خیال میں یہ بہترین مشورہ ہے۔ آپ کی اجازت ہو تو میں کام شروع کر دوں؟''

''ایڈیٹ! شادی تمھاری ہے اجازتیں مجھ سے مانگ رہے ہو؟ کہاں کہاں اجازت لو گے؟''

سی او نے شرارت سے آنکھ مارتے ہوئے فقرہ کسا اور پھر بولا، ''اوکے بڈی، گڈ لک۔''

اپنے دفتر میں واپس آ کر مشفق نے سب سے پہلے ڈھاکہ کی ٹرنک کال بک کرائی۔ وہ چاہ رہا تھا کہ منزہ آنٹی کو مطلع کرنے سے قبل اماں کو اعتماد میں لے اور کسی تاریخ پر متفق ہو جائیں۔ اس کی کمپنی اگست ۱۹۶۹ء کے وسط میں ڈھاکہ جا رہی تھی اور اس کا خیال تھا کہ جولائی کے آخری ہفتہ کی کوئی تاریخ مناسب رہے گی۔ ناہیدہ سے جب بات ہوئی تو اس نے انھیں سارا ماجرہ کہہ سنایا اور اعتماد میں لے کر ان سے پوچھا کہ وہ کون سی تاریخ رکھے اور ان پر یہ بھی واضح کر دیا کہ ان کا آنا ضروری ہے۔ ناہیدہ نے اسے کوئی بھی تاریخ رکھ لینے کو کہا۔ کچھ دیر تبادلہ خیال کے بعد وہ اکیس جولائی ۱۹۶۹ء بروز ہفتہ پر متفق ہوئے۔ مشفق نے انھیں کہا کہ وہ انیس بھائی کو کہہ کر تین چار روز پہلے کی سیٹ بک کروا لیں اور کراچی میں ماموں کو بھی اطلاع کر دیں اور انھیں دعوت بھی دے دیں۔ اب اگلا مرحلہ منزہ کو مطلع کرنا تھا اور یہ ذرا محنت طلب کام تھا کیونکہ اسے اب انھیں اس عجلت کے بارے قائل کرنا تھا۔ منزہ سے بات کر کے اس نے انھیں سارا ماجرہ کہہ سنایا۔ پہلے تو منزہ ذرا ہچکچائیں لیکن جلد ہی انھیں معاملہ کی نزاکت اور وجوہات سمجھ آ گئیں۔ انھوں نے مشفق سے شام تک کا وقت مانگ لیا تا کہ وہ حمید سے بھی بات کر لیں۔

''آنٹی! جیسا کہ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ ہم کوئی بہت زیادہ دھوم دھڑکا نہیں کریں گے اور جس سطح کی تقریب ہم لوگ کرنا چاہ رہے ہیں اس کے لیے ایک ماہ بہت وقت ہے۔''

''بیٹا میں تمھاری بات سے متفق ہوں بس ذرا تمھارے انکل سے بھی بات کر لوں، گھر کے بڑے تو وہی ہیں ناں۔''

''ضرور آنٹی، کیوں نہیں۔ میں نے بھی تو اماں سے بات کرنے کے بعد ہی آپ کو اطلاع دی ہے۔ بتانا یہ تھا کہ میری اپنے سی او سے بھی بات ہوئی ہے اور ان کا کہنا ہے کہ مشرقی پاکستان کے حالات

کا کچھ پتہ نہیں۔ کیا پتہ تم چھٹی آسکو یا نہیں سو بہتر ہے کہ موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور کام نمٹا کر جاؤ۔''

''بالکل مشفق بیٹا، ہم بھی اسی وجہ سے سوچنے پر مجبور ہیں ورنہ شاید ہم کم از کم آپ سے پانچ چھ ماہ تو ضرور مانگتے۔''

''ٹھیک ہے آنٹی میں رات کھانے کے بعد دوبارہ کال بک کراؤں گا۔''

کال ختم ہوئی تو منزہ کو فکر کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی کہ وہ ایک بہت بڑے فرض سے عہدہ برآ ہونے جا رہے ہیں۔ مائرہ پاس ہی تھی اور اسے سمجھ آ چکی تھی کہ کس کا فون ہے اور کیا بات ہے لیکن ہر لڑکی کی طرح اس کا دل بھی مچلا کہ سب باتیں ماں کی زبانی دوبارہ سنے۔ نہایت انجان بنتے ہوئے ماں سے بولی، ''ماما! کس کا فون تھا؟''

''حلوائی کا فون تھا کہہ رہا تھا کہ اگر آنے والے دنوں میں ہمیں جلیبیاں چاہیں تو ابھی آرڈر بک کرا دیں ورنہ بعد میں مشکل ہوگی۔ کیوں کیا خیال ہے کتنے من جلیبیوں کا آرڈر دوں؟'' منزہ طنز کرتے ہوئے شرارت سے بولیں۔

''مت مذاق کریں مجھے پتہ ہے مُشی کا فون تھا۔''

''جب پتہ ہے تو مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو؟ سارا وقت تو دھیان کال پر تھا اور ویسے بھی ماشاءاللہ چوہیا کے سے کان ہیں سرگوشیاں تک سن لیتی ہو اور اب میرے سامنے انجان بن کر پوچھ رہی ہو کہ کیا کہہ رہے تھے۔''

''قسم سے ماما مجھے اندازہ تو ہے کہ شادی کی ہی بات کر رہے تھے مگر کیا کہہ رہے تھے، یہ مجھے علم نہیں۔''

''اچھا؟ ابھی تو تمھیں یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ کس کا فون ہے اور اب یہ بھی پتہ چل گیا ہے کہ مُشی کا فون تھا۔ واہ بیٹا واہ۔''

''ماما ایک بات بولوں، برا تو نہیں منائیں گی ناں؟''

''ہاں ہاں بولو۔''

''آپ ناں بندے کو اس قدر احترام سے ذلیل کرتی ہیں کہ وہ کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہتا۔ کوئی بات نہیں کر لیں، کر لیں..... جی بھر کر بے عزت کر لیں۔ اور تھوڑی دیر کی بات ہے پھر ڈھونڈتے

گاڈ انٹ کے لیے کسی کو۔"

منزہ نے بے اختیار اسے سینے سے لگا لیا، "میری جان میں تو اپنی بیٹی کو چھیڑ رہی تھی۔ مشفق نے اکیس جولائی کی تاریخ تجویز کی ہے۔ تمھارے بابا آئیں تو ان سے بات کرتی ہوں۔ وقت تھوڑا ہے لیکن حالات کچھ ایسے بن رہے ہیں کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔" بات ختم کر کے منزہ نے مائرہ کی جانب دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے، "ارے واہ! ابھی تو چھلانگیں مار مار کر پوچھ رہی تھیں کہ کون ہے کیا بات ہوئی اور اب ٹسوے لے کر بیٹھ گئی ہو۔"

مائرہ نے کوئی جواب نہ دیا اور بدستور ماں کو نمناک آنکھوں سے دیکھتی رہی۔ نجانے اس کی خوبصورت آنکھوں میں کیسی اداسی تھی جس نے منزہ کو بھی بے چین کر دیا اور وہ بے اختیار سسکیاں بھر کر رونے لگ گئی۔ بیٹی کی رخصتی کی اداسی تو تھی ہی لیکن شاید ایسے میں ماں بیٹی کو بوبی بھی شدت سے یاد آ رہا تھا۔ روتے روتے دونوں کی ہچکیاں بندھ گئیں اور وہ تب تک چپ نہ ہوئیں جب تک دونوں کا دل ہلکا نہ ہو گیا۔ رونا ختم ہوا تو دونوں کے چہروں پر مسکراہٹوں نے جگہ لے لی۔

مشفق نے حسب وعدہ شام کو کال کی تو منزہ کی حمید سے بات ہو چکی تھی چنانچہ اللہ کا نام لے کر اکیس جولائی، بروز ہفتہ ۱۹۶۹ء کی تاریخ پر اتفاق کر لیا گیا۔ وقت گزرتے کیا دیر لگتی ہے؟ اُلفت لاج میں تو تاریخ طے ہوتے ہی چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ بمشکل تین ہفتے کا وقت دستیاب تھا۔ انیس نے ناہیدہ کی سیٹ بھی اٹھارہ تاریخ کی بک کروا دی تھی اور کراچی میں ان کے عم زاد کو اطلاع دے دی گئی تھی۔ مشفق نے پندرہ روز کی چھٹی لے لی تھی کہ اس سے زیادہ ملنی مشکل تھی اور وہ سترہ جولائی کو لاہور پہنچ گیا تھا۔ مشفق کی پرانی یونٹ پنجاب رجمنٹ والوں نے اس کے اور گھر والوں کے لیے میس کے گیسٹ رومز میں دو کمرے بک کرا دیئے تھے۔ مائرہ مایوں بیٹھ چکی تھی اور اس کی قریبی چھ سات سہیلیوں نے تو مستقل اس کے پاس ڈیرے لگا لیے تھے اور ڈھولکی، ٹپوں نے اُلفت لاج میں سماں باندھ دیا تھا۔ بیٹی کی رخصتی کا ماحول بھی نہایت عجیب سا ہوتا ہے۔ ہنگاموں، رونقوں، چہل پہل، ڈھولکی باجوں اور کانچ کے قہقہوں سے شروع ہوتا ہے اور بیٹی کی وداعی کے ساتھ ہی ماحول یک لخت سوگوار ہو جاتا ہے؛ بے ترتیب کرسیاں، میزوں کی میلی چادریں، درختوں سے لٹکے غم زدہ قمقمے اور اداس گھر والے۔ ایک طرف سکھ کا سانس کہ شکر ہے بیٹی اپنے گھر کی ہوئی اور دوسری جانب دھڑکا کہ کہیں کوئی بری

خبر نہ آجائے۔

پہلے دن جب ناہیدہ پہنچیں تو مشفق انھیں لے کر منزہ کی طرف گیا۔ منزہ اور ناہیدہ تو علیحدہ بیٹھ گئیں مگر مائرہ کی سہیلیوں نے مشفق کو گھیر لیا اور اس کی وہ شامت لائیں کہ اللہ کی پناہ۔ اٹک سے مشفق کی یونٹ کے چند افسران بھی ایک دن پہلے پہنچ چکے تھے۔ یہ خوبصورتی صرف فوج میں ہے کہ مہمان جب کسی تقریب پر آتے ہیں تو وہ اپنے رہنے کا خود بندوبست کر لیتے ہیں اور میزبان کو ان کے لیے تردد یا فکر نہیں کرنی پڑتی۔ اہل سپاہ کا اپنا ایک وسیع حلقہ ارباب ہوتا ہے جو پورے ملک میں پھیلا ہوتا ہے۔ بس اسی کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اگر ادھر اُلفت لاج میں رونقیں عروج پر تھیں تو ادھر میس میں فوجی بھائیوں نے خوب جشن بپا کیا ہوا تھا۔ روز شام کو یونٹ کی لڈی پارٹی کو میس کے لان میں بمعہ ڈھول شہنائی بلا لیا جاتا اور لڈی کا رنگ جمتا جس میں افسر بھی شامل ہو جاتے۔ ناہیدہ اور ان کے عم زاد کو مائرہ کے گھر والوں نے یہ احساس ہی نہیں ہونے دیا کہ وہ غیر ہیں۔ انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور خلوص دل سے آؤ بھگت کی گئی۔ ہر موقع پر انھیں آگے آگے رکھا گیا۔

مہندی کی رسم کے لیے ۱۹ جولائی کی تاریخ رکھی گئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ نکاح بھی اسی روز کر دیا جائے تاکہ شادی کے روز وقت کا زیاں نہ ہو اور غیر ضروری تاخیر سے بچا جائے۔ حمید نے خواہش ظاہر کی کہ مہندی اُلفت لاج پر ہی ہو جس پر سب نے رضامندی ظاہر کر دی چنانچہ مہندی کے انتظامات اُلفت لاج کے وسیع وعریض لان میں کیے گئے۔

تمام درخت پودے رنگین قمقموں سے لد دیئے گئے۔ مہندی کی شام مشفق اور اس کے دوستوں کی منفرد انداز میں آمد نے سب کو چونکا دیا۔ پنجاب رجمنٹ کا 'ڈھولی' (ڈھول والا) اور 'توتڑی والا' (شہنائی والا) آگے آگے دلکش سر تال کے ساتھ ڈھول شہنائی بجاتے داخل ہوئے جبکہ ان کے پیچھے پیچھے مشفق کے پنجاب رجمنٹ اور کمانڈو بٹالین کے شادی میں شریک افسر اپنی وردیوں میں لڈی ڈالتے وارد ہوئے۔ کسی نے اندر خبر کر دی کہ مُشی کے دوست تو وردیوں میں مہندی لے کر آئے ہیں بس پھر کیا تھا، مائرہ کی تمام سکھیاں اور دیگر لڑکیاں بالیاں شہزادوں کو دیکھنے باہر کو لپکیں۔

ستمبر ۱۹۶۵ء کی فتح نے ہر سپاہی کو ہیرو بنا ڈالا تھا۔ عوام انھیں راستے میں روک کر ہاتھ ملانا، بغلگیر ہونا اپنے لیے اعزاز سمجھتے تھے۔ دکان دار وردی والوں سے اشیا کی قیمت نہیں وصول کرتے تھے۔ ملک بھر میں پینسٹھ کے ہیروؤں کی تصویریں کلینڈروں اور پوسٹروں پر چھپی ملتی تھیں۔ ایسے میں ہر دوشیزہ اپنے من میں ایک ڈھول سپاہی چھپائے پھرتی تھی۔ جس کے متعلق پتہ چلتا کہ اس کی نسبت کسی فوجی افسر سے طے ہو رہی ہے اسے دُنیا کا خوش نصیب انسان تصور کیا جاتا۔ سوان حالات میں بھلا مائرہ کی سکھیاں کیسے اندر بیٹھ سکتی تھیں۔ پنجاب رجمنٹ کے افسروں کی وردی ایک عجیب بہار دکھا رہی تھی۔ سبز ٹوپیوں پر سبز 'پلوم' (پروں والا پھول) کی عجب شان تھی لیکن گوریلوں کی کیموفلاج شرٹس، پتلونوں کے پائنچے بوٹوں میں اڑسے، میرون ٹوپیاں اور سینے پر آویزاں 'چڑی' (گوریلا ونگ) تو سب سے جدا تھا۔ مشفق نے اپنا روائتی کرتا پاجامہ اور اس پر زیتونی رنگ کی واسکٹ پہنی ہوئی تھی۔ قوم کے فرزندوں کو وردی میں اپنی دہلیز پر دیکھ کر حمید اور منزہ خوشی سے نہال ہو رہے تھے۔ یقیناً یہ ایک ایسا سرپرائز تھا جس نے سب کو چونکا دیا تھا۔ مائرہ نے اپنی کسی دوست سے ان سب کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو وہ اسے چپکے سے اندھیرے میں ٹیرس پر لائی جہاں سے اس نے ان سب کو دیکھا اور ایک عجیب سا فخر اور غرور لیے واپس اندر آ گئی۔

مہندی کی رسم بہت دھوم دھڑکے سے ادا کی گئی اور مشفق کے دوستوں کی منفرد انداز میں شمولیت نے تقریب کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ نکاح کی رسم کا وقت آیا تو خطیب صاحب نے پوچھا کہ حق مہر کیا لکھا جائے۔ مشفق نے کہا جو انکل اور آنٹی کہیں گے وہی رقم لکھی جائے گی۔ جبکہ حمید کا کہنا تھا کہ بیٹیاں پیسوں سے نہیں محبت اور اتفاق سے آباد کی جاتی ہیں اور ویسے بھی اللہ کے جو شیر اپنی زندگیاں وطن کے لیے داؤ پر لگا دیتے ہیں ان سے اور کیا مطالبہ کرنا اس لیے وہ کوئی رقم نہیں بتائیں گے اور نہ ہی ان کا کوئی مطالبہ ہے۔ اندر منزہ کو پیغام بھیجا گیا تو ان کا بھی ملتا جلتا جواب آیا جس پر میجر غازی نے بڑا دلچسپ مشورہ دیا کہ مشفق کے سن پیدائش کے اعداد کا ٹوٹل کر لیا جائے اور جو حاصل جواب آئے اتنے ہزار روپے حق مہر کے لیے لکھ لیے جائیں۔ حمید نے یہاں بھی ہلکا سا اعتراض کرنے کی کوشش کی کی وہ مشفق پر کوئی غیر ضروری بوجھ نہیں ڈالنا چاہتے مگر اس بار انھیں مشفق نے بھی انھیں نہایت ادب واحترام سے خاموش کروا دیا۔ مشفق کا سن پیدائش ۱۹۴۷ء تھا جسے ٹوٹل کیا گیا تو 1+9+4+7=21,=2+1=3

حاصل جواب تین آیا سو طے ہوا کہ حق مہر مبلغ تین ہزار روپیہ لکھا جائے۔ مہندی کی تقریب رات گئے تک جاری رہی اور بالآخر قہقہوں اور رونقوں پر اختتام پذیر ہوئی۔

۲۱ جولائی بھی طلوع ہوگئی۔ آج اُلفت لاج پر دوسرے دن بھی رونقوں کا راج تھا۔ حمید اور منزہ کو اسی دن کا بے چینی سے انتظار تھا اور ان کی منتظر نگاہیں بار بار گیٹ کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ مہمان بھی تقریباً پہنچ چکے تھے اور وقت بھی ہو چکا تھا جس نے انھیں متفکر کر دیا تھا۔ بالآخر منزہ نے حمید کو میس کے نمبر پر فون کرنے کو کہا تا کہ پتہ چل سکے کہ وہ لوگ چلے بھی ہیں یا نہیں۔ فوجی بارات سے وقت کی پابندی کی توقع کی جارہی تھی۔ ابھی حمید ٹیلیفون کرنے کے لیے گھر اندر جا ہی رہے تھے کہ کسی نے آواز دی کہ بارات آ گئی ہے۔ بارات ابھی گھر سے خاصی دور تھی لیکن گیٹ سے واضح طور پر دیکھی جا سکتی تھی۔ بارات کے آگے آگے پنجاب رجمنٹ کا خوبصورت منفرد وردی میں ملبوس بینڈ شادی بیاہ کے لیے مخصوص اور مقبول ترین دھن 'ویر میرا گھوڑی چڑھیا' بجا رہا تھا اس کے پیچھے سیاہ رنگ کی خوبصورتی سے سجائی گئی لمبی چوڑی شیورلیٹ کار میں مشفق اور اس کی والدہ اور پیچھے باقی بارات تھی۔ بارات جیسا کہ توقع کی جارہی تھی خاصی مختصر لیکن پر وقار تھی۔ مشفق کے ساتھ بس اس کی والدہ اور رشتے کے ماموں اور ممانی ہی تھے جبکہ باقی باراتیوں میں اس کی دونوں یونٹوں کے چند افسران اور کچھ شادی شدہ افسروں کی بیگمات شامل تھیں۔ تاخیر کی وجہ پتہ چلی کہ لبرٹی چوک پر بینڈ اور بارات نے ملنا تھا اور بینڈ والے راستہ بھول گئے تھے۔

مشفق آج سیاہ رنگ کے ٹراپیکل انگلش سوٹ میں خوبصورت رنگ کی سرخ و سیاہ لائنوں والی ٹائی پہنے ہوئے تھا۔ مغربی پاکستان کیے روائتی سہرے کے برعکس اس نے گلے میں گلاب کے پھولوں کا ایک ہلکا سا ہار پہنا ہوا تھا جو اس پر خوب جچ رہا تھا۔ بارات دروازے پر آ کر رکی تو حمید اور منزہ نے والہانہ انداز میں ان لوگوں کا استقبال کیا۔ حمید تو بارات کو لے کر لان کی طرف چلے گئے جبکہ منزہ، ناہیدہ اور دیگر چند خواتین جو باراتی افسروں کی بیویاں تھیں، کو لے کر اندر چلی گئیں۔ حمید اپنے مہمانوں اور عزیزوں سے مشفق کے ماموں اور بارات میں شریک افسران کا تعارف کرانے لگے۔ انھوں نے اپنی بساط سے بڑھ کر پر تکلف ظہرانے کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ خوش گپیوں کے دوران کسی بذلہ سنج کیپٹن کی رگ

ظرافت پھڑکی اوراس نے دن کے ایک اہم واقعہ کے حوالے سے ایک درفتنی چھوڑی کہ آج ایک چاند امریکا نے مسخر کیا ہے جبکہ دوسرا ہمارا چھپا کرنے جا رہا ہے جس پر وہاں ایک زبردست قہقہہ پڑا لیکن فوراً ہی لڑکی والوں کی طرف سے کسی زندہ دل لاہوریئے نے ترت جواب دیا کہ 'کوئی گل نئیں بادشاہو، اج چن لبھ لوو، پر اج توں بعد ساری حیاتی تہاڈا شہزادہ گواچیا ای رہنا اے' (کوئی نہیں آج چاند ڈھونڈھ لیں مگر اس کے بعد آپ کا شہزادہ ساری عمر بھٹکا ہی رہے گا)۔ اس جواب نے ایک زیادہ طاقتور اور اکثریتی قہقہے کو جنم دیا۔ دراصل اسی روز صبح امریکا نے چاند کو مسخر کیا تھا اور پہلے انسان نیل آرمسٹرانگ نے چاند پر قدم رکھا تھا جس کے بعد اس نے ایک تاریخی جملہ کہا تھا،

"That's one small step for man. One giant leap for mankind"

(یہ انسان کا ایک چھوٹا سا قدم ہے لیکن انسانیت کی جست [فتح] ہے)۔ دُنیا بھر میں وہ خبر موضوع بحث بنی ہوئی تھی تو یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ مشفق کی شادی پر اس کا تذکرہ نہ ہو۔

طعام سے فراغت کے بعد رسوم کی ادائیگی اور تحائف کے تبادلے کا سلسلہ شروع ہوا اور بالآخر دولہے میاں کیپٹن مشفق الاسلام کو اندر بلانے کا وقت آن پہنچا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مشفق کو قدرے گھبراہٹ محسوس ہوئی، حالانکہ اس کے چند نہایت قریبی دوست اس کے ساتھ تھے۔ اتنا تو وہ شاید کمانڈو ٹریننگ کے دوران کسی موقع پر نہ گھبرایا ہوگا جس قدر وہ آج خوف محسوس کر رہا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی اسے سامنے صوفے پر مائرہ، موتیا رنگ کے کامدار کمخواب کے غرارہ سوٹ میں لمبا گھونگھٹ نکالے بیٹھی نظر آئی اور اس کے دائیں بائیں اس کی وہی دو چنچل سہیلیاں بیٹھی نظر آئیں جنھوں نے مہندی پر بھی اس کا ناک میں دم کیے رکھا تھا۔ اچٹتی نگاہ میں ہی اس نے اندازہ لگالیا کہ مائرہ غضب ڈھا رہی تھی۔ وہ کسی یونانی دیوی سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ یہ لوگ مش کو لے کر صوفے کے نزدیک پہنچے تو مائرہ کی سہیلیوں نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ شریفانہ برتاؤ کی توقع نہیں کی جارہی تھی لہٰذا لڑکے والے بھی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے۔ باقاعدہ کمانڈو ایکشن کا منصوبہ تیار تھا۔

بالکل صوفے کے سامنے پہنچ کر لڑکے نہایت مؤدب ہو کر خاموش ہو کر کھڑے ہوگئے۔ جب وہ کچھ نہ بولے تو بے چین ہونے کی باری اب مائرہ کی چنچل سکھیوں کی تھی۔ شوخ فوزیہ نہ رہ سکی اور

خاموشی توڑ دی، ''جی فرمایئے کس سے ملنا ہے؟''

''جی مس مائرہ حمید نے کیپٹن مشفق کو دعوت دی تھی اسی لیے ہم لوگ آئے ہیں۔'' کیپٹن اسد نے جواب دیا۔

''تو اکیلے کو دعوت دی ہوگی ناں؟ آپ کس خوشی میں جمعہ جنج کے ساتھ بنے ہوئے ہیں؟''

''جی انھوں نے بھی اکیلے ہی ملنے کے لیے بلایا تھا، آپ کباب میں ہڈی کیوں بن گئیں؟''

''آپ نے ہمیں ہڈی کہا۔'' شازیہ تلملا کر بولی۔

''جی نہیں سر اسد نے آپ کو کباب کہا۔'' کیپٹن ساحر نے جواب دیا اور پھر اسد سے مخاطب ہو کر بولا، ''سر آپ کو تو کباب بہت پسند ہیں ناں؟''

''ہاں یار..... کہیں ملیں تو پیک کرالو۔'' اسد شرارت سے بولا۔

''جی نہیں ہم کباب وباب نہیں ہیں مائرہ کی دوست ہیں اور ہم نہیں اٹھیں گی۔ کہیں اور جگہ ڈھونڈیئے۔'' فوزیہ تپٹا کر بولی۔

''ناں جی بیٹھیں گے تو ہم یہیں خواہ کچھ بھی ہو۔'' اسد نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''اٹھا سکتے ہیں تو اٹھالیں۔'' شازیہ چہکی۔

''اٹھا تو لیں گے لیکن لوگ کیا کہیں گے؟'' کیپٹن سلیم نے لقمہ دیا۔

''کیا کہیں گے جی لوگ؟''

''یہی کہ اٹھانی تھی تو چیز تو کام کی اٹھاتے۔'' محفل میں ایک زوردار قہقہہ بلند ہوا اور جھینپی ہوئی فوزیہ تپٹا کر بولی، ''اب تو بھول جائیں کہ ہم اٹھیں گی۔''

''دیکھ لیں..... دلیر فوجی سب کچھ اٹھا سکتا ہے ماسوائے ہزیمت کے!'' اسد نے وارننگ دی جسے لڑکیوں نے مذاق جانا۔

''جی بسم اللہ، کوشش کر دیکھیے۔'' شازیہ بے نیازی سے بولی تو اسد نے کیپٹن سلیم، لیفٹننٹ جاوید اور دوسروں سے کہا، ''یار ذرا میری مدد کرنا۔ میرے ساتھ ملکر صوفے کو اٹھانا ہے اور وہ سامنے کونے میں رکھنا ہے۔ باقیوں کی خیر ہے لیکن بھابی کا خیال رکھنا ہے انھیں کوئی چوٹ وغیرہ نہ لگ جائے۔'' اس سے پہلے کہ کسی کو کچھ سمجھ آتی سب دوستوں نے ایک زوردار نعرے کے ساتھ ایکساتھ صوفہ زمین سے بلند کیا۔ مائرہ کی سہیلیاں اس ناگہانی ایکشن کے لیے تیار نہ تھیں سو چیخیں مارتی ہوئی صوفے سے اتریں۔

ہال میں کہیں قہقہے بلند ہوئے تو کہیں بزرگ خواتین کی 'ہائے میں مر گئی، کڑیاں گمیاں' (لڑکیاں گئیں) سنائی دی۔ اسد نے صوفہ واپس نیچے رکھنے کا فوجی انداز میں حکم دیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے پریڈ گراؤنڈ میں کوئی ڈرل ہو رہی ہو۔ جوں ہی صوفہ واپس رکھا گیا تو اسد نے مشفق سے کہا، ''چلو میری جان، بیٹھو بھابی کے ساتھ اور اسے بٹھا کر فوزیہ سے مخاطب ہوا،'' ویسے ابھی بھی دو کی جگہ ہے؟ آیئے ہم دونوں نہ بیٹھ جائیں؟''

''جی نہیں آپ ہی کو مبارک ہو۔ اب آپ ہی بیٹھیں۔'' فوزیہ نے جلی کٹی سنائی۔

''میں تو خیر بیٹھوں گا ہی کیونکہ آج میرے یار کی شادی ہے لیکن آپ ساتھ بیٹھ جاتیں تو اچھا لگتا۔ آپ کی بھی ٹور بن جاتی کہ کسی ہینڈسم کپتان کے ساتھ بیٹھیں ہیں۔'' اسد نے پھر چھیڑا۔

''آہاہا.... کتنی خوش فہمی ہے جناب کو۔''

''ارے یہ سب تو مذاق تھا۔ آئی ایم ویری سوری۔ یہ آپ کا حق ہے بیٹھنے کا، آیئے.... ویسے میں آپ کے پیچھے کھڑا تو ہو سکتا ہوں ناں؟'' اسد نے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ معصومانہ خواہش کا اظہار کیا۔

''آپ کی مرضی۔'' ایکدم نرم پڑتی اور شرم سے سرخ ہوتی فوزیہ نے نظریں جھکاتے ہوئے جواب دیا اور مائرہ کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کے بعد کے ہلے گلے میں شازیہ اور دوسری سہیلیاں تو خوب سرگرم رہیں مگر فوزیہ کو تو جیسے چپ سی لگ گئی تھی۔

ابھی رسوم اور شرارتیں جاری تھیں کہ لاؤنج میں فون کی گھنٹی بجی۔ تیسری بیل پر منزہ بمشکل راستہ بناتے ہوئے فون تک پہنچیں۔ فون اٹھا کر کچھ دیر آہستہ آواز میں بات کی، ایک آدھ دفعہ تو پاس بیٹھے ہوؤں کو خاموش رہنے کا بھی کہا اور پھر جب اچانک خوشی سے بھرپور اونچی آواز میں کہا ''کیا؟؟؟؟''.... تو سب یک لخت خاموش ہو کر منزہ کی جانب تکنے لگے۔ وہ سب لوگوں کی موجودگی سے بے نیاز بولے جا رہی تھیں، ''اللہ تیرا شکر ہے.... ٹھہرو میں ناہیدہ بہن سے بات کراتی ہوں۔'' سب منزہ کی جانب تک رہے تھے، مشفق بھی پر تجسس نگاہوں سے انھیں دیکھ رہا تھا۔ ناہیدہ کو فون تھماتے ہوئے منزہ نے کہا، ''بہن مبارک ہو آپ نواسے کی نانی بن گئی ہیں۔'' لاؤنج میں یک لخت مبارک سلامت کا شور اٹھا۔ مشفق اور مائرہ کے چہرے پر بھی خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ایسے میں جب سب ایک دوسرے کو مبارک باد

دے رہے تھے مشفق کے یونٹ افسروں کا مبارک باد کا اپنا ہی اسٹائل تھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے ہوئے اور ان پانچ چھ افسروں نے خواتین کی موجودگی کی پروا کیے بغیر وہیں ''ساڈا مُشی ماماں بن گیا.... ہے جمالو۔'' گاتے ہوئے لڈی ڈالنی شروع کر دی۔ سویلین کے لیے یہ ایک انوکھی چیز تھی جبکہ فوج کی ثقافت میں اس کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ ناہیدہ فون سن کر مشفق کے پاس آئیں۔ اسے اور مائرہ دونوں کو پیار کر کے بتایا کہ روبی کو اللہ نے بیٹا عطا کیا ہے اور انیس کہہ رہا تھا کہ فکر کی کوئی بات نہیں دونوں خیریت سے ہیں اور گھر واپس آ گئے ہیں۔ رب العزت کی ذات بھی کتنی بے پروا ہے، آزمائشیں ڈالتے اور خوشیاں عطا کرتے کوئی حساب نہیں رکھتی۔

رسوم پوری ہوئیں تو چلنے کا وقت ہو گیا۔ حمید صاحب کو بلایا گیا کہ دعاؤں کے سایہ میں بیٹی کو رخصت کریں۔ وہ اور منزہ، مائرہ کو بانہوں میں لیے دروازے کی جانب بڑھے اور اس سے پہلے کہ منزہ مشفق کو کچھ کہتی وہ خود منزہ کے قریب ہوا اور ادب سے جھک کر ان کے کان میں سرگوشی کی، ''آنٹی آپ ہرگز فکر نہ کیجیے گا۔ مائرہ ایک گھر سے اپنے دوسرے گھر جا رہی ہے بالکل ویسے، جیسے اُلفت لاج میرا دوسرا گھر ہے۔ ہم دونوں لاہور رہیں یا ڈھاکہ، ایک ہی بات ہے۔ آپ جب کہیں گی مائرہ آپ کے پاس آ جائے گی اور جتنی دیر چاہے اپنے پاس رکھیئے گا۔ اماں اور مجھے کبھی کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ میں آپ کے آنسوؤں کو سمجھتا ہوں۔ آپ کو اس وقت بوبی کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ کاش وہ آج یہ خوشی دیکھنے کے لیے ہمارے درمیان ہوتا۔''

کیپٹن اسد جو مشفق کے بالکل پاس کھڑا تھا مُش کی بات سن کر بولا، ''سوری آنٹی.... پتہ نہیں مجھے بولنا چاہیے یا نہیں لیکن مشفق میرا بہت پیارا بھائی ہے اور اس ناتے مائرہ بھابی نہیں آج سے میری بہن ہیں۔ میں آج انھیں خود رخصت کروں گا۔''

منزہ نے بے اختیار اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بہت دعائیں دیں۔ یہ کہہ کر اسد آگے بڑھ گیا اور حمید سے جا کر کہنے لگا، ''انکل اگر مجھے اجازت ہو تو میں اپنی بہن کو خود رخصت کر لوں؟''

شدت جذبات سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ بولے، ''کیوں نہیں بیٹا؟ یہ تو میری خوش قسمتی ہے۔'' اور شفقت سے اس کا ہاتھ کھینچ کر مائرہ کے دوسری جانب لے آئے۔ دونوں نے قرآن پاک کے سایہ میں مائرہ کو گاڑی تک پہنچایا۔ گاڑی میں مائرہ کو بٹھا کر حمید اس پر کچھ پڑھ کر

پھونک رہے تھے تو کیپٹن اسد قصداً پیچھے ہٹ گیا۔ اچانک اسے پیچھے سے آواز آئی، ''آپ کی بیگم کہاں ہیں؟ مجھے نظر نہیں آئیں، مجھے ان سے آپ کی شکایت کرنی ہے۔'' اسد نے چونک کر مڑ کر دیکھا تو یہ فوزیہ تھی جو سنجیدہ مسکراہٹ لیے کھڑی تھی۔

''جی فی الحال تو بیگم والی نعمت سے محروم ہوں۔'' جواب دیتے ہوئے اسد نے دل ہی دل میں فوزیہ کو داد دی کہ کس خوبصورت طریقے سے اس نے پوچھ لیا کہ وہ شادی شدہ ہے یا کنوارہ۔

''کوشش کیجیے مل جائے گی۔''

''جی مل گئی ہے۔'' اسد مسکراتے ہوئے بولا۔

''کب، کہاں۔'' فوزیہ نے بے صبری سے پوچھا جیسے وہ کچھ سننا چاہتی ہو۔

''جی آج ہی اور یہیں مائرہ بہن کے گھر میں۔''

''اچھا؟؟؟؟.... ہمیں نہیں بتایا آپ نے؟''

''میرا خیال تھا آپ کو پتہ چل چکا ہوگا؟.... خود سے پوچھ کر دیکھیے اور جب پتہ چل جائے تو مجھے ضرور بتائے گا۔ مائرہ آپ کو میرے میس کا فون نمبر دے دیں گی۔''

''میں تو آپ سے سننا چاہ رہی تھی۔ انسان کچھ چیزوں کا علم رکھنے کے باوجود دوسروں سے سننے کا متمنی ہوتا ہے۔''

''میں صرف اتنی التجا کروں گا کہ اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ اپنے لیے نہیں بلکہ کسی کے لیے جسے آپ آج اچانک بہت عزیز ہوگئی ہیں۔''

فوزیہ نے جھکی نگاہیں اٹھائیں تو اسے اسد کی سبز آنکھوں میں سب کچھ لکھا نظر آ گیا۔

''چلیں سر! بارات نکل گئی ہے۔'' کیپٹن سلیم نے دور سے آواز دی۔

''او کے۔ ایک منٹ میں آیا۔'' اسے انتظار کا کہہ کر وہ پھر فوزیہ سے مخاطب ہوا، ''آج جو شرارت کی اس کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ کچھ زیادہ ہی ہو گیا تھا۔''

''کوئی بات نہیں زیادتی تو مجھ سے بھی ہوگئی تھی، لیکن اب آپ کبھی نہیں بھولیں گے۔ اپنا بے حد خیال رکھیے گا۔ اپنے لیے نہیں بلکہ کسی اور کے لیے۔ جائیے آپ کے دوست انتظار کر رہے ہیں۔ میں مائرہ سے نمبر لے لوں گی۔''

''اللہ حافظ فوزیہ جی۔'' اسد نہایت اپنائیت سے بولا۔

کیوپڈ ایک اور وار کر چکا تھا۔ اس کی سب سے بڑی یہی خرابی ہے کہ کبھی تو چوکنے شکار کو برسوں انتظار کی اذیت میں مبتلا رکھتا ہے اور کبھی بے خبر شکار کو آناً فاناً جا لیتا ہے۔

مشفق کے دوستوں نے میس کے گیسٹ روم کو بطور حجلہ عروسی نہایت نفیس طریقے اور ذوق سے سجایا ہوا تھا اور مائرہ آرام دہ پلنگ پر سمٹی ہوئی بیٹھی یہ سوچ رہی تھی کہ وہ نصیب میں عام لڑکیوں سے کس قدر مختلف ہے۔ دوسری لڑکیاں بیاہ کر سسرال کے گھر سدھارتی ہیں اور اس کا سسرال فوج ٹھہری۔ وہ ابھی سوچوں میں گم تھی کہ اسے باہر کچھ کھسر پھسر اور ہنسی مذاق کی آوازیں سنائی دیں۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو اسے مُش کی آواز سنائی دی کہ سر خدا کا واسطہ ہے یہ شرارتیں کسی اور دن کے لیے اُدھار رکھ لیں۔ اس کے ساتھ ہی تمام دوستوں کا ایک زوردار قہقہہ بلند ہوا اور دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ مائرہ نے نگاہ مزید جھکا لی۔ اس کا بدن پسینے سے شرابور ہو رہا تھا جس میں جولائی کے حبس کا اتنا قصور نہیں تھا جتنا اس کی اپنی گھبراہٹ کا تھا۔ چند لمحوں بعد قریب سے ہی مشفق کی کھنک دار آواز نے سکوت توڑا، ''سر! مجھے اجازت ہے؟ میں آپ کے پاس آ سکتا ہوں؟''

مائرہ نے بولنے کی بہت کوشش کی لیکن اس کی آواز نہ نکل سکی۔ اس کا حلق خشک ہو چکا تھا سو مُش کے دوسری دفعہ اجازت طلب کرنے پر اس نے خفیف سا اثبات میں سر ہلا دیا۔

''شکر ہے اجازت ملی تو سہی ورنہ مجھے تو لگا کہ آج رات آپ کے 'آفس' میں کھڑے ہو کر ہی گزارنی پڑے گی۔'' پلنگ کے قریب آ کر مشفق نے جھک کر مائرہ کے کان کے بالکل پاس جا کر سرگوشی میں کہا، ''کیا میں آپ کے پاس بیٹھ سکتا ہوں؟'' مائرہ کو بدستور خاموش پا کر مش دوبارہ گویا ہوا، ''یار اگر آپ کے بولنے کی چابی اُلفت لاج میں رہ گئی ہے تو آیئے وہیں چلتے ہیں۔ ایک تو چھٹی بہت کم ملی ہے اور اوپر سے آپ کی یہ خاموشیاں یونہی جاری رہیں تو ہمارے ہنگامی ہنی مون کا تو سمجھیں کباڑا ہو گیا۔''

مائرہ کو یک لخت اپنی غلطی کا احساس ہوا سو بہت نحیف آواز میں بولی، ''بیٹھیے ناں.... آپ کو روکا کس نے ہے؟''

''شکر ہے آپ بولیں تو ورنہ مجھے تو شک ہو چلا تھا کہ میری دلہن شاید تبدیل ہو گئی ہے۔''

''اگر دلہن تبدیل ہو جاتی تو آپ کی باقی زندگی تو بہت پریشانی میں گزرتی؟'' اب مائرہ نے بھی قدرے خود اعتمادی سے کہا۔

''نہ جی ناں.....میں تو اُلفت لاج والوں پر کیس کر دیتا۔'' مُش نے مائرہ کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''آپ کو کیسے یقین ہے کہ میں مائرہ ہی ہوں کوئی اور نہیں؟''

''عام زندگی میں چہکنا اور مصیبت میں پھنسنے پر چپ کا تالا لگ جانا، یہ صرف میری مائرہ کی ہی خاصیت ہے۔'' مشفق نے نہایت محبت سے مائرہ کا گھونگھٹ اٹھاتے ہوئے شرارت سے کہا۔ مائرہ کا سانس ایک مرتبہ پھر دھونکنی کی طرح چلنے لگا اور وہ نظریں نہ اٹھا سکی۔ مُش نے اپنے ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی کو اونچا کیا لیکن اس کی نظریں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی، ''لگتا ہے آج صرف میں ہی بولتا رہوں گا؟.... ٹھیک ہے جی منظور ہے ہمیں لیکن ایک شرط پر کہ پھر تمام عمر یہی روائت چلے۔''

''جی نہیں یہ صرف آج کے لیے ہے۔'' مائرہ پہلی دفعہ چہکی۔

''کیوں جی صرف آج ہی کے لیے کیوں؟''

''اس لیے کہ یہ سین کی ڈیمانڈ ہے۔'' مائرہ کھنکتی ہنسی کے ساتھ بولی تو مُش نے اسے بانہوں میں بھر لیا۔ موموکی دل کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہو چکی تھیں اور اس کا سانس بے ترتیب ہو رہا تھا۔ مشفق پلنگ کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا اور مائرہ کو اپنے سینے پر گرا لیا۔ مائرہ بھی کوئی مزاحمت کیے بغیر اس کے سینے سے جا لگی۔ اسے مُش کے دل کی دھڑکن کسی سپاہی کے قدموں کی دھمک سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ سینے پر سر رکھے رکھے بولی، ''مُشی مجھے ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔''

''مومو! یہاں تو تم ایک مدّت سے رہ رہی ہو اور ان شاءاللہ ہمیشہ رہو گی۔''

''مجھے وہ پہلا دن یاد آ رہا ہے جب میں اکیڈیمی میں آپ سے ملی تھی۔ مجھے نہیں پتہ کہ کیسے ہوا لیکن میرے دل نے اسی وقت کہہ دیا کہ مائرہ یہی شخص تمھاری زندگی کا ساتھی ہے۔''

''مومو! سچ تو یہ ہے کہ میرے جذبات بھی کچھ اسی قسم کے تھے لیکن میں بہت عرصہ تک انھیں سختی سے رد کرتا رہا۔''

''وہ کیوں؟'' مائرہ نے تجسس سے پوچھا۔

''اس لیے کہ بوبی میرا روم میٹ اور اکیڈیمی کا واحد دوست تھا۔ مجھے یہی خدشہ لاحق رہتا تھا کہ اگر کبھی اسے علم ہو گیا تو وہ میرے بارے میں کیا سوچے گا۔ بس اسی بات نے مجھے بزدل بنائے رکھا۔

وہ تو بابر کی موت کے بعد بھی انکل اور آنٹی نے مجھے اسی طرح پیار دیا تو میری کچھ حوصلہ افزائی ہوئی۔اور اس کے بعد تو مجھے ہر طرف تم ہی تم نظر آتی تھیں۔''

''آپ کو پتہ ہے کہ میں نے جو آپ کی گھڑی رکھ لی تھی اسے میں ہمیشہ رات کو سوتے وقت اپنے سینے سے لگا کر سوتی تھی اور مزے کی بات بتاؤں کہ ایک روز صبح ماما مجھے جگانے آئیں تو انھوں نے اس گھڑی کو میرے تکیے پر پایا۔ مجھے جگا کر پوچھنے لگیں کہ یہ گھڑی یہاں کیا کر رہی ہے۔میں نے کہا ماما میں اس کا وقت ٹھیک کر رہی تھی کہ نیند آ گئی۔ مجھے آج تک ماما کے چہرے پر بکھری وہ شرارتی مسکراہٹ اور ان کے الفاظ یاد ہیں۔ کہنے لگیں وقت تو ٹھیک ہے لیکن شاید تم وقت کو وقت سے آگے رکھنا چاہ رہی ہو۔''

''ہاہاہاہا.... تمھیں پتہ ہے میں اکثر کہتا ہوں کہ ہم نے جس سکول میں تعلیم حاصل کی ہوتی ہے ہمارے بڑے اس کے ہیڈ ماسٹر رہ چکے ہوتے ہیں۔''

''مُشی آنٹی لگتی تو بہت نرم دل ہیں لیکن نجانے کیوں مجھے ڈر سا لگ رہا ہے۔''

''ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ اللہ نے انھیں شکل بارعب ضرور دی ہے لیکن دل انتہائی نرم اور محبت کرنے والا عطا کیا ہے۔ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ دوسروں کے معاملات میں کبھی بھی ٹانگ نہیں اڑاتیں خواہ اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ ہماری تربیت کی جب تک ضرورت تھی ہم پر شیر کی آنکھ رکھی لیکن جونہی ہم ان کے قد سے اونچے ہوئے انھوں نے ڈانٹ ڈپٹ، روک ٹوک سب کچھ بند کر دیا۔ کہا کرتی تھیں کہ اب تم اپنے اچھے برے کے خود ذمہ دار ہو۔ہاں تمھیں کھانا پکانا سکھانے کے لیے شاید وہ اپنا اختیار استعمال کریں کیونکہ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ جس لڑکی کو گھر گرہستی کا شوق نہیں وہ اچھی خاتون خانہ ہرگز نہیں بن سکتی، مگر ڈانٹیں گی پھر بھی نہیں، سو بیگم صاحبہ رسوئی سنبھالنے کے لیے تیاری پکڑ لیں۔''

''رسوئی تو میں ڈھاکہ جا کر سنبھالوں گی فی الحال تو مجھے رسیا کو سنبھالنا ہے۔'' نائرہ نے گلنار چہرے کے ساتھ جواب دیا اور آنکھوں پر اپنے مخصوص انداز میں ہاتھ رکھ لیا۔

''تو گویا بیگم صاحبہ کی باتیں ختم ہو گئیں؟''

''جی نہیں.... باتیں تو ختم نہیں ہوئیں لیکن اب میرا جی چاہ رہا ہے کہ اپنے مُشی کے سینے پر سر رکھ کر سو جاؤں۔''

''بسم اللہ میری جان.... لیکن اس لدے پھندے 'شدید کام' والے سوٹ کے ساتھ آپ خواتین کو ہی نیند آسکتی ہے۔ مجھ غریب یتیم پر ظلم کس لیے؟'' مشفق نے رومانٹک جملہ کسا۔

''اوہ، سوری.... چلیں میں تبدیل کر کے آتی ہوں۔'' مائرہ بستر سے اٹھی اور اٹیچی سے اپنا شب خوابی والا ڈھیلا ڈھالا سوٹ نکال کر باتھ روم میں تبدیل کرنے چلی گئی اور مشفق نے پلنگ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند کر اپنے حسین خیالات کو تمام حدیں پار کرنے کی چھوٹ دے دی۔ کچھ دیر بعد مائرہ باتھ روم سے نمودار ہوئی تو مشفق کا منہ اور آنکھیں کھلے کے کھلے رہ گئے۔ شب خوابی کے لباس میں بکھرے بالوں والی مومو، عروسی لباس والی مائرہ سے کہیں زیادہ خوبصورت اور آفت لگ رہی تھی۔ لگ رہا تھا کوئی دیو مالائی اپسرا آسمان سے اتر کر دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھ رہی ہو۔ مُش رفتہ رفتہ ہوش بھول رہا تھا اور اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ اسے یہ بھی علم نہ ہوا کہ مائرہ کب کی اس کے پاس آ کر کھڑی ہوئی تھی۔

''ہیلو! جی کیا ہوا؟ کہاں کھو گئے؟ کہیں جھرنا کی یاد تو نہیں آ گئی؟'' مائرہ نے جملہ کسا، دراصل روبی اسے پڑوسن جھرنا کی یکطرفہ محبت کی کہانی سنا چکی تھی اور مائرہ پہلے بھی اسے کئی مرتبہ جھرنا کا نام لے کر تنگ کر چکی تھی۔

''جھرنا تو گئی بھاڑ میں، اس وقت جھرنا نہیں، مجھے بس مرنا ہے۔'' مُش نے فقرہ کستے ہوئے مائرہ کو اپنے قریب کھینچ لیا اور ٹیبل لیمپ کی روشنی گل کر دی اور پوربی پاکستان کا دریائے میگھنا، کاکول کی پہاڑیوں کی ڈھلوانوں سے بہتا ہوا بالآخر دریائے راوی کی پرشور لہروں میں مدغم ہو گیا۔

دعوت ولیمہ کا انتظام پروگرام کے مطابق آرمی میس کے لان میں کیا گیا تھا۔ میزبان ہونے کی حیثیت سے ان دونوں کو وہاں پہلے پہنچنا تھا تا کہ مہمانوں کا استقبال کر سکیں۔ دونوں تیاریوں میں مصروف تھے۔ مشفق نے کیپٹن اسد سے درخواست کر رکھی تھی کہ وہ ان دونوں کو اُلفت لاج سے لے لیں اور اسد کچھ دیر میں آیا ہی چاہتا تھا۔ دوسری جانب فوزیہ جسے مائرہ نے اپنے ساتھ چلنے کو کہہ رکھا تھا، پہنچ چکی تھی۔ موقع دیکھ کر مائرہ نے بات سے بات نکالی، ''مشی! یہ فوزیہ کا کیا کرنا ہے؟''

''کیا کرنا ہے؟ ہمارے ساتھ ہی جائیں گی فوزیہ۔'' وہ ٹائی کی گرہ باندھتے ہوئے بولا۔

''ارے بابا نہیں.... میں ساتھ جانے کا نہیں کہہ رہی۔''

''تو پھر کیا کہہ رہی ہو آپ؟''

''میرا مطلب ہے شادی والے روز فوزیہ کی اور اسد بھائی کی جھڑپ ہو گئی تھی، صلح نہ کروا دیں؟''

''اچھا؟.... یہ کب ہوئی تھی؟ مجھے کیوں نہیں پتہ چلا؟'' مُش جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے بولا۔

''اوہو وہ دودھ پلائی کی رسم کے موقع پر جب آپ کو بٹھانے کے لیے فوزیہ نے جگہ نہیں دی تھی تب۔''

''اچھا تو فوزیہ نے مجھے کھڑے رکھا تھا؟ تو پھر میں کیوں صلح کرواؤں؟''

''جی نہیں میری کوئی لڑائی وڑائی نہیں ہوئی تھی۔ رخصتی کے وقت ہم نے غلط فہمی دور بھی کر لی تھی۔'' فوزیہ بے ساختہ بول اٹھی۔

''او ہو.... تو غلط فہمیاں بھی دور ہو گئیں؟ اسی لیے مجھ سے فون نمبر مانگا جا رہا تھا؟'' مومو نے چھیڑا۔

''کس کا؟ سر اسد کے گھر کا نمبر؟''

''جی نہیں.... میں نے تو میس کا نمبر مانگا تھا۔'' فوزیہ گھبراہٹ میں اعتراف پر اعتراف کیے چلی جا رہی تھی۔

''مطلب کام کافی سنجیدہ ہو گیا ہے؟'' مشفق فوزیہ کو شرارتی نظروں سے تکتے ہوئے بولا۔

''اللہ! مشفق بھائی آپ بھی ناں۔'' فوزیہ زچ ہو کر لاجواب ہوتے ہوئے صرف اتنا کہہ سکی۔

کچھ دیر میں کیپٹن اسد بھی پہنچ گیا اور یہ تینوں میس کے لیے روانہ ہونے کے لیے باہر پورچ میں نکلے۔ فوزیہ کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر اسد کا چہرہ یکدم کھل اٹھا اور فوزیہ نے بھی شرم سے نگاہیں جھکا لیں۔ مُش اور مائرہ اس صورتحال سے محظوظ ہوتے نظر آ رہے تھے اور لگتا تھا کہ انھوں نے اسد اور فوزیہ دونوں کو تنگ کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

''اب گاڑی میں بیٹھنے کا مسئلہ کیسے سلجھایا جائے۔'' مُش گاڑی کے پاس پہنچ کر بولا۔

''آسان بات ہے۔ فوزیہ اسد بھائی کے ساتھ آگے بیٹھ جاتی ہیں اور ہم دونوں پچھلی نشست پر۔'' مومو نے حل پیش کیا۔

''کیوں سر اسد! آپ کا کیا خیال ہے؟''

''میرا کیا خیال ہے بڑی؟ جیسے تم کہو۔'' اسد نہایت فرمانبرداری سے بولا جبکہ فوزیہ اس گفتگو میں بالکل خاموش رہی لیکن نظر آ رہا تھا کہ اس کی خواہش تھی کہ وہ ہی اسد کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھے۔

''ایک حل اور بھی ہے اور وہ یہ کہ سر اسد نے تمھیں بہن بنالیا ہے سو میری حیثیت داماد جی کی سی ہے۔ میں بطور اہم شخصیت پچھلی سیٹ پر بیٹھتا ہوں اور آپ دونوں بہن بھائی آگے بیٹھیں۔''

''اور فوزیہ؟'' مائرہ نے سوال اٹھایا۔

''وہ؟.... وہ میرے ساتھ بیٹھ جائیں گی۔ میں ان سے لاہور کے تاریخی مقامات کے بارے گفتگو کرلوں گا۔'' مشی نے شرارتاً کہا۔

''نہیں نہیں مشفق بھائی! آپ اور مائرہ پیچھے بیٹھیں، میں آگے بیٹھ جاؤنگی۔'' فوزیہ بے صبری سے بولی۔

''اوئے ہوئے....'' مومو سیٹی بجانے کے انداز میں ہونٹ سکیڑتے ہوئے بولی، ''ابھی سے یہ حال؟ چلو کیا یاد کرو گی۔ بیٹھ جاؤ آگے۔''

''تمھیں تو میں بعد میں نمٹوں گی۔'' فوزیہ نے مومو کو دھمکی دی۔ اور چاروں ہنستے ہوئے میس کی جانب روانہ ہوگئے۔ مائرہ جا کر مخصوص صوفے پر بیٹھ گئی جبکہ مشفق اور حمید مہمانوں کے استقبال میں مصروف ہوگئے۔ مائرہ نے آج خاص طور پر ناہیدہ کی دی ہوئی خوبصورت روائتی ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔ ساڑھی کا اصل کمال پہننے والی پر ہوتا ہے کہ وہ اسے carry کیسے کرتی ہے اور مائرہ میں یہ خداداد صلاحیت موجود تھی۔ ہر کوئی اس کی ساڑھی کی تعریف کر رہا تھا۔ یہ پیکر روایتی مشرقی دلہنوں کے گھونگٹ والے تاثر کی نفی کر رہا تھا۔ مائرہ نے بیٹھے بیٹھے ہر طرف نظر دوڑائی۔ دراصل اسے فوزیہ کی تلاش تھی کہ وہ آکر اس کے پاس بیٹھے۔ اچانک اسے فوزیہ اور اسد میس کے لان کے ایک کونے میں سر جوڑے باتیں کرتے نظر آئے۔ دونوں کے مسکراتے چہروں سے یوں لگتا تھا جیسے ایک دوسرے کو برسوں سے جانتے ہوں۔ بات بے بات پر ہلکے پھلکے قہقہے بھی لگ رہے تھے۔

''فوزیہ کی بچی! تمھیں تو میں بعد میں اچھی طرح نمٹوں گی۔'' مائرہ نے دل ہی دل میں کہا مگر سچ یہ تھا کہ فوزیہ کو خوش دیکھ کر اسے بے حد خوشی ہو رہی تھی۔ دراصل فوزیہ کی کہانی بھی بے حد دل اندوز تھی۔ اس کا باپ ایک امیر کبیر شخص تھا جس نے فوزیہ کی امّی سے محبت کی شادی کی تھی۔ خوبصورتی میں فوزیہ ہو بہو اپنی امّی کی کاپی تھی۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ پیسے کی فراوانی اکثر انسان کی آنکھوں سے حیا اور دل

سے خلوص ختم کر دیتی ہے۔ ایسا ہی کچھ یہاں بھی ہوا اور فوزیہ کے باپ نے ایک خوبصورت اور باوفا بیوی کے ہوتے ہوئے اپنے دفتر میں کام کرنے والی ایک عامیانہ سی سیکرٹری سے نکاح پڑھا لیا۔ فوزیہ اس وقت آٹھ نو برس کی تھی۔ اس کی امّی نے احتجاج کیا تو اس نے بیوی کو طلاق دے دی لیکن نجانے کیسے اس کے دل میں رحم آیا کہ ان دونوں کے لیے لاہور کے ایک نواحی علاقے مسلم ٹاؤن میں ایک مناسب گھر خرید کر فوزیہ کے نام کر دیا اور ساتھ میں ایک معقول رقم بھی بنک میں جمع کروا دی۔ بقول فوزیہ کے اس کی امّی علیحدگی کے بعد نہ تو کبھی اپنے شوہر کا نام اپنی زبان پر لائیں اور نہ ہی کبھی کسی عزیز رشتہ دار کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ اس کے سامنے فوزیہ کے باپ کا ذکر کرے یا اس کے بارے کوئی کلمات کہے۔ گزشتہ ایک سال سے فوزیہ کی امّی صاحب فراش تھیں۔ حسن اتفاق کہ وہ اپنی گریجویشن مکمل کر چکی تھی سو اب سوائے ماں کی دیکھ بھال اور گھر کے دیگر کاموں کے اس کا کوئی اور کام نہ تھا۔ بنک میں جمع کرائی گئی رقم سے اتنا منافع مل جاتا تھا کہ ان کی گزر بسر عزت سے ہو رہی تھی۔

اچانک فوزیہ کی مائرہ سے نگاہ ملی تو مائرہ نے اسے دانت پیستے ہوئے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ فوزیہ اسد سے معذرت کر کے فوراً مومو کے پاس آئی۔

''جی میری جان کیا بات ہے؟ خیریت ہے؟''

''میں تمھیں کب سے دیکھ رہی ہوں جان کی بچی۔ کیسے محبّت بھری نگاہوں سے اسد بھائی کو دیکھ رہی تھیں جیسے ابھی جوتوں سمیت ان کے دل میں اتر جاؤ گی۔ کیا آج ہی سارے معاملات طے کر لینے کا ارادہ ہے؟''

''بکواس مت کرو۔ خود تو ایک عدد میاں سنبھال کر بیٹھ گئی ہو، اب مجھے بھی کسی کارروائی کا موقع دو۔''

''اچھا سچ سچ بتاؤ بات کچھ آگے بڑھی؟''

''میں تمھاری طرح چھلانگیں مارنے کی عادی نہیں مومو کی بچی۔ ہر کام کا سلیقہ اور طریقہ ہوتا ہے لیکن ایک بات ہے۔''

''وہ کیا؟'' مومو نے پوچھا۔

''اسد بہت سلجھے ہوئے، باوقار اور محبّت کرنے والے شخص ہیں۔ تمھاری شادی کے روز ان کی

معذرت نے مجھے اسی وقت ان کا گرویدہ کرلیا تھا۔''

''سنو ایک مشورہ دوں کیا یاد کروگی؟'' مائرہ نے فوزیہ کے کان میں سرگوشی کی۔

''ہاں ہاں جلدی بولو۔''

''فنکشن کے بعد جب ہمیں اسد بھائی گھر اتارنے جائیں گے تو میں انھیں کہوں گی کہ تمھیں ڈراپ کر آئیں....''

''....نہیں، نہیں، یہ نہ کرنا۔'' فوزیہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

''اوہو میری بات تو سنو، بریک لگائے بغیر بولے چلی جاتی ہو۔ تمھیں شاید علم نہیں کہ اسد بھائی کی یونٹ بھی جلد ہی مشرقی پاکستان جانے والی ہے۔''

''کیا....؟؟؟'' فوزیہ کے ارمانوں پر تو جیسے اوس پڑ گئی ہو۔

''ہاں۔ اور اسی لیے میں چاہتی ہوں کہ جو ایک ڈیڑھ ماہ ہے اس میں اسد بھائی کی تمھاری امّی سے زیادہ سے زیادہ ملاقاتیں ہو جائیں تو بہتر ہوگا۔ میں اور مشفق بھی آنٹی سے ملنے آئیں گے اور باتوں باتوں میں انھیں اشارہ دیں گے۔ یقیناً وہ ہماری بات سمجھ جائیں گی۔ اگر اپنی مرضی کرنی ہے تو پھر دیکھ لو کہ یہ رہتی بات رہ جائے گی۔''

''مومو! مجھے زندگی میں بہت دیر بعد کوئی خوشی نصیب ہوئی ہے۔ سچ یہ ہے کہ میں اسد کو کسی قیمت پر نہیں کھونا چاہتی۔''

''تو پھر جیسا میں اور مشفق کہیں گے ویسا کرنا۔ اب شاباش جا کر مشفق کو میرے پاس بھیجو۔''

فوزیہ فوراً اٹھ کر مُش کے پاس گئی اور اسے مائرہ کا پیغام دیا۔ ساری گفتگو کا خلاصہ بیان کر کے مومو نے مشفق کو پلان سمجھایا جو اس نے اسی وقت اسد کے گوش گزار کر دیا۔ معاملات اس قدر تیزی سے آگے بڑھیں گے یہ تو کیپٹن اسد نے سوچا بھی نہ تھا لیکن اتنا ضرور تھا کہ اس پیش رفت کے بعد اسد کے چہرے پر پہلے سے کہیں زیادہ رونق آ گئی تھی۔

ظہرانہ ختم ہوا تو مہمان ایک ایک کر کے جانا شروع ہوئے۔ آخر میں ان لوگوں نے بھی تیاری پکڑی۔ کیپٹن اسد نے جب مائرہ اور مشفق کو اُلفت لاج اتارا تو مائرہ اسد سے مخاطب ہوئی، ''اسد بھائی ایک نیک کام کیجیے۔ کیا آپ فوزیہ کو مسلم ٹاؤن ڈراپ کر سکتے ہیں؟''

''کیوں نہیں sure اگر فوزیہ کو اعتراض نہ ہوتو۔''

''نہیں جی.... مجھے کیوں اعتراض ہوگا؟'' لجائی، گھبرائی ہوئی فوزیہ بولی۔

اور ہاں، فوزیہ کی امّی کو سلام بھی کر لیجیے گا۔ ان کی عیادت بھی ہو جائے گی۔ وہ آجکل علیل ہیں۔'' مائرہ نے تاکید کی۔

وہ دونوں روانہ ہوئے تو مشفق اور مائرہ انھی کے متعلق باتیں کرتے اندر آگئے۔ اگلے روز ناہیدہ کی واپسی تھی جس کا انھیں شدت سے انتظار تھا۔ آخر کو وہ نانی بن چکی تھیں اور ان کا بس نہیں چلا ورنہ وہ کب کی ڈھاکہ جا چکی ہوتیں۔ روبی اور انیس اس انتظار میں تھے کہ نانی آکر نومولود کا نام خود تجویز کرے گی۔

مشفق کی چھٹی کا بیشتر حصہ بھی گزر چکا تھا۔ اگلے چند دنوں میں اس نے الوداعی ملاقاتیں کرنی تھیں اور اس کے بعد مختصر سامان کے ساتھ اٹک روانہ ہو جانا تھا۔ مشفق، حمید اور منزہ کو جہیز وغیرہ کے متعلق پہلے ہی سختی سے منع کر چکا تھا تاہم منزہ نے اسے سلامی میں تیس ہزار روپے زبردستی دیئے کہ وہ لوگ ڈھاکہ جا کر اپنی پسند کا فرنیچر وغیرہ خرید لیں۔

مشفق نے اسی لمحے وہ رقم مائرہ کے حوالے کر دی۔ اگلے چند روز نہایت رونق میلے میں ہلے گلے کے ساتھ گزرے۔ ایک روز وقت نکال کر مشفق اور مائرہ الوداعی ملاقات کے لیے فوزیہ کے گھر بھی گئے۔ اس پروگرام کے متعلق فوزیہ کو پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا تھا۔ اسد کو بھی ساتھ چلنے کا کہہ دیا گیا تھا لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ فوزیہ کے لیے اسد کی آمد سرپرائز تھی۔

فوزیہ کی امّی ان سب کو اپنے درمیان پا کر بے حد خوش ہوئیں۔ جہاندیدہ خاتون تھیں سو فوراً معاملے کی طے تک پہنچ گئیں۔ اسی لیے اسد اس روز کثرت سے ان کی خصوصی شفقت کا مستحق ٹھہرا جسے فوزیہ سمیت سب نے محسوس کیا۔ اٹھتے اٹھتے مشفق نے بھی جب کہا کہ وہ اور مائرہ تو یہاں نہیں ہوں گے لیکن وہ اسد کو بھی اپنا بیٹا ہی سمجھیں جو ان کا ہر طرح سے خیال رکھے گا تو فوزیہ کی امّی بولیں، ''کیوں نہیں بیٹا.... اس کا اپنا گھر ہے، جب دل چاہے آئے۔ اللہ اسے سلامت رکھے۔ مجھے ہمیشہ بیٹے کی خواہش رہی تھی جو اب اللہ نے پوری کر دی۔'' اس کے بعد کیپٹن اسد کو پاس آنے کا اشارہ کیا اور جب وہ پاس

جا کر ادب سے جھکا تو اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ مشفق، مائرہ اور فوزیہ تینوں نے حیرانگی سے سے یہ منظر دیکھا تاہم فوزیہ کے چہرے پر رونق اور خوشی دیدنی تھی۔ مائرہ نے بڑھ کر فوزیہ کو گلے لگا لیا اور اپنے ہاتھ سے اس کی بھیگی آنکھیں پونچھیں۔ وہاں سے رخصت ہوئے تو راستے میں اس نے اسد کو مخاطب کر کے کہا، ''اسد بھائی! اپنی بہن سے وعدہ کریں کہ میری دوست کو زندگی میں کبھی کوئی دکھ نہیں دیں گے؟''

''یہ سپاہی کا وعدہ ہے کہ وہ اپنی بہن کو کبھی مایوس نہیں کریگا۔'' اسد نے حلف لینے کے انداز میں کہا۔
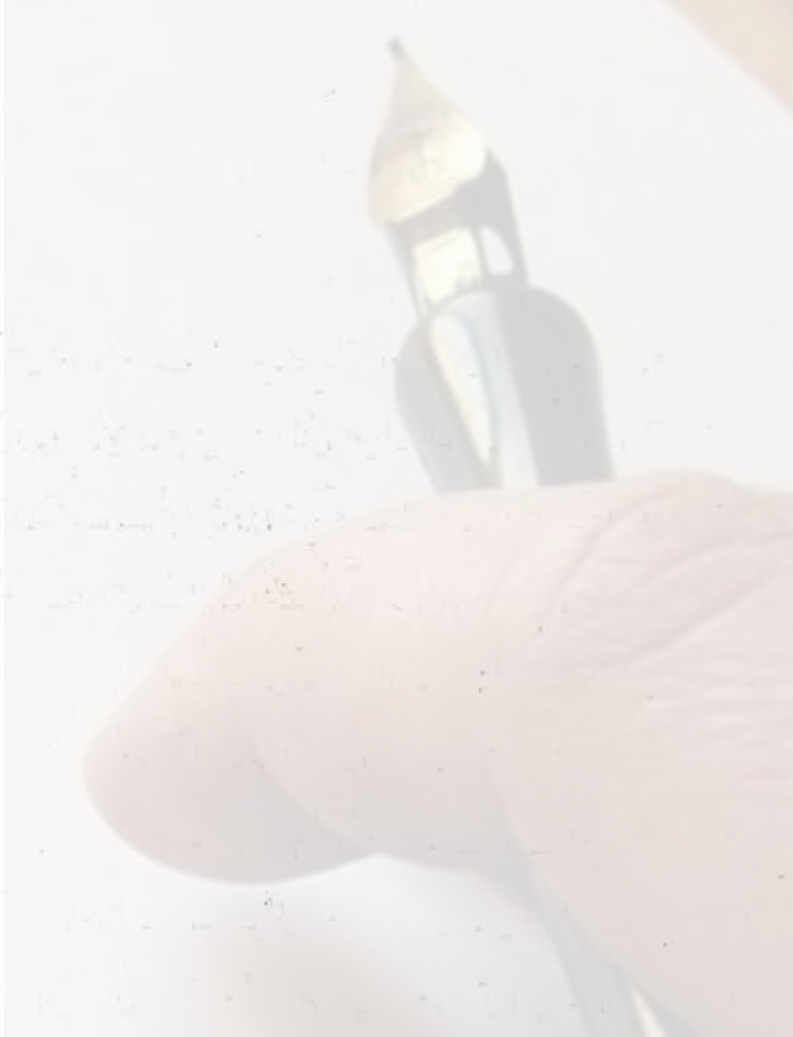
مشفق اور مائرہ اٹک منتقل ہو چکے تھے اور چند ہی دنوں بعد ان کی ڈھاکہ کے لیے روانگی متوقع تھی۔ مشفق زیادہ تر یونٹ کی تیاریوں میں مصروف تھا جبکہ مائرہ کی دیگر افسروں کی بیگمات کے ساتھ دوستی ہو چکی تھی۔ سب سے کم عمر شادی شدہ ہونے کیوجہ سے وہ سب کی توجہ اور شفقت کی مستحق ٹھہرتی۔ مشفق کی دفتر سے واپسی تک اس کا وقت اچھا گزر جاتا۔ دوسری جانب مشرقی پاکستان میں حالات دن بہ دن مخدوش ہوتے جا رہے تھے۔ مجیب الرحمان نے بنگالیوں کو مغربی پاکستان کے خلاف بھڑکانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ سمجھدار بنگالی اس کی ان سیاسی چالوں سے اختلاف رکھتے تھے لیکن اکثریت کے بگڑے تیور دیکھ کر کسی انجانے خوف کیوجہ سے خاموش رہتے تھے۔ اگر دیانتدارانہ تجزیہ کیا جاتا تو مجیب کو یہ کھلی چھوٹ دلوانے میں مغربی پاکستان کے کئی خودغرض اور موقع پرست سیاستدانوں کا بھی ہاتھ تھا جو بغض معاویہ میں مبتلا تھے اور جن کا واحد مقصد ایوب خان کی حکومت کو کمزور بلکہ چلتا کرنا تھا۔ انھی لوگوں نے مجیب الرحمان کی رہائی میں بھی اہم کردار ادا کیا تھا۔

اگست ۱۹۶۹ء کا وسط تھا۔ بالآخر مشفق کی یونٹ کے جزوی حصے کے مشرقی پاکستان جانے کا وقت آن پہنچا۔ حمید اور منزہ بچوں کو ملنے اٹک خود آئے۔ جہاں مائرہ کو مشرقی پاکستان دیکھنے کا اشتیاق تھا وہیں اسے بابل کا آنگن چھوڑنے کا غم بھی تھا۔ جس گھر میں وہ بابر کے ساتھ کھیل کود کر بڑی ہوئی، ماں باپ کے پیار کو سمیٹا، سہیلیوں کے ساتھ موج مزہ کیا، قہقہے بکھیرے، وہ اُلفت لاج اس سے چھوٹ رہی تھی۔

رہ رہ کر اسے خیال آرہا تھا کہ نجانے وہ اب آئے بھی گی یا نہیں اور اگر آئے گی تو کب آئے گی؟ منزہ نے مشفق کو اس کی اعزازی چھڑی تھماتے ہوئے کہا، ''بیٹا یہ چھڑی مائرہ لاہور ہی بھول آئی تھی سو میں لے آئی ہوں۔''

''نہیں آنٹی میں نے ہی مائرہ کو کہا تھا کہ یہ چھڑی وہیں رہنے دے بابر کے کمرے میں۔ ویسے بھی ایک چھڑی چھوڑی اور دوسری چھڑی (لڑکی) لے کر جا رہا ہوں۔'' مُش نے یکدم سنجیدہ ہوتے ماحول کو خوشگوار کرنے کے لیے پھلجھڑی چھوڑی جس پر سب ہنس پڑے۔

''جناب یہ مت بھولیں کہ جو چھڑی لے کر جا رہے ہیں وہ چھوڑے جانے والی چھڑی سے زیادہ قیمتی ہے۔'' مومو نے لقمہ دیا۔

''اس میں کوئی شک نہیں۔ اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ یہ سودا مہنگا ہرگز نہیں ہے۔''

حمید اور منزہ مشفق کی شان اور یونٹ کے دبدبہ و وقار کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ ان کے لیے یہ کسی اعزاز سے کم نہیں تھا۔ جس روز وہ واپس لاہور روانہ ہوئے اس سے دو روز بعد مشفق کی کمپنی کی راولپنڈی سے بذریعہ جہاز ڈھاکہ روانگی تھی۔ مائرہ کے ساتھ دو اور افسروں کی بیویاں بھی ڈھاکہ جا رہی تھیں جن میں سے ایک کمپنی کمانڈر میجر شوکت کی اہلیہ زرینہ اور دوسری کیپٹن قاسم کی بیگم عائشہ تھیں۔ ان کا ساتھ ملنے سے مائرہ کو بہت سہارا ملا جبکہ ان دونوں کو یہ تسلی تھی کہ ان کے ساتھ ایک خاتون ایسی بھی ہے جس کا سسرال ڈھاکہ میں ہے۔

ڈھاکہ میں یونٹ کا ابتدائی قیام کرمی ٹولہ کینٹ میں تھا جبکہ اگلے احکامات بعد میں ملنے تھے۔ چھاؤنی پہنچنے کے بعد مشفق نے کمپنی کمانڈر سے کچھ دیر کی رخصت طلب کی تاکہ مائرہ کو گھر چھوڑ سکے۔ ڈھاکہ شہر سے گزرتے مائرہ کو نجانے کیوں ڈھاکہ، لاہور کی طرح بارونق ہونے کے باوجود لاہور سے یکسر مختلف محسوس ہوا لیکن وہ وجہ جاننے سے قاصر تھی۔ گھر پر ان لوگوں کا بے تابی سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ خصوصاً روبی تو مائرہ اور مُشی کو ملنے کے لیے اتنی بے چین تھی کہ ننھے میاں کو گود میں لیے دروازے میں ہی کھڑی تھی۔ بیٹے کو بھائی کی گود میں تھما کر وہ نہایت وارفتگی سے مائرہ سے بغلگیر ہو گئی۔ دونوں کی خوشی قابلِ دید تھی۔ انیس بھی گھر واپس آ چکا تھا۔ ادھر ناہیدہ بیگم بھی پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ بیٹا، بہو، بیٹی، داماد اور نواسہ، سبھی کچھ تو اللہ نے عطا کر دیا تھا۔ ایک خیال دل میں رہ رہ کر آ رہا تھا کہ کاش آج بدر

حیات ہوتے تو بے حد خوش ہوتے۔ مشفق کو بے حد خوشی ہوئی جب ناہیدہ نے بتایا کہ انیس نے ان کی اجازت سے بیٹے کا نام نانا کے نام پر، بدرالاسلام رکھا ہے۔ مائرہ کے لیے سب کچھ نیا اور اجنبی ہوتے ہوئے بھی نامانوس نہیں تھا۔ محبّت، خلوص اور اپنائیت میں سسرال اور میکے میں اسے قطعی کوئی فرق نظر نہ آیا۔ وہ جلد ہی سب میں گھل مل گئی، مشفق کھانا کھا کر واپس کرمی ٹولہ چلا گیا کہ اسے بہت سے کام نمٹانے تھے اور جاتے ہوئے بتا گیا کہ شاید وہ ایک دو روز تک نہ آسکے۔ مائرہ اسے دروازے پر رخصت کرنے آئی۔

"اپنا بہت خیال رکھیئے گا۔ کام میں آرام نہیں بھولنا اور کھانا وقت پر کھانا ہے۔"

"رائٹ سر۔" مشفق ہنستے ہوئے بولا۔

"آپ سے رابطہ کیسے ہوگا؟ کوئی نمبر ہو تو بتا دیجیے گا۔"

"ان شاءاللہ جونہی نمبر معلوم ہوا شیئر کروں گا۔ تم نے اب دو کام کرنے ہیں۔"

"وہ کونسے مُشی؟"

"ایک تو لاہور ٹرنک کال بک کروا کر فوراً انکل آنٹی کو خیریت سے پہنچنے کی اطلاع دے دو اور دوسرا اب چونکہ ڈھاکہ آ گئی ہو اور یہاں اُردو کا کال ہے۔ الٹی سیدھی بنگلہ بولنی شروع کر دو۔ تھوڑی بہت تو آتی ہی ہے تمھیں، جلد رواں ہو جاؤ گی۔ انگریزی آخر کتنی بولو گی؟"

"فکر نہ کریں اپنے گھر میں آ گئی ہوں جلد سب کچھ سیکھ جاؤنگی۔ مچھی چال (مچھلی، چاول) پکانے بھی۔" مائرہ طنزیہ انداز میں اسے کچھ یاد دلاتے ہوئے بولی۔ مشفق نے مسکرا کر اس کے گال تھپتھپائے اور سیڑھیاں اتر گیا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے نجانے کیوں اسے اچانک پڑوسن جھرنا یاد آ گئی جس سے اس کا سامنا اکثر انھی زینوں پر ہوتا تھا۔ اسے جھرنا کی حاسد طبیعت کا بخوبی علم تھا سو دل سے ایک خواہش اٹھی کہ کاش مائرہ کا سامنا اس جھرنا سے کبھی ناں ہو۔

کوئی ہفتہ دس دن ایسے گزرے کہ مشفق دو چار دن بعد گھر کا چکر لگاتا لیکن جب معاملات معمول پر آ گئے تو اس کی روزانہ گھر آنے جانے کی روٹین بن گئی۔ الصبح اسے یونٹ کی جیپ لینے آتی۔ مشفق نے ناشتے سے منع کر دیا تھا کہ اتنی صبح وہ ناشتہ نہیں کر سکتا چنانچہ مائرہ خود اٹھ کر اس کے لیے چائے بناتی۔ رات کو اس کی وردی بھی استری کر کے تیار کر دیتی۔ مشفق کا پنجاب رجمنٹ سے ملا ہوا اردلی

سپاہی محمد عاشق اس کے ساتھ آیا تھا لیکن گھر میں علیحدہ جگہ نہ ہونے کی بنا پر اس نے اسے یونٹ لائنز میں ہی چھوڑا ہوا تھا۔ مشفق تیار ہو کر جب سیڑھیاں اترتا تو مائرہ فوراً کھڑکی میں پہنچ جاتی اور دعاؤں کے سائے میں اپنے مُشی کو رخصت کرتی۔ اسے مشفق کا ایک وقار سے جیپ میں سوار ہونا اور راہگیروں کا اسے دلچسپی اور غور سے دیکھنا بے حد بھلا لگتا۔ خصوصاً جب وہ کسی شناسا سے نہایت گرمجوشی سے علیک سلیک لیتا تو وہ عجیب سا غرور محسوس کرتی۔ بظاہر وہ ناہیدہ اور روبی سے بہت گھلی ملی رہتی اور خوب گپ شپ کرتی لیکن حقیقت میں اسے سارا دن مشفق کی واپسی کا انتظار ہوتا۔ اسے جیپ کے ہارن کی بھی پہچان ہو گئی تھی جو مُش واپس پہنچ کر قصداً بجاتا تا کہ موموکو اس کی واپسی کا علم ہو جائے اور وہ سیڑھیوں میں پہنچ جائے۔ مشفق کی خواہش ہوتی کہ گھر پہنچنے پر وہ سب سے پہلے اپنی موموکا چہرہ دیکھے۔ اس کے بعد وہ سیدھا ماں کے پاس قدم بوسی کے لیے حاضر ہوتا۔

دو ڈھائی ماہ اسی طرح گزر گئے۔ کوئی ایک دن ایسا نہ گزرا جب مشفق گھر آیا ہو اور مائرہ اسے بنی سنوری دروازے میں منتظر نہ ملی ہو۔ اسے دیکھ کر مشفق کی ساری تکان دور ہو جاتی۔ ہر مرد کی خواہش ہوتی ہے کہ جب وہ شام کو تھکا ہارا گھر واپس لوٹے تو اس کی رفیقہ حیات اسے قابل توجہ حالت میں مسکراتی ملے لیکن فوج میں جہاں سپاہی زیادہ تر گھروں سے دور رہتے ہیں ان کی خواہشات اور توقعات کچھ زیادہ ہی ہوتی ہیں اور وہ اس سلسلے میں حق بجانب بھی ہوتے ہیں۔ مشفق نے جلد ہی اپنی یونٹ کے باقی افسروں کمپنی کمانڈر میجر شوکت، کیپٹن قاسم کو بمعہ بیگمات اور واحد کنوارے کیپٹن ثاقب کو گھر عشائیہ پر مدعو کیا۔ جواباً جلد ہی فوجی رسم و رواج کو نبھاتے ہوئے میجر شوکت نے بھی مشفق کے پورے کنبے کا کھانا کیا۔ روبی اور انیس نے بھی فوج کے خاندان کا حصہ ہونے پر بے حد فخر محسوس کیا۔ ایک آدھ دفعہ چھٹی کے روز مشفق نے پرنٹنگ پریس کا دورہ بھی کیا اور اسے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ انیس نے احسانمند ہونے کا پورا پورا حق ادا کیا تھا اور کاروبار کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔ اس نے ایک نئی آفسٹ پرنٹنگ مشین بھی لگالی تھی اور اب ان کے پریس کا ڈھاکہ کے انگلیوں پر گنے جانے والے چند بڑے چھاپہ خانوں میں شمار ہوتا تھا۔

مشرقی پاکستان کے روز افزوں بگڑتے ہوئے حالات کے تناظر میں چھاؤنی میں یہ خبریں بھی

گشت کرنے لگیں کہ شاید حالات سے نمٹنے کے لیے مشفق کی کمپنی کو ڈھاکہ سے باہر مختلف علاقوں میں مختلف اوقات میں اپنی خدمات انجام دینی پڑیں۔ایک رات کھانے کے بعد جب وہ اور مائرہ سونے کے لیے اپنی خوابگاہ میں گئے تو یہی موضوع چھڑ گیا۔

''موموجان! ہوسکتا ہے ہماری یونٹ کو جلد ہی ڈھاکہ سے نکل کر مختلف جگہوں پر پھیلنا پڑے۔'' مشفق نے مائرہ کو اطلاع دی۔

''خیریت ہے مُشی؟ کیا حالات زیادہ خراب ہو گئے ہیں؟''

''نظر یہی آرہا ہے۔مجیب چاچا حالات خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہا اور مغربی پاکستان کے بیشتر سیاستدان اسے پورا پورا موقع فراہم کر رہے ہیں لیکن میری یونٹ والی بات تم نے صرف اپنے تک رکھنی ہے اور گھر میں کسی سے بھی اس کا ذکر نہیں کرنا۔ایک فوجی کی بیوی ارادی یا غیر ارادی طور پر کئی سرکاری رازوں کی امین ہوتی ہے۔''

''ان شاءاللہ میں آپ کو کبھی مایوس نہیں کروں گی مگر ایسا کیا ہوا ہے کہ آپ کو جانا پڑ رہا ہے؟''

''دراصل بھارت نہایت اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا ہے۔مجیب چاچا کو تو وہ پہلے ہی شیشے میں اتار چکا تھا۔اب ایک قدم آگے بڑھ کر وہ پاکستان کے اس مشرقی حصے میں انتشار پھیلانے پر تلا ہوا ہے۔خبر ہے کہ بھارتی فوجی نہ صرف بھٹکے ہوئے بنگالی نوجوانوں کو مسلّح کارروائیوں کی تربیت دینے کا پروگرام بنا رہے ہیں بلکہ خود بھی مقامی لوگوں کے بھیس میں مشرقی پاکستان کے مختلف علاقوں میں پھیل رہے ہیں۔''

''اوہ یا خدا رحم....اب کیا ہوگا؟''

''ہونا کیا ہے؟ کام مشکل ہے لیکن ان شر پسندوں کا قلع قمع ضروری ہے۔ان کی سرکوبی نہ کی گئی تو یہ مزید حوصلہ پکڑیں گے۔نہ صرف بھارتیوں کی بیخ کنی کرنی ہوگی بلکہ ان مقامی نوجوانوں کو جو بھٹک چکے ہیں انھیں بھی راہ راست پر لانا ہوگا۔''

''اور اس کے لیے آپ کو ڈھاکہ سے باہر جانا ہوگا؟''

''ظاہر ہے کہیں بھی بھیجا جا سکتا ہے۔جہاں بھی شورش کا امکان ہوگا ہمیں وہاں جانا ہوگا۔''

کیا کوئی خاص جگہ ہوگی؟''

''میری جان! کہا ناں جہاں بھی حالات تشویشناک ہونگے وہاں پہنچنا ہوگا خواہ وہ سہلٹ ہو یا

چٹاگانگ، راجشاہی ہو یا کھلنا۔''

''اللہ آپ کو اپنی امان میں رکھے۔ مُشی! آپ کو پتہ ہے کہ آپ کے بغیر رہنے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔''

''موموجی تمھیں اس کا عادی ہونا ہوگا۔ تم ایک سپاہی کی بہن اور ایک سپاہی کی بیوی ہو۔ کل کو میں نہ رہا تو پھر کیا کرو گی....''

''....اللہ نہ کرے۔ مت ایسی بات منہ سے نکالیں۔ کیوں میرا دل دکھاتے ہیں؟''

''حقیقت حقیقت ہوتی ہے بیگم صاحبہ.... سچ کو قبول کرنے کی عادت ڈالیں۔''

مائرہ نے مشفق کی بات سن کر ہلکی سسکیوں سے رونا شروع کر دیا اور پھر جب مزید برداشت نہ کر سکی تو ہچکیوں سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گئی۔ مشفق نے بصد دقت اسے چپ کرایا۔

وقت گزر رہا تھا اور مائرہ اس کے ہر لمحے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ انیس، روبی اور ناہیدہ نے اسے بے حد محبّت اور عزت دی جبکہ مشفق کی محبّت کی تو وہ پہلے ہی بلا شرکت غیرے مالک تھی۔ سب سے الٹی سیدھی بنگلہ بھاشا بولتے بولتے ہوئے اسے زبان کی خاصی شدھ بدھ ہو گئی تھی اور اب جب وہ کبھی لاہور بات کرتی تو اپنا رعب جمانے کے لیے منزہ اور حمید سے بھی جان بوجھ کر بنگلہ میں گفتگو شروع کر دیتی۔ ایک ڈیڑھ ماہ بعد مشفق کی Parent unit (آبائی یونٹ) بھی مشرقی پاکستان پہنچ گئی۔ وہ لوگ ڈھاکہ دو روز رکنے کے بعد اپنے مستقل سٹیشن چٹاگانگ کے لیے روانہ ہو گئے۔ مشفق نے تمام افسروں کو گھر کھانے پر بلایا۔ اتفاق سے یونٹ کے آٹھ شادی شدہ افسران میں سے صرف تین نے اپنے اہل خانہ کو ساتھ لانے کو ترجیح دی جبکہ باقیوں نے انھیں میکے یا سسرال میں چھوڑ آنا پسند کیا۔ کھانے پر کیپٹن اسد سے ملاقات ہوئی تو مائرہ نے پہلا سوال فوزیہ بارے کیا۔ اسے یہ جان کر اطمینان ہوا کہ دونوں کے درمیان خاصی ہم آہنگی پیدا ہو چکی ہے۔ اسد نے بتایا کہ اس کے ماں باپ تو ہیں نہیں بس ایک چچا ہیں اور اس نے انھیں بھی رسماً اپنی پسند سے آگاہ کر دیا ہے۔

''تو پھر اسد بھائی آپ کا شادی کا کیا پروگرام ہے؟ میرا مطلب ہے کہ کب تک سہرا باندھیں گے؟'' اس نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''مائرہ ابھی تو حالات آپ کے سامنے ہیں۔ ایک دن کی بھی فرصت نہیں تھی کہ میں نکاح پڑھوا

لیتا اور پھر مشرقی پاکستان آنا پڑ گیا۔ دعا کریں کہ حالات جلد بہتر ہو جائیں تو پہلا کام یہی ہوگا کہ فوزیہ کو اپنی زندگی میں شامل کروں۔''

''آپ کو پتہ ہے ناں کہ میری دوست بہت دکھی ہے اور اس نے بہت آزمائشیں بھی دیکھی ہیں؟''

''جی میری پیاری بہن اور اسی لیے میرے دل میں فوزیہ کی قدر دو چند ہو گئی ہے۔ وہ بہت بہادر لڑکی ہے۔''

''آپ کی دوبارہ آنٹی سے تو ملاقات نہیں ہوئی؟''

''جی بالکل ہوئی ہے.... بلکہ میں تو اس کے بعد پانچ چھ بار ان کی خیریت پوچھنے جا چکا ہوں۔''

''تو یونٹ میں ڈیوٹی کس وقت دیتے ہیں؟'' مائرہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''دن میں یونٹ ہی میں تو ہوتا ہوں....'' پھر اچانک بات کرتے کرتے رک کر جیسے کچھ سمجھ آ گئی ہو، ''کیا مطلب آپ کا؟''

''مطلب ہر وقت آنٹی کے سرہانے بیٹھے رہتے ہیں تو یونٹ تو کم ہی حاضر ہوتے ہونگے؟'' مائرہ ہنستے ہوئے بولی۔

''مائرہ آپ below the belt hit کر رہی ہیں۔ یہ زیادتی ہے۔'' اسد نے مسکراتے ہوئے احتجاج کیا، ''نہ آپ کی شادی ہوتی، نہ فوزیہ سے سامنا ہوتا اور نہ یہ دن دیکھنا پڑتا۔''

''بہر حال آپ زیادہ تاخیر نہ کیجیے گا۔ آپ کو علم ہے کہ آنٹی کی صحت ٹھیک نہیں رہتی۔''

''جی میں سمجھتا ہوں۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔''

''اللہ آپ کو خوش رکھے۔ ویسے یہاں پہنچ کر فوزیہ سے بات تو ہوئی ہوگی؟'' مائرہ نے casual انداز میں سوال کیا۔

''جی کل ہوئی تھی بات۔'' سادہ لوح اسد نے جھٹ سے اقرار کیا اور پھر اچانک مائرہ کی شرارت سمجھتے ہوئے بولا، ''مائرہ یہ زیادتی ہے۔ آپ باؤنسر پر باؤنسر مارے چلے جا رہی ہیں۔''

ادھر مائرہ کی شرارت پر لطف اندوز ہوتے ہوئے مشفق کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔

○

ماہ نومبر مشرقی پاکستان میں عموماً خزاں کا الوداعی مہینہ کہلاتا ہے اور سال کے باقی مہینوں کی

نسبت قدرے خشک بھی۔ درجہ حرارت بھی انیس ڈگری سے انتیس ڈگری سنٹی گریڈ کے درمیان رہتا ہے۔مغربی پاکستان میں ایسا دن بہار کا دن کہلاتا ہے۔ دلچسپ روائت ہے کہ سال کے باقی دنوں کی نسبت نومبر میں محض ایک دن ایسا ہوتا ہے جب بارش ہوتی ہے اور اس بارش کی قدر بھی بہت ہوتی ہے۔ اتفاق سے آج وہی دن تھا۔صبح سے گہرے بادل بن رہے تھے۔ مائرہ جب سے آئی تھی اسے یہ دیکھ کر بہت حیرانی ہوتی تھی کہ بارش تو لاہور میں بھی ہوتی تھی اور خوب ہوتی تھی لیکن جو برکھا یہاں برستی ہے وہ عجب انداز کی ہوتی ہے۔یوں لگتا ہے جیسے بادل بہت نیچے اتر آئے ہوں اور مینہ کی بوندیں نہایت خاموشی سے ایک مخصوص رفتار سے قطار اندر قطار زمیں بوس ہو رہی ہوں۔

مشفق کا کام کرتے کرتے دل چاہا کہ آج گھر ظہرانے کی بجائے مائرہ کے ساتھ مخصوص بالکونی میں بیٹھ کر چائے سموسوں سے لطف اندوز ہو۔ اس نے فون اٹھایا اور گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ دوسری جانب سے ناہیدہ نے فون اٹھایا اور اچانک فون کرنے پر خیریت دریافت کی تو اس نے انھیں تسلی دی اور کہا کہ مائرہ سے کوئی بات کرنی تھی۔ انھوں نے مائرہ کو آواز دی کہ آکر فون سنے۔

''جی مُشی؟.....خیریت ہے اس وقت فون کیا؟''

''ہاں ہاں بالکل خیریت.....کیوں میں اپنی مائرہ کو فون نہیں کر سکتا؟''

''بالکل کر سکتے ہیں، لیکن ایسے میں جب چھٹی کا وقت ہوا چاہتا ہو، فون کرنا کچھ سمجھ نہیں آیا۔''

''جناب آپ موسم دیکھ رہی ہیں؟ بارش برسا ہی چاہتی ہے۔''

''جی جی.....تو پھر؟''

''پھر یہ کہ آپ کو سرپرائز دیا جائے۔آج ہم کھانا نہیں کھائیں گے بلکہ میں آتے ہوئے مشہور سموسے لے کر آؤں گا اور دونوں بالکونی سے لگ کر چائے سموسوں سے لطف اندوز ہونگے۔''

''بڑا مغلیہ انداز کا رومینٹک آئیڈیا پیش کیا ہے جناب نے۔''

''ڈھاکہ اور مغلوں کا تو چولی دامن کا ساتھ رہا ہے بیگم صاحبہ۔'' مشفق نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے جو حکم شہزادہ سلیم! کنیز منتظر ہوگی۔آپ آئیے تو ایک سرپرائز کنیز بھی آپ کو دے گی۔''

''وہ کیا؟''مشفق یکدم چونک کر بولا۔

''اب آپ کام کیجیے جب آئیں گے تو بات ہوگی۔سرپرائز سرپرائز ہی رہے تو اچھا ہے۔'' مائرہ نے کھنکھناتی ہنسی کے ساتھ فون بند کر دیا اور مشفق سوچ میں پڑ گیا کہ آخر مائرہ کیا سرپرائز دے سکتی ہے۔اسی سوچ کے ساتھ وہ چھٹی کے وقت گھر روانہ ہوا۔ بارش ہلکی ہلکی شروع ہو چکی تھی اور غالباً یہی نومبر کا وہ واحد دن تھا جب ڈھاکہ میں بارش ہونی تھی۔راستے میں رک کر سموسے خریدے اور گھر پہنچا۔ اس سے صبر نہیں ہو رہا تھا کہ مائرہ کب اس سے سرپرائز شیئر کرے۔گھر میں ہر چیز معمول کے مطابق تھی سو اس کے لیے اندازہ لگانا خاصا مشکل تھا۔پہنچتے ہی مائرہ سے بھی جب اصرار کیا تو اس نے صبر سے کام لینے کو کہا۔بالآخر وہ چائے بنا کر لائی اور دونوں بالکونی سے لگ کر بیٹھے تو گفتگو کا آغاز ہوا۔اس وقت تک میگھا جم کر برسنا شروع ہو چکی تھی۔

''جی میری جان، مت میرے صبر کو آزماؤ اور بتاؤ کیا سرپرائز ہے؟''مشفق نے بے صبری سے پوچھا۔

''چلیں آپ کوئی تکا لگانے کی کوشش کریں۔'' مائرہ نے دعوت دی۔

''کیا آج جھرنا سے ملاقات ہوگئی تمھاری؟''مُش نے سوچ سوچ کر جواب دیا۔

''جھرنا کو نہیں بھولتے آپ؟ سوچا تھا میرا پیار آپ کو سب کچھ بھلا دے گا لیکن لگتا ہے جھرنا ابھی بھی آپ کے دل میں زندہ ہے۔''مومو نے اسے چھیڑا۔

''ارے گولی مارو جھرنا کو، کسی نہ کسی دن تو اس سے تمھارا سامنا ہونا ہی ہے۔میں تو حیران ہوں کہ تمھیں آئے دو ماہ ہو چکے ہیں اور اس نے ایک دفعہ بھی آنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ یہ اس کی طبیعت کے خلاف بات ہے۔بہرحال اسے چھوڑو مجھے جلدی سے خبر بتاؤ، صبر نہیں ہو پا رہا مجھ سے۔''

''جناب! آپ باپ بننے والے ہیں۔'' مائرہ نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر شرماتے ہوئے کہا۔

''کیاااااااااا؟''مشفق نے مختصر سے لفظ کو حیرت سے بے حد لمبا کرتے ہوئے کہا اور اسکا ہاتھ سموسہ منہ تک لیجاتے لیجاتے رک گیا۔سب لوگ آس پاس پھر رہے تھے۔مشفق کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ مائرہ کو اسی وقت اٹھ کر بھینچ کر سینے سے لگا لیتا۔

''جی جناب.... اللہ ہمیں خوشی دکھانے والا ہے۔آپ بھی اب معتبر بننے کی کوشش کیجیے گا منے کے ابا۔'' مائرہ چہکتے ہوئے بولی۔

''لو جی تمھیں کیسے پتہ کہ منا ہو گا یا منی؟''

''میری خواہش ہے کہ اللہ مجھے بیٹا دے۔''

''اور میری دلی تمنا ہے کہ مجھے تمھارے جیسی سندر سرمئی آنکھوں والی بیٹی عطا ہو۔'' مشی نے اپنی معصوم خواہش کا اظہار کیا۔

''اللہ ہمیں جو بھی نعمت عطا کرے صحت سلامتی والی اور نیک سیرت ہو۔ آمین۔''

''آمین۔ ویسے گھر میں کسی اور کو بھی پتہ ہے؟'' مشفق نے استفسار کیا۔

''ظاہر ہے میرے بھولے میاں.... مجھے کیسے علم ہونا تھا؟ صبح آپ آفس کے لیے نکلے تو اچانک میری طبیعت متلانے لگی۔ اس سے قبل کہ میں باتھ روم تک پہنچتی مجھے بیڈ روم میں ہی قے ہو گئی۔ میری آواز سن کر روبی بھاگی آئی۔ پہلے تو وہ پریشان ہوئی کہ نجانے کیا ہوا ہے لیکن جب میں نے اسے صورتحال سے آگاہ کیا تو مجھے مبارک دینے کے بعد وہ پیٹ پکڑ کر وہیں فرش پر بیٹھ گئی اور ہنس ہنس کر دوہری ہو گئی اور میں ہونقوں کی طرح اس کا منہ دیکھنے لگی۔ بالآخر نہ رہ سکی اور اس سے کہا کہ میری جان پر بنی ہوئی ہے اور وہ ہنس رہی ہے تو اس نے کہا کہ میری پیاری بھابی کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے گھر ایک ننھا مہمان آنے والا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ اماں تک بھی خبر پہنچ چکی ہو گی؟''

''جی مُشی اس نے ذرہ بھر دیر نہیں لگائی اور فوراً اماں کو خبر کر دی تھی کیونکہ پھر اماں نے مجھے بلا کر مبارک بھی دی اور چند نصیحتیں بھی کیں۔''

''بس مومو اب پلیز اپنا بہت خیال رکھنا۔ میرا دھیان اب ہر وقت تمھاری جانب ہی رہے گا۔ ویسے لاہور فون کر کے آنٹی کو بھی بتا دو اگر مناسب سمجھو تو؟''

''ابھی نہیں جی.... میں چاہتی ہوں کہ پہلے دو ماہ خیریت سے گزر جائیں تو پھر انھیں خوشخبری دوں گی۔''

''جیسے تم مناسب سمجھو جان۔''

ان کی باتیں جاری تھیں کہ روبی کا بھی ادھر سے گزر ہوا اور وہ بھائی کو چھیڑے بغیر نہ رہ سکی، ''شبھی نراما ئیں۔ آپنی بابا ہوتے چلے چھے (مبارک ہو شفو بھائی آپ باپ بننے والے ہو)۔'' اور مشفق مسکراتے ہوئے شرما کر رہ گیا۔

مشرقی پاکستان میں حالات بہت تیزی سے خراب ہو رہے تھے۔ عوامی لیگ کی پانچ دسمبر ۱۹۶۹ء کو حسین شہید سہروردی کی برسی کے سلسلہ میں ہونے والی ایک میٹنگ میں مجیب الرحمان نے واضح اعلان کر دیا کہ آج کے بعد مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش کے نام سے پکارا جائے گا۔ یقیناً یہ ایک کھلی بغاوت تھی اور اب اس شخص کے عزائم کھل کر سامنے آ رہے تھے۔ محب وطن حلقے دبا دبا احتجاج کر رہے تھے لیکن جب ہوا مخالف سمت کو چلے تو اقلیت کو کون اہمیت دیتا ہے اور پھر نقار خانے میں بھلا طوطی کی کون سنتا ہے۔ دوسری جانب مجیب اور عوامی لیگ کے لیے بھارت کی عملی حمایت بھی اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی تھی۔ دراصل متعصب اور منتقم المزاج بھارت ابھی تک ستمبر ۱۹۶۵ء کی عبرتناک شکست کو نہیں بھولا تھا اور وہ ہر طور اس ہزیمت کا بدلہ لینے پر تلا تھا۔ پہلے تو اس نے پاکستان کو نظریاتی، معاشی اور فوجی انداز سے نقصان پہنچانے کے منصوبے بنائے، لیکن پھر ان کی کامیابی کے امکانات معدوم پا کر بالآخر ریاستی دہشت گردی کا فیصلہ کر لیا، جس کے لیے ایک کٹھ پتلی پہلے سے ہی تیار تھی۔ بس اب گمراہ کیے گئے نوجوان بنگالیوں کی برین واشنگ کر کے انھیں ریاست پاکستان کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر آمادہ کرنا تھا۔ منصوبے پر بنیادی کام بہت پہلے ہو چکا تھا اب علمدرآمد کی ضرورت تھی۔ منظر عام پر اس تمام سازش کو ایک سیاسی جدّ و جہد کے طور پر پیش کیا جا رہا تھا، تاہم پس پردہ ریاست کے خلاف ایک مسلّح جنگ کی تیاریاں جاری تھیں۔ پرجوش اور جذباتی بنگالی نوجوانوں کی فہرستیں تیار ہو رہی تھیں جنھیں دہشت گردی کی تربیت کے لیے بھارتی فوج کے سپرد کیا جانا تھا۔ صورتحال یہ تھی کہ مجیب بنگالیوں کے لیے ایک دیوتا کی حیثیت اختیار کرتا جا رہا تھا اور اس کے منہ سے نکلا ہر لفظ حرف آخر ثابت ہوتا تھا ایسے میں ریاست کی دشواریوں میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ لوگ کھلے عام کہہ رہے تھے کہ یحییٰ خان کی حکومت کو ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی نے اغوا کر رکھا ہے۔ ایسے میں ملک کی سلامتی کی تمام ذمہ داری افواج پاکستان پر آن پڑی تھی اور انھیں ہی اس ممکنہ مسلّح شر پسندی سے نمٹنا تھا۔

خفیہ ایجنسیوں کو اپنے ذرائع سے خبریں مل رہی تھیں کہ اس ریاستی دہشت گردی کے لیے بھارت نے اپنی مشرقی کمانڈ کی زیر کمان کلکتہ میں ایک کنٹرول ہیڈ کوارٹر قائم کر دیا تھا جس کا انچارج ایک میجر جنرل کو بنایا گیا۔ اس کنٹرول ہیڈ کوارٹر کے زیر انتظام چھ عدد سیکٹر ہیڈ کوارٹرز یا ٹریننگ سنٹرز

تھے۔ ہر سیکٹر کا کمانڈر بھارتی فوج کا ایک بریگیڈیئر تھا اور ہر سیکٹر کے تحت متعدد شر پسندی کی تربیت کے کیمپ تھے جو پانچسو افراد کی بٹالین پر مشتمل تھے۔ اس طرح کے ایک سو سے زیادہ ٹریننگ کیمپ مشرقی پاکستان کے مشرق، مغرب اور شمال میں پھیلے ہوئے تھے اور یہ ایک دوسرے سے قریبی فاصلے پر واقع تھے۔ ان کیمپوں نے قریب قریب ایک لاکھ کے قریب نوجوان بنگالیوں کو مکتی باہنی کے نام سے مسلح جنگ کے لیے تیار کرنا تھا۔ خفیہ ایجنسیوں اور گوریلا فوجی دستوں نے مشترکہ کوششوں سے ان سیکٹروں کا پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ ان ٹریننگ سیکٹروں کے ہیڈکوارٹرز چاکولیا بہار، مورتی اور رائے گنج مغربی بنگال کے علاوہ دیپتا مورہ تری پورہ، طورہ میگھالائیہ اور مصیر پور آسام میں واقع تھے اور یہ جن جگہوں پر قائم کیے گئے تھے وہاں سے بارڈر پار مشرقی پاکستان کی نہایت اہم فوجی چھاؤنیاں تھیں۔ اس سارے انتظام سے، بھارت کے مجیب کی مدد سے حاصل کیے جانے والے اہداف بخوبی سمجھ آرہے تھے۔ پہلے مرحلہ میں سرحدی شہروں چٹاگانگ، دیناج پور، راجشاہی، کومیلا، فینی اور میمن سنگھ وغیرہ کو زد پر رکھنا تھا جبکہ کامیابی کے بعد دوسرے مرحلہ میں ملک کے وسطی شہروں میں قتل و غارت اور شرپسندی کی کارروائیاں کرنی تھیں۔ مجموعی طور پر صورتحال خاصی مخدوش ہوتی جارہی تھی اور اس بات کا امکان بڑھتا جارہا تھا کہ مشفق کی کمپنی کو جلد ہی نئے مشن کے ساتھ کسی سرحدی شہر میں بھیج دیا جائے گا۔

کسی بھی گھر کی رونق میں بچوں کا اہم کردار ہوتا ہے۔ یہی حال اُلفت لاج کا بھی تھا۔ پہلے بابر ناگہانی طور پر دُنیا سے منہ موڑ گیا اور پھر مائرہ بابل کا آنگن چھوڑ گئی۔ حمید ویسے ہی سارا دن میڈیکل سٹور پر ہوتے تھے اور منزہ سارا دن گھر میں اکیلی پڑی رہتی تھیں۔ ٹی وی کی نشریات بھی صرف شام کو چند گھنٹوں کے لیے ہوتیں اور حمید اس وقت تک گھر آچکے ہوتے سو کوئی اچھا پروگرام ہوتا تو دونوں اکٹھے دیکھ لیتے ورنہ منزہ حمید کو زیادہ وقت دینے کو ترجیح دیتیں۔ لاہور میں دسمبر کی بارشیں شروع ہو چکی تھیں۔ پاکستان کی بارشوں کی یہ بہت بڑی خوبی ہے کہ ایک ہی موسم کے بادل اور بارشیں مختلف شہروں اور مقامات پر بالکل مختلف سماں پیدا کرتی ہیں۔ یہی دسمبر کی بارش کراچی میں رونق قائم رکھتی ہے تو لاہور میں خاموشی کا حسن دوبالا کر دیتی ہے اور پھر اگر اوپر مری میں چلی جائے تو ٹین کی چھتوں پر ایک تواتر سے گرتی بوندیں، راگ بھیرویں کو شکل دے دیتی ہیں۔ دوپہر کا وقت تھا لیکن گھرے بادلوں نے شام کا سماں پیدا کر دیا تھا۔ باہر لان میں درختوں اور دوسرے پودوں پر پڑنے والی بوندوں کی آوازیں اندر

تک سنائی دے رہی تھیں۔ ماحول میں ایک عجیب سی سوگواری تھی لیکن ایسی جو دل کو بھلی لگے۔ یوں جیسے کسی اپنے سے، جو مدتوں سے بچھڑا ہو، ملنے کی تمنا دل میں جگہ لے۔ منزہ چولہے پر ہنڈیا چڑھا کر اپنے لیے چائے کا پیالہ بنا کر لاؤنج میں آن بیٹھی تھیں۔ اس موسم میں وہ اکثر خود کو مصروف رکھنے کے لیے اون سلائیاں لے کر بیٹھ جایا کرتی تھیں۔ کبھی بابر کے لیے اور کبھی حمید کے لیے سوئیٹر تو کبھی مائرہ کے لیے مفلر یا شال۔ اچانک دل میں خیال آیا کہ اب اس سال کس کے لیے بنائی کی جائے۔ دل نے کہا پہلے اون تو منگوا لیجیے پھر یہ بھی فیصلہ ہو جائے گا کہ بنائی کس کے لیے کرنی ہے۔ باہر کسی تنہا بادل نے گرج کر دل کے فیصلے کی تائید کی۔ دسمبر شروع ہوتے ہی حمید مرتبانوں کو ڈرائی فروٹ سے بھر دیا کرتے تھے۔ خشک میوہ اس دفعہ بھی آیا لیکن جوں کا توں پڑا تھا۔ گزشتہ چند سالوں سے ایسا ہی ہو رہا تھا۔ بوبی مرحوم ڈرائی فروٹ کا سب سے زیادہ رسیا تھا۔ اس کے بعد مائرہ کا نمبر آتا تھا اور اس دفعہ تو وہ بھی بابل کا آنگن چھوڑ کر جا چکی تھی۔ اداس بارش، ہلکی پھلکی بادلوں کی غراہٹ اور تنہائی نے منزہ کی آنکھیں نم کر دیں اور بے اختیار ان کے لبوں پر ان کا پسندیدہ لوک گیت مچل گیا،

ساڈا چڑیاں دا چنبہ وے، بابل اساں اُڈ جانا اے

ساڈی لمی اڈاری وے، بابل اساں اُڈ جانا اے

گنگنانے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے پسندیدہ رسالے حور کی ورق گردانی بھی کر رہی تھیں کہ ٹیلیفون کی گھنٹی چیخی۔ حمید تو گھنٹہ پہلے گھر سے نکلے تھے اس وقت کون ہو سکتا تھا؟ منزہ نے اٹھ کر فون کان سے لگایا تو آپریٹر نے انھیں ڈھاکہ سے ٹرنک کال کی خبر دی۔

''اللہ خیر کرے۔ سب ٹھیک ہو۔'' منزہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ دعا کی۔

''ہیلو اماں!..... کیمن آچھے؟ (کیسی ہیں)۔'' دوسری جانب مائرہ چہک رہی تھی۔ منزہ نے اطمینان کا سانس لیا۔

''ٹھیک ہوں بیٹا۔ اللہ کا شکر ہے۔ تم کیسی ہو؟''

''جی میں بھی ٹھیک ہوں۔ آپ اس وقت اکیلی کیا کر رہی ہیں؟ سچی سچی بتائیں مجھے مس کر رہی ہیں ناں؟ مجھے پہلے ہی پتہ تھا۔'' موموا اپنے سوال کا خود ہی جواب دیتے ہوئے بولی۔

''بالکل میری جان تمھیں ہی مس کر رہی تھی۔'' منزہ آنکھوں کی نمی کو ہتھیلی کی پشت سے پونچھتے ہوئے بولیں۔

''لگتا ہے آپ رو رہی ہیں؟....ارے واہ!!! میں تو آپ کو ایک خبر سنانا چاہ رہی تھی۔''

''خیر کی خبر ہے ناں بیٹا؟'' منزہ چونکی ہو کر بولیں۔

''جی، جی ماما....اچھی خبر ہے، میرا مطلب ہے خوشخبری ہے۔''

''اچھا؟؟؟....تو پھر میری جان جلدی سے بتاؤ۔ مجھ سے صبر نہیں ہو رہا۔''

''وہ ناں....ماما!!!'' موموں نے بات شرماتے ہوئے ادھوری چھوڑ دی۔

''ہاں ہاں....بولو بھی۔ بات مکمل کرو۔ کیوں میرے صبر کا امتحان لے رہی ہو۔'' منزہ بے صبری سے بولیں۔

''ماما! آپ اور بابا، نانا نانی بننے والے ہیں۔'' مائرہ نے خبر دی۔

''میں صدقے....ماشاء اللہ۔ اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ بہت بہت مبارک ہو۔''

''تھینک یو ماما۔ بس میرے لیے دعا کرتی رہیں۔ آپ کو بہت مس کر رہی ہوں۔''

''میں بھی بیٹا تمھیں بہت مس کر رہی ہوں۔ اپنا بہت خیال رکھنا۔ یہ کب پتہ چلا؟''

''ماما پتہ تو پچھلے ماہ ہی چل گیا تھا لیکن میری خواہش تھی کہ کنفرم ہو جائے تو پھر آپ سے بات کروں۔ کل سی ایم ایچ گئی تھی تو ڈاکٹر نے کچھ ٹیسٹ لے کر آج پھر بلایا۔ مشفق اور میں ابھی واپس آئے تو میں نے سوچا آپ کو اطلاع دے دوں۔''

''سلامت رہو۔ مشفق کو بھی میری طرف سے بہت مبارک دینا۔ کاش میں پاس ہوتی تو تمھارا بے حد خیال رکھتی۔''

''فکر نہ کریں ماما۔ اماں اور روبی میرا بے حد خیال رکھ رہی ہیں۔''

''خیر سے ڈاکٹر نے کوئی تاریخ دی ہے؟''

''جی ماما!....ڈاکٹر نے چودہ اگست ۱۹۷۰ء کی تاریخ دی ہے۔''

''واہ کیا تاریخ ہے۔ اللہ صحت سلامتی سے وہ دن لائے۔ آمین۔''

''او کے ماما! وقت بھی ختم ہونے والا ہے۔ بابا کو بھی سلام کہیے گا۔ اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ میری جان۔'' منزہ نے فون واپس کریڈل پر رکھا اور صوفے پر آ کر بیٹھ گئیں۔ اچانک دل میں خیال آیا۔ اوہ تو دل اس ننھے مہمان کے لیے اون خریدنے کو مچل رہا تھا۔ یہ سوچ کر وہ زیر لب مسکرا اٹھیں۔

O

حالات جس طرح تیزی سے پلٹا کھا رہے تھے، اس سے یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ کسی بھی لمحے کچھ بھی ہوسکتا ہے؛ خدانخواستہ کوئی بڑا حادثہ یا پھر کوئی بڑا فیصلہ۔ ایک بات طے تھی کہ بھارت نے مجیب کے توسط سے لوئر کلاس کے بنگالیوں کی اکثریت کو 'سونار بنگلہ دیش' (سنہرا بنگلہ دیش) کے جال میں بری طرح جکڑ لیا تھا اور حکومت پاکستان کے لیے اس سے نمٹنا اگر ناممکن نہیں تو کم از کم مشکل ضرور ہو رہا تھا۔ کوئی بھی ملک جس کا ایک حصہ مرکزی حصے سے ایک ہزار میل کی دوری پر ہو اور وہاں کے باسی اپنے ہی محافظوں کی پشت پر وار کرنے کے لیے تیار کیے جائیں تو وہاں کامیابی کا حصول کس قدر مشکل ہے یہ وہی بتا سکتے تھے جو وہاں اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے خلاف سینہ سپر تھے۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا، مشفق کی کمپنی کی ڈھاکہ سے باہر تعیناتی کے امکانات ناگزیر ہوتے جا رہے تھے۔ اس کا مُش کو بھی علم تھا۔ اسے فرائض کی ادائیگی کے لیے کہیں بھی جانے پر کوئی اعتراض نہ تھا لیکن ایک بات رہ رہ کر اس کے ذہن میں آتی تھی کہ ان حالات میں جبکہ مائرہ امید سے ہے، اس کا مائرہ کے پاس ہونا بھی ضروری تھا۔ گھر میں سب تھے اور اس کا بہت خیال رکھ رہے تھے لیکن اس کے باوجود شوہر کی موجودگی بیوی کے لیے جس حوصلے کا باعث بنتی ہے وہ ایک اور ہی بات ہے۔ کبھی اس کے ذہن میں خیال آتا کہ حالات بگڑ رہے ہیں تو کیوں نہ وہ مائرہ کو فوراً لاہور بھجوا دے؟ مگر دوسرے ہی لمحے وہ اس خیال کو یہ سوچ کر رد کر دیتا کہ نہیں کم از کم وہ آنے والے ننھے مہمان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ تو سکے گا لیکن اگر مائرہ لاہور چلی گئی تو کون جانے کب ملاقات ہو اور شاید نہ بھی ہو۔ آخر فوج کی ملازمت میں زندگی کی ضمانت سوائے رب کی ذات کے بھلا کون دے سکتا ہے؟ ویسے بھی لاہور میں انکل اور آنٹی اکیلے تھے سو ایسے میں مائرہ کو کون سنبھالتا جبکہ اسے باقاعدگی سے ہسپتال لیجانے کی ضرورت تھی۔

مارچ ۱۹۷۰ء کا وقت تھا جب مشرقی کمانڈ ہیڈ کوارٹرز سے میجر شوکت کو گاہے بگاہے تیاری کے پیغامات موصول ہونا شروع ہو گئے جن کی روشنی میں میجر شوکت نے اپنی جنگی حکمت عملی ترتیب دینا شروع کر دی۔ دشمن کے تربیتی کیمپس بارے ملنے والی اطلاعات کی روشنی میں اس نے اپنی کمپنی کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ خود اس نے کمپنی ہیڈ کوارٹرز اور کچھ نفری کے ساتھ ڈھاکہ میں رہنے کا فیصلہ کیا جبکہ کیپٹن قاسم کو لگ بھگ پلاٹون نفری کے ساتھ راجشاہی بھیجنے کا منصوبہ بنایا، کیپٹن ثاقب کو اتنی ہی نفری

کے ساتھ میمن سنگھ اور کیپٹن مشفق کو کومیلا بھیجنے کا پلان بنایا۔ یہ تمام جتھے متعلقہ جگہوں پر موجود بریگیڈ ہیڈکوارٹرز کے ساتھ اٹیچ کیے جانے تھے اور انھیں ان کی کارروائیوں کی روشنی میں اپنے مشن مکمل کرنا تھے۔ میجر شوکت نے اپنا منصوبہ مشرقی کمانڈ ہیڈکوارٹرز بھجوادیا جہاں اسے جلد طلب کیا گیا اور اعلیٰ حکام کے ساتھ ایک میٹنگ کے بعد اس کی منظوری دے دی گئی۔ اس نے اپنے تمام افسران اور صوبیداران کو بلایا اور انھیں تفصیل سے احکامات دیئے، جس کے بعد انھیں پندرہ دن کے اندر اندر اپنی نئی لوکیشنز پر پہنچنا تھا۔

مشفق نے جب مائرہ کو مختصراً اپنے نئے فرائض بارے بتایا تو وہ اداس ہوگئی۔ شاید وہ زیادہ پریشان ہوتی اگر مشفق نے اسے پہلے سے ہی چوکنا نہ کر دیا ہوتا۔ ایک رات دونوں کھانے کے بعد خوابگاہ میں آئے تو اسی موضوع پر بات چھڑ گئی۔

''مُشی مجھے علم ہے کہ آپ کی ڈیوٹی کا تقاضا ہے کہ کبھی بھی کہیں بھی اچانک جانا پڑ سکتا ہے اور آپ مجھے اس سلسلہ میں ذہنی طور پر بہت پہلے تیار کر چکے ہیں۔ مجھے صرف یہ پریشانی ہے کہ اس موقع پر پتہ نہیں آپ میرے پاس موجود ہوں گے بھی یا نہیں؟ کیا پتہ حالات کس طرح کے ہوں اور آپ چند گھنٹوں کے لیے بھی نہ آسکیں؟''

''مومو! یہ سب کام اللہ کے ہیں اور انسان کا ان میں کہیں بھی بس نہیں چلتا۔ ہاں ایک پیار کرنے والے شوہر کی حیثیت سے میری ہر لحہ یہ دعا ہوگی کہ تمھاری آزمائش کے ان لمحات میں میں تمھارے پاس ہوں۔ ویسے بھی کومیلا اتنا دور تو ہے نہیں، بمشکل گھنٹے سوا گھنٹے کا سفر ہے۔ اگر سیکورٹی کے حالات بہت خراب نہ ہوئے تو تم دونوں کو دیکھنے کے لیے آنا میرے لیے کوئی مشکل کام نہ ہوگا۔''

''مجھے خود سے زیادہ آپ پر اعتماد ہے مُشی۔ آپ بہت محبّت کرنے والے شوہر ہیں۔ ایسا شوہر جس کی ہر عورت خواہش کرتی ہے مگر ملتا نصیبوں والیوں کو ہے۔''

''بس میری جان تم نے ذہن پر زیادہ بوجھ نہیں لینا۔ اپنی خوراک کا خاص خیال رکھنا ہے۔ خوش خوش رہنا ہے اور لاہور انکل آنٹی سے گاہے بگاہے بات کرتی رہنا۔''

''وہ تو میں رکھتی ہی ہوں لیکن آپ نے خاص طور پر ماما سے رابطہ رکھنے کی تاکید کیوں کی؟''

''مومو جی میں صاف بات کروں گا۔ بھلے نہ تمھیں بے حد پیار کرتی ہیں لیکن اپنی ماں، اپنی ماں

ہی ہوتی ہے۔ خون کے رشتوں سے کوئی سبقت نہیں لے سکتا۔ تم بیشک نہ مانو لیکن یہ سچ ہے کہ بہت سی ایسی باتیں ہوں گی جو تم شاید اماں سے نہ کر سکو لیکن آنٹی سے شیئر کر کے تمھیں بے حد سکون ملے گا۔ پھر ہمارے بنگالی رسم و رواج اور مغربی پاکستان کے مختلف علاقوں اور قومیتوں کے رسم و رواج یکسر مختلف ہیں اور ان پر عوامی طور طریقوں کی چھاپ واضح نظر آتی ہے۔ لہٰذا ایسے میں تم آنٹی سے بات کر کے مختلف باتوں کے لیے مشورہ لے کر زیادہ اطمینان محسوس کرو گی۔''

''مُشی آپ کتنے اچھے ہیں۔ کتنا احساس کرتے ہیں میرا؟''

''اور ہاں اماں کی فکر نہ کرنا کہ وہ کیا کہیں گی۔ وہ بہت جہاندیدہ اور کشادہ ذہن رکھنے والی خاتون ہیں۔ پھر بھی میں کسی وقت یہ بات سرسری طور پر ان کے گوش گزار کر دوں گا۔ بس ان سے اتنا کہنا ہی کافی ہوگا۔'' مشفق سنی ان سنی کرتے ہوئے بولا۔

ماہ اپریل ۱۹۷۰ء کا پہلا ہفتہ تھا جب ایس ایس جی کمپنی کے تمام صیغوں کو اپنی اپنی جگہوں پر پہنچنے کا حکم مل گیا۔ کیپٹن مشفق کے زیر کمان دستے کو دس اپریل کی رات کو روانہ ہونا تھا۔ ایسی نقل و حرکت اور اہم تعیناتیوں پر رات کے وقت عمل درآمد، فوج کے دستور اور حکمت عملی کا حصہ ہوتی ہیں۔ رات گھر پر بے حد اداسی چھائی ہوئی تھی۔ کھانے پر بھی سب بہت خاموش تھے۔ مشفق بار بار سب کو ہنسانے کی کوشش کرتا لیکن صاف نظر آ رہا تھا کہ کسی کا بھی مسکرانے کو دل نہیں کر رہا تھا۔ دراصل اگلے روز مشفق کو کومیلا کے لیے روانہ ہونا تھا اور اب تک سب کو پتہ چل چکا تھا کہ مشفق ڈیوٹی کے سلسلہ میں ڈھاکہ سے باہر جا رہا ہے لیکن اس سے زیادہ، سوائے مائرہ کے کسی کو بھی کچھ نہیں پتہ تھا۔ روبی نے ایک آدھ بار موموکو کریدنے کی کوشش کی لیکن وہ بالکل انجان بن گئی اور صاف کہہ دیا کہ اسے بھی بس یہی علم ہے کہ وہ ڈیوٹی کے سلسلہ میں ڈھاکہ سے باہر جا رہے ہیں اور اس سے زیادہ مشفق نے اسے بھی کچھ نہیں بتایا۔ یہ بات مشفق خود کہہ چکا تھا کہ اسے خود علم نہیں کہ کب واپسی ہوگی۔ ناہیدہ اسے بار بار محتاط رہنے اور رابطہ رکھنے کی تاکید کر رہی تھیں۔ جہاندیدہ خاتون تھیں اور ملک کے حالات ان کے سامنے تھے۔ ایسے میں یہ اندازہ لگانا کہ ان کے بیٹے کی ڈیوٹی کی نوعیت کیا ہو سکتی ہے کوئی مشکل کام نہ تھا۔ گزشتہ چند گھنٹوں میں وہ نجانے کتنی بار اپنے اکلوتے لاڈلے بیٹے پر آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر پھونک چکی تھیں۔ نیند آئی یا نہیں لیکن مائرہ تمام رات مشفق کے سینے پر سر رکھ کر سوتی جاگتی

رہی۔ اگلے روز صبح مشفق اسے نم آنکھوں کے ساتھ چھوڑ کر یونٹ کے لیے روانہ ہو گیا۔ سیڑھیاں اترتے اسے خیال آیا کہ نجانے زندگی اسے دوبارہ موموکو ملنے کی مہلت دے گی بھی یا نہیں پھر دوسرے ہی لمحے اس نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا اور خود کو تسلی دی کہ یہ تو اللہ کے کام ہیں میں کون ہوتا ہوں اس بارے سوچنے والا۔ آرمی میں خطروں کے منہ میں جانے والا اکیلا صرف کیپٹن مشفق الاسلام ہی تو نہیں اور بھی ماؤں کے بیٹے، بہنوں کے بھائی، بچوں کے باپ اور الہڑ جوانیوں کے سہاگ ہیں جو اس وقت وطن پاک کی حرمت کے لیے اپنا آپ قربان کر رہے ہیں۔ وہ خیالات میں اس قدر منہمک ہو گیا کہ اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ کب سیڑھیاں اترا، جیپ میں بیٹھا اور یونٹ پہنچ گیا۔ دفتر میں مائرہ ہمیشہ اس کے خیالوں میں رہتی تھی لیکن آج پہلی دفعہ ایسا ہوا کہ موموا س کے ساتھ دفتر آئی اور ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کومیلا بھی اس کے ساتھ ہی جائے گی اور ہر لمحہ نہ صرف اس کا حوصلہ بڑھائے گی بلکہ اپنی محبت کا احساس بھی دلاتی رہے گی۔

عصر کے وقت تک مشفق کی پلاٹون کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ مشفق نے Move Orders (کوچ کے احکامات) دیئے۔ مغرب کی نماز سب نے جماعت کے ساتھ لائنز ایریا کی مسجد میں ادا کی اور اور کھانا کھا کر پلاٹون کومیلا کے لیے کوچ کر گئی۔ تقریباً دو گھنٹے کے سفر کے بعد کانوائے کومیلا چھاؤنی پہنچ چکی تھی۔ اگلی صبح کیپٹن مشفق کی بریگیڈ کمانڈر سے ملاقات تھی۔ ایک خصوصی فورس کے کمانڈر کی حیثیت سے مشفق کی خاصی اہمیت تھی جسے وہی جانتے ہیں جنھیں فوج کے معاملات اور مختلف صیغوں کی اہمیت بارے علم ہے۔ بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں اسے کومیلا اور اس کے گرد ونواح بارے بریفینگ دی گئی تو جواباً مشفق کی معلومات نے بریگیڈ کمانڈر اور دیگر افسران کو حیران کر دیا اور جب انھیں یہ علم ہوا کہ کیپٹن مشفق ایک محب وطن بنگالی آفیسر ہے تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ اب بریگیڈ کمانڈر کا رویہ 'افسرانہ' کی بجائے دوستانہ تھا۔ مشفق نے اسے اپنے بارے نہایت تفصیل سے بتایا۔

''ینگ مین! یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ تمھارا تعلق مشرقی پاکستان سے ہے اور تم اس خطے کی خصوصیات و عوام کے خصائل سے بخوبی واقف ہو۔'' بریگیڈ کمانڈر نے توصیفی انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

''تھینک یو سر.... میں ان شاء اللہ آپ کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔''

''مجھے یہ خوشی ہے کہ ہمیں اس بات کی بہت کم ضرورت پڑے گی کہ تمھیں تمھارے ٹاسک کے بارے میں سمجھائیں۔''

''سر مجھے یہاں کے بارے جو بھی علم ہے وہ معلومات آپ سے ضرور شیئر کروں گا لیکن حکم آپ کا ہوگا۔ میری اول کوشش ہوگی کہ بھٹکے اور ورغلائے ہوئے مقامی لوگوں کو راہ راست پر لاؤں لیکن جو اس فساد کی جڑ اور خالصتاً وطن دشمن ہیں ان کی بیخ کنی میرا اولین فرض ہوگا۔'' مشفق نے اپنے عزم کا اظہار کیا۔

''ویل ڈن.... مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم جیسا محب وطن اور پر جوش افسر میرے بریگیڈ کو دیا گیا۔''

''سر میری آپ کے BM (بریگیڈ میجر) سے درخواست ہوگی کہ مجھے علاقے کے لا اینڈ آرڈر کی صورتحال بارے تفصیلی بریفنگ دے دیں اس کے بعد ہی میں اپنا پلان بنا کر آپ کو دے سکوں گا۔''

''فکر مت کرو میں ابھی اسے کہہ دیتا ہوں۔ وہ اور GSO-3 operations (کیپٹن کے عہدے کا افسر) تمھیں جلد ہی بریف کر دیں گے۔ ہماری ملاقات ہوتی رہے گی، اپنا خیال رکھنا۔''

مشفق نے سیلوٹ کیا اور کمانڈر کے دفتر سے نکل آیا۔ علاقے میں متحرک ہونے سے پہلے، اسے ابھی بہت سا کام کرنا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اگلے دو دن وہ سادہ لباس میں کومیلا اور گردونواح میں گھوم پھر کر مقامی لوگوں سے عوامی لیگ اور مکتی باہنی بارے خیالات جاننے کی کوشش کریگا۔ کوئی مغربی پاکستان کا افسر جسے بنگلہ زبان بھی نہ آتی ہو ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن مشفق کے لیے یہ کوئی بڑا مسئلہ نہ تھا۔

اگلے دو تین روز کی ریکی کے دوران مشفق پر یہ خوفناک حقیقت آشکارا ہوئی کہ سادہ لوح بنگالی عوام کی اکثریت کو اس کے مجیب چاچا کی لچھے دار گفتگو اور دکھائے گئے سہانے سپنوں نے اپنے دام میں گرفتار کیا ہوا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مجیب بنگلہ بندھو (بنگالی دوست) ہے اور مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنا کر ان کی قسمت بدل کر رکھ دے گا۔ مشفق کو یہ بھی پتہ چلا کہ پاکستان سے محبت کرنے والے اب بھی ہیں لیکن وہ اکثریت کے خوف سے کوئی بھی بات کرنے سے ڈرتے ہیں۔ ایک دکاندار نے انجانے میں اسے یہ بتا دیا کہ یہاں ایک سکول ماسٹر تھا جو عوامی لیگ کے کارکنوں سے بہانگ دہل بحث کیا کرتا تھا

اور متحدہ پاکستان کے حق میں دلائل دیا کرتا تھا۔ ایک روز وہ پرسرار طور پر غائب ہوگیا اور پھر چند روز بعد اس کی مسخ شدہ لاش کومیلا شہر سے باہر یوسف پور والی سڑک پر ویرانے سے ملی۔ مشفق کو علم ہوگیا کہ حالات سے نمٹنا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ اسے کومیلا اور گردونواح میں بیشمار ایسی شکلیں نظر آئیں جو بنگالی بولنے کے باوجود بھی اجنبی نظر آتے تھے۔ جن کی حرکات وسکنات چغلی کھاتی تھیں کہ وہ مقامی نہیں ہیں۔

مشفق نے اپنا معمول بنا لیا تھا کہ اکثر شام کو سادہ کپڑوں میں کومیلا شہر کی سیر کو نکل جاتا اور مختلف دکانداروں سے سودا خریدنے کے بہانے گفتگو چھیڑ دیتا تاکہ عوام کا رجحان پتہ چلے۔ اسے یاد آیا کہ اس کا کالج کے زمانے کا ایک کلاس فیلو حسنات چوہدری بھی یہیں کا رہائشی تھا اور اس کا فون اور پتہ دونوں اس کے پاس تھے لیکن مشفق نے قصداً اس سے رابطہ نہیں کیا بلکہ اس کی دلی خواہش تھی کہ اس سے رابطہ نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔ وجہ صاف ظاہر تھی کہ وہ نہایت متعصب بنگالی اور عوامی لیگ کا اندھا سپورٹر تھا۔ اسے علم تھا کہ مشفق کے خاندان کے مجیب الرحمان کے خاندان سے انتہائی قریبی تعلقات ہیں اس لیے وہ اس سے بات چیت کر لیتا تھا مگر جب اسے بھی مشفق کے فوج میں جانے کا علم ہوا تو اس نے بھی دیگر متعصب حلقہ احباب کی طرح اسے تنقید کا نشانہ بنایا۔

مشفق کو ایک روز رابطے کے سلسلہ میں ڈپٹی کمشنر کے دفتر جانا پڑا۔ ڈی سی سے ملاقات کے بعد وہ باہر آکر اپنی جیپ میں بیٹھا ہی تھا کہ ایک منحنی سا شخص اس کے پاس سے سرگوشی کر کے گزر گیا۔

''شار! آمی تنجیل الرحمٰن۔ موگرب نماجے ٹام ساما برجے مسجدے امارا شاتھے دیکھا کرونہ (سر! میں تنزیل الرحمٰن ہوں، مجھے نماز مغرب کے وقت ٹام سام برج مسجد میں ملیں)۔''

مشفق نے چونک کر مڑ کر دیکھا تو وہ شخص تیزی سے چلتا ہوا دور جا چکا تھا لیکن اس نے مڑ کر مشفق کو مسکرا کر دیکھا اور اپنی پہچان کروا دی۔ مُش سوچ میں پڑ گیا کہ وہ تو اس شخص کو قطعی نہیں جانتا تو پھر اس نے اسے ملنے کا کیوں کہا؟ اسی سوچ میں گم وہ واپس چھاؤنی پہنچ گیا۔ یکایک اس کے ذہن میں خیال آیا کہ کہیں یہ شخص اسے کوئی انفارمیشن تو نہیں دینا چاہ رہا تھا؟ چونکہ وہاں بہت سے لوگ تھے اور مشفق وردی میں تھا اس لیے اس شخص نے اسے شام کو ملنے کا کہا اور مقام بھی بتا دیا۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ شر پسند اسے گھیرنا چاہ رہے ہوں؟ لیکن وہ شخص تنزیل تو مجھ سے بنگلہ زبان میں مخاطب ہوا تھا؟ اس کا

مطلب ہے کہ اسے علم تھا کہ میں بنگالی ہوں۔ بہت سوچ بچار کے بعد مشفق نے شام کو اس شخص سے ملنے کا فیصلہ کر لیا لیکن احتیاطاً ساتھ حوالدار اخلاص کو بھی لے کر گیا۔ دونوں سادہ لباس میں مگر مسلّح ہو کر گئے۔ یہ ایک بہت بڑا خطرہ تھا جو مشفق مول لے رہا تھا لیکن خطروں سے کھیلنا ہی تو ان کا کام تھا اور پھر اسی مقصد کے لیے ہی تو انھیں مشرقی پاکستان بھیجا گیا تھا۔

ٹام سام برج مسجد کا شمار کومیلا شہر کی قدیم مسجدوں میں ہوتا ہے۔ مغرب سے ذرا پہلے کیپٹن مشفق، حوالدار اخلاص کے ساتھ وہاں پہنچا تو جیپ کو قصداً مسجد سے خاصا دور نسبتاً ویران جگہ پر کھڑا کر کے ڈرائیور کو چوکنا رہنے کا کہا اور دونوں ٹہلتے ہوئے مسجد کی جانب چل دیئے۔ نماز کا وقت ہو رہا تھا لیکن تنزیل الرحمٰن نظر نہ آیا۔ دونوں نے حفاظتی اقدام کو مدنظر رکھتے ہوئے عقبی صفوں میں بیٹھنے کو ترجیح دی۔ نماز کے بعد مشفق نے سلام پھیرا تو تنزیل کو پچھلی صف میں موجود پا کر اطمینان کا سانس لیا۔ اشاروں میں علیک سلیک ہوئی اور دعا کے بعد یہ لوگ باہر نکل آئے۔ مشفق نے محسوس کیا کہ تنزیل لوگوں کی آمد و رفت سے دور رہنا چاہ رہا ہے۔ اس نے تنزیل کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور جیپ میں ساتھ بیٹھنے کی دعوت دی۔ تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد تنزیل ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مشفق نے ڈرائیور کو رش سے ہٹ کر نسبتاً کم ٹریفک والی سڑکوں پر جیپ چلانے کو کہا اور خود تنزیل سے بنگالی میں مخاطب ہوا،

''ہاں تنزیل اب بتاؤ آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہ رہے تھے؟''

''سر! میں پاکستان ایئر فورس سے چیف ٹیکنیشن ریٹائر ہوا ہوں اور ایک محب وطن پاکستانی ہوں۔ میں کومیلا کا ہی رہائشی ہوں اور یہیں پر سیٹل ہوں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے تنزیل لیکن آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہ رہے تھے؟ یہ آپ نے ابھی تک نہیں بتایا؟''

''سر آپ کو پتہ ہے کہ عوامی لیگ کس طرح سادہ لوح لوگوں کو قومیت کے نام پر بے وقوف بنا رہی ہے اور لوگ بھی کس طرح آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چل رہے ہیں؟''

''مجھے سب علم ہے اور میرا حق بنتا ہے کہ تم سے پوچھوں کہ تم بھی تو بنگالی ہو، پھر تم آنکھیں بند کر کے اس بھیڑ چال میں کیوں نہیں شامل ہو گئے؟''

''سر آپ کی طرح میں بھی بنگالی ضرور ہوں لیکن پہلے پاکستانی ہوں پھر کچھ اور۔ میرے والد

ایسٹ بنگال رجمنٹ سے صوبیدار ریٹائر ہوئے تھے۔ میرے دادا مسلم لیگ کے اولین کارکنوں میں سے تھے۔ ہم نے پاکستان بنایا ہے اب خدانخواستہ اس کے توڑنے والوں میں کیسے شامل ہو سکتے ہیں؟"

"اوکے۔ یہ بات تو سمجھ آ گئی۔ مگر ایک اور بات جو مجھے پریشان کیے ہوئے ہے کہ صبح تم نے ڈی سی آفس میں مجھے بنگلہ بھاشا میں شام کو ملنے کو کہا۔ تمھیں کیسے علم ہوا کہ میں بھی بنگالی ہوں؟"

"سر چھاؤنی میں میرے بہت سے دوست رہتے ہیں جو مختلف یونٹوں میں نوکری کر رہے ہیں۔ ایک شام انھی سے گپ شپ ہو رہی تھی تو ایک نے بتایا کہ حالات ٹھیک نہیں ہیں اس لیے پچھمی پاکستان سے ایس ایس جی کی ایک کمپنی آئی ہے اور اس کی ایک پلاٹون یہاں کومیلا پہنچی ہے جس کے پلاٹون کمانڈر ایک بنگالی کیپٹن صاحب ہیں۔ میں بہت دیر سے پاک فوج کے باخبر حلقوں کو کچھ اطلاعات دینا چاہ رہا تھا۔"

"تو تمھارا کیا خیال ہے کہ فوج کے خفیہ ادارے اور دیگر حکام بے خبر ہیں یا سوئے پڑے ہیں جو انھیں ان چیزوں کا علم نہیں ہوگا؟"

"شاب (صاب)! میں نے ایسا تو نہیں کہا۔ میرا مطلب تھا کہ کئی ایسی چیزیں ہیں جو ہو سکتا ہے ان کے علم میں نہ ہوں۔ اور اگر ہوں گی بھی تو میرے بتانے سے یقیناً تصدیق ہو جائے گی۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" مشفق متفق ہوتے ہوئے سر ہلا کر بولا۔

"بس اسی لیے میری خواہش تھی کہ کسی طرح یہاں ملک دشمن لوگوں اور بھارتی فوجیوں کی جو مشکوک اور پر اسرار حرکتیں ہیں ان کے بارے حکام کو بتاؤں، مگر ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ میں ڈر گیا کہ کیا خبر یہ سارا معاملہ الٹا میرے گلے ہی نہ پڑ جائے۔"

"رکو، رکو.... تم نے کیا کہا کہ بھارتی فوجی بھی یہاں آتے ہیں؟ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"سر وہ تو ایک عرصہ سے سول کپڑوں میں بلا روک ٹوک کومیلا آتے ہیں۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ عوامی لیگ کے سر اٹھانے کے بعد وہ دوسرے سرحدی شہروں میں بھی اسی طرح آتے جاتے ہونگے۔"

"او کے سمجھ گیا.... اب یہ کہو کہ مجھے کیا بتانا چاہتے ہو؟"

"سر کچھ بتانے سے پہلے میری ایک درخواست ہے۔"

"ہاں ہاں بولو بولو۔"

''شاب! میں ایک بہت غریب اور کمزور انسان ہوں۔ کاتک بازار میں میری ایک چھوٹی سی دکان ہے اور عزت سے گزر بسر ہو جاتی ہے۔ اگر کسی کو ہوا بھی لگ گئی کہ میں کاتک بازار کی خبریں حکومت تک پہنچاتا ہوں تو میرے اور میرے گھر والوں کے قتل کا خطرہ ہے۔ یہاں عوامی لیگ کا قانون چلتا ہے۔ پولیس بھی ڈر کر انھی کا کہنا مانتی ہے سو آپ مہربانی کر کے میرا ذکر کسی سے بھی نہ کیجیے گا۔''

''فکر مت کرو..... ایسا ہی ہوگا۔ تم جہاں کہو گے جس وقت کہو گے اسی وقت ملا کریں گے۔ اب یہ بتاؤ آج تم کس لیے ملنا چاہ رہے تھے؟''

''بالکل بتاتا ہوں شاب۔ دراصل کاتک بازار کے ایک محلہ میں کافی دنوں سے میں کچھ مشکوک حرکات دیکھ رہا ہوں۔ پانچ سات لوگ شام ڈھلنے کے بعد بہت باقاعدگی سے آتے ہیں اور صبح تک ایک گھر میں رہتے ہیں۔ وہاں کیا ہوتا ہے یہ کسی کو معلوم نہیں لیکن وہ گھر عوامی لیگ کے سرگرم کارکن تین سگے بھائیوں کا ہے جن سے سارا علاقہ ڈرتا ہے۔''

''یہ جو پانچ سات لوگ آتے ہیں، کوئی اندازہ ہے کہ یہ کون ہیں؟''

''شاب! آتے تو سادہ لباس میں ہیں لیکن چال ڈھال سے فوجی لگتے ہیں اور یہاں کے بھی نہیں ہیں کیونکہ بنگالی ٹوٹی پھوٹی بولتے ہیں۔ پرسوں رات وہ ذرا لیٹ آئے اور قدرے خاموشی سے۔ انھوں نے بڑے بڑے تین چار تھیلے اٹھا رکھے تھے جو ان تینوں بھائیوں نے ان سے لے کر اندر رکھوائے۔ میں تمام رات چھپ کر دیکھتا رہا کہ وہ کب جاتے ہیں۔ وہ لوگ صبح فجر کی اذان سے تھوڑا پہلے خالی ہاتھ واپس چلے گئے۔''

''اور یہ جو تین بھائی ہیں یہ کیا کرتے ہیں؟''

''کچھ نہیں سر..... بس سیاست کے نام پر بدمعاشی کرتے ہیں۔ عوامی لیگ کے نام پر زبردستی کا بھتہ اکٹھا کرنا ان کا کام ہے۔''

''اوکے..... سمجھ گیا۔ کیا تم ہمیں اس وقت وہ علاقہ دکھا سکتے ہو، اگر مناسب سمجھو تو؟'' مشفق نے معاملہ اس کی صوابدید پر چھوڑا۔

''بالکل دکھا دوں گا سر لیکن چلتی جیپ میں سے۔ گاڑی روکیے گا مت اور کوئی اشارہ وغیرہ بھی کوئی نہ کرے۔'' تنزیل کے اندر کے فوجی نے یکا یک محتاط کھیلنا شروع کر دیا۔ وہ انھیں راہنمائی کرتا ہوا کاتک بازار کی طرف لیجا رہا تھا اور مشفق دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اس نے آج پہلی مرتبہ دماغ کی

بجائے دل سے سوچا اور ایک بہت بڑا خطرہ مول لے لیا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ تنزیل واقعی میں ایک محب وطن پاکستانی ہے اور دشمن کا ایجنٹ نہیں جو انھیں دھوکا دے کر اپنی کمین گاہ کی طرف لیجا رہا تھا۔ اس نے ایک آدھ دفعہ مڑ کر حوالدار اخلاص کی جانب بھی دیکھا جو تنزیل کے ساتھ لگ کر بیٹھا تھا۔ ویلز جیپ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھنا اور پھر دو آدمیوں کا بیٹھنا کسی سزا سے کم نہیں تھا۔ مشفق اور اخلاص نے آنکھوں آنکھوں میں اشاروں سے ایک دوسرے کو الرٹ رہنے کا سگنل دیا اور دونوں نے کرتے کے نیچے اپنے اپنے پستول بھی چیک کر لیے۔

کاتک بازار نزدیک ہی تھا، وہاں پہنچتے ہی تنزیل نے جیپ آہستہ کرنے کو کہا اور مشفق سے کہا کہ وہ اپنے دائیں جانب غور سے دیکھتا جائے اور جب وہ گھر آئے گا تو تنزیل انھیں نشانی بتا کر سمجھا دے گا۔ اندھیرا بڑھ رہا تھا لیکن کھمبوں کے مدھم قمقموں کی روشنی میں چیزیں دیکھی جا سکتی تھیں۔ تنگ سی سڑک یا کشادہ گلی.... جو بھی کہہ لیا جائے، ویران پڑی تھی۔ اچانک ایک جگہ پہنچ کر تنزیل بولا، ''سر دائیں طرف جو پیلا گھر ہے جس کی اوپر کی منزل پر لائٹ جل رہی ہے، یہ گھر ہے، اب تیزی سے یہاں سے نکلیں۔''

مشفق کو سمجھ آ گئی تھی سو ڈرائیور سے جیپ آگے بڑھانے کو کہا اور تنزیل سے پوچھا کہ اسے کہاں اتارا جائے۔ اس نے کہاں کہ وہ اسے کاتک بازار سے نکل کر کسی بھی جگہ اتار دیں وہ پیدل واپس آ جائے گا۔ کاتک بازار سے نکل کر مشفق نے ایک جگہ جیپ رکوائی اور تنزیل کو اتارتے ہوئے پوچھا کہ آئندہ اس سے ملنا ہو تو کس طرح ملاقات ہو سکتی ہے؟ مشفق اس پر ایک دم اعتبار کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھا۔ وہ چاہ رہا تھا کہ تنزیل الرحمٰن نے آج جو اطلاع دی ہے اگر اس کی تصدیق ہو گئی تو پھر اس سے آئندہ رابطہ رکھا جائے گا۔ اس نے تنزیل کو اپنا دفتر کا فون نمبر دینے سے احتراز کیا اور طے کیا کہ آئندہ ملاقات ٹام سام برج مسجد میں ہی آنے والے جمعہ کو بوقت نماز مغرب ہوگی۔

حمید صبح اپنی دکان کے لیے نکلنے لگے تو منزہ نے یاد دہانی کراتے ہوئے کہا، ''سنیں....شام کو ذرا جلدی آ جایئے گا، بازار جانا ہے۔''

''خیریت مّنو؟ کیا خریدنا ہے؟'' حمید کو جب منزہ پر پیار آتا تو انھیں مّنو کہہ کر بلاتے تھے۔

''سوچ رہی ہوں کہ موموکے آنے والے ننھے مہمان کے لیے پنگھوڑا خرید لوں۔''

''واہ بیگم واہ....آنے والا ننھا مہمان یہاں سے ایک ہزار میل دور تشریف لا رہا ہے اور آپ پنگھوڑا یہاں خرید رہی ہیں۔ اس کا فائدہ؟''

''کمال کرتے ہیں آپ.... ہر چیز فائدے کے لیے ہی تھوڑی ہوتی ہے؟ کچھ کام خوشی کے لیے بھی کیے جاتے ہیں۔ بزنس مین ہیں ناں، ہمیشہ نفع نقصان کا ہی سوچیں گے۔''

''ارے نہیں....آپ تو برا مان گئیں۔ میں تو صرف پوچھنا چاہ رہا تھا کہ اگر خرید لیا تو بیکار پڑا رہے گا۔'' حمید جھینپتے ہوئے بولے۔

''آپ مرد ہیں ناں ماں کی ممتا کی کشش کبھی نہیں سمجھ سکیں گے۔ پنگھوڑا خالی بھی ہلتا رہے تو ماں کی ممتا امڈ آتی ہے۔ اللہ انھیں سلامت رکھے۔ کبھی نہ کبھی تو آئیں گے ہی ناں؟ جھولے کو دیکھ کر میرا انتظار بھی قائم رہے گا۔''

''ارے میری مّنو تو جذباتی ہو گئی، میں نے تو یونہی بات کی تھی۔''

''یہ کوئی نئی بات نہیں، ماں تو ہوتی ہی مجموعۂ جذبات ہے۔ اب ڈائیلاگ مت بولیں شام کو وقت

پر آجائے گا۔'' منزہ نے محبت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

شام کو دونوں نے لبرٹی مارکیٹ کی خوب مٹرگشت کی اور دیکھ بھال کر ایک نہایت خوبصورت پنگھوڑا خریدا۔ اب شاپنگ کے لیے نکلے تھے تو یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ منزہ اور کوئی خریداری نہ کرتیں۔ سو انھوں نے ننھی جان کے لیے کچھ ایسے کپڑے بھی خرید لیے جو لڑکا یا لڑکی دونوں صورتوں میں مناسب رہتے۔ وہ گھر داخل ہوئے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ منزہ کی چھٹی حس نے خبردار کیا کہ یہ مائرہ کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا کیونکہ آجکل وہ اکثر کال کرلیا کرتی تھی اور منزہ سے مشورے اور ٹوٹکے لیا کرتی تھی۔ منزہ نے سامان وہیں صوفے پر رکھ کر فون اٹھایا۔

''السلام علیکم ماما.... کیسی ہیں؟''

''وعلیکم السلام میری جان! تم کیسی ہو؟ خیریت ہے جو اس وقت فون کیا؟''

مائرہ ہنستے ہوئے بولی، ''جی ماما بالکل خیریت ہے۔ کیوں میں فون نہیں کرسکتی؟ بس آج آپ اور بابا بہت یاد آرہے تھے۔''

''جیتی رہو۔ ہم بھی تم لوگوں کو بہت یاد کرتے ہیں۔ ویسے تمھاری بڑی عمر ہے بیٹا۔''

''ارے!!!.... ایسا کیا ہوا؟'' مائرہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

''تمھارے بابا اور میں ابھی بازار سے آرہے ہیں، ننھے مہمان کا پنگھوڑا اور کپڑے خرید کر۔''

''سچی؟.... میں نے بھی دیکھنا ہے۔'' مائرہ خوشی سے تقریباً چیخ کر بولی۔

''کاش تمھیں دکھا سکتی.... ایسا کرتی ہوں کہ ٹی وی سٹیشن لے جاتی ہوں اور طارق عزیز کو کہتی ہوں کہ وہ کیمرے کے سامنے رکھ دیں تاکہ میری مومو دیکھ سکے۔''

''میرا مذاق اڑا رہی ہیں ناں آپ؟'' مومومنہ بسورتے ہوئے بولی۔

''ارے نہیں تمھیں تنگ کررہی تھی۔ سناؤ گھر پر سب کیسے ہیں؟ مُش بیٹے کی کوئی خبر؟''

''جی ماما سب خیریت سے ہیں۔ مُشی بھی خیریت سے ہیں لیکن بہت مصروف ہیں۔ ہفتے میں ایک آدھ دفعہ بات ہوجاتی ہے۔''

''اللہ اسے اپنی امان میں رکھے۔ تمھاری صحت تو ٹھیک ہے ناں؟ اپنی خوراک کا خیال رکھتی ہوناں؟ میں نے تمھیں پہلے بھی خبردار کیا تھا کہ یہ تم اپنے لیے نہیں بلکہ اس ننھی جان کے لیے کھاتی پیتی

ہو۔''

''جی ماما بہت خیال رکھتی ہوں.... اب تو movement (حرکت) بھی شروع ہوگئی ہے خیر سے۔'' مائرہ نے ماں کو خبر دی۔

''ماشاءاللہ!!! بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ خیر سے خوشی کا وقت لائے۔ آمین۔''

''تھینک یو ماما.... بابا کو بھی سلام کہیے گا۔ پھر بات ہوگی۔ اللہ حافظ۔'' مائرہ نے الوداع کہہ کر کال ختم کر دی اور منزہ خوابگاہ میں حمید کو مائرہ کے فون بارے اطلاع کرنے چلی گئیں۔

○

کیپٹن مشفق کی اگلے روز بریگیڈ کمانڈر سے ملاقات ہو چکی تھی اور اسے جو معلومات تنزیل الرحمٰن کی وساطت سے حاصل ہوئی تھیں وہ انھیں کمانڈر کے ساتھ شیئر کر چکا تھا۔ اب اسے ان پر اسرار لوگوں کے بارے تفصیلات اور اگلے حکم کا انتظار تھا کہ ان سے کیسے نمٹا جانا تھا۔ تاہم اپنی حد تک وہ آپریشن کی تمام تیاریاں ہر زاویہ سے مکمل کر چکا تھا جس میں ان کی گرفتاری سے لے کر ممکنہ مڈبھیڑ تک سب کچھ شامل تھا۔ مشفق کو زیادہ دن انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دو تین روز بعد ہی ایک شام وہ میس میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا کہ میس ویٹر نے آکر فون کال کا بتایا۔ مشفق کا خیال تھا کہ گھر سے مائرہ کی ہی کال ہوگی کیونکہ اس وقت عموماً وہی کال کیا کرتی تھی لیکن جب فون کان سے لگا کر ہیلو کہا تو دوسری جانب سے بریگیڈ میجر کی آواز آئی، ''ہیلو مشفق کیسے ہو پارٹنر؟''

"I am fine sir."

''گڈ.... بریگیڈ ہیڈکوارٹر آسکتے ہو فوراً؟''

''کیوں نہیں سر مجھے بس پندرہ بیس منٹ دیں۔'' فون بند کر کے اس نے یونٹ کا نمبر گھمایا اور ڈیوٹی کلرک کو فوراً جیپ بھیجنے کا کہا۔ چند لمحوں بعد جیپ پہنچی تو وہ بریگیڈ ہیڈکوارٹرز روانہ ہوگیا جہاں بی ایم اپنے دفتر میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے رات کے وقت بھی یونیفارم میں دیکھ کر مشفق کو احساس ہوا کہ وہ سول کپڑوں میں ہی چلا آیا ہے سو اس نے فوراً بی ایم سے معذرت کی، ''سر آئی ایم سوری میں ایسے ہی چلا آیا۔ مجھے وردی میں آنا چاہیے تھا۔''

''نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں.... میں تو کام کی زیادتی کی وجہ سے صبح سے ہی آفس میں ہوں اس لیے یونیفارم میں ہوں۔ دوپہر گھر جانے کا بھی موقع نہیں ملا۔ تم ایس ایس جی والوں کا تو ویسے بھی

فوج کے لاڈلوں میں شمار ہوتا ہے۔ جو مرضی پہنو، جیسے چاہو رہو۔'' بی ایم نے مسکراتے ہوئے فقرہ کسا۔

''نہیں سر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں..... چلیں کام کی بات کرتے ہیں۔''

''اوہ یس یہ تو میں بھول ہی گیا۔ آؤ آپریشنل روم کی طرف چلتے ہیں۔ پوچھو گے نہیں کیوں؟''

''سر پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں..... یقیناً کوئی شکار تلاش کیا ہوگا۔'' مشفق ہنستے ہوئے بولا۔

''اور شکار بھی وہ جس کی تم نے ہمیں خود اطلاع دی تھی۔'' بی ایم نے بات مکمل کی۔

''اوہ تو یہ کاتک بازار والی پارٹی ہے؟''

دونوں باتیں کرتے کرتے Ops Room میں داخل ہوگئے جہاں جی تھری کیپٹن نعمان ان کا منتظر تھا۔ BM میجر نعیم نے وقت ضائع کیے بغیر مشفق کو چند نقشوں کی مدد سے بریفنگ دینی شروع کر دی۔ اطلاعات کے مطابق وہ چار پانچ مشکوک افراد دراصل بھارتی فوج کی انٹیلیجنس سے تعلق رکھتے تھے جو کاتک بازار میں موجود عوامی لیگ سے تعلق رکھنے والے اپنے ایجنٹوں کو ہدایات دینے، ٹاسک سونپنے، فنڈ فراہم کرنے اور اسلحہ پہنچانے گاہے بگاہے آیا کرتے تھے۔ عوامی لیگ کی موجودگی اور مشرقی پاکستان کی عمومی فضا ان کے حق میں سازگار ہونے کیوجہ سے انھیں کبھی کسی دقت کا سامنا نہیں ہوتا تھا۔ تقریباً ہر سرکاری محکمے میں ان کے ایجنٹ موجود تھے جو انھیں ہر قسم کی سہولیات بہم پہنچاتے تھے اور یہی صورتحال فوج کے لیے مشکلات پیدا کر رہی تھی۔ بھارتی فوجی اور خفیہ اداروں کے افراد چاہتے تو وہ براہ راست شری مانتا پور امیگریشن پوسٹ سے بھی کومیلا میں داخل ہو سکتے تھے لیکن وہ ہمیشہ اپنے علاقے رابندر نگر بازار کے علاقے سے داخل ہونا مناسب سمجھتے تھے اور ایسا وہ صرف اور صرف حفاظتی نقطہ نظر کے تحت کرتے تھے۔ خفیہ اداروں کی اطلاعات کے مطابق بھارتی خفیہ ایجنسی را کے یہ افراد دو دن کے بعد پھر پاکستان میں داخل ہو رہے تھے۔ اس دفعہ خاص بات یہ تھی کہ جہاں انھوں نے اسلحہ وغیرہ دے کر جانا تھا وہیں ان کی 'نومولود' خفیہ ایجنسی را کے ایک افسر نے ایک مقامی سکول ماسٹر کے روپ میں غیر معینہ مدّت کے لیے کومیلا میں ہی رہنا تھا اور شر پسندوں کو مسلّح گوریلا کارروائیوں کی تربیت دینی تھی۔ بھارتی خفیہ ایجنسی را دو برس قبل ۱۹۶۸ء میں قائم کی گئی تھی اور باوثوق ذرائع تو نہایت یقین سے کہتے تھے کہ را کا قیام پینسٹھ کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے ہی عمل میں لایا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مشرقی پاکستان کے حالات کشیدہ کرنے کے تمام معاملات میں را کا نام سب سے پہلے آتا تھا۔

مشفق نے مکمل بریفنگ لینے کے بعد میجر نعیم کو بتایا کہ وہ اپنے پلان کے ساتھ صبح بریگیڈ ہیڈکوارٹرز آئے گا اور کمانڈر سے بحث کریگا۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد مشفق واپس میس جانے کی بجائے یونٹ چلا گیا اور اپنے چند اہم ماتحتوں کو بھی بلوا لیا۔ رات دیر تک اس پر بحث ہوتی رہی اور بالآخر ایک عمومی منصوبہ تیار کر لیا گیا جس پر کمانڈر کی توثیق کے بعد عمل ہونا تھا۔ اگلے روز صبح کیپٹن مشفق اپنا حربی منصوبہ لے کر بریگیڈ کمانڈر کے پاس حاضر ہوا اور اسے پلان کی جزئیات سے آگاہ کیا۔ منصوبے کے مطابق کیپٹن مشفق نے اپنی نفری کو دو حصوں میں تقسیم کیا، ایک حصے نے سرحد پر رابندر نگر بازار کے سامنے کے علاقے میں گھات لگانی تھی جبکہ دوسری پارٹی نے کاتک بازار میں عوامی لیگ کے ان تینوں بھائیوں کے گھر کی نگرانی کرنی تھی جس کی نشاندہی چند روز قبل تنزیل الرحمٰن نے کی تھی۔ مشفق نے خود اس پارٹی کے ساتھ رہنا تھا جبکہ بارڈر والی پارٹی کی کمان اپنے صوبیدار کے حوالے کر دی تھی۔ پلان کے مطابق اس بھارتی پارٹی کو کومیلا داخل ہونے دینا تھا اور واپسی پر جب وہ اپنے ساتھی کو چھوڑ کر کاتک بازار سے نکلتے تو مشفق کی پارٹی نے فوراً اس گھر پر خاموش حملہ کر کے اس بھارتی ایجنٹ اور ان تینوں بھائیوں کو قابو کرنا تھا۔ پلان تھا کہ حتی الامکان اسلحہ کے استعمال سے گریز کیا جائے گا اور یقین کیا جائے گا کہ منصوبے کے اس مرحلے پر عملدرآمد نہایت خاموشی سے ہو۔ دوسری جانب سرحد والے دستے نے ان واپس جانے والے بھارتیوں کو واپسی پر ہر حال میں گرفتار کرنا تھا تاہم اگر وہ مزاحمت کرتے تو حکم تھا کہ انھیں زندہ کسی صورت واپس نہ جانے دیا جائے۔

منصوبہ منطقی محسوس ہونے پر بریگیڈ کمانڈر نے منظوری دے دی۔ واپس آ کر مشفق نے فوراً مشن کی تیاری شروع کر دی۔ فوج میں آنے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ وہ کسی حقیقی جنگی مشن کی تیاری کر رہا تھا اور مشن بھی ایسا جس کی کمان اس کے پاس تھی۔ یہ سوچ کر ہی اس کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اس نے دل ہی دل میں اللہ سے کامیابی کی دعا کی۔ آج اس نے ابھی تک مائرہ کو کال نہیں کی تھی اور اگر وہ نہ کرے تو مائرہ کی ہی کال آ جایا کرتی تھی۔ کچھ سوچ کر اس نے مائرہ کو کال کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ دراصل کال ملنے میں بہت وقت لگ جاتا تھا اور مشفق کو حقیقت میں اس وقت بے حد نیند بھی آ رہی تھی اور دوسرا وہ چاہتا تھا مائرہ کو مشن سے بخیریت واپسی پر ہی فون کریگا۔ وہ گومگو کی کیفیت میں ہی تھا کہ مائرہ کی کال آ گئی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اسے بات کرنا پڑ گئی۔ مائرہ نے مشفق کی آواز میں وہ مخصوص

زندگی کی جھلک مفقود پائی، بالآخر نہ رہ سکی اور پوچھ لیا، ''مُشی آپ بہت ڈھیلے ڈھیلے بول رہے ہیں، خیریت تو ہے ناں؟''

''ہاں مومو، میں بالکل ٹھیک ہوں میری جان۔''

''نہیں آج آپ کی آواز میں وہ روز والی چہک نہیں ہے۔سب ٹھیک ہے ناں؟''

''جی مومو.... دراصل آج صبح سے مصروف تھا۔ بریگیڈ ہیڈکوارٹرز کے بھی دو چکر لگ گئے اور پھر کل ایک دن کے لیے شہر سے باہر بھی جانا ہے وہی تیاری کر رہا تھا۔'' مشفق نے لگے ہاتھوں گول مول انداز میں اسے خبر بھی دے ڈالی تا کہ وہ آنے والے دن کو انتظار نہ کرتی رہے۔

''چلیں ٹھیک ہے میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔آپ آرام کریں پھر بات ہو جائے گی۔''

''ارے ارے ایسی کوئی بات نہیں.... تم بات کرو مومو جی میں سن رہا ہوں۔ سوری آج مصروفیت میں خود کال کرنا یاد نہیں رہا۔'' مش کو اچانک احساس ہوا کہ وہ انجانے میں ضرورت سے زیادہ ہی روکھے پن کا مظاہرہ کر گیا تھا،''ہاں یہ بتاؤ تمھاری صحت کیسی ہے؟ ننھا مہمان کیسا ہے؟''

''جی سب ٹھیک ہے۔ میں بھی اب آرام کرتی ہوں، پھر بات ہو گی۔ اپنا خیال رکھیئے گا۔ اللہ حافظ۔'' اور مشفق کی بات سنے بغیر مائرہ نے فون بند کر دیا۔

مشفق عجیب قسم کے احساس جرم میں مبتلا ہو گیا۔آج کم از کم اس نے یہ سبق ضرور سیکھا کہ دفتری پریشانیوں کی پرچھائیاں اپنی نجی زندگی پر ہرگز نہیں پڑنے دینی چاہییں ۔اس نے خود کو انوکھی سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ سزا یہ تجویز کی کہ وہ ابھی خود کال بک کرائے گا اور جب تک مل نہیں جاتی سوئے گا نہیں۔ فوجی معمولات کو جاننے والے اس بات کا علم رکھتے ہیں کہ سول سے فوجی نمبر پر کال جلدی مل جایا کرتی ہے جبکہ فوجی نمبر سے سول نمبر کی کال ملانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا۔ وہی ہوا اور مشفق کو کال گھنٹہ ڈیڑھ بعد ملی۔ محبّت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ دونوں دل کسی بھی معاملے کے حوالے سے یہ بخوبی جانتے ہیں کہ اب آگے کیا ہونے والا ہے۔کال ملی تو ایک لمحے سے پہلے مائرہ نے ہی فون اٹھایا۔

''مومو جی، میری جان تم سوئیں نہیں؟''

''اگر آپ کو یقین ہوتا کہ اب تک میں سو چکی ہوں گی تو آپ کبھی بھی کال نہ کرتے۔''

''مجھے بالکل یقین تھا کہ تم نہیں سوئی ہو گی بلکہ میری کال کا انتظار کر رہی ہو گی۔''

''اچھا؟ وہ کیوں؟ مجھے کال کا بھلا کیوں انتظار ہونا تھا؟''

''پتہ نہیں کیوں.... مگر مجھے یہ علم نہیں تھا کہ تم فون کے پاس ہی بیٹھی ہوگی۔''مشفق نے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے شگوفہ چھوڑا۔

''جناب میں فون کے پاس نہیں بیٹھی ہوں بلکہ اماں نے فون میرے کمرے میں ہی منتقل کرادیا ہے۔ کہتی ہیں کہ تمھاری حالت ایسی ہے کہ کبھی کسی بھی وقت کسی سے بھی بات کرنے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اور ویسے بھی شفو گھر پر نہیں۔''

''واہ جی واہ آپ تو اہم شخصیت ہوگئیں، لیکن اگر کسی اور کو ضرورت پڑے تو پھر؟''

''وہ انیس بھائی ایک اور فون سیٹ لے آئے تھے جو انھوں نے ایکسٹینشن پر بیٹھک میں لگا دیا ہے جہاں سب استعمال کر سکتے ہیں۔''

''اچھا موموجی سنو! مجھ سے ایک سٹوپڈ حرکت ہوگئی تھی۔ تم سے بات کرتے مجھے دفتر کی پریشانی کو ایک طرف علیحدہ رکھ دینا چاہیے تھا۔''

''شکر ہے آپ نے احساس تو کیا۔''

''میری زندگی! تم جانتی ہو کہ میں اپنی غلطی تسلیم کرنے میں قطعی تاخیر نہیں کرتا.... سوری جان، ہاتھ جوڑتا ہوں۔''

''کہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ نے احساس کر لیا یہی بہت ہے۔ آپ واقعی کل شہر سے باہر جا رہے ہیں؟''

''جی بالکل.... اب پرسوں بات ہوگی۔ ان شاءاللہ۔''

''چلیے اپنا خیال رکھیئے گا۔ بہت پیار آپ کے لیے، ہم دونوں کی طرف سے۔'' مائرہ نے شرارتی لہجے میں کہا جس نے مشفق کے بدن میں زندگی کی نئی لہر دوڑادی۔

''ارے واہ، تم نے تو مجھے چارج کر دیا۔ بس نہیں چل رہا کہ اڑ کر پہنچوں اور اپنی مومو کو سینے سے لگالوں۔''

''یہ تو میری بہت بڑی 'کم بختی ہوگی'.... سرتاج۔'' مائرہ مشفق کو اس کی ابتدائی اُردو موقع بے موقع یاد کرانا ہرگز نہ بھولا کرتی تھی۔

''اللہ کے واسطے اب تو میری بیگم بن چکی ہو اب تو مجھے ذلیل کرنا بند کر دو۔'' مش ہنستے ہوئے بولا اور دونوں نے ایک دوسرے کو اللہ حافظ کہا۔ انتہائی تھکاوٹ کے باوجود مومو سے بات کرنے کے بعد

مشفق اچانک خود کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ایسے جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ اس کے ذہن سے اتر گیا ہو۔

اگلے روز بعد از نماز مغرب مشفق کی پلاٹون یونٹ لائنز میں اکھٹی ہوئی۔ مشفق نے آخری احکامات دیئے۔سب نے اپنے اپنے ہتھیار اور اسلحہ چیک کیا۔رابطے کے لیے اپنے وائرلیس سیٹ ایک فریکونسی پر سیٹ کیے۔رابندر نگر بازار کے علاقے میں جانے والی پارٹی کے انچارج صوبیدار کو مشفق نے آخری احکامات دیئے۔

''صاحب! آپ مکمل طور پر اس پارٹی کے انچارج ہیں۔آپ نے حتی الوسع کوشش کرنی ہے کہ فائرنگ کے بغیر ہی انھیں قابو کر لیا جائے۔''

''ان شاء اللہ سر ایسا ہی ہوگا۔ہم فائرنگ میں بالکل پہل نہیں کریں گے۔وہ گوریلا ہی کیسا جو فوراً فائرنگ کرنے پر اتر آئے۔''

''گڈ.... مجھے آپ سے یہی امید تھی۔اور ہاں آپریشن کے دوران وائرلیس بالکل خاموش رہے گا۔کامیابی کا اشارہ وائرلیس پر 'تتلی مل گئی' کہہ کر دیں گے۔کسی ناگہانی صورتحال میں آپ کا پیغام ہو گا 'پنچھی اڑ گیا'۔آپریشن کا وقت ایک ہی ہوگا۔کوئی شک؟''

''راجر سر.... کوئی شک نہیں۔'' صوبیدار صاحب نے جواب دیا اور دونوں پارٹیاں اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئیں۔ رات کا آغاز ہو چکا تھا۔کومیلا کی سڑکوں پر روائتی خاموشی تھی۔ کچھ حالات کی کشیدگی اور کچھ ویسے ہی بنگالی قصبوں اور چھوٹے شہروں کے لوگ سرِ شام گھروں میں بند ہونے کے عادی تھے۔

مشرقی پاکستان کے موسم کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔گرم مرطوب موسم گرما جو مارچ سے شروع ہو کر ماہ جون تک چلتا ہے اور اس دوران ماہ اپریل ملک کے بیشتر علاقوں میں گرم ترین مہینہ ہوتا ہے جب درجہ حرارت چالیس ڈگری سنٹی گریڈ یا ایک سو چار ڈگری فارن ہائیٹ تک پہنچ جاتا ہے۔ دوسرے حصے میں مون سون شروع ہو جاتا ہے جو جون سے اکتوبر تک چلتا ہے۔ یہ نسبتاً خنک اور شدید بارشوں کا موسم ہوتا ہے جبکہ تیسرا اور آخری حصہ اکتوبر سے شروع ہو کر مارچ تک چلتا ہے۔اس دوران خشک اور خنک سردیوں کا راج ہوتا ہے۔آج جب یہ لوگ آپریشن کے لیے جا رہے تھے تو ماہ اپریل

اپنے اختتامی ایام کی طرف بڑھ رہا تھا اور موسم میں شدید حبس تھا۔ جلد ہی دونوں پارٹیاں اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ گئیں۔ صوبیدار صاحب نے اس ممکنہ مقام پر جہاں سے بھارتی ایجنٹوں کے سرحد پار کرنے کی اطلاع تھی، دستوں کو ٹکڑیوں میں اس طرح لگایا کہ دشمن کو اندر داخل ہوتے وقت تو کوئی پریشانی نہ ہوتی لیکن جب وہ واپس جاتے تو ان کا سامنا ان ٹکڑیوں سے ہوتا۔ باالفاظ دیگر یہ پوزیشنیں اس دروازے کی مانند لگائی گئی تھیں جو اندر کی جانب باآسانی کھلتا تھا لیکن باہر کھلنا تقریباً ناممکن تھا۔

انتظار بہت مشکل تھا کیونکہ اطلاع کے مطابق انھوں نے رات بارہ سے ایک بجے کے دوران اس علاقے سے گزرنا تھا جبکہ ان کی واپسی صبح تین سے چار بجے کے دوران ہونی تھی اور ابھی ساڑھے دس ہی بجے تھے۔ دوسری جانب کیپٹن مشفق والی پارٹی بھی اپنی لوکیشن پر پہنچ چکی تھی اور گھر میں ہونے والی نقل وحرکت پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ تقریباً ڈیڑھ بجے کے قریب مشفق کو دوسری پارٹی سے وائرلیس پر دشمن کے پاکستان میں داخلے کا خفیہ پیغام ملا اور انھوں نے اپنی اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں۔ تقریباً آدھ گھنٹہ بعد ایک گاڑی کی روشنی نظر آئی۔ مشفق نے ایک پارٹی گھر کے عقب والی گلی میں متعین کی ہوئی تھی اور ایک نے تقریباً سو میٹر کے فاصلے سے ایک آڑ سے گھر کے گیٹ کو نشانے پر لیا ہوا تھا۔ خود مشفق تیسری پارٹی کے ساتھ تھا جس کا مشن تھا کہ ان لوگوں کے واپس روانہ ہونے کے بعد فوراً گھر میں داخل ہو کر تینوں بھائیوں اور اس بھارتی ایجنٹ کو جس نے یہاں رہنا تھا گرفتار کر لیا جائے۔ گاڑی آہستگی سے گیٹ کے سامنے آ کر رکی اور اس میں سے بشمول ڈرائیور پانچ افراد اترے۔ ڈرائیور غالباً اس گھر کے رہائشی بھائیوں میں سے ایک تھا جو بارڈر سے انھیں اپنی گاڑی میں لے کر آیا تھا؟ انھوں نے کار کی ڈگی کھول کر اس میں سے چادروں میں لپٹا ہوا کچھ سامان اتارا اور اندر لے گئے۔ کوئی آدھ پون گھنٹے کے بعد وہ لوگ باہر نکلے۔ اس دفعہ وہ پانچ کی بجائے چار تھے جن میں وہی ڈرائیور بھی شامل تھا جو شاید انھیں واپس چھوڑنے جا رہا تھا اور انھیں الوداع کہنے کے لیے جو اجنبی باہر آیا وہ امکان غالب دوسرا بھائی تھا۔ ان کی حرکات وسکنات سے لگ رہا تھا کہ وہ بہت جلدی میں تھے اور غالباً اندھیرے اندھیرے میں ہی بارڈر کراس کرنا چاہتے تھے۔ ان کے نکلتے ہی صوبیدار صاحب کی پارٹی کو خفیہ پیغام دیا گیا کہ پارٹی واپس آ رہی ہے۔

پیغام دینے کے بعد مقررہ وقت پر کیپٹن مشفق نے آپریشن کا سگنل دے دیا۔ عقبی گلی والی پارٹی کو چوکنا کر دیا گیا مبادا کوئی ادھر سے فرار کی کوشش نہ کرے اور سامنے گیٹ پر نظر رکھنے والی پارٹی کو بھی پوزیشن سنبھالنے کو کہہ دیا گیا۔ کیپٹن مشفق اس وقت جوش سے کانپ رہا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا مشن تھا اور انتظار اس کے لیے مشکل تھا۔ وہ اپنے دستے کو لے کر بجلی کی سرعت سے بڑھا اور ان لوگوں نے دیوار پھلانگی۔ سامنے والا دروازہ حسب توقع بند تھا اور جسے توڑنے پر مکین خبردار بھی ہو سکتے تھے چنانچہ وہ گھوم کر گھر کے پچھلی طرف گئے جہاں کچن کی کھڑکی سے اندر کا منظر نظر آ رہا تھا، ان بھائیوں میں سے ایک غالباً کچھ کھانے پینے کی اشیا لینے آیا تھا۔ یہ سب اندھیرے میں ایک طرف ہو گئے اور مشفق نے لان سے ایک کنکر اٹھا کر کچن کے دروازے پر مارا۔ اس نے اندر سے چونک کر آواز دی کہ کون ہے لیکن یہ لوگ سن کر خاموش رہے تو اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا اور جھانکنے کے لیے گردن باہر نکالی ہی تھی کہ ایک کمانڈو نے اسے چیتے کی سی پھرتی سے آناً فاناً دبوچ لیا اور وہ آواز بھی نہ نکال سکا۔ کمانڈو نے اسے زمین پر لٹا کر ہاتھ پیر باندھے اور منہ پر بھی سختی سے کپڑا باندھ کر اس پر پستول تان لیا۔ اس کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ کیا ہو گیا اور وہ خوفزدہ ہو کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا۔ مشفق نے اسے بنگالی میں پوچھا کہ باقی کدھر ہیں تو اس نے اشارہ کیا کہ اوپر ہیں۔ مطلوبہ معلومات ملنے کے بعد اس کا بیہوش ہونا ضروری تھا۔ مشفق نے اس کی گردن کے پاس کی مخصوص رگ دبائی اور وہ یکدم بے سدھ ہو گیا۔ ایک شخص کو اس کے سر پر کھڑا کر کے مشفق باقی ٹیم کو لے کر دبے پاؤں اوپر پہنچا اور جس کمرے سے آوازیں آ رہی تھیں وہ اس کے باہر جا کر کھڑے ہو گئے۔ نجانے کہاں سے ایک لمحے کے لیے اس کے ذہن میں مائرہ کا خیال آیا کہ آج اگر میں یہاں اس مشن میں شہید ہو جاتا ہوں تو مائرہ کو تو خبر بھی نہیں ہو گی۔ اسے تو صبح بیدار ہونے پر ہی پتہ چلے گا لیکن پھر اس نے فوراً اس خیال کو ذہن سے یہ کہہ کر جھٹک دیا کہ وہ کوئی انوکھا تو نہیں۔ ہر سپاہی کی زندگی کی یہی کہانی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا جنگی آپریشن بھی شروع ہونے سے قبل نہایت مشکل اور ختم ہونے پر بڑے سے بڑا آپریشن بھی نہایت آسان لگتا ہے۔ سارا کھیل ان چند لمحوں میں اپنا نتیجہ مرتب کرتا ہے جن میں سپاہی یا تو جرأت دکھاتا ہے یا پھر پیٹھ۔

اندر دو افراد تھے اور ان کی سرگوشیاں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ کبھی بنگالی بولی جا رہی تھی تو

کبھی ہندی۔ اچانک ایک کو خیال آیا کہ ایک بھائی جو نیچے گیا تھا ابھی تک نہیں لوٹا۔ جوں ہی وہ دیکھنے کے لیے کمرے سے نکلا۔ ایک کمانڈو نے اس کی پسلی میں زوردار گھونسہ رسید کیا۔ وہ درد سے دوہرا ہوا تو اس نے اسے نیچے گرالیا اور چند لمحوں میں اس کے بھی ہاتھ پشت پر باندھ دیئے۔ یہ ناگہانی حملہ دیکھ کر جو شخص سامنے پلنگ پر نیم دراز تھا اور وہی ان کا 'مہمان' لگ رہا تھا خوفزدہ ہو گیا اور ساتھ تپائی پر پڑی اپنی پستول اٹھانے لگا کہ مشفق نے جست لگا کر اسے قابو کرلیا۔ خاصا طاقتور شخص تھا اور اس نے شدید مزاحمت کی کوشش بھی کی لیکن بدقسمتی سے اس کا بس نہ چلا۔ مشفق اپنا کمانڈو خنجر نکال چکا تھا جس کی نوک اس نے اس شخص کی گردن میں ہلکی سی چبھوئی تو اس نے ہار مان لی اور ہتھیار ڈال دیئے۔ سب کام خلاف توقع نہایت خاموشی اور رازداری سے ہو گیا حالانکہ کیپٹن مشفق کو کچھ نہ کچھ مزاحمت کی توقع ضرور تھی۔ ان دونوں کو ایک جگہ بٹھا کر ان کی آنکھوں پر بھی پٹیاں باندھ دی گئیں اور گھر کی تلاشی شروع کر دی گئی۔ جس کمرے سے ان دونوں کو پکڑا گیا تھا اس کے برابر والے سٹور اور ایک دوسرے کمرے سے خاصی مقدار میں اسلحہ بارود اور مواصلاتی نظام کا سامان برآمد ہوا۔ یقیناً یہ تمام اسلحہ وغیرہ دیگر علاقوں میں مسلح مزاحمت کرنے والوں میں تقسیم کیا جانا تھا اور شاید اس بھارتی جاسوس کے آنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ مکتی باہنی کے کارکنوں کو تربیت دینے کے ساتھ ساتھ اسلحہ کی تقسیم بھی کرے۔ گھر کی اوپر نیچے ساری منزلوں کی تلاشی لینے میں خاصا وقت لگ گیا۔ عین ان لمحات میں دوسری پارٹی کا آپریشن بھی جاری تھا۔ اسی دوران وائرلیس پر صوبیدار کی پارٹی کی طرف سے 'تلسی مل گئی' کا خفیہ اشارہ بھی مل گیا جس پر کیپٹن مشفق نے اللہ کا بے حد شکر ادا کیا۔

آپریشن ختم ہونے کے بعد مشفق کے دل میں خیال آیا کہ ایس ایس جی کی صلاحیتوں کے مقابلے میں یہ آپریشن کہیں معمولی تو نہیں تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ یہ آپریشن تو ایک عام انفنٹری یونٹ بھی کر سکتی تھی تو پھر اسے کیونکر یہ ٹاسک سونپا گیا؟ وہ دل میں سوچنے لگا کہ صبح جب بریگیڈ ہیڈکوارٹر میں اس کی ملاقات کمانڈر سے ہوگی تو وہ اس کا جواب جاننے کی کوشش ضرور کریگا۔ خود کو تسلی دینے کے بعد اس نے ایک پارٹی کو اس وقت تک گھر کا پہرہ دینے کی ہدایت کی جب تک بریگیڈ ہیڈکوارٹرز سے متعلقہ لوگ آکر ان سے چارج نہیں لے لیتے۔ اس نے ان تینوں مشتبہ افراد کے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر انھیں ایک گاڑی میں ڈالا اور واپس چھاؤنی کی طرف روانہ ہو گئے۔ دوسری جانب سے

صوبیدار والی پارٹی بھی پہنچ چکی تھی۔ ان کا ایکشن بھی مجموعی طور پر کامیاب رہا۔ حسب توقع چیلنج کرنے پر مشتبہ لوگوں نے گاڑی نہیں روکی اور جب زبردستی روکا گیا تو انھوں نے فائر کھول دیا اور یہی ان کی غلطی تھی۔ کوئی تین منٹ کا معرکہ تھا جس میں تین افراد تو موقع پر ہی ہلاک ہو گئے جبکہ ایک جو شاید زخمی ہوا تھا موقع سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ صوبیدار صاحب کے خیال کے مطابق بھاگنے والا ان تینوں بھائیوں میں سے ایک تھا جو گاڑی وہیں چھوڑ گیا تھا۔ ان کے خیال میں وہ بھارت کی طرف فرار ہوا تھا۔

بریگیڈ ہیڈکوارٹرز میں حاضری ہوئی تو کمانڈر نے اس کے کامیاب آپریشن کی بے حد تعریف کی۔ تینوں افراد انٹیلیجنس والوں کے حوالے کیے جا چکے تھے۔ گفتگو کے دوران کیپٹن مشفق نے ایک موقع پر جرأت کر کے کمانڈر سے پوچھ ہی لیا کہ یہ معمولی آپریشن تو پیادہ فوج کی کوئی یونٹ بھی کر سکتی تھی پھر اسی کو کیوں یہ مشن سونپا گیا؟

بریگیڈ کمانڈر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، ''ویل ینگ مین! انفارمیشن کون لایا تھا اور علاقے کی ریکی کس نے کی تھی؟''

''بالکل سر وہ تو میں نے کی تھی۔''

''آپریشن کہاں تھا؟ سرحد پر یا شہری علاقے میں؟''

''شہری علاقے میں سر۔''

''ٹارگٹ شہری علاقے میں ہو، دشمن تعداد میں کم ہو لیکن بے حد عیار ہو تو ظاہر ہے کہ نہ تو زیادہ نفری کا استعمال کیا جائے گا کہ عام پبلک میں خوف و ہراس پھیلتا ہے اور نہ ہی پیدل فوج کو استعمال کیا جائے گا کیونکہ وہ سادہ جنگ میں کار آمد ہوتی ہے جبکہ اس طرح کے پیچیدہ آپریشن کرنا تم جیسے اسپیشلسٹ ٹروپس کا کام ہے۔''

''یس سر۔'' مشفق نے ساری بات سمجھتے ہوئے نہایت سعادتمندی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

اگلے روز جمعہ تھا اور مشفق کو شام کو بوقت نماز مغرب ٹام سام برج مسجد میں تنزیل الرحمٰن سے ملنا تھا۔ حسب وعدہ مشفق وہاں پہنچا اور نماز کی ادائیگی کے بعد باہر آ کر کچھ دیر انتظار کیا لیکن تنزیل نہ آیا۔ سیکورٹی کے خدشات کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ واپس چلا آیا لیکن یہ سوال اسے پریشان کیے جا رہا تھا کہ

تنزیل کیوں نہیں آیا؟ کہیں عوامی لیگ کے کسی کارندے کو اس پر شک نہ ہو گیا تھا اور خدانخواستہ انھوں نے اسے کوئی گزند نہ پہنچا دی ہو یا پھر اس نے خود ہی احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے آج آنا ملتوی کیا تھا؟ بہرحال جو بھی تھا بات پریشانی کی تھی۔ تنزیل کو زمین کھا گئی یا آسمان؟ یہ بات آخر دم تک ایک معمہ رہی۔ تنزیل، مشفق کو دوبارہ کبھی نظر نہ آیا۔

گھر تو اکثر سب سے بات ہو جایا کرتی تھی لیکن ایک روز اچانک اسے خیال آیا کہ وہ جب سے لاہور سے آیا ہے مائرہ کے امّی ابو سے اس کی ایک مرتبہ بھی بات نہیں ہوئی۔ اس کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگا کہ جب وہ اسے بابر کی طرح چاہتے ہیں تو اسے بھی ان کا خیال اسی طرح رکھنا چاہیے جس طرح وہ اماں کا خیال رکھتا ہے۔ ایک روز ویک اینڈ پر شام کو وقت نکال کر اس نے لاہور کی کال بک کرائی۔ رات میں جب کال ملی تو منزہ اور حمید سونے کی تیاری کر رہے تھے۔ ان کے خیال میں یہ ہمیشہ کی طرح مائرہ کی ٹرنک کال تھی لیکن جب انھوں نے لائن پر دوسری جانب مشفق کو پایا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ مشہور کہاوت ہے کہ 'بیٹیاں دے کر بیٹے لیے جاتے ہیں'۔ بیٹیاں تو پیار کرتی ہی ہیں لیکن جب داماد آپ کو عزت اور محبت دیتے ہیں تو آپ کا فخر اور غرور آسمان کو چھونے لگتا ہے۔ ایسی ہی صورتحال کچھ اس وقت بھی پیش آ رہی تھی۔ فون حمید نے اٹھایا تھا اور حال احوال پوچھ کر ریسیور بیتاب منزہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''ہیلو مُشی بیٹا کیسے ہو؟'' منزہ آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھرتے ہوئے بولیں۔

''اللہ کا شکر ہے ماما، بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟'' مشفق نے آج پہلی دفعہ منزہ کو آنٹی کی بجائے ماما کہا۔

''اللہ کا بے حد شکر ہے۔ بیٹا تم نے مجھے ماما کہا؟''

''جی ماما..... کیوں؟ آپ کو اچھا نہیں لگا؟''

''نہیں نہیں..... ایسی بات نہیں۔ میری خوشی کی تو انتہا نہیں۔ مجھے لگا کہ بابر واپس آ گیا ہے۔ سلامت رہو۔''

''آپ مائرہ بوبی کی ماما ہیں تو پھر میری بھی ماما ہوئیں ناں؟ کہنا تو میں بہت دیر سے چاہ رہا تھا لیکن ہمیشہ جھجک جاتا تھا۔ دراصل آنٹی بڑا فارمل سا رشتہ ہے اور آپ نے مجھے ہمیشہ بوبی ہی کی طرح

پیار کیا۔''

''صدقے جاؤں اپنے بچے کے، ہمیشہ خوشیاں دیکھو۔ مائرہ سے بات ہوتی ہوگی؟''

''جی ماما.... رابطہ رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہوں لیکن مصروفیات بھی بہت زیادہ ہیں۔ بس مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا اور اگر کبھی مجھے کال کرنے میں تاخیر ہو جائے تو یہ مت سمجھیے گا کہ میں بھول گیا ہوں۔''

''نہیں بیٹا مجھے یقین ہے میری جان تم ماں کو کیسے بھول سکتے ہو؟''

''اجازت دیں، ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔''

''اللہ کی امان میں میرا بچہ۔'' منزہ نے دعائیں دے کر فون رکھ دیا۔

○

مشرقی پاکستان میں حالات بتدریج خراب ہوتے چلے جا رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ معاملات حکومت کے ہاتھ سے ریت کی طرح پھسلتے جا رہے ہیں۔

شر پسندی کی کارروائیاں روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں اور اسی تناسب سے کیپٹن مشفق کی پلاٹون کے مشن بھی بڑھتے جا رہے تھے۔ اب تو اکثر انھیں دشمن کو سبق سکھانے کے لیے کومیلا شہر سے باہر کے علاقوں میں بھی جانا پڑتا تھا۔ ایک آدھ ایکشن میں تو موت اسے قریب سے چھو کر گزر گئی لیکن اس نے اپنے کسی بھی ایکشن کا گھر میں مائرہ سے کبھی ذکر نہیں کیا۔ بہت دیر سے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ سب گھر والوں سے ملے لیکن موموسے ملنے کی خواہش بری طرح ستا رہی تھی اور پھر ایک روز وہ اچانک چھٹی لے کر ڈھاکہ جا دھمکا۔ سہ پہر کا وقت تھا جب وہ خاموشی سے سیڑھیاں چڑھا۔ سب اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ اس نے سب سے پہلے ناہیدہ کے کمرے کا دروازہ کھول کر جھانکا تو انھیں قیلولہ کرتے پایا۔ اب وہ اپنے کمرے کی جانب گیا اور نہایت آہستگی سے دروازہ کھولا تو مائرہ دروازے کی جانب پشت کیے پلنگ پر بیٹھی تھی اور اسے مشفق کی آمد کا بالکل بھی علم نہ ہوا۔ مشفق نے محسوس کیا کہ مائرہ کا وجود خاصا بھاری ہو چکا تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ وہ اسے ڈرائے لیکن پھر اچانک اس کی حالت کا خیال آیا تو ارادہ ملتوی کر دیا۔ غالباً اس کا ساتواں ماہ چل رہا تھا۔ وہ دبے پاؤں اس کے سر پر جا کھڑا ہوا تو دیکھا کہ وہ بچے کی پیدائش سے متعلق کوئی انگریزی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس کے انہماک سے معلوم ہوتا تھا کہ کتاب خاصی دلچسپ تھی۔ کچھ لمحے خاموش کھڑا رہنے کے بعد مشفق نے سرگوشی میں پوچھا، ''میڈم!

اس کتاب میں کہیں شوہر کو رام کرنے کے طریقے بھی درج ہیں یا نہیں؟''

مائرہ بری طرح چونکی اور مڑ کر حیرت زدہ نظروں سے کچھ دیر مشی کو تکتی رہی جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو اور پھر ایکدم اٹھ کر اس سے لپٹ گئی۔ جونہی مش نے اسے اپنی بانہوں میں بھرا تو اس نے بے اختیار رونا شروع کر دیا۔

اس نے ڈر کر پوچھا، ''مومو خیریت ہے کیا ہوا؟'' لیکن مائرہ روئے چلی جا رہی تھی۔ مشفق نے اپنے ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی کو اوپر اٹھایا تو آنکھوں میں آنسوؤں کی برسات گھر کیے نظر آئی۔ دوبارہ پوچھا، ''میری جان کیا اماں نے کچھ کہا یا روبی سے ان بن ہوئی؟''

مومو نے کچھ کہے بغیر نفی میں سر ہلایا تو مش کو کچھ اطمینان ہوا اور دوبارہ پوچھا، ''مومو جی! اگر کسی نے کچھ نہیں کہا تو پھر یہ رونا کیسا؟''

''کچھ نہیں بس آپ کو بہت مس کر رہی تھی اور جب اچانک آپ کو سامنے پایا تو یقین نہیں آیا اور خوشی سے آنسو چھلک پڑے۔'' مائرہ پہلی مرتبہ بولی۔

''یا اللہ!.... تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔''

''آپ نے کھانا کھایا ہے؟ ٹھہریں میں آپ کے لیے کچھ بنا کر لاتی ہوں۔'' مائرہ سنی ان سنی کرتے ہوئے بولی۔

''نہیں نہیں، کھایا تو نہیں لیکن بھوک بھی نہیں۔ تم یہیں آرام سے بیٹھو۔'' مش اسے کاندھوں سے پکڑ کر بٹھاتے ہوئے بولا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بچوں والی بات مت کریں۔ پتہ نہیں کب سے بھوکے ہیں۔ وہاں وقت پر کھانا ملتا بھی ہوگا یا نہیں۔'' مائرہ نے کچن کی جانب جاتے ہوئے کہا۔

''اچھا ٹھہرو۔ پھر دونوں چلتے ہیں۔ تم کھانا بھی بنانا اور ہم باتیں بھی کریں گے۔'' مش نے مشورہ دیا اور اس کے پیچھے پیچھے رسوئی کو ہولیا۔

کچن میں مائرہ نے جب توا چولہے پر رکھا تو مشفق حیران رہ گیا اور بولا، ''تم نے چپاتیاں بنانا کب سیکھیں؟''

''یاد نہیں آپ ہی نے وارننگ دی تھی کہ بیگم کھانا پکانا جس قدر جلد ہو سیکھ لینا۔ بس آپ کے حکم تعمیل فوراً شروع کر دی۔'' مومو ہنستے ہوئے بولی۔

''مومو تمھیں یہاں کچن میں دیکھ کر بہت اچھا لگ رہا ہے۔ عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔''
مشفق نے رومینٹک ہوتے ہوئے کہا۔

''بس بس جناب رومینٹک ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابھی کوئی آ گیا تو آپ کا رومانس اس پیڑے کی طرح بیلا جائے گا۔''

ان دونوں کی باتوں کی آواز سے روبی بیدار ہوگئی اور کچن میں بھائی کو دیکھ کر خوشی سے پاگل ہوگئی اور دوڑ کر اس سے لپٹ گئی، ''شفو بھیا آپ کب آئے؟''

''دکچے ابھی پہنچا ہوں۔''

''اور آتے ہی محبّت محبّت کھیلنا شروع کر دیا؟'' روبی شرارت سے آنکھ میچتے ہوئے بولی۔

''کہاں سے کھیلنا تھا؟ تم جو کباب میں ہڈی بن کر پہنچ گئی ہو۔'' مشفق نے بھی جوابی وار کیا۔

''لیجیے حضور ہم ابھی چلے جاتے ہیں۔ آپ بھی کیا یاد کریں گے۔'' روبی جانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولی۔

''ارے نہیں، اب آ ہی گئی ہو تو رک جاؤ۔ ہم اپنا پروگرام ملتوی کر دیتے ہیں۔'' مش نے جواب دیا۔

''آپ بہن بھائی کھانے کے کمرے میں چلیں، باتیں کریں، میں ٹرے لگا کر لاتی ہوں۔ بس مجھے پانچ منٹ دیں۔'' مائرہ نے مشورہ دیا۔ مشفق بہن کو لے کر کھانے کے کمرے کی جانب چل دیا اور مائرہ ٹرے سجانے میں مصروف ہوگئی۔ بات چیت کی آوازوں اور اونچے اونچے قہقہوں سے ناہیدہ بیگم بھی جاگ گئی تھیں۔ خراماں خراماں وہ بھی کھانے کے کمرے میں پہنچ گئیں اور مشفق کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئیں۔

''میرا بچہ آیا ہے اور مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔'' ناہیدہ نے شکوہ کیا۔

''ارے نہیں اماں میں نے خود ہی آپ کو ڈسٹرب نہیں کیا۔ آپ آرام کر رہی تھیں سوچا شام کو ملاقات ہو جائے گی۔''

''رہو گے ناں کچھ دن بیٹا؟'' ناہیدہ نے ماؤں والا روائتی سوال داغا۔

''نہیں اماں بڑی مشکل سے دو دن کی چھٹی ملی ہے، پرسوں چلا جاؤں گا۔''

''حالات زیادہ خراب ہیں ناں؟ خبروں سے تو یہی نظر آتا ہے۔''

''جی اماں.... مجیب چاچانے جو آگ لگا دی ہے اب لگتا ہے کہ وہ خود بھی اسے نہیں بجھا پائیں گے۔ حالات خانہ جنگی کی طرف جاتے نظر آرہے ہیں۔ جو محب وطن ہیں وہ چھپتے پھرتے ہیں۔''

''اللہ رحم کرے۔ مجھے تو ڈر لگنے لگا ہے۔ میرے بچے تم اپنا خیال رکھنا۔'' انھوں نے مشفق کو نصیحت کی۔

''اماں ہمارا تو کام ہی خطروں سے کھیلنا ہے اور پھر میں اکیلا ہی تو نہیں اور بھی ماؤں کے بچے ہیں۔ یہ وطن ہے تو ہم ہیں۔'' مش نے ہنستے ہوئے ماں کو تسلی دی۔

''اللہ تم سب کو اپنی امان میں رکھے اور دشمن کو ذلیل ورسوا کرے.... آمین۔''

وہ لوگ باتیں کر رہے تھے کہ مائرہ ٹرے ہاتھ میں پکڑے کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے دیکھ کر مشفق لپک کر اٹھا، ''مومو مجھے آواز دے دی ہوتی۔''

''کوئی بات نہیں چھوٹی سی تو ٹرے ہے۔'' مومو نے جواب دیا۔

''وزن تو ہے ناں بھابھی، مجھے آواز دے دیتیں۔'' روبی کھسیانی ہو کر بولی۔ مومو کھانا میز پر رکھ کر مش کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ مشفق نے کھانا شروع کیا تو پہلے ہی لقمے پر بیگم کی تعریف کرنا نہ بھولا۔ ناہیدہ نے بھی توثیق کی، ''مائرہ بیٹی بہت عمدہ کھانا بنانے لگ گئی ہے۔ اس کے ہاتھ میں بہت لذت ہے اور ذائقہ بھی منفرد ہے۔ کم از کم ہمارے یہاں کے کھانوں سے بہت مختلف ہے۔''

''اور کیا، اسی لیے میں اب کم کم ہی کھانے بناتی ہوں کیونکہ کسی کو پسند تو آتے نہیں۔'' روبی نے بہانہ گھڑتے ہوئے کہا۔

''روبی کی بچی! بہانے تو کوئی تم سے سیکھے۔ تم تو ویسے ہی پیدائشی کام چور ہو۔'' مشفق نے بہن کو چھیڑا اور سب کا ایک زوردار قہقہہ بلند ہوا۔ اسی دوران چھوٹے بدر نے بیڈ روم سے نعرہ مارا تو روبی بھاگ کر بیٹے کو اٹھا لائی اور ماموں کے گود میں ڈال دیا اور مشفق اس سے لاڈ کرنے لگا جبکہ وہ حیران پریشان آنکھیں جھپکائے بٹر بٹر مشفق کو پہچاننے کی کوشش میں مصروف تھا۔ باتوں ہی باتوں میں وقت کا پتہ ہی نہ چلا اور مغرب کا وقت ہو گیا۔ روبی نے انیس کو بھائی کی آمد کی اطلاع دے دی تھی لہٰذا وہ بھی جلد ہی آ گیا اور آتے ہوئے مشفق کے پسندیدہ سموسے لانا نہ بھولا۔ دونوں بہت تپاک سے ملے۔

''ارے واہ!!!! انیس بھائی آپ کی صحت کو تو چار چاند لگ گئے ہیں چند ہی دنوں میں۔'' مُش نے چٹکلہ چھوڑا۔

''کیا کروں چھوٹے بابو.... آپ کی بہن چٹ پٹے کھانے کھلاتی ہے۔'' انیس نے جواب دیا۔

''ہیں میری بہن کھلاتی ہے یا میری بیگم؟ مجھے تو رپورٹ ملی ہے کہ میری معصوم بیگم سے ظالمانہ سلوک ہوتا ہے اور اسے چولہا چوکی سے ہی فرصت نہیں ہوتی۔'' مشفق نے اسے زیر کر دیا اور انیس کھسیانا ہو گیا لیکن مائرہ نے فوراً بات بدلی، ''ارے نہیں روبی تو مجھے ہاتھ نہیں لگانے دیتی مگر میں خود ہی باز نہیں آتی۔ وہ بیچاری کیا کیا کرے؟ ہانڈی روٹی کرے یا ننھے میاں کو سنبھالے؟'' اور بات ہنسی میں ٹل گئی۔

رات کھانے کے بعد جب سب اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے تو مشفق اور مومو بھی خوابگاہ میں آ گئے۔ بستر پر لیٹتے ہی مومو نے پہلا سوال داغا، ''مُشی! یہ آپ نے کیا کیا تھا؟ بھئی کمال ہے آپ والی بھی۔''

''کیوں کیا ہوا؟'' مشفق، جس کے پلے کچھ نہیں پڑا تھا، پوچھا۔

''اگر انیس بھائی نے روایتاً کہہ بھی دیا تھا کہ روبی نے انھیں موٹا کیا ہے تو بات کو مذاق میں لیتے۔ فوراً جواب کیوں پلٹا دیا؟''

''تو کیا ہو گیا میری جان؟ میں نے بھی مذاق ہی کیا تھا۔''

''ہاں آپ نے مذاق ہی کیا تھا لیکن بات ساری ٹائمنگ کی ہوتی ہے جو مذاق کو سنجیدہ بنا دیتی ہے۔ آپ تو سوچ سمجھ کر بولتے ہیں لیکن آج پتہ نہیں کیسے آپ نے یہ بات کر دی۔''

''چلو بابا صبح انیس بھائی سے معذرت کر لوں گا۔ اب خوش؟''

''ہاں لیکن علیحدگی میں۔'' مائرہ نے تاکید کی۔

''جیسے میری مومو کہے گی ویسے ہی کروں گا۔ کہتے ہیں ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے اور اگر میں نے کامیاب ہونا ہے تو تمھاری حکم عدولی تو نہیں کر سکتا ناں؟''

''اچھا رہنے دیں اب باتیں بنانا کوئی آپ سے سیکھے۔ آپ کو ایک بات بتاؤں؟''

''جی مومو ضرور بتاؤ۔''

''کچھ روز پہلے ہم سب کھانے کی میز پر بیٹھے تھے تو انیس بھائی مجھے کہنے لگے کہ میں انھیں کوئی کام نہیں بتاتی حالانکہ سو طرح کی ضرورتیں ہوتی ہیں۔ کہنے لگے کہ مائرہ بہن کبھی کچھ خاص کھانے کو آپ

کا من کرتا ہوتب بھی نہیں بتاتیں، شاید مجھے اپنا بھائی نہیں سمجھتیں۔ میں نے کہا نہیں انیس بھائی ایسی کوئی بات نہیں لیکن سچ یہ ہے کہ کبھی کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی، گھر میں سب کچھ تو مل جاتا ہے۔ کہنے لگے کہ انھیں ہمیشہ بہن کی کمی محسوس ہوتی تھی کہ کاش ان کی کوئی بہن ہوتی۔ اس پر میں نے کہا انیس بھائی یہ سب اللہ کے کام ہیں میرا بھی ایک بھائی تھا جو نہیں رہا تو فوراً بولے کہ ان کا جی چاہتا ہے کہ وہ مجھے اپنی بہن بنالیں؟ میں نے کہا انیس بھائی یہ تو میری خوش نصیبی ہوگی۔ کہنے لگے بس تو پھر آج سے آپ میری سگی بہنوں کی طرح ہیں اور آپ کو قسم ہے جو کبھی اپنی کوئی پریشانی یا ضرورت مجھ سے چھپائیں۔ مشفق میاں ویسے بھی گھر پر نہیں ہوتے تو میری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ آپ سب کا خیال رکھوں۔''

''واہ جی چلو ہماری موموکو پلا پلایا جوان بھائی مل گیا.... اچھا تو اسی لیے بھائی کی طرفداری کی جارہی تھی۔ اب سمجھ آئی۔ ہاں جی اب تو ہمیں ڈر کر رہنا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں ناں کہ ساری خدائی ایک طرف اور جورو کا بھائی ایک طرف لیکن اپنے بھائی صاحب کو بتا دینا کہ ہم بھی ان کی جورو کے بھائی ہیں۔ ہماری بھی کوئی حیثیت ہے۔'' مشفق ہنستے ہوئے بولا۔

''آپ کچھ نہیں کہیں گے؟ کوئی اپنی رائے وغیرہ؟''

''میری کیا رائے ہونی ہے مومو؟ تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو۔ باقی رہ گئی انیس بھائی کی بات تو بھلے وہ self made انسان ہیں لیکن ان میں ایک خاندانی انسان کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ بیشک ان کے خاندان پر برا وقت آیا لیکن مجھے یقین ہے کہ کبھی ان کے آباؤ اجداد پر اچھا وقت بھی رہا ہوگا اور وہ بہت خوشحال رہے ہونگے۔ تم خوش نصیب ہو کہ ایک فرشتہ سیرت انسان نے تمھیں اپنی بہن کہا۔ چلو بوبی گیا تو اللہ نے تمھیں انیس بھائی دے دئے۔ مبارک ہو اسی خوشی میں منہ میٹھا کرواؤ۔''

''اچھا بابا صبح کرواؤں گی۔''

''کیوں اس وقت کچھ نہیں گھر میں؟''

''نہیں صبح اپنے بھائی سے کہوں گی کہ آپ کے لیے رس گلے لے کر آئیں۔''

اس کے بعد دونوں دیر تک آنے والے مہمان کے حوالے سے باتیں کرتے رہے۔ مائرہ مشفق کے سینے پر سر رکھے اس کے بال سہلاتے سہلاتے نجانے کس وقت نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔ مشفق نے آہستگی سے اس کا سر سینے سے ہٹایا اور تکیے پر رکھ کر اس کے چہرے کو غور سے دیکھتا رہا۔ محوخواب

مائرہ کو اس نے آج پہلی مرتبہ نہایت غور سے دیکھا تھا اور وہ دیکھتا رہ گیا۔ پلکوں سے ڈھکی آنکھیں، انار کی طرح سرخ گال۔ ساتویں ماہ میں مائرہ پر بے پناہ روپ آیا ہوا تھا۔ مشفق نے اس پر آیت الکرسی پڑھ کر پھونکی۔ وہ نماز کے معاملے میں اتنا باقاعدہ نہیں تھا ہاں البتہ روزے اس نے ایک مدّت سے کبھی قضا نہیں کیے تھے۔ مائرہ کو دیکھتے دیکھتے، روزِ اول سے لے کر اب تک کے سارے واقعات ایک فلم کی طرح مشفق کے ذہن میں چلنے لگے۔ اسے بے اختیار مومو پر بے پناہ پیار آیا اور اس نے آگے جھک کر نہایت آہستگی سے اپنی مومو کی پیشانی پر محبّت بھرا بوسہ ثبت کر دیا اور جلد ہی نیند کی وادی میں چلا گیا۔

صبح مشفق، انیس اور مائرہ نے ناشتہ اکٹھے کیا۔ میز پر انیس نے کاروبار سے متعلق بات چھیڑی تو مشفق ہنستے ہوئے خوش دلی سے بولا، ''انیس بھائی آپ جانیں اور آپ کا کاروبار جانے۔ میں ٹھہرا فوجی بندہ، مجھے تو معاف ہی رکھیں۔''

''نہیں چھوٹے بابو، میں....''

''انیس بھائی آپ میرے بڑے ہیں۔ منع کرنے کے باوجود آپ نے پھر مجھے چھوٹے بابو کہا؟ نہ کہا کریں پلیز.... مجھے شرمندگی ہوتی ہے۔'' مُش بات کاٹتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے چھوٹے بابو.... میرا مطلب ہے مشفق بھائی میں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ کاروبار ماشاءاللہ بہت ترقی کر رہا ہے میں نے مزید ایک آفسٹ مشین لگا لی ہے اور اب کام بھی پھیلتا جا رہا ہے اللہ کے فضل سے۔''

''واہ! یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ آپ محنت بھی تو بہت کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ آپ کو ترقی دیتا ہے۔ ارے ہاں آپ کو ایک اور بات کی بھی مبارک ہو۔''

''وہ کس بات کی مشفق بھائی؟''

''سنا ہے اللہ نے آپ کو ایک بہن بھی دے دی ہے؟''

''جی میں نے مائرہ بہن کو دل سے اپنی بہن مانا ہے۔ مجھے ہمیشہ بہن کی کمی محسوس ہوتی تھی سو اللہ نے وہ پوری کر دی۔'' انیس شرماتے ہوئے بولا۔

''یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ اللہ ہمارے خاندان کو کبھی کسی حاسد کی نظر نہ لگے اور آپ دونوں بہن بھائی کا پیار سدا قائم رہے۔''

''مشفق بھائی! میں خود کو بہت خوش قسمت انسان سمجھتا ہوں۔ اگر میری بہن کو کبھی میری جان کی ضرورت پڑی تو وہ بھی وارنے سے دریغ نہیں کروں گا۔''

''اللہ نہ کرے بھیا کہ ایسا وقت آئے، ایسی باتیں منہ سے نہیں نکالتے۔'' مائرہ نے انیس کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

''اور ہاں انیس بھائی کل کھانے پر روبی کی کوکنگ کے حوالے سے میں نے جو بات کی تھی وہ محض ایک مذاق تھا جو مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مجھے معاف کر دیجیے گا۔''

''ارے مشفق بھیا کیوں شرمندہ کرتے ہیں۔ قسم لے لیں میں نے بالکل برا نہیں مانا۔ مجھ پر تو آپ کے اور اس گھر کے بے حد احسانات ہیں۔''

''کسی کا کوئی احسان نہیں۔ آپ اس گھر کے فرد ہیں اور اماں کے بعد بڑے بھی۔'' یہ کہہ کر اس نے کن اکھیوں سے مائرہ کی جانب دیکھا جو مارے خوشی کے آنکھوں میں نمی سموئے بیٹھی تھی۔ انیس کے پریس جانے کے بعد اس نے یونٹ فون کر کے جیپ منگوائی تا کہ یونٹ جا کر میجر شوکت کو اب تک کے واقعات اور صورتحال پر بریف کر دے۔

جاتے ہوئے مومو سے فرمائش کر گیا کہ دوپہر کو وہ مچھلی چاول کھائے گا۔

میجر شوکت کے آفس میں بیٹھے وہ دونوں موجودہ بگڑتی ہوئی سیاسی اور سیکورٹی کی صورتحال پر تفصیل سے بحث کر رہے تھے۔ اور وہ چند دن پہلے ہونے والی کامیاب چھاپہ مار کارروائی کے بارے میں بتا رہا تھا جس میں بھارتی ایجنٹ اور اس کے پاکستان میں سہولت کار پکڑے گئے تھے۔ میجر شوکت نے اسے مبارکباد دی، ''مُش بڈی! تمھیں یہ بہت بڑی سہولت ہے کہ تم مقامی ہو لیکن یہ نہ بھولنا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تمھارے لیے بھی مشکلات بڑھتی چلی جائیں گی۔ تمھیں اس کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا ہوگا۔''

''بالکل سر مجھے اس بات کا بھی علم ہے اور میں عوامی لیگ کی نفسیات سے بھی بخوبی واقف ہوں۔''

''اوہ میں تو بھول ہی گیا تھا کہ مجیب الرحمان تمھارا چاچا ہے۔'' میجر شوکت نے لطیف پیرائے میں اسے چھیڑا۔

''بالکل سر، لیکن یہ وہ چراغ ہے جس سے گھر کو ہی آگ لگ رہی ہے۔''مشفق نے بھی اسی انداز میں جواب دی اور دونوں نے قہقہہ بلند کیا۔

''بریگیڈ ہیڈکوارٹرز سے تعلقات کیسے ہیں؟''

''بہت اچھے ہیں سر۔Brigade commander is a very nice person۔تمام سٹاف بہت تعاون کرتا ہے اور چھوٹے چھوٹے معاملات تک میں وہ مجھے باخبر رکھتے ہیں۔''

''یہ بہت اہم بات ہے۔راج شاہی اور میمن سنگھ میں کیپٹن قاسم اور کیپٹن ثاقب کو کچھ دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ ایک تو وہ دونوں تمھاری طرح مقامی نہیں اور دوسرا وہ جن بریگیڈز کے ساتھ منسلک ہیں ان کے اپنے بہت سے انتظامی مسائل ہیں جن میں علاقے اور مقامی لوگوں کی نفسیات سے واقفیت نہ ہونا بہت بڑی وجہ ہے۔''

''جی سر، یہاں یہ بھی ایک مسئلہ ہے کہ جو محب وطن ہیں وہ بھی تعاون کرتے ہوئے گھبراتے ہیں کیونکہ ان پر ہر وقت عوامی لیگ کے غنڈوں کا خوف طاری رہتا ہے جو جس شخص بارے ذرا سا بھی شک ہو اسے بلا دریغ قتل کر کے لاش ویرانے میں پھینک دیتے ہیں۔''

''مُش تمھیں ایک advantage یہ بھی حاصل ہے۔''

''نہیں سر ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ابھی اسی تنزیل کو لے لیں۔اس کی حب الوطنی نے جوش مارا اور اس نے ہمت کر کے تعاون کر ڈالا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سین سے غائب ہوگیا۔اس کے بعد سے وہ اب تک دوبارہ نہیں ملا۔''

''تو پھر تم ہی بتاؤ کہ ان کا اعتماد کیسے بحال کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ بلا خوف وخطر تعاون کریں؟'' میجر شوکت نے رائے مانگی۔

''سر! ان کو تحفظ فراہم کر کے، جو سر دست مشکل نظر آرہا ہے کیونکہ آپ چہرے پڑھ کر نہیں بتا سکتے کہ کون دوست اور کون دشمن ہے۔عوامی لیگ کو غیر مؤثر کرنے کے لیے ہمیں اوپر سے آپریشن شروع کرنا ہوگا۔بغیر سرکردہ اور اہم لیڈروں کے ان سرکشوں کے لیے کسی بھی تحریک کو آگے بڑھانا مشکل ہوگا۔کم از کم تاریخ یہی بتاتی ہے۔''

''تمھاری بات سو فیصد درست ہے لیکن میرے دوست! اعلیٰ قیادت کو نکیل کیسے ڈالی جائے؟ ساری حقیقت تمھارے سامنے ہے۔کیا تم گزشتہ سال کی پرتشدد تحریک بھول گئے جب مجیب الرحمان کی

رہائی اور اگرتلہ سازش کیس ختم کرنے کے لیے ایک منظم تحریک چلائی گئی اور ملک بھر کی طلبا تنظیموں کو بھی استعمال کیا گیا۔ ایوب خان کے خلاف بغض رکھنے والے مغربی پاکستان کے سیاستدانوں نے بھی مجیب کی حمایت کی اور بالاخر حکومت کو کیس ختم کرنے کے ساتھ ساتھ مجیب کو رہا بھی کرنا پڑا اور پھر ایوب خان کو گھر جانا پڑا۔''

''جی سر.... اگرتلہ کیس ختم ہونے اور مجیب و دیگر ملزمان کی رہائی سے عوامی لیگ کی راہ کے تمام کانٹے دور ہو گئے اور آج نوبت یہاں تک آن پہنچی ہے۔''

''اللہ خیر کرے اور پیارے پاکستان کو محفوظ رکھے۔''

''آمین سر.... پاکستان ہے تو ہم ہیں۔''

''بیشک.... اور سناؤ بھابھی کیسی ہیں؟ میری مسز بتا رہی تھیں کہ انھیں چودہ اگست کی تاریخ ملی ہے؟'' میجر شوکت بات بدلتے ہوئے بولا۔

''جی سر.... بس دعا کریں کہ اللہ خیریت رکھے۔''

Dont worry ''میں نے زرینہ کو کہا ہے کہ وہ بھی بھابھی کی خیریت پوچھتی رہا کرے اور اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ بلا تکلف بتائیں۔''

''تھینک یو سر، لیکن ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ گھر پر سب لوگ ہیں اور اچھی طرح دیکھ بھال کر رہے ہیں اس کی۔''

''ویسے لاہور کا بندہ ہو تو کسی اور جگہ جا کر اس کا دل کم ہی لگتا ہے اب تمھاری مسز کا نہیں پتہ کہ انھوں نے خود کو ایڈجسٹ کر لیا ہے یا نہیں۔'' شوکت ہنستے ہوئے بولا۔

''سر ماں باپ سے دوری کو محسوس کرنا ایک علیحدہ بات ہے جو کہ ہر لڑکی کا مسئلہ ہوتا ہے لیکن اس کے علاوہ مائرہ بہت خوش ہے اور یہاں آنے کا ایک اور فائدہ یہ ہوا ہے کہ اس کی بنگلہ زبان بہت جلدی بہتر اور رواں ہو گئی ہے۔ اس نے سب گھر والوں سے کہہ رکھا ہے کہ اس سے بنگالی میں ہی بات کی جائے بھلے وہ ٹوٹا پھوٹا جواب دے۔ اب سارا دن جب کیمن آچھے کیمن آچھے (کیا حال ہے، کیا حال ہے) کرے گی تو زبان تو بہتر ہو گی ہی۔''

''چلو ایک فائدہ تو ہوگا کہ جب حالات بہتر ہونگے تو بھابھی یونٹ کے تمام افسران کی بیگمات کے لیے بنگلہ کلاسز کا اہتمام کر سکیں گی۔'' میجر شوکت ہنستے ہوئے بولا۔

''کیوں نہیں سر..... بس دعا یہ ہے کہ حالات بہتر ہو جائیں۔ میری بنگالی قوم کے لوگ بے حد معصوم ہیں اور بہت جلد سنہرے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ اللہ انھیں عیار سیاستدانوں اور ملک دشمن عناصر کی چالیں سمجھنے کی توفیق دے۔''

''اب کیا پروگرام ہے تمھارا؟''

''بس سر، کل واپسی ہے۔''

''نہیں یار میں ابھی کا پوچھ رہا ہوں کہ اس وقت کیا پروگرام ہے؟ گھر چلو کھانا اکٹھے کھاتے ہیں؟''

''باس کیوں گھر سے نکلوانے لگے ہیں۔ میں بیگم سے فرمائش کر کے آیا ہوں کہ مچھلی چاول بنائے۔'' مشفق نے ہاتھ جوڑتے ہوئے ہنس کر کہا۔

''اوہ..... نہیں نہیں نوکری بالکل نہیں خراب کرنی۔ پھر تم چلو، پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔'' میجر شوکت اسے اجازت دیتے ہوئے بولا اور دونوں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا۔

کیپٹن مشفق گھر داخل ہوا تو مائرہ کو اپنا منتظر پایا۔ باقی لوگ غالباً اپنے اپنے کمروں کو جا چکے تھے۔ مائرہ کی جمائیوں سے لگتا تھا کہ وہ انتظار کرتے کرتے تھک گئی تھی۔

''کھانا کھا لیا سب نے؟'' مشفق نے مومو سے پوچھا۔

''جی، کب کا کھا چکے سب۔''

''اور تم نے بھی کھا لیا ہوگا؟''

''نہیں آپ کے بغیر کیسے کھا سکتی تھی؟''

''موموجی، یہ تو زیادتی ہے۔ اپنے ساتھ بھی اور اس ننھی جان کے ساتھ بھی۔ تمھیں کھانا کھا لینا چاہیے تھا۔'' مش نے فکرمندی کا اظہار کیا۔

''آپ اتنے دنوں کے بعد گھر آئے ہیں۔ چند کھانے تو آپ کے ساتھ کھا لوں۔ اکیلے تو پہلے بھی کھاتی رہتی ہوں۔''

''میری جان، آئندہ ایسا نہ کرنا پلیز۔ میجر شوکت کو بریف کرتے خاصا وقت ہو گیا۔'' مش نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں میں آپ کی مصروفیت کو سمجھتی ہوں۔ چلیں آپ فریش ہو لیں میں کھانا گرم کر کے ٹیبل پر لاتی ہوں۔'' مائرہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور مشفق خوابگاہ میں یونیفارم تبدیل کرنے اور منہ ہاتھ دھونے چلا گیا۔ باہر آیا تو مائرہ ٹیبل پر دلکش مسکراہٹ لیے اس کی منتظر تھی۔ مائرہ کھانے کے ساتھ ساتھ دن بھر کی کارروائیوں کی رپورٹ دینے لگی۔

''مُشی! آپ کی اسد بھائی سے بات تو نہیں ہوئی؟''

''نہیں مومو جی..... بہت دیر ہو گئی ہے بات ہوئے۔ دراصل یہاں مشرقی پاکستان میں صورت حال ایسی ہے کہ ہر کوئی بے انتہا مصروف ہے۔ چٹا گانگ کومیلا سے زیادہ دور تو نہیں لیکن مصروفیت کی وجہ سے رابطہ کم کم ہی ہوتا ہے۔ کیوں خیریت ہے مومو؟''

''جی..... دراصل آج لاہور سے فوزیہ کی کال آئی تھی بہت دنوں بعد اس سے بات ہوئی تھی۔''

''خیریت تھی ناں؟ اس کی امی تو ٹھیک ہیں ناں؟'' مش بے صبری سے بات کاٹتے ہوئے بولا۔

''جی جی، آنٹی اسی طرح بیمار ہیں لیکن خیریت سے ہیں۔ فوزیہ آپ کو سلام کہہ رہی تھی۔''

''یہ فوزیہ کی کال..... اور کیپٹن اسد کا پوچھنا..... مجھے دونوں باتوں میں ربط سمجھ نہیں آیا۔ ذرا کھل کر وضاحت کرو بیگم صاحبہ۔''

''جان! فوزیہ پریشان تھی کہہ رہی تھی کہ بہت دن ہو گئے ہیں کہ اسد کا فون نہیں آیا ورنہ وہ ہفتہ میں ایک آدھ بار کال ضرور کر لیا کرتے تھے۔''

''اوہو مصروف ہونگے سر اسد۔ یہاں کے حالات کی وجہ سے ایسا ہونا قدرتی امر ہے۔''

''نہیں مُشی..... وہ کہہ رہی تھی کہ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ مجھے جلدی پتہ کر کے بتائیں۔''

''اوکے! چلو کل واپس جا کر یونٹ میں فون کروں گا پھر تمھیں بتا دوں گا۔''

''بیچاری پریشان تھی۔ کہہ رہی تھی کہ کہیں اسد نے اسے چھوڑ تو نہیں دیا۔ اگر انھیں اس کی کوئی بات بری لگی ہو تو وہ معافی مانگ لے گی۔''

''اوہو..... یار ایک تو یہ فوزیہ بہت جذباتی اور حساس لڑکی ہے۔ ایک دم نتیجہ اخذ کر لیتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ میں سر اسد کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہیں۔''

''ٹھیک ہے آپ پھر کل واپس جائیں تو پتہ کر کے مجھے کال کر دیں تاکہ میں اسے تسلی دے

سکوں۔''

''ٹھیک ہے۔ ویسے ایک بات تو بتاؤ میری سوہنی؟''

''جی پوچھیں۔''

''یہ مجھے بھوک زیادہ لگی تھی یا مچھلی بہت لذیذ بنی ہوئی تھی جو میں بہت زیادہ کھا گیا ہوں؟''

''یہ تو آپ اپنے دل سے پوچھیں، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔''

''اچھا؟ تو پھر میرا خیال ہے کہ دونوں ہی باتیں ہیں۔'' مشفق نے ہنستے ہوئے لطیف انداز میں مائرہ کی کوکنگ کی تعریف کر دی اور دونوں ہنسنے لگے۔

''چلو آج انیس بھائی واپس آئیں تو تمھیں ڈھاکہ کی سیر کے لیے لے کر نکلوں گا۔'' مشفق نے مائرہ کی ناک پیار سے کھینچتے ہوئے کہا۔
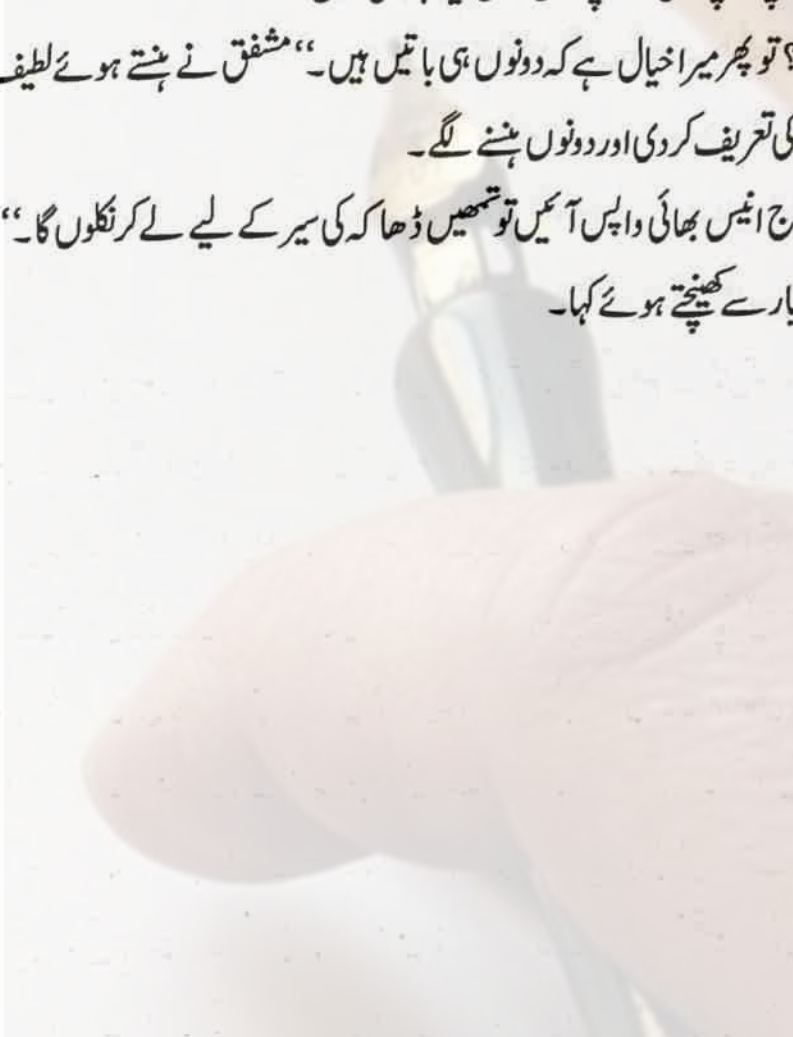
ملک کی سیاسی صورت حال بتدریج ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ مشرقی صوبے میں تو حالات ہاتھ سے نکلے ہی جا رہے تھے لیکن مغربی صوبے میں بھی معاملات کچھ اچھے نہ تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ نادیدہ قوتوں نے ایوب خان کو کسی خاص مقصد کے حصول کے لیے مسند اقتدار سے اتارا تھا اور اب وہ اپنے اس ٹارگٹ کے حصول کے لیے سرگرم عمل تھیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی مغربی پاکستان کی سیاست پر چھائی ہوئی تھی جبکہ مشرقی پاکستان میں مجیب الرحمان کی عوامی لیگ کا طوطی بول رہا تھا۔ بھٹو نہایت شاطرانہ اور سیاسی مہارت سے مجیب کی عوامی لیگ کی حمائت بھی کر رہا تھا اور اس کی قوت کو اپنے حق میں بھی موڑ رہا تھا اور اس کا ثبوت اس نے مجیب کی رہائی کے لیے چلائی گئی تحریک میں پیش پیش رہ کر دے دیا۔ مشرقی پاکستان میں مسلح کارروائیوں میں بھی اضافہ ہو رہا تھا جنھیں وہاں کے پریس کی اکثریت نے دھیرے دھیرے تحریک آزادی کی مسلح جدوجہد کا نام دینا شروع کر دیا تھا اور جو درحقیقت عوامی لیگ کے وہ کارکن تھے جو سرحد پار بھارتی کیمپوں میں جاتے اور مسلح جنگ کی تربیت حاصل کر کے واپس آتے اور یہاں محب وطن نہتے بنگالی عوام کا قتل عام بھی کرتے اور انھیں دہشت زدہ بھی رکھتے۔ یہی وجہ تھی کہ دن بہ دن ان کا زور بڑھتا جا رہا تھا اور اب یہ صورتحال ہو گئی تھی کہ سرکاری دفاتر بھی حکومت کی بجائے عوامی لیگ کے نمائندوں کا حکم مانتے تھے۔ باالفاظ دیگر عوامی لیگ نے عملاً ایک متوازی حکومت قائم کر لی تھی۔ ادھر حکومت نے سال کے آخر میں ملک میں عام انتخابات کی تیاری شروع کر دی تو ادھر عوامی لیگ نے انتخابات کی تیاری کے ساتھ ساتھ انھیں ہر حال میں ہائی جیک کرنے

کے منصوبے بھی تیار کرنے شروع کر دیے جس میں انتخابات میں دھاندلی، مخالفین کو دھمکانا، قتل و غارتگری جیسے دیگر اقدامات شامل تھے۔ جنرل آغا محمد یحییٰ خان کی حکومت نے اُردو اور بنگالی زبان میں انتخابی فہرستوں کی تیاری کا حکم دے دیا اور ایک اعلان کے مطابق قومی اسمبلی کے انتخابات کے لیے پانچ اکتوبر ۱۹۷۰ء کی تاریخ جبکہ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے لیے انیس اکتوبر ۱۹۷۰ء کی تاریخ مقرر کی گئی۔

مشفق ڈھاکہ سے واپس پہنچ کر اپنی پلٹن میں فون کرنا نہ بھولا تھا۔ اس نے یونٹ میں فون کیا تو معلوم ہوا کہ اسد دس پندرہ روز قبل سرحدی علاقے میں ایک گشتی دستہ لے کر رات کو پٹرولنگ پر نکلا تھا کہ مکتی باہنی کے شر پسندوں نے گھات لگا کر اس پر فائرنگ کی جس کے نتیجے میں وہ شدید زخمی ہو گیا لیکن اللہ نے جان بچا لی اور وہ فی الحال ہسپتال میں ہی ہے۔ مشفق کے لیے اب دو مشکلات تھیں۔ پہلی تو یہ کہ مائرہ کو کیسے یہ خبر دے اور دوسری اسے یہ سمجھانا کہ فوزیہ کو یہ خبر کس رنگ میں دینی ہے۔ ان تمام باتوں کا اس نے ایک ہی حل نکالا کہ فی الحال اصل حقیقت کو گول کر دیا جائے کیونکہ اللہ نے کرم کر ہی دیا ہے اور اب کیپٹن اسد روبصحت ہے تو ایسے وقت میں خوف و پریشانی کیوں پیدا کی جائے؟ ہاں جب بھی ڈھاکہ جائے گا تو مائرہ کو تسلی سے سب کچھ بتا دے گا۔ اس وقت سچ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں سو اس نے فون کر کے مائرہ کو کہانی سنائی۔

''مائرہ جی! میں نے یونٹ میں فون کیا تھا۔ پتہ چلا ہے کہ کیپٹن اسد کو ایک پلاٹون کے ساتھ کمپنی کمانڈر نے ایک ماہ کے لیے آگے بارڈر پر بھیج دیا ہے جہاں فون بالکل نہیں۔''

''مُشی! آپ سچ کہہ رہے ہیں ناں؟ مجھ سے جھوٹ نہ بولیں۔''

''لو مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے میری جان؟''

''اس لیے کہ میرا دل نہیں مان رہا۔ اللہ نہ کرے کہ اسد بھائی کو کچھ ہوا ہو۔''

مُش نے دل ہی دل میں موموکی چھٹی حس کی داد دی اور بولا، ''بیگم اگر خدانخواستہ سر اسد کو کچھ ہوا ہوتا تو بھلا کوئی چھپا سکتا ہے اتنی بڑی بات کو؟''

''نہیں چھپا تو کوئی بھی نہیں سکتا..... لیکن دل بھی نہیں مان رہا ناں۔'' مائرہ نیم دلی سے بولی۔

''میں نے یونٹ میں کہا ہے کہ وہ وائرلیس پر سر اسد کو میسج کریں کہ جب بھی موقع ملے لاہور بات کر لیں یا خیریت کی اطلاع دے دیں۔ اب تو ٹھیک ہے ناں؟''

''جی جی، یہ ٹھیک ہے۔''

''شکر ہے میری مانو بلی نے کچھ تو مانا۔'' مشفق نے اسے ہنسانے کی کوشش کی، ''تم فوزیہ کو فون کر دو کہ اسد سے رابطہ ممکن نہیں لیکن یونٹ میں پیغام دے دیا گیا ہے اور جب بھی ممکن ہو گا وہ پہلی فرصت میں رابطہ کریں گے۔''

''ٹھیک ہے جان میں کہہ دوں گی۔ آپ کی صحت تو ٹھیک ہے ناں؟''

''ہاں ہاں بالکل فرسٹ کلاس، الحمدللہ۔ تم اپنا خیال رکھنا۔ بس تھوڑی ہی دیر رہ گئی ہے۔''

''آپ کے ابا بننے میں۔'' مائرہ نے بات مکمل کی، ''لگتا ہے کہ آپ کو اب مجھ سے زیادہ آنے والے ننھے مہمان کی فکر رہنے لگی ہے؟'' مائرہ نے طنز کی۔

''اب یہ تو زیادتی ہے ناں مومو جی۔ ایسا تو نہ کہو۔ جب اس وقت ایک جسم میں دو دل دھڑک رہے ہیں تو پھر میں علیحدہ علیحدہ خیریت کیسے پوچھ سکتا ہوں؟ اگر یہ بات ہے تو بس اب آئندہ سے نام لے کر دونوں کی خیریت پوچھا کروں گا۔'' مشفق نے ترپ کا پتہ کھیلا۔

''ارے نہیں.... میں تو آپ سے مذاق کر رہی تھی۔'' لاجواب ہوتی ہوئی مائرہ نے فوراً سے پیشتر ہتھیار پھینک دیئے اور دونوں ہنسنے لگے۔

مشفق سے بات ہونے کے بعد مائرہ کی خواہش تھی کہ جلد از جلد لاہور کے لیے پہلی فرصت میں کال بک کروا کر فوزیہ کو تسلی دے۔ چنانچہ اگلے ہی روز اس نے علی الصبح ٹرنک کال بک کروا دی تا کہ اسے جلد ہی مل جائے۔ تقریباً دوپہر ایک ڈیڑھ بجے کے قریب اسے کال ملی تو فوزیہ کی امّی نے سرہانے پڑا ہوا فون اٹھایا۔ مائرہ نے جب اپنا بتایا تو بہت خوش ہوئیں اور خیریت دریافت کی۔

''بیٹا تم سے بات کر کے بہت خوشی ہوئی اور فوزیہ سے جب یہ پتہ چلا کہ تم خیر سے ماں بننے والی ہو تو اور بھی زیادہ مسرت ہوئی۔ اللہ سے دعا ہے کہ تمھیں چاند سا بیٹا عطا کرے۔''

''آمین۔ آنٹی آپ کی دعائیں چاہییں۔ بیٹا ہو یا بیٹی دونوں ہی اللہ کی نعمتیں ہیں بس لائق اور نیک سیرت ہونے چاہییں۔''

''کیوں نہیں بیٹا، میں تو ہر وقت تمھارے لیے دعا کرتی ہوں۔''

''آنٹی آپ کی صحت کیسی ہے؟''

''بس بیٹا دن گن رہی ہوں۔ ایک فوزیہ کا غم کھائے جا رہا ہے۔ یہ اپنے گھر کی ہو جائے تو پھر سکون سے آنکھیں بند کرلوں گی۔''

''نہیں آنٹی ایسی مایوسی کی باتیں نہیں کرتے۔ ابھی تو آپ نے فوزیہ کے بچوں کی خوشیاں دیکھنی ہیں۔''

''مائرہ بیٹا میری ایسی قسمت کہاں۔''

''نہیں آنٹی مایوسی گناہ ہے، اچھا فوزیہ ہے تو بات کرا دیں۔''

''اے لو، اپنی باتوں میں، میں بھول ہی گئی کہ تم نے تو اپنی دوست سے بات کے لیے فون کیا تھا۔ میں بلاتی ہوں۔'' اور انھوں نے ساتھ ہی فوزیہ کو آواز دے دی۔

''نہیں آنٹی میں ہمیشہ آپ سے بھی بات کرتی ہوں۔ ایسے تو نہ کہیں۔''

''ہیلو موموکی بچی کدھر غائب تھیں۔'' فوزیہ نے فون کا ریسیور تھامتے ہی مائرہ کو ڈانٹ پلائی۔

''کہیں بھی تو نہیں فوزی یار، بس آجکل طبیعت کچھ عجیب سی رہنے لگی ہے۔ الٹے الٹے خیال آتے ہیں۔''

''ایسے کام کرو گی تو الٹے الٹے خیال تو آئیں گے ہی ناں میری جان۔'' فوزیہ نے قہقہہ لگایا۔

''تم دانت نکال رہی ہو۔ اللہ کرے کل تمھارا وقت بھی آئے تو پھر میں پوچھوں گی۔''

''میرا وقت اللہ جانے آتا بھی ہے یا نہیں۔ ایک دلدار ملا تھا اور وہ مشرقی پاکستان کا بہانہ کر کے بھاگ گیا اور اب اس کا کوئی اتہ پتہ بھی نہیں۔'' فوزیہ مایوس لہجے میں بولی۔

''نہیں جناب، مُشی نے پتہ کرایا ہے۔ اسد بھائی بالکل خیریت سے ہیں۔ انھیں یونٹ نے ڈیوٹی کے لیے بارڈر پر بھیج دیا ہے جہاں وائرلیس کے سوا کوئی رابطہ نہیں۔ اس لیے وہ تمھیں کال نہیں کر سکے لیکن مُشی نے میسج دیا ہے کہ جوں ہی ممکن ہو وہ فوراً لاہور رابطہ کریں۔''

''واقعی؟ تم سچ کہہ رہی ہو ناں؟ کیونکہ مجھے تو عجیب عجیب سے وہم آ رہے ہیں کئی دنوں سے۔''

''لو بھلا مجھے جھوٹ بولنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟ جلد ہی وہ تم سے رابطہ کریں گے تو تمھیں یقین آ جائے گا۔''

''تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں بابا۔''

''ماننے میں ہی تمھاری بہتری ہے۔ فکر نہ کرو ذرا حالات ٹھیک ہو لینے دو تو اسد بھائی تمھیں

گھوڑے پر نہیں بلکہ ٹینک پر لینے آئیں گے۔'' مائرہ نے اسے چھیڑا۔

''میری طرف سے ٹینک چھوڑ رجمنٹ لے کر آئیں لیکن بابا آئیں تو سہی۔''

''فوزی! کیا پتہ یہ تاخیر اللہ کی طرف سے ہوتا کہ تم آنٹی کا بہت سارا خیال رکھو۔ آخر تمھارے سوا ان کا اور ہے کون؟''

''نہیں موموہ کوئی مسئلہ نہیں۔ میری اسد سے ایک مرتبہ بات ہوئی تھی اس موضوع پر تو کہنے لگے کہ ہم بھلا آنٹی کو کیسے اکیلا چھوڑ سکتے ہیں؟ ویسے بھی میرے امّی ابو تو ہیں نہیں، شاید آنٹی کی خدمت کر کے میں کچھ نیکی کما لوں۔ شادی کے بعد تم اپنا گھر کرایہ پر دے دینا اور آنٹی ہمیشہ ہمارے پاس رہیں گی۔''

''واہ.....بہت پیاری بات کی ہے اسد بھائی نے۔'' مومو نے تعریف کی۔

''بات تو پیاری کر گئے اب اللہ کا نام لے کر کام بھی پیارا کر دیں۔'' فوزیہ نے پیار بھری طنز کی اور دونوں سہیلیاں ہنسنے لگیں۔

''اچھا ایک بات سنو۔ اپنے کمرے میں فون کی ایکسٹینشن بھی لگوا ہی لو تا کہ کھل کر بات ہو سکے۔ اسد بھائی بھی بات کرتے ہونگے؟ مشکل نہیں پیش آتی؟''

''او بی بی تم نے بدھو سمجھ رکھا ہے مجھے؟ جناب ایکسٹنشن تو اسی دن لگوا لی تھی جب ہماری آنکھ لڑی تھی۔ اب بھی اپنے کمرے سے بات کر رہی ہوں۔''

''کمینی! مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ میں خوامخواہ محتاط ہو کر بات کرتی رہی۔''

''امی جان کو بتا دیا ہوا ہے۔ جونہی میری کوئی کال آتی ہے اور میں اٹھاتی ہوں تو امّی فون رکھ دیتی ہیں۔''

''کال ختم ہونے والی ہے پھر بات ہوگی اور ہاں فکر نہ کرنا۔ کہیں نہیں جاتے اسد بھائی۔ اللہ حافظ۔''

اسد کو جب میسج ملا کہ فوزیہ اس کی جانب سے خیر خیریت کی کوئی خبر نہ پا کر شدید پریشانی کا شکار ہے تو اسے بھی فکر لاحق ہوئی کہ نجانے وہ اس کے بارے میں کیا کیا اوٹ پٹانگ سوچتی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اسے بھی فلرٹ سمجھے۔ ایسا نہیں تھا کہ اسد فوزیہ کو اطلاع نہیں دینا چاہتا تھا۔ دراصل وہ جس حادثے سے دوچار ہوا تھا اس سے زندہ بچ جانا کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ اور اس کے بعد ایک ہفتہ

تک تو خود کیپٹن اسد کو بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ زندہ ہے یا گزر چکا ہے۔ بیہوشی میں ایک دفعہ تو اس کے مرحوم والد بھی اسے ملنے آئے جو کہہ رہے تھے کہ میں آیا تو تمھیں لینے تھا لیکن ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے سو واپس جا رہا ہوں۔ تم اپنے کام نمٹا لو پھر ملاقات ہوگی۔ میں نہ بھی آیا تو اب خود ہی چلے آنا میرا انتظار نہ کرنا۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی اسے کچھ سمجھ نہ آئی کہ آیا یہ خواب تھا یا حقیقت کیونکہ اسے ابھی تک اپنی کلائی پر اپنے والد کے ہاتھ کی مضبوط گرفت محسوس ہو رہی تھی۔ یادداشت بھی ہوش آنے کے کچھ دیر بعد رفتہ رفتہ واپس آنا شروع ہوئی۔ آہستہ آہستہ تمام واقعات اور رشتے یاد آنا شروع ہو گئے۔ مرحوم والدین کے خیال کے بعد اسے فوزیہ کا ہی خیال آیا۔ پہلے تو اس نے اسے کسی بھی طریقے سے اطلاع دینے کا سوچا لیکن پھر رک گیا کہ کہیں اسے کچھ ہو نہ جائے کیونکہ وہ تو پہلے ہی کمزور دل کی مالک ہے۔ اسی وجہ سے اس نے مشفق کو بھی خبر نہ کی کہ اگر اسے پتہ چلا تو فوزیہ کو لازماً پتہ چل جائے گا۔

مگر آج جب اسے مشفق کا سگنل میسج ملا تو اس نے سوچا کہ پہلے مشفق سے رابطہ کیا جائے۔ وہ اب سہارے سے تھوڑا بہت چل پھر سکتا تھا لیکن فی الحال ہسپتال میں ہی تھا۔ وہ صبح کے راؤنڈ کے بعد بیساکھیاں پکڑے ڈیوٹی روم میں جا دھمکا۔ ڈیوٹی نرس اسے دیکھ کر پریشان ہوگئی، ''سر! آپ بیڈ سے کیوں اٹھے؟ آپ کو تو ابھی اجازت نہیں ہے؟'' وردی میں ملبوس، منحنی سی دبلی پتلی سانولی سلونی نرس نے اسے اچانک ڈیوٹی روم میں پا کر کہا۔

''سوری سسٹر.... اجازت نہیں ہے لیکن میرا آنا بے حد ضروری تھا۔''

''سر آپ نے بیل بجا دی ہوتی میں خود آ جاتی۔''

''نہیں سسٹر جس کام کے لیے میں آیا ہوں وہ ذاتی طور پر آئے بغیر ممکن نہیں تھا۔'' کیپٹن اسد نرس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''کک.... کیا کام تھا سر۔'' گھبرائی ہوئی نرس جو کچھ نہ سمجھ پائی تھی بولی۔

''دراصل سسٹر مجھے اپنے دوست سے کو میلا بات کرنی ہے فون پر۔''

''مگر سر یہاں سے تو سول کال تو بالکل بھی نہیں ملتی اور ویسے بھی ڈیوٹی روم سے ذاتی کال کی اجازت نہیں ہے۔''

''ارے آپ فکر نہ کریں یہ سول کال نہیں اور آپ اسے ذاتی بھی نہیں کہہ سکتیں۔ میرا دوست

ایس ایس جی کا کیپٹن ہے جو آجکل کومیلا میں ہے۔ میں آپ کی پریشانی سمجھتا ہوں۔ میں یہاں نہیں بیٹھوں گا۔ آپ کو نمبر دیتا ہوں آپ کال بک کرا کر جب ملے تو مجھے بلوا لیجیے گا۔'' اسد نے اس کی پریشانی بھانپتے ہوئے کہا۔ نرسنگ کا پیشہ ہے ہی ایسا کہ بیچاریوں کو پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ کسی کے ساتھ دیکھ لیا تو افسانے بن گئے، کسی سے ہنس کر بات کر لی تو غلط مطلب لے لیا گیا۔ لیکن کیپٹن اسد کی سپاٹ گفتگو سے اس نرس نے اطمینان کا سانس لیا۔

''لائیں سر مجھے نمبر دیں۔ میں کال بک کروا دیتی ہوں اور آپ کو بلوا بھی لوں گی مگر اب اس کے علاوہ آپ بیڈ سے بالکل نہیں اٹھیں گے۔''

''او کے سسٹر میں وعدہ کرتا ہوں۔'' کیپٹن اسد نے زندگی سے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

نرس نے کال بک کروا دی اور خلاف توقع جلد ہی کال مل بھی گئی شاید لائنیں فارغ تھیں۔ اسد ابھی اپنے وارڈ میں بھی نہیں پہنچا ہوگا کہ سسٹر نے نرسنگ اردلی کو دوڑایا کہ وہ کیپٹن اسد کو واپس بلا لائے۔ اسد نے آکر اس کا شکریہ ادا کیا اور فون کان سے لگا لیا۔

''السلام علیکم سر، کیسے ہیں؟'' دوسری جانب سے مشفق نے تپاک سے پوچھا۔

''دیکھ لو بڈی زندہ ہوں تو تم سے بات کر رہا ہوں۔ لگتا ہے ان انڈین ایجنٹس کو ابھی نشانہ بازی کی مزید پریکٹس کی ضرورت ہے۔'' کیپٹن اسد نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''سر میں خود بھی کال کرنا چاہ رہا تھا لیکن آپریشنل مصروفیات ایسی تھیں کہ ذہن میں بھی نہیں رہا۔ وہ تو فوزیہ نے مائرہ کو کال کر کے پریشانی کا اظہار کیا تو مجھے آپ کی خیریت پوچھنے کا خیال آیا۔''

''مُشی یار ادھر بھی حالت ہی ایسی نہیں تھی کہ ٹھیک سے بول پاتا۔ شدید زخمی ہوا تھا۔ دو گولیاں تو دائیں پسلیوں کو چیرتی ہوئی نکل گئیں اور ایک ران میں لگی۔ شکر ہے ہڈیاں بچ گئیں۔ اب آکر اللہ نے کرم کیا ہے لیکن آج تمھارا سگنل ملنے کے بعد کال کرنے ڈیوٹی روم میں آیا تو سسٹر نے ڈانٹ پلا دی۔'' وہ نرس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''سر ڈانٹ تو آپ کو فوزیہ سے پڑیگی اور ایسی پڑیگی کہ باقی ہر قسم کی ڈانٹ بھول جائیں گے۔ فکر ہی نہ کریں۔''

''واقعی مُشی اس کا تو سوچ سوچ کر روح کانپ رہی ہے۔ تمھیں اسی لیے تو فون کیا ہے کہ کوئی اچھا سا مشورہ دو کہ کیسے جان بخشی ہو سکتی ہے۔''

''سیدھی سی بات ہے کہ فوری رابطہ کریں؛ خط کے ذریعے یا فون سے مگر جلدی کریں اور معافی طلب کریں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن ابھی تو میں ٹھیک سے بول بھی نہیں پا رہا۔ اسے شک گزرے گا اور وہ اور بھی پریشان ہوگی۔ سوچ رہا ہوں کہ بولنے کے قابل ہو جاؤں تو بات کروں گا تا کہ اسے یقین آجائے کہ خیریت سے ہوں۔ پھر تو ساری کہانی بھی سنا دوں گا۔''

''چلیں جیسے آپ مناسب سمجھیں۔''

''ہاں یہی کروں گا۔ پھر انھی سسٹر سے ریکوئسٹ کروں گا کہ کال ملوا دیں۔ بہت اچھی ہیں سچ میں انھیں سسٹر نہیں چھوٹی بہن کہنے کو دل کرتا ہے۔ ویسے ہیں بہت سخت، قسم سے انھیں کسی سکول میں ٹیچر ہونا چاہیے تھا۔ اللہ انھیں سلامت رکھے۔'' اسد نے سسٹر کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا جس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات واضح نظر آ رہے تھے، ''بائی دی وے مائرہ کیسی ہے؟ کب خوشخبری سنا رہے ہو؟''

''سر ڈاکٹرز نے تو چودہ اگست کی پیشگوئی کی ہے۔ دعا کریں خیر خیریت رہے۔ چلیں آپ آرام کریں۔ پھر بات ہوگی۔ اپنا خیال رکھیئے گا۔''

"All the best buddy. Take good care of yourself." اسد نے فون کریڈل پر رکھا اور نرس کی طرف دیکھ کر اس کا شکریہ ادا کیا۔

''سر ایک بات پوچھوں آپ برا تو نہیں منائیں گے؟'' نرس نے جھجکتے ہوئے کیپٹن اسد سے سوال کیا۔

''بالکل بھی نہیں، آپ پوچھیں لیکن خدا کے لیے یہ سوال مت پوچھیئے گا کہ جب آپ کو گولی لگی تو کیا محسوس ہوا، کیونکہ اس سوال کا جواب دے دے کر میں تنگ آ چکا ہوں۔'' اسد نے ہنستے ہوئے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''نہیں سر.... یہ بالکل بھی نہیں پوچھوں گی۔ میں تو یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ ایسے میں جب ہر کوئی ہمیں سسٹر یا نرس کہنے کو ترجیح دیتا ہے تو آپ نے مجھے بہن کیوں کہا؟''

''اوہ سوری! کیا مجھ سے غلطی ہو گئی؟ میرا خیال ہے مجھے محتاط رہنا چاہیے تھا۔''

''نہیں نہیں سر.... یہ بات نہیں بلکہ مجھے تو بہت اچھا لگا لیکن میری سروس میں یہ میرا پہلا تجربہ ہے۔ کبھی کسی نے اتنی عزت نہیں دی ناں، اس لیے۔''

''ارے نہیں۔ میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔ بس اپنی اپنی تربیت کی بات ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ دوسروں کی تربیت غلط ہوتی ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کچھ گھروں میں سکھایا جاتا ہے کہ ہر انسان سے آپ کا کوئی نہ کوئی رشتہ ہوتا ہے سو بہتر ہوتا ہے کہ اسے اس رشتے سے پکارا جائے۔''

''لیکن ہر کوئی ایسا نہیں سوچتا ناں سر۔ ہم تو یہاں سارا دن سسٹر نرس، سسٹر نرس ہی سنتے رہتے ہیں۔ ایسے میں آج آپ نے بہن کہا تو بہت اچھا لگا۔'' نرس نے بھیگی آنکھوں سے تشکر آمیز انداز میں کہا۔

''میری بہن! میں پشتون ہوں اور یہ سب ہماری روایات میں شامل ہے۔''

''ویسے سر میرا نام نگینہ ہے۔ اگر مجھے چھوٹی بہن کہا ہے تو پھر نام سے پکاریں مجھے خوشی ہوگی۔''

''ٹھیک ہے نگینہ بہن، لیکن پھر آپ بھی ذہن میں رکھیں کہ میں سر نہیں بلکہ اسد بھائی ہوں۔''

''بالکل خیال رکھوں گی سر، مم میرا مطلب اسد بھائی۔ بہن بھائی کی ملاقات کا وقت ختم ہو گیا ہے اب آپ چپ چاپ اپنے بیڈ پر چلیں جائیں۔ آج آپ نے بہت exert کیا ہے۔ کسی سنیئر نے دیکھ لیا تو میری بھی شامت آجائے گی۔ شاباش چلیں اپنے بیڈ پر۔'' نگینہ دروازے کی طرف اشارہ کرکے اسد سے بولی۔

''جاتا ہوں لیکن جانے سے پہلے آپ سے درخواست ہے کہ کسی وقت لاہور میری بات کروا دیجیے گا۔''

''لاہور میں؟ وہاں کون ہے؟''

''میری منگیتر اور آپ کی ہونے والی بھابھی جو میری خاموشی اور غیر حاضری سے بے حد پریشان ہے۔''

''اوووووہ.... تو یہ بات ہے۔ آج نہیں لیکن ایک آدھ دن میں کروا دوں گی۔ ان شاء اللہ۔ اب بیڈ پر چلیں شاباش۔''

اسد ہنستے ہوئے بیساکھی ٹیکتا خراماں خراماں ڈیوٹی روم سے نکل گیا اور نگینہ اپنی کرسی پر بیٹھی کتنی دیر مسکراتی رہی جیسے وہ اس نئے رشتے پر بے حد خوش ہو۔ ادھر مشفق نے بھی ڈھاکہ مائرہ کو فون کرکے بتا دیا تھا کہ کیپٹن اسد سے اس کی ذاتی طور پر بات ہو گئی ہے اور وہ چند روز میں فوزیہ کو فون کریگا۔

O

''السلام علیکم آنٹی کیسی ہیں آپ؟'' کیپٹن اسد نے فوزیہ کے نمبر پر کال کی تو اس کی امی نے فون اٹھایا۔

''وعلیکم السلام بیٹا، میں خیریت سے ہوں۔کون بول رہا ہے؟ میں نے پہچانا نہیں۔''

''آنٹی میں آپ کا بیٹا کیپٹن اسد بول رہا ہوں چٹا گانگ سے۔'' اسد نے تعارف کرایا تو فوزیہ کی امی کی آواز میں زندگی بھر گئی۔

''جیتے رہو بیٹا۔ کہاں غائب تھے اتنے دنوں سے؟ میں تو پریشان ہی ہو گئی تھی۔کوئی اتہ پتہ ہی نہیں تھا تمھارا۔''

''بس آنٹی یہاں مصروفیت ہی اتنی تھی کہ کیا بتاؤں پھر کال بھی تو بہت مشکل سے ملتی ہے۔''

''اللہ تمھیں سلامت رکھے۔ٹھہرو میں فوزیہ کو آواز دیتی ہوں۔'' انھوں نے خود ہی احساس کر لیا کہ زیادہ وقت نہ لیں چنانچہ فوزیہ کو آواز دی جس نے فون دوسرے کمرے میں اٹھالیا، ''جی السلام علیکم.... کیسے ہیں؟ ویسے مجھے آپ سے بات نہیں کرنی چاہیے۔اتنی بھی کیا بے رخی اور غیر ذمہ داری کہ انسان خیریت کی خبر بھی نہ دے سکے۔'' فوزیہ نے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''فوزیہ آپ کو میری آواز سے کیا لگ رہا ہے کہ میں کیسا ہوں؟''

''کیسے ہیں کا کیا مطلب؟ اچھے بھلے ہیں۔ماشاءاللہ چہک رہے ہیں۔''

''اور آپ کو یقین ہے ناں کہ میں کیپٹن اسد ہی بول رہا ہوں، اس کا بھوت نہیں ہوں؟''

''بالکل سو فیصد یقین ہے لیکن یہ پہیلیاں بجھانے کا کیا مطلب ہے؟'' فوزیہ نے حیران ہو کر سوال کیا۔

''بس اگر آپ کو یقین ہے کہ یہ میں ہی ہوں اور اسوقت بھلا چنگا ہوں تو اب میں آپ کو ساری کہانی سنا سکتا ہوں۔''

''میں سمجھی نہیں۔کیا مطلب آپ کا؟''

''مطلب یہ ہے فوزی کہ میں موت کے منہ سے واپس آیا ہوں۔''

''اللہ نہ کرے۔کبھی کوئی اچھی بات بھی منہ سے نکال لیا کریں۔ یہ کونسا مذاق کا وقت ہے؟'' فوزیہ غصہ سے بولی۔

''میں مذاق نہیں کر رہا اور اچھی بات یہی ہے کہ اللہ نے مہربانی کی اور میں آج زندہ ہوں۔''
دوسری جانب خاموشی رہی اور پھر یکا یک فوزیہ کی سسکیوں کی آوازیں فون پر بلند ہونے لگیں۔
اسد کی بار بار کی التجا پر وہ خاموش ہوئی تو اسد نے اپنے ساتھ بیتنے والی ساری کتھا سنائی۔
''دیکھا! میں نہ کہتی تھی؟ مجھے مشفق بھائی نے بتایا تھا کہ آپ خیریت سے ہیں لیکن میرا دل نہیں مان رہا تھا۔''
''سچی محبت کرنے والے دل کو سب سے پہلے خبر ہو جاتی ہے۔'' اسد نے تصدیق کی۔
''لیکن مُشی بھائی اور مومو مجھ سے کیوں چھپاتے رہے؟ میں ان سے بے حد خفا ہوں۔''
''ایسی کوئی بات نہیں فوزی۔ مُش کو بھی چند دن پہلے پتہ چلا تھا کہ میں ہسپتال میں ہوں لیکن تفصیل اسے بھی معلوم نہیں تھی سو اس نے مومو کی حالت کے پیش نظر اسے گول مول کہانی سنائی۔ ان کا خیال تھا کہ جب میں خود بات کرنے کے قابل ہوں گا تو تمھیں خود تسلی دے لوں گا سو آج میں خود فون کر رہا ہوں۔''
''اسد اللہ نہ کرے اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو میں نے جیتے جی مر جانا تھا۔''
''اللہ نہ کرے فوزی۔ میرا اللہ بہت رحیم و کریم ہے دیکھ لو اس نے مجھے تمھارے لیے زندہ رکھا ہے۔''
''اللہ کرے آپ کو میری عمر بھی لگ جائے۔''
''نہیں جناب ایسا کوئی مذاق نہیں۔ ہم دونوں نے ساتھ رہنا ہے سو آپ اپنی عمر سنبھال کر رکھیں۔'' اسد نے ہنستے ہوئے کہا۔
''آپ کا لاہور کا چکر کب لگے گا؟''
''فی الحال تو بہت مشکل ہے فوزی کیونکہ یہاں حالات دن بہ دن مخدوش ہوتے جا رہے ہیں اور ظاہر ہے ایسے حالات میں چھٹی ملنا بے حد مشکل ہے۔ اگر میرے بس میں ہو تو میں ایک منٹ سے پہلے اڑ کر پہنچ جاؤں۔ مگر یہ میری خواہش ہے.... ہاں اللہ نے میری قسمت میں کیا لکھا ہے اس کا مجھے قطعی علم نہیں۔''
''پلیز ایسی باتیں نہ کریں۔ اللہ کرم کریگا اور ہم ایک ہونگے۔ اور ہاں مجھے معاف کر دیں میری بدگمانی پر۔ مجھے آپ سے ایسے ناراض نہیں ہونا چاہیے تھا۔''

''آپ کا ناراض ہونے کا حق ہے، بالکل ہے۔ آپ مجھ سے ناراض نہیں ہوں گی تو کس سے ہوں گی؟....آپ کی ناراضی مجھے یہ احساس دلاتی ہے کہ کسی کی مجھ سے توقعات وابستہ ہیں۔''

''اسد اپنا بہت خیال رکھیں۔ اپنے لیے نہیں تو کم از کم میرے لیے سہی۔ اللہ نہ کرے آپ کو کبھی کچھ ہو۔''

''تھینک یو فوزی! آپ سے بات کر کے جینے کی امنگ بڑھ گئی ہے۔ چلتا ہوں جلد ان شاء اللہ بات ہوگی۔'' کیپٹن اسد نے فوزیہ کو الوداع کہا اور فون رکھ دیا۔

O

ماہ اگست شروع ہونے سے قبل ہی عوامی لیگ نے شہر شہر اور نگر نگر خوف و ہراس اور دہشت پھیلانا شروع کر دی کہ خبردار جو کسی نے پاکستان کا یوم آزادی منانے کی کوشش کی یا چھتوں پر سبز ہلالی پرچم لہرایا۔ حکومت بھی اس معاملے کو ایک مسئلہ بنا کر حالات کو مزید سنگین نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سو مشرقی صوبے کے ہر شہر ہر باڑی پر ایک عجیب سی وحشت اور ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ گھروں کی حد تک تو بات سمجھ میں آتی تھی لیکن دکھ تب ہوتا تھا جب چھوٹے سرکاری دفتروں پر سے بھی الٹی میٹم ملنے کے بعد قومی پرچم اتار لیے گئے تھے۔ اگر کہیں نظر آتے تھے تو فقط چھاؤنیوں کی عمارتوں اور فوجی تنصیبات پر اور اسے بھی غنیمت جانا گیا۔ غالباً دو اگست کا دن تھا جب مون سون کی اچانک امڈنے والی بارشوں نے مشرقی پاکستان میں بدترین تباہی مچا دی جس سے تقریباً تین کروڑ افراد متاثر ہوئے جو صوبے کی آبادی کا کم و بیش نصف بنتا تھا۔ دریا بوڑھی گنگا اور برہم پتر آپے سے باہر ہو گئے اور صوبے کے نشیبی علاقوں میں کناروں سے چھلک کر آبادیوں میں تباہی مچا دی۔ لوگوں کو اپنی جانیں بچانے کے لیے گھر بار اور مال و متاع چھوڑنا پڑا۔ ایسے میں وہی فوج جو مکتی باہنی کی سر اٹھاتی شر پسندی سے نمٹ رہی تھی بے سروساماں بنگالی بھائیوں کو بچانے کے لیے میدان میں اتری اور آرمی و ایئر فورس نے ریلیف اور آبادکاری کا کام شروع کر دیا۔ تقریباً ساڑھے سات لاکھ کی آبادی والا صوبے کا دارالحکومت ڈھاکہ بھی ان بارشوں کی تباہ کاریوں سے محفوظ نہ رہ سکا جہاں دریا کا پانی شہر میں داخل ہو گیا تاہم مشفق کا گھر جس علاقے میں تھا وہاں پانی بہت کم کھڑا تھا ورنہ شہر کے شمالی حصے میں تو بیشتر جگہوں پر چھ چھ فٹ تک پانی کھڑا تھا اور نارائن گنج کو جانے والی ریلوے لائن اور سڑکیں مکمل زیر آب آ چکی تھیں۔ فوج اور فضائیہ کے جہاز اور ہیلی کاپٹر پناہ گزینوں کو کیمپوں میں امدادی اشیا پہنچانے کے ساتھ ساتھ دوائیاں بھی تقسیم کر رہے تھے۔

دوسری جانب مائرہ کی زچگی کے دن بھی نزدیک آ رہے تھے اور مشفق کو اپنی ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ اس کی بھی بے حد فکر تھی۔ بیشک گھر پر سب لوگ موجود تھے اور اس کا بہت خیال رکھ رہے تھے لیکن مشفق کی فکر کی نوعیت اور تھی۔ مائرہ نہ صرف اس کی محبت تھی بلکہ اس کے مرحوم دوست کی اکلوتی اور نہایت لاڈلی بہن بھی تھی اور پھر ان لوگوں نے اسے دوران ٹریننگ اور لاہور میں تعیناتی کے دوران جو محبت اور پیار دیا تھا، مشفق ان کا وہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ یہ اگست کا پہلا ہفتہ تھا اور ڈاکٹروں کی دی ہوئی تاریخ چند ہی دنوں کی بات تھی۔ مشفق کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ بریگیڈ ہیڈکوارٹرز میں چھٹی کے لیے کیسے بات کرے کیونکہ اب ڈیوٹی کی نوعیت تھوڑی بدل چکی تھی۔ شورش پسندی فی الحال نرم پڑ گئی تھی اور سیلاب اور بارشوں کیوجہ سے امدادی کاموں کی رفتار تیز ہوگئی تھی۔ ان کاموں سے کیپٹن مشفق کی پلاٹون کا، جو اہم آپریشنز کے لیے مخصوص تھی، کوئی تعلق نہ تھا، تاہم بریگیڈ تو امدادی کاموں میں مصروف ہو گیا تھا۔ بہت سوچنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس معاملے پر نہ تو کسی سے کوئی بات کریگا اور نہ ہی کوئی خصوصی رعایت مانگے گا اور یوں اس نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ ڈاکٹرز کی دی ہوئی تاریخ میں دو چار روز اوپر نیچے ہو جانا ایک معمول کی بات ہے لیکن دل کے کسی کونے سے یہ خواہش ضرور سر اٹھاتی کہ کاش آنے والا مہمان چودہ اگست کو ہی آئے اور یوں اس کے گھرانے کی پاکستان سے محبت امر ہو جائے۔

سوموار دس اگست کا دن تھا۔ مشفق کا اتوار کا دن بھی دفتر میں ہی گزرا تھا اور آج بھی وہ کام کی زیادتی کیوجہ سے جلد ہی آفس آ گیا تھا۔ وہ دفتر میں اپنے صوبیدار اور ایک دو عہدیداروں کے ساتھ بیٹھا حال ہی میں ملنے والی کچھ اہم معلومات پر گفتگو کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ عام دفاتر کی طرح فوج میں بھی سوموار کے دن کام کی زیادتی کے ساتھ ساتھ ٹیلیفون کالوں کی بھی بھرمار ہوتی ہے۔ مشفق نے فون اٹھایا تو دوسری جانب بریگیڈ ہیڈکوارٹر سے سٹاف کیپٹن تھا جس نے اسے پیغام دیا کہ کمانڈر اس سے ابھی ملنا چاہتے ہیں۔ مشفق کو فکر لاحق ہوگئی کہ ایسا کیا ہو گیا کہ کمانڈر اس سے اسی وقت ملنا چاہ رہا تھا۔ اس نے ذہن پر بہت زور دیا کہ کوئی ایسی رپورٹ جو لیٹ ہوگئی ہو یا کوئی ایسا کام جو وہ کرنا بھول گیا ہو؟ بہت یاد کرنے کی کوشش کی لیکن اسے کچھ یاد نہ آیا۔ بہر حال وہ صوبیدار کو کچھ بریفنگ دے کر بریگیڈ ہیڈکوارٹرز کو روانہ ہو گیا۔

جلد ہی کمانڈر نے اسے اندر بلا لیا اور بیٹھنے کو کہا۔ کیپٹن مشفق سیلوٹ کر کے مؤدب ہو کر بیٹھ گیا اور کمانڈر عینک ناک پر ٹکائے آخری فائل نمٹانے میں مصروف ہو گیا اور پھر فائل آؤٹ ٹرے میں پھینکتے ہوئے مشفق کی طرف متوجہ ہوا۔

''یس ینگ مین کیا حال ہے؟''

''الحمدللہ سر آل فائن، روٹین کا کام ہو رہا ہے اور صورتحال کو بھانپتے اور پیش بینی کرتے ہوئے مختلف علاقوں کے لیے ممکنہ منصوبے بنا رہا ہوں تاکہ کسی بھی ناگہانی صورتحال میں quick response دی جا سکے۔'' مشفق نے مختصراً بریف کیا۔

''زبردست.... یہی توقع کی جا سکتی ہے تم جیسے dedicated آفیسر سے۔ گھر کے کیا حالات ہیں؟ بات ہوتی رہتی ہے؟''

''جی سر دوسرے تیسرے روز بات ہو جاتی ہے۔''

''چکر نہیں لگا کبھی؟''

''گیا تھا سر دو دن کے لیے، کوئی ایک ماہ پہلے۔''

''ایک ماہ تو بہت پرانی بات ہے تمھیں تو کم از کم پندرہ روز بعد ویک اینڈ ضرور جانا چاہیے۔''

''جی سر لیکن یہاں بھی کام بہت ہوتا ہے۔ وہ بھی ادھورا نہیں چھوڑا جا سکتا۔''

''کیا تمھارا صوبیدار اتنا نالائق ہے کہ تمھاری غیر موجودگی میں پلاٹون نہیں سنبھال سکتا؟ میں یہ بات نہیں مان سکتا۔''

''نہیں سر وہ بہت قابل ہے، بس میں خود ہی ہر کام اپنی نگرانی میں کرانے کا عادی ہوں۔''

''لیکن یہ اچھی بات نہیں اور ویسے بھی فوج کی تربیت کے خلاف ہے کہ ریزرو کمانڈ نہ تیار کی جائے۔''

''جی سر متفق ہوں۔'' مشفق لاجواب ہو کر بولا۔

''ویسے بھی کیا ان دنوں تمھاری بیگم کو تمھاری زیادہ ضرورت نہیں؟ مجھے پتہ چلا ہے کہ she is in family way (وہ امید سے ہے)؟''

مشفق نے چونک کر سر اٹھایا کچھ دیر تک کمانڈر کو دیکھا کہ انھیں کیسی اتنی ذاتی بات کا علم ہوا اور پھر بولا، ''جی سر، لیکن بریگیڈ کو فلڈ ریلیف آپریشن میں مصروف دیکھ کر مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ چھٹی

کی درخواست کروں۔"

"یہ کیا بے وقوفی ہے؟ سیلاب کے امدادی کاموں سے تمھاری پلاٹون کا کیا لینا دینا؟ ویسے بھی سرکاری کاموں میں اپنی نجی ذمہ داریوں کو بھول جانا کوئی اچھی بات نہیں ہوتی۔ اپنے صوبیدار کو مکمل طور پر بریف کرواور چھٹی جاؤ۔ Go and stay with your wife۔ خدانخواستہ کوئی ایمرجنسی ہوئی تو ڈھاکہ زیادہ دور نہیں، تمھیں فوراً بلا لیا جائے گا۔ Go for 10 days۔"

مشفق یس سر کہہ کر بریگیڈ کمانڈر کے دفتر سے نکل تو آیا لیکن اس کا ذہن اسی گتھی کو سلجھانے میں مصروف رہا کہ آخر کمانڈر کو کس نے بتایا۔ دل کے کسی کونے میں اسے یہ خوشی ضرور تھی کہ وہ اس نازک گھڑی میں اپنی مائرہ کے پاس ہوگا۔

یونٹ واپس آ کر اس نے صوبیدار کو مکمل طور پر بریف کر کے چارج سونپا اور اسے بتایا کہ کسی کام کی وجہ سے اسے دس دن کی چھٹی جانا پڑ رہا ہے۔ مختصر سا سامان پیک کیا اور ڈھاکہ کے لیے روانہ ہوگیا۔ سیلابی پانی کافی حد تک اتر چکا تھا اور خوش قسمتی سے کومیلا ڈھاکہ روڈ پر آمدورفت شروع ہو چکی تھی، ایک آدھ جگہ پر اسے چھوٹی موٹی پریشانی کا سامنا ہوا لیکن سہ پہر کو وہ گھر پر موجود تھا۔ اسے اچانک اپنے سامنے پا کر مائرہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اسے تو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ اور جب اسے یہ پتہ چلا کہ مشفق پورے دس دن کے لیے آیا ہے تو وہ تو خوشی سے پاگل ہوگئی اور اس سے کہنے لگی "مُشی! آپ کو پتہ ہے کہ اب مجھے کوئی ڈر نہیں کیونکہ آپ میرے پاس ہونگے۔"

"شاید میں تمھارے پاس نہ ہوتا اگر آج صبح بریگیڈ کمانڈر مجھے بلا کر زبردستی چھٹی نہ بھیجتا۔ میں ابھی تک حیران ہوں کہ تمھارے امید سے ہونے کی خبر اسے کس نے دی؟"

"ہیں؟؟؟....انھیں کیسے پتہ چلا؟ بات تو حیرانگی والی ہے۔" مائرہ حیران ہو کر بولی۔

"اور میں بھی آرام سے نہیں بیٹھوں گا جب تک مجھے پتہ نہ چل جائے۔"

"چلیں چھوڑیں۔ فی الحال تو کھانے میں اپنی فیورٹ ڈش مچھلی کھائیں لیکن آج میں نے نہیں اماں نے بنائی ہے۔"

"واہ جی واہ....لیکن تم نے کیوں نہیں بنائی؟"

"وہ ناں، اماں نے کافی دنوں سے مجھے کوئی بھی زیادہ مشقت والا کام کرنے سے منع کر رکھا ہے۔"

''کمال ہے جی، ساس ہو تو ایسی۔'' مُش اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔

''ساس نہیں جی میری پیاری اماں ہیں جنھوں نے مجھے کبھی بھی بہو ہونے کا احساس نہیں ہونے دیا۔ بعض اوقات تو مجھے یہ فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ مجھے زیادہ پیار کرتی ہیں یا بابہ کو۔''

''خوش قسمت ہو مومو.... یہاں ڈھاکہ میں بارشوں میں خیریت رہی ناں؟'' اس نے مومو سے دریافت کیا۔

''توبہ ہے مُشی میں تو ڈر گئی تھی۔ بارشیں تو لاہور میں بھی ہوتی ہیں لیکن اتنی ہولناک اور تباہ کن بارشیں نہ کبھی دیکھیں اور نہ سنیں۔ بجلی کی کڑک جان نکال دیتی تھی۔''

''یہاں تو ایسی ہی بارشیں ہوتی ہیں ابھی تو شکر کرو، سمندری طوفان نہیں دیکھے تم نے یہاں کے۔ لگتا ہے پورا صوبہ ڈوب گیا ہے۔''

''جھلک تو میں نے بالکونی سے دیکھ لی تھی۔ نیچے سڑک پر پانی دیکھ کر لگتا تھا کہ شاید اوپر والی منزل تک پہنچ جائے۔ میں نے تو ڈر کر اماں سے کہا کہ مجھے اپنے کمرے میں سونے کی اجازت دے دیں۔ تین چار روز تو میں ان کے ساتھ ہی سوتی رہی ہوں۔''

''اچھا یہ بتاؤ کہ کیا پروگرام ہے؟'' مشفق بات بدلتے ہوئے بولا۔

''کیا مطلب کیا پروگرام ہے؟'' مائرہ نے حیرانگی کا اظہار کیا۔

''یہی کہ ننھے مہمان کو چودہ اگست کو ہی خوش آمدید کہنا ہے یا کسی اور دن؟''

''آپ نے تو چونکا ہی دیا۔ ارے میاں صاحب یہ اللہ کے کام ہیں، ہمارے بس میں تھوڑے ہی ہے؟''

''لیکن مومو سچ پوچھو تو میری اللہ سے دعا ہے کہ نیا مہمان یوم آزادی والے دن ہی آئے۔''

''سچ میں میری بھی یہی خواہش ہے۔ چلیں اللہ سے دعا کرتے ہیں۔'' اور دونوں ہنسنے لگے۔

مشفق ناہیدہ کے پاس بیٹھا تھا۔ ویسے تو ہر وقت کا اکٹھے اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا تاہم بہت دیر بعد ایسا موقع آیا تھا کہ ماں بیٹے کو دکھ سکھ سانجھنے کا وقت ملا۔ مشفق پھر سے وہی بچہ بنا ہوا تھا اور اپنا سر ماں کی گود میں رکھے باتیں کر رہا تھا جبکہ ناہیدہ اس کے بالوں کو سہلا رہی تھیں۔ باتوں باتوں میں نجانے کس حوالے سے شیخ مجیب الرحمان کا ذکر آ گیا تو ناہیدہ بولیں، ''شفو! مجیب بھائی آئے تھے۔''

''کب؟ وہ کب آیا؟ مجھے کیوں نہیں بتایا؟ اس کا یہاں کیا کام تھا؟ وہ ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔''

''اسے اپنے گھر والوں سے تمھارے ابا کی وفات کا پتہ چلا تھا تو افسوس کرنے آیا تھا۔''

''پھر؟''

''کچھ نہیں، بس پانچ دس منٹ بیٹھا اور افسوس کر کے چلا گیا۔ کہنے لگا بھابھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتایئے گا۔''

''ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔ اپنے پاس رکھے اپنی سخاوت.... اور کیا کہہ رہا تھا؟''

''ہاں، تمھارا پوچھ رہا تھا کہ کیا کرتا ہے شفو؟''

''آپ نے کیا بتایا؟''

''وہی جو کرتے ہو۔ بتایا کہ فوج میں چلا گیا ہے۔ سن کر سر جھٹک دیا۔''

''یہ تو نہیں بتایا کہ میں کومیلا میں ہوتا ہوں؟''

''نہیں بالکل بھی نہیں۔ نہ اس نے پوچھا کہ کہاں ہوتے ہو اور نہ میں نے بتایا۔ میں نے تو تمھاری شادی کا بھی نہیں بتایا۔''

''بہت اچھا کیا اماں آپ نے۔ ان پاکستان دشمنوں سے اپنے رابطے ختم کرنا شروع کر دیں آپ۔''

''فکر مت کرو بیٹا۔ اتنی عقل ہے مجھ میں۔'' ناہیدہ بیگم نے مسکراتے ہوئے مشفق کے سر پر پیار سے چپت رسید کی اور وہ شرمندہ ہو گیا۔

''نہیں اماں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں کہنا چاہ رہا تھا کہ ان عوامی لیگ والوں کو میرے بارے میں پتہ چلے گا کہ یہاں ہوں تو ہر طریقے سے خبریں لینے کی کوشش کریں گے۔ باقی مجھے ان کا ڈر کوئی نہیں لیکن میں نہیں چاہتا کہ میری غیر حاضری میں آپ لوگوں کے لیے کوئی مشکل کھڑی ہو۔''

''فکر مت کرو شفو۔ اللہ ہمارا مالک ہے۔''

مشفق، مومو کو ہسپتال لیجانے کی تیاری کر رہا تھا۔ گو کہ ابھی دی گئی تاریخ میں ایک دن باقی تھا لیکن رات سے مائرہ کو درد شروع ہو چکی تھی اور وہ کوئی چانس نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ گھر سے نکلنے ہی والے

تھے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ مُش نے فون اٹھایا تو دوسری جانب میجر شوکت تھا۔

''ہیلو بڈی! کیا حال ہے؟ کب آئے چھٹی؟'' اس نے مشفق سے پوچھا۔

''جی سر پرسوں آیا تھا۔ سوری آپ کو اطلاع نہیں دے سکا۔'' مشفق نے جواب تو دے دیا لیکن پھر اچانک سوچ میں پڑ گیا کہ میجر شوکت کو کس نے بتایا کہ میں چھٹی آیا ہوں۔ ہوسکتا ہے بریگیڈ کمانڈر نے اطلاع دی ہو یا پھر بی ایم نے بتایا ہو؟ لیکن میری چھٹی اتنا بھی اہم مسئلہ نہیں تھا کہ میرے کمپنی کمانڈر کو اطلاع دی جاتی۔

''کوئی بات نہیں۔ چلو اچھا ہے اب بھابی کے پاس کچھ دن رہو۔'' میجر شوکت کے جواب نے اس کے خیالات کو منتشر کیا۔

''اوہ! تو سر یہ آپ تھے جس نے بریگیڈ کمانڈر سے میری چھٹی کی بات کی تھی؟'' اس نے بات کی تہہ تک پہنچتے ہوئے کہا۔

''کیوں مجھے نہیں کرنی چاہیے تھی؟ پارٹنر! تمھارا کمپنی کمانڈر رہوں knowing you well مجھے پتہ تھا کہ تم خود کبھی بھی بات نہیں کروگے سو میں نے کمانڈر سے کہا کہ اگر وہاں کسی افسر کی زیادہ ضرورت ہے تو میں آجاتا ہوں کچھ دن کے لیے لیکن اس نے کہا کہ ایسی بھی کوئی ایمرجنسی نہیں۔''

''سر آپ کا بہت بہت شکریہ۔ Indeed its a great favour (یقیناً یہ آپ کا بہت بڑا احسان ہے)۔''

''Come on, dont be stupid (بے وقوف مت بنو) کیا کر رہے ہو؟''

''کچھ نہیں سر.... وائف کو ہوسپٹل لے کر جا رہا تھا She is having pains (اسے درد شروع ہو چکا ہے)۔''

''اوہ چلو، دیر مت کرو۔ پھر بات کریں گے۔ مجھے ضرور باخبر رکھنا۔''

''ان شاء اللہ سر۔ اللہ حافظ۔'' اس نے فون بند کیا اور مائرہ کو لے کر ہسپتال روانہ ہو گیا۔

جاتے ہوئے روبی نے ساتھ چلنے کی پیشکش کی لیکن مشفق نے منع کر دیا کہ فی الحال اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہاں اچھی طرح خیال رکھا جاتا ہے۔ ہاں خیر سے زچگی سے فراغت کے بعد شاید ایک آدھ دن ضرورت پڑے تو پھر وہ بیشک چلی جائے۔''

مشفق نے مائرہ کو ہسپتال داخل کرایا تو اس کے بعد وہیں برآمدے میں ٹہلنے لگا۔ کافی دیر گزری

تو ایک نرس، جسے معلوم تھا کہ وہ مائرہ کا شوہر ہے اس کے پاس آئی۔ اس کے چہرے سے عیاں تھا کہ اسے کوئی شرارت سوجھی ہے۔

''ایکسکیوز می سر؟ آپ خیریت سے ہیں؟''

''جی سسٹر۔ بالکل خیریت سے ہوں۔ کیوں کیا ہوا؟''

''نہیں میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ بہت دیر سے یہاں بے چینی سے ٹہل رہے ہیں تو سوچا کہ پوچھ لوں۔''

''وہ دراصل میری وائف داخل ہوئی ہیں اس لیے میں یہاں موجود ہوں۔''

''اوہ.... شاید گائنی کیس والی؟''

''جی جی، بالکل وہی۔'' مشفق نے نہایت اشتیاق سے اس کی بات کی تائید کی۔

''سوری سر، کیا آپ ڈاکٹر ہیں؟''

''نہیں سسٹر، میں ڈاکٹر نہیں۔ I am from SSG (میں ایس ایس جی سے ہوں)۔'' اس نے نرس کی تصحیح کی۔

''اوہ!!! تو پھر آپ گھر جا کر آرام کریں۔ ہم سب سنبھال لیں گے۔ خدانخواستہ آپ کی ضرورت ہوئی تو آپ کو اطلاع دے دی جائے گی۔ ویسے مجھے نارمل کیس لگ رہا ہے۔ فکر نہ کریں۔'' اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا اور مشفق شرمندہ ہو گیا۔

''اوکے سسٹر، میں پھر چلتا ہوں۔'' مشفق نے نگاہ نیچی کیے جواب دیا اور وہاں سے چل دیا لیکن بوجھل قدموں سے کیونکہ اس کا دل نہیں کر رہا تھا کہ ہسپتال سے جائے۔

صبح ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھے بھی مُش کا دھیان موموکی طرف ہی تھا۔ روبی نے ناشتہ تیار کیا تھا اور اس کے سامنے ہی بیٹھی تھی لیکن وہ نہایت بے دلی سے ناشتہ کر رہا تھا اور وہ اسے بار بار چھیڑ رہی تھی۔ آج چودہ اگست کا دن تھا، پاکستان کا یوم آزادی لیکن شہر میں پر اسرار خاموشی تھی اور کوئی گہما گہمی نظر نہیں آ رہی تھی۔ عوامی لیگ کے الٹی میٹم کے بعد محب وطن عناصر بھی عمارتوں پر پاکستانی پرچم لہرانے سے گریزاں تھے اور یہ ایک بہت بڑا المیہ تھا۔ مشرقی پاکستان اور پھر ڈھاکہ وہ شہر تھا جہاں مسلم لیگ کی بنیاد پڑی تھی۔ بالالفاظ دیگر پاکستان نے درحقیقت یہیں جنم لیا تھا اور آج اس شہر میں لوگ پاکستان زندہ باد کہتے سے ڈر رہے تھے۔ مشفق کا دھیان بار بار مائرہ کی طرف ہی جا رہا تھا۔ وہ اور روبی باتیں کر رہے تھے کہ

انیس بھی ناشتے کی ٹیبل پر آ گیا اور گفتگو میں شریک ہو گیا۔

مشفق بھائی! میرا خیال ہے کہ میں آج پریس نہیں جاتا بلکہ گھر ننھے بدر کو سنبھالتا ہوں۔ آپ روبی کو اپنے ساتھ ہسپتال لے جائیں اور مائرہ کے پاس چھوڑ دیں کیونکہ آجکل میں کسی بھی لمحے وہ خیر کا وقت آیا تو اس کا وہاں موجود ہونا ضروری ہے۔''

''ارے نہیں میرے خیال میں ایسی کوئی ضرورت نہیں۔ کل سسٹر کہہ رہی تھی کہ وہ لوگ بہت اچھی طرح خیال رکھ رہے ہیں اور میری وہاں موجودگی کی ضرورت نہیں تھی۔''

''او میرے شفو بھیا! خواتین کے وارڈ میں واقعی آپ کی ضرورت نہیں تھی لیکن میری ضرورت ہو سکتی ہے۔'' روبی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''دیکھ لو.... اگر تم سمجھتی ہو کہ ایسا ہے تو تمھیں لے چلوں گا۔ تم تیار ہو جاؤ۔''

ابھی ان لوگوں کی گفتگو جاری ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ مشفق نے ایسے لپک کر فون اٹھایا جیسے اسے کسی کال کا انتظار تھا۔

''ہیلو! یہ کیپٹن مشفق کا نمبر ہے؟''

''جی میں بول رہا ہوں۔''

''سر میں فیملی وارڈ سے بول رہی ہوں۔ ہم آپ کی وائف کو لیبر روم لیجا رہے ہیں۔ صرف اطلاع دینی تھی۔ کیس بالکل نارمل ہے، گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔''

''تھینک یو سسٹر.... میں آ رہا ہوں۔''

''کس کا فون تھا؟'' روبی نے پوچھا۔

''ہسپتال سے تھا۔ سسٹر بتا رہی تھی کہ وہ مائرہ کو لیبر روم لیجا رہے ہیں۔'' مشفق نے گھبرائے ہوئے لہجے میں روبی کو اطلاع دی تو اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''تم ہنس رہی ہو؟''

''اپنے معصوم بھائی کی معصومیت پر ہنسوں نہ تو اور کیا کروں؟ شفو بھیا جی یہ نارمل بات ہے۔ لیبر روم نہیں لیجائیں گے تو پھر کہاں لیجائیں گے؟ ویسے آپ نے غور نہیں کیا کہ آپ کی دعا پوری ہونے جا رہی ہے اور نیا مہمان آج چودہ اگست کو وارد ہو رہا ہے؟'' روبی نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

مشفق نے ناہیدہ کو ان کے کمرے میں جا کر اطلاع دی اور دعا کرنے کا کہہ کر روبی کو لے کر

ہسپتال کے لیے روانہ ہو گیا۔ جونہی وہ دونوں ڈیوٹی روم میں پہنچے تو ان کے پیچھے پیچھے ڈاکٹر بھی داخل ہوئی اور جب اسے علم ہوا کہ وہ مائرہ کا شوہر ہے تو اس سے مخاطب ہوئی۔

''کیپٹن مشفق! میں میجر عابدہ ہوں۔ آپ کو بہت بہت مبارک ہو بیٹا ہوا ہے۔ Your wife and son both are doing well (آپ کی بیگم اور بیٹا دونوں خیریت سے ہیں)۔ تھوڑی دیر میں آپ ان سے مل سکیں گے۔''

مشفق کو تو جیسے یقین نہ آ رہا ہو۔ روبی مارے خوشی کے بھائی سے لپٹ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں نرس نے انھیں بیٹا لا کر دکھایا تو مشفق نے دیکھے بغیر گھبرا کر مائرہ کا پوچھا۔ سسٹر نے اسے بتایا کہ فکر کی ضرورت نہیں بس اسے ہوش آ رہی ہے اور وہ دس پندرہ منٹ تک وارڈ میں ہو گی۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا اور ڈیوٹی نرس سے اجازت لے کر گھر ناہیدہ کو فون کر کے اطلاع دی۔ روبی نے اپنی گود میں لے کر ننھے میاں کا اس کے ابا سے تعارف کرایا۔ آنکھوں کے بارے کچھ کہنا قبل از وقت تھا لیکن رنگت گوری چٹی بالکل مائرہ کی طرح۔ مُش اسے نہایت انہماک سے دیکھنے لگا اور نجانے اچانک اسے کیوں اپنے مرحوم دوست بابر کا خیال آ گیا اور اسے یاد کرتے ہی اس کی آنکھ بھر آئی۔ روبی نے اسے دعوت دی کہ وہ اسے گود میں لے لیکن اس نے پہلی مرتبہ باپ بننے والے ہر مرد کی طرح گھبرا کر انکار کر دیا۔ سسٹر ان سے بچہ لے کر نرسری میں چلی گئی اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ لوگ مائرہ کو وارڈ میں لے آئے۔ جونہی مائرہ وارڈ میں داخل ہوئی تو مشفق نے ارد گرد موجود لوگوں کی پروا کیے بغیر بے اختیار اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ مومو نے ادھ کھلی آنکھوں سے مسکراہٹ کے ساتھ اس کی محبّت کا جواب دیا اور صرف اتنی سرگوشی کی، ''مبارک ہو۔''

مشفق نے اس کا گال سہلایا اور خیر مبارک کہا۔ اس کے کہنے سے پہلے اسے تسلی دی کہ وہ گھر جا کر لاہور انکل آنٹی کو بھی اطلاع دیدے گا۔ مائرہ نے شکریہ کے انداز میں سر ہلایا۔ کچھ دیر اس کے پاس رہنے کے بعد اس نے روبی سے لانے والی چیزوں کی لسٹ لے کر اسے مائرہ کے پاس چھوڑا اور وہاں سے رخصت ہوا۔

مشفق سے دادی بننے کی مبارک ملنے پر ناہیدہ نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔ حالانکہ ان کے گھرانے میں بیٹی اور بیٹے میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا تھا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ برصغیر میں بیٹے

کی پیدائش پر زیادہ خوشی منائی جاتی ہے۔ مشفق لاہور کی کال بک کروا کر بازار سے مٹھائی لینے چلا گیا۔ سیلاب کی تباہ کاریوں کی وجہ سے زیادہ تر دکانیں بند تھیں تاہم کہیں دور ایک دکان کھلی مل ہی گئی۔ اس نے گھر کے علاوہ فیملی وارڈ کے سٹاف کے لیے بھی دو تین ڈبے بنوا لیے۔ مشفق کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے اس کی خوشی دیدنی تھی۔ وہ بار بار اپنے دل سے پوچھتا کہ کیا وہ واقعی باپ بن گیا ہے۔ اسے اپنا آپ آج کچھ عجیب عجیب سا لگ رہا تھا۔ گھر واپس آیا تو تھوڑی ہی دیر بعد لاہور کی ٹرنک کال مل گئی۔ دوپہر کا وقت تھا اور منزہ گھر پر اکیلی تھیں۔

''ہیلو، السلام علیکم۔'' منزہ نے فون اٹھاتے ہی کہا۔

''السلام علیکم ماما، مبارک ہو آپ نانی اماں بن گئی ہیں۔ اللہ نے آپ کو نواسہ عطا کیا ہے۔''

''سچ؟؟؟؟ یا اللہ تیرا شکر ہے۔'' منزہ نے مارے خوشی کے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

''ماما! فکر نہ کریں مائرہ بالکل خیریت سے ہے اور آپ کو سلام کہہ رہی تھی۔''

''جیتی رہے۔ میرا بس نہیں چل رہا ورنہ اڑ کر پہنچ جاتی۔'' منزہ نے بے بسی کا اظہار کیا۔

''فکر نہ کریں ماما جلد ہی آپ لوگوں کی ملاقات ہوگی۔''

''ناہیدہ بہن ہیں پاس؟ میری بات کروا دو۔ انھیں بھی مبارک دے دوں۔''

''بالکل آپ کی بات کرواتا ہوں۔ ماما آپ کے پاس موموکی دوست فوزیہ کا نمبر ہوگا؟ اسے بھی اطلاع کر دیجیے گا۔''

''جی بیٹا ہے میں بتا دوں گی۔''

''یہ لیجیے اماں سے بات کر لیں۔ انکل کو بھی مبارک دیجیے گا۔'' مشفق نے فون اماں کو تھما دیا اور دونوں سمدھنوں نے آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد دے کر تبادلہ خیال شروع کر دیا اور مشفق مٹھائی کے ڈبے اٹھا کر ہسپتال چل دیا۔

مائرہ دو دن بعد ہی گھر خیریت سے واپس آ گئی جہاں ایک عید کا سا سماں ہو گیا۔ نواسے کے بعد پوتا پا کر ناہیدہ بیگم کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ ان کے بس میں ہوتا تو وہ ننھے میاں کو اپنی آنکھوں کے سامنے سے بالکل بھی نہ ہٹنے دیتیں۔ انھیں تو جیسے دو کھلونے مل گئے تھے۔ وہ ناہیدہ جو بدر الاسلام کی وفات کے بعد چپ چپ سی رہنے لگ گئی تھیں اور جنھوں نے خود کو اپنے کمرے تک محدود کر لیا تھا اب

اچانک چہکنے لگیں۔ بہو بیٹی دونوں کو گاہے بگاہے بچوں کی خوراک اور ذاتی صفائی ستھرائی بارے ہدایات دی جاتیں۔ مشفق کی چھٹی ختم ہونے سے چند روز قبل ایک رات جب گھر کے سارے افراد رات کے کھانے پر اکٹھے ہوئے تو ناہیدہ بیگم نے مشفق سے پوچھا،''بیٹا کوئی نام سوچا ہے تم لوگوں نے منے کا؟ ابھی تک ہم سب اسے 'چلے شیشو' (چھوٹا بچہ) کہہ کر ہی بلا رہے ہیں۔''

مشفق نے مائرہ کی طرف دیکھا اور بولا،''نہیں اماں ہم نے تو نہیں سوچا۔ آپ بڑی ہیں یہ تو آپ کا کام ہے۔''

''نہیں بیٹا، ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کے نام خود رکھے۔ جب ہمارا وقت تھا تو ہم نے تم لوگوں کے نام رکھے تھے ناں؟ اب تم لوگ خود رکھو۔ میں نے تو روبی اور انیس کو بھی اجازت دی تھی کہ وہ خود رکھیں سو انھوں نے نانا کے نام پر رکھا۔ اللہ چھوٹے بدر کو سلامت رکھے۔ میں تمھیں بھی خوشی سے اجازت دے رہی ہوں۔ مجھے سچ میں خوشی ہوگی اگر تم خود نام رکھو گے۔''

''شکریہ اماں! آپ ہمیشہ ہمارے ساتھ دوستوں کی طرح ہی رہی ہیں۔''

''جی بالکل.... ماسوائے ایک وقت کے جب ہم دونوں چھوٹے تھے تو میں نے آپ کی سکول کی کاپی غصہ میں پھاڑ دی تھی اور جواباً انتقام میں آپ نے میری تمام گڑیوں کے بازو اور ٹانگیں توڑ دیں۔ ہم دونوں کی شدید لڑائی اس وقت تھمی جب اماں کی جوتوں کی برسات شروع ہوئی۔'' روبی نے لقمہ دیا اور محفل میں ایک زوردار قہقہہ بلند ہوا۔

''چل بے ایمان.... تم دونوں نے اس روز مجھے غصہ بھی تو بے حد دلایا تھا۔'' ناہیدہ نے فوراً جواز پیش کیا۔

''اماں آپ نے نام رکھنے کی اجازت دی ہے تو میں ایک نام پیش کروں؟ آپ کو اعتراض ہو تو بتا دیجیے گا۔''

''لو بھلا بیٹا، جب میں نے اجازت ہی دے ڈالی تو اب مجھے اعتراض کیوں ہونے لگا؟''

''آپ کو پتہ ہے کہ بابر نہ صرف میرا اکیڈمی کا روم میٹ تھا بلکہ پچھمی پاکستان میں بننے والا سب سے پہلا دوست تھا۔ بیشک ہماری دوستی محض چند ماہ ہی رہی اور اللہ کو اس کی اتنی ہی عمر منظور تھی لیکن اس کی دوستی میں مجھے بھائی کا پیار ملا، میں وہ چند مہینوں کا ساتھ آج تک نہیں بھول پایا۔ اس کی دوستی کی لازوال نشانی میرا اور مائرہ کا ساتھ ہے۔ سچ یہ ہے کہ میں اسے کبھی بھی نہیں بھول پاؤں گا۔''

''بالکل بیٹا اس میں کوئی شک نہیں۔ ہم لوگ اسے کبھی ملے بھی نہ تھے اور ہمارے دل میں اس کے لیے اتنی چاہت ہے، تم تو پھر اس کے ساتھ ایک کمرے میں رہے ہو۔ اللہ اسے ابدی سکون عطا کرے۔آمین۔''

''سو میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس ننھے مہمان کا نام اپنے مرحوم دوست کے نام پر بابر الاسلام رکھوں گا۔'' اس نے اداس لہجے سے کہہ کر مومو کی طرف دیکھا۔ مومو کچھ دیر تک مُش کو ناقابل یقین انداز سے دیکھتی رہی اور پھر یک لخت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گئی۔ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔ روبی کو اٹھ کر اسے چپ کرانا پڑا اس دوران مشفق اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا بلکہ سر نیچا کیے اپنی انگلیوں سے میز کو بجاتا رہا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اسے بابر شدت سے یاد آ رہا تھا۔

رات بیڈروم میں سونے سے قبل جب مش اور مائرہ باتیں کر رہے تھے تو ننھے میاں کا نام رکھنے والا موضوع ایک مرتبہ پھر زیر بحث آیا۔

''مُش آپ نے چھوٹے کا نام بابر رکھ کر میری دلی خواہش پوری کی۔ میری شدید تمنا تھی کہ اگر بیٹا ہوا تو اس کا نام اپنے پیارے بھائی کے نام پر رکھوں گی لیکن نجانے کیوں آپ سے بات کرنے سے ہچکچاتی تھی۔''

''یہ تو زیادتی ہے مومو جی.... کیا میں اتنا ہی برا ہوں کہ تم مجھ سے اپنی دل کی بات شیئر نہیں کر سکتیں یا میں بہت ظالم قسم کا شوہر ہوں؟'' اس نے مومو سے استفسار کیا۔

''نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں مُشی۔ دراصل ہمارے ہاں معاشرے میں رواج ہے کہ بچے کا نام ددھیال والے ہی رکھ سکتے ہیں سو میں نے سوچا کہیں آپ لوگوں نے کوئی نام نہ سوچا ہو اور میں مشورہ دے کر بدمزگی پیدا کر دوں۔''

''بہت بے وقوف ہو تم مومو لیکن دیکھو اللہ نے مجھ سے وہی نام رکھوایا جو تمھیں پسند تھا۔''

I really love you Mushy ''میں بہت خوش قسمت ہوں۔'' مائرہ نے مشفق کے سینے پر اپنا بازو پھیلاتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

دونوں رومانس لڑا رہے تھے کہ ننھے بابر نے ایک زوردار نعرہ مارا۔ شاید اسے بھوک لگی تھی۔ دونوں کی بے اختیار ہنسی نکل گئی اور مائرہ نے اسے دودھ پلانے کے لیے بستر سے اٹھا کر اپنی گود میں لے لیا۔

O

بارشوں اور سیلابوں نے تمام کام اور منصوبے تلپٹ کر کے رکھ دیئے تھے۔ مون سون کی بارشوں کا طوفان ذرا تھما تو حکومت نے محسوس کیا کہ ملک میں عام انتخابات پروگرام کے مطابق ماہ اکتوبر میں کرانے ممکن نہ ہوں گے۔ ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں کو پتہ تھا کہ اس سال انتخابات ہونے ہی ہیں سو سب نے سال کے شروع ہوتے ہی اپنی اپنی انتخابی مہم شروع کر دی تھی۔ کم و بیش ملک بھر سے چوبیں سیاسی جماعتیں جو بنیادی طور پر دو اقسام کی تھیں؛ دینی یا سیکولر، ان آنے والے انتخابات میں حصہ لینے کی تیاری کر رہی تھیں۔ بالآخر حکومت نے اعلان کر دیا کہ عام انتخابات اب اکتوبر کی بجائے دسمبر میں ہونگے۔ قومی اسمبلی کے انتخابات کے لیے سات دسمبر جبکہ صوبائی اسمبلیوں کے الیکشن کے لیے سترہ دسمبر کی تاریخوں کا انتخاب کیا گیا۔ مجیب الرحمان نے، جسے بنگالی عوام کی اکثریت عقیدت سے بنگلہ بندھو کہہ کر پکارتی تھی، اپنے ہم وطنوں سے اپیل کی کہ وہ اس کے چھ نکات کی بنیاد پر عوامی لیگ کو نہ صرف ووٹ دیں بلکہ بھاری اکثریت سے کامیاب بھی کروائیں۔ اس نے نہایت چالاکی سے، بظاہر امید کی علامت کے طور پر کشتی کو انتخابی نشان کے طور پر چنا لیکن درحقیقت اس نے ایک اہم ذریعہ معاش و نقل و حرکت اور ثقافتی شے کو، جس کا مشرقی بنگال کی عام زندگی میں بہت عمل دخل تھا، چن کر دُنیا کو علیحدگی کا پیغام دے دیا تھا۔

O

تین نومبر ۱۹۷۰ء تاریخ کا ایک خوفناک ترین دن تھا جب سمندری طوفان بھولا نے مشرقی (پاکستان) اور مغربی (بھارت) بنگال میں تباہی مچانا شروع کر دی تھی۔ اس ہولناک طوفان نے آٹھ نومبر کو خلیج بنگال میں عروج پکڑا اور بالآخر ایک سو پندرہ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کرتا ہوا گیارہ نومبر کو مشرقی پاکستان کے ساحلوں سے آن ٹکرایا۔ اس طوفان کا شمار انسانی تاریخ کے بدترین اور خونی طوفانوں میں ہوتا ہے۔ کم و بیش دس سے پانچ لاکھ کے درمیان افراد نے جانوں سے ہاتھ دھوئے۔ شیخ مجیب الرحمان اس وقت اپنی انتخابی مہم میں مصروف تھا۔ وہ بنگالی عوام کے مزاج سے بخوبی واقف تھا چنانچہ اس نے انتخابی مہم میں انسانی ہمدردی کا کارڈ کھیلنے کا فیصلہ کیا اور یہ سچ ہے کہ جس وقت حکومتی اور سیاسی مرکزی لیڈروں کو بھی فوراً مشرقی پاکستان پہنچنا چاہیے تھا اس وقت میدان میں صرف پاک فوج اور عوامی لیگ تھیں جو بدقسمتی سے ایک دوسرے کی شدید دشمن تھیں۔ اس سے بھی بڑا المیہ یہ تھا کہ انسانی

ہمدردی کا ایک مشترکہ مقصد ہونے کے باوجود بھی ان دونوں میں ایک دوسرے کے لیے دلوں میں کوئی ہمدردی پیدا نہ ہو سکی اور عوام کے بدلتے موڈ کی بدولت عوامی لیگ کا وفاقی حکومت کے خلاف غصہ بھی فوج پر اترا اور یوں ذرائع ابلاغ نے عوامی لیگ اور مجیب الرحمان کے فلاحی و امدادی کاموں کی تشہیر تو بڑھ چڑھ کر کی لیکن فوج کی خدمت کا تذکرہ کم کم ہی ہوا۔

آفت زدہ علاقوں میں حالات مخدوش ہونے کی بنا پر مشرقی پاکستان میں قومی اسمبلی کی نو اور صوبائی اسمبلی کی اٹھارہ نشستوں پر انتخابات اگلے سال سترہ جنوری تک ملتوی کر دیے گئے۔ باقی تمام حلقوں میں انتخابات شیڈول کے مطابق ہوئے اور حسب توقع عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان میں جھاڑو پھیر دیا۔ حتمی نتائج کے مطابق عوامی لیگ نے مشرقی صوبے کے حصے کی قومی اسمبلی کی ایک سو انہتر سیٹوں میں سے ایک سو سڑسٹھ اور صوبائی اسمبلی کی تین سو دس نشستوں میں سے دو سو اٹھانوے سیٹیں جیت کر صوبے میں مطلق اکثریت حاصل کر لی۔ یہ ملک میں ہونے والے پہلے عام انتخابات میں کسی بھی سیاسی جماعت کی تاریخی کامیابی تھی۔ الیکشن میں مغربی پاکستان کا ووٹ بنک تو نصف درجن کے قریب سیاسی جماعتوں میں تقسیم ہو گیا تاہم مشرقی پاکستان کے ووٹ بنک کی عوامی لیگ بلا شرکت غیرے مالک بن گئی، قطع نظر اس کے کہ کیسے حاصل کیا گیا اور یوں قومی اسمبلی میں عوامی لیگ کے ہاتھ ایک سو ساٹھ جبکہ پاکستان پیپلز پارٹی کے ہاتھ محض اسی سیٹیں آئیں۔ صاف ظاہر تھا کہ اقتدار عوامی لیگ کا حق تھا لیکن بھٹو کے مقاصد کچھ اور تھے۔ اس نے خود کو کبھی بھی ذہنی طور پر اپوزیشن لیڈر تسلیم کیا ہی نہیں تھا تو اب وہ کیسے حزب اختلاف میں بیٹھ سکتا تھا۔ وہ ۱۹۵۸ء میں ایوب خان کی کابینہ میں شامل ہونے سے لے کر اب تک ہر پتہ نہایت احتیاط اور سوجھ بوجھ کے ساتھ کھیلتا آیا تھا اور اب جب اسے 'منزل' سامنے نظر آ رہی تھی تو وہ کیے کرائے پر پانی کیسے پھرنے دیتا۔ اس کی دانست میں مغربی پاکستان بڑا بھائی تھا۔ بیشک اس کی قومی اسمبلی میں نشستیں محض اسی کے لگ بھگ تھیں لیکن اس کی منطق نہایت عجیب و غریب تھی کہ اگر مغربی پاکستان میں وہ اقتدار کا بلا شرکت غیرے مالک ہے تو وفاق میں حکومت بھی اسی کا حق ہے۔

جیسا کہ سب کو علم تھا کہ وہ اپوزیشن لیڈر بننے کے لیے قطعاً تیار نہیں تھا سو اقتدار میں اپنے لیے کسی نہ کسی صورت میں حصہ نکالنے کا منصوبہ لیے وہ پیپلز پارٹی کی ایک ٹیم کے ساتھ ستائیس جنوری

۱۹۷۱ء کو ڈھاکہ پہنچ گیا۔ وہ وہاں دو روز رہا اور اس دوران اس نے شیخ مجیب الرحمان کو اپنے چھ نکات میں کوئی لچک پیدا کرنے کا مشورہ دیا۔ مقصد وہی تھا کہ کسی طرح اقتدار میں اس کا راستہ بھی ہموار ہو جائے۔ اس نے مجیب کو مشورہ دیا کہ کیوں نہ جس طرح مغربی جرمنی میں کرٹ جارج کی کرسچین ڈیموکریٹک یونین اور ولی برانٹ کی سوشل ڈیموکریٹ پارٹی نے مشترکہ حکومت تشکیل دی تھی وہ دونوں بھی ایک مشترکہ حکومت بنالیں لیکن مجیب الرحمان اس سے کہیں زیادہ شاطر اور کائیاں تھا سو اس نے اور اس کی عوامی لیگ نے ذوالفقار علی بھٹو کا یہ منصوبہ یکسر رد کر دیا۔ ایک طرف تو بھٹو مجیب سے اقتدار میں شراکت داری کی بات کر رہا تھا لیکن دوسری جانب حوصلہ افزا جواب نہ پا کر اس نے جنرل یحییٰ پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ جب تک بقول اس کے کوئی سیاسی حل نہیں نکلتا، نئی منتخب شدہ قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا جائے۔ چنانچہ مقرر کردہ تاریخ سے محض دو دن قبل جنرل یحییٰ نے یکم مارچ ۱۹۷۱ء کو قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا جس پر مشرقی پاکستان میں احتجاج کا ایک شدید طوفان کھڑا ہو گیا۔ اہل بنگال نے وفاق کا یہ فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا اور عوام کا ہجوم مشرقی پاکستان کے تمام شہروں میں سڑکوں پر مظاہرے کرتا ہوا نکل آیا۔

مجیب الرحمان نے یکم مارچ سے عملی طور پر مشرقی صوبے کے حکمران کے اختیارات استعمال کرنا شروع کر دیئے تھے اور سات مارچ کو پلٹن میدان میں ایک بہت بڑے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے بنگالی عوام کو (بقول اس کے بنگلہ دیش کی) 'جنگ آزادی' (بغاوت) کی تیاری کا پیغام دے دیا تھا۔ جنرل یحییٰ کو جب حالات کی سنگینی کا احساس ہوا تو اس نے فوراً ڈھاکہ کے لیے اڑان بھری اور سولہ سے چوبیس مارچ تک مجیب الرحمان سے مذاکرات کے کئی دور کیے جن کا کوئی نتیجہ نہ نکلا نتیجتاً کوئی چارہ نہ پا کر بالآخر حکومت کو شرپسندوں اور باغیوں کی سرکوبی کے لیے، مشرقی پاکستان فوج کے حوالے کرنا پڑا جس نے پچیس مارچ کی نصف شب کو مجبور ہو کر یہ انتہائی قدم اٹھایا۔ چھبیس مارچ کی صبح مجیب الرحمان نے جو غالباً اسی انتظار میں تھا مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کی آزادی کا اعلان کر دیا اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد اسے گرفتار کر کے فی الفور مغربی پاکستان منتقل کر دیا گیا۔ چونکہ سب کام بھٹو کی خواہش کے مطابق ہو رہے تھے سو مجیب کی گرفتاری کے بعد اسی شام کراچی میں بھٹو نے ایک بیان میں کہا کہ ''شکر ہے پاکستان بچ گیا۔'' مجیب الرحمان کی غیر موجودگی میں باغی ریاست کی تشکیل کردہ اسمبلی نے

مجیب الرحمان کو صدر اور نذر الاسلام کو نائب صدر چنا جبکہ تاج الدین کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ حالات کی بتدریج خرابی محب وطن حلقوں کے لیے بے حد تشویش کا باعث بنتی جا رہی تھی کیونکہ چھبیس مارچ ہی کی صبح کو باغی حکومت نے اب تک ٹکڑیوں اور جتھوں کی صورت میں مسلح کارروائیاں کرنے والے گروہوں کو اکٹھا کر کے 'فوج آزادی' بنانے کا اعلان کر دیا جسے ''مکتی باہنی۔'' کا نام دیا گیا۔ اس فوج میں پاک آرمی سے بھگوڑے ہونے والے بنگالی فوجی جن کی حمایت عوامی لیگ کے ساتھ تھی اور سویلین شامل تھے۔ اس کا کمانڈر انچیف محمد عطاءُ الغنی عثمانی جبکہ محمد عبدالرب کو چیف آف سٹاف مقرر کیا گیا۔ پاک فوج کے لیے ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ مشکلات بھی بڑھتی جا رہی تھیں۔ ان کے لیے باغیوں اور محب وطن افراد میں فرق کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا جا رہا تھا۔ مکتی باہنی اور عوامی لیگ کے جاسوسوں نے سونگھ سونگھ کر پاکستان کے حامیوں اور مشرقی پاکستان میں آباد مغربی پاکستانیوں کا پتہ چلانا شروع کر دیا تھا اور جہاں جس کا پتہ چلتا اسے کسی بھی طرح کا نقصان پہنچانے سے دریغ نہ کرتے۔

مائرہ کے لیے یہ صورتحال انتہائی تشویشناک تھی کیونکہ اسے زندگی میں کبھی ایسی صورتحال کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس کا دل اور دماغ یہ حقیقت قبول کرنے کو ہرگز تیار نہیں تھا کہ کوئی پاکستانی اچانک اپنے ہی ہم وطنوں کے خون کا پیاسا بھی ہو سکتا ہے۔ مشفق کے گھرانے کو مجیب الرحمان کے گھرانے سے قریبی تعلقات ہونے کی بنا پر کم خطرات لاحق تھے لیکن کسی کے بارے میں یقین سے کیسے کہا جا سکتا ہے۔ عوامی لیگ اور مکتی باہنی کے ہر فرد کو تو یہ علم نہیں تھا کہ مجیب الرحمان اور مرحوم بدر الاسلام کے درمیان نہایت گہرے مراسم تھے۔ مائرہ کی اب مشفق سے بھی کم بات ہوتی تھی اور وجہ مُش کی بڑھتی ہوئی مصروفیات تھیں۔ وہ اپنا دھیان زیادہ تر ننھے بابر کی جانب لگائے رکھتی جو اب صحت پکڑ رہا تھا۔ وہ ماشاءاللہ سات ماہ کا ہو گیا تھا لیکن صحت سے کسی طور بھی ایک سال سے کم کا نہیں لگتا تھا۔ آخری بار کوئی ایک ماہ قبل جب مشفق گھر آیا تو ننھے بابر کو دیکھ کر ہنستے ہوئے فقرہ کسا کہ ''بنگالی بچہ راشا تھلا نا ئیں، ایتہ پونجابی گُستی گرا ے۔'' (بنگالی بچے موٹے نہیں ہوتے، یہ تو پنجابی پہلوان ہے)۔ ناہیدہ نے سنا تو فوراً پیار سے ڈانٹ دیا کہ ماشاءاللہ بولا کرو نظر لگ جاتی ہے۔ مائرہ کی مشفق سے بات ہوئے بھی بہت دیر ہو گئی تھی اور آج اسے مُشی بہت یاد آ رہا تھا۔

مشفق گزشتہ دو ماہ سے، دو گھنٹے کی دوری کے باوجود ڈھاکہ نہیں جاسکا تھا۔ اس دوران، کومیلا اور چٹاگانگ کے درمیان کئی مقامات پر اس کا ٹاکرا مکتی باہنی کے گوریلوں سے ہوا۔ یقیناً تربیت اور مہارت میں وہ پاک فوج کے گوریلوں کی گرد کو بھی نہیں پاسکتے تھے لیکن بہرحال ان کے لیے وہ مشکلیں ضرور کھڑی کر رہے تھے۔ سامنے کھڑے اور متوقع دشمن کا تو مقابلہ کیا جاسکتا ہے لیکن چھپے اور ناگہانی دشمن کے اوچھے وار سے بچنے کے لیے نہ صرف پھونک پھونک کر ہر قدم اٹھانا پڑتا ہے بلکہ ہزار جتن بھی کرنے پڑتے ہیں۔ ایک آدھ دفعہ تو موت مشفق کو قریب سے چھو کر گزر گئی لیکن اس نے ان واقعات کا گھر پر اور بالخصوص مائرہ سے تذکرہ کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ اسے علم تھا کہ ان کہانیوں کو سنا کر وہ صرف گھر والوں کی فکر اور پریشانی میں اضافہ ہی کرسکتا ہے اور کچھ نہیں۔ وہ اپنے اس نظریئے کا پرچار اپنے ماتحتوں میں بھی کیا کرتا تھا۔ جب کبھی وہ اکٹھے ہوتے تو وہ اکثر انھیں ہنستے ہوئے کہتا کہ گھر پر، اپنے ساتھ بیتنے والے حادثات کا ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اگر خدانخواستہ سب سے بڑا حادثہ ہوگیا تو تابوت ساری کہانی خود کہہ دے گا اور تم گھر والوں کی پریشانی دیکھنے کے لیے زندہ نہیں ہوگے۔

پاک فوج حالات کے تناظر میں جنگی حکمت عملی کو تیزی سے تبدیل کر رہی تھی۔ مغربی پاکستان سے مزید کمک منگوائی جا رہی تھی جس کے لیے ایئر فورس کے علاوہ پی آئی اے کی پروازیں بھی استعمال کی جا رہی تھیں۔ بھارت جنوری میں ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اپنا ایک فوکر طیارہ اغواً کرا کے اور اسے لاہور میں ہائی جیکروں کے ہاتھوں تباہ کروا کے اس کا الزام پاکستان پر لاد چکا تھا اور پھر اسی کو وجہ بنا کر مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان پروازوں کے لیے اپنی فضائی حدود ممنوع قرار دے چکا تھا۔ چنانچہ اب دونوں صوبوں کے درمیان فضائی نقل و حرکت سری لنکا اور برما کے راستے ہوتی تھی۔ جو طیارے مغربی پاکستان سے فوجی دستوں اور ساز و سامان کو لاتے تھے وہی مشرقی پاکستان سے غیر بنگالیوں اور مسلح افواج کے اہل خانہ کو واپس لے کر جاتے تھے۔ بڑھتی ہوئی شورش پسندی کو دیکھ کر مشرقی کمانڈ نے پاکستان ایئر فورس کو مکتی باہنی کے خلاف کھل کر استعمال کرنا شروع کر دیا کیونکہ بھارت کی سرپرستی میں وہ بہت تیزی سے طاقت پکڑ رہے تھے۔ جیسور، باریسال، پبنہ، چٹاگانگ، کھلنا، راجشاہی، کومیلا، سہلٹ غرضیکہ تمام شہر اور ان سے ملحقہ علاقے پوری طرح جنگ کی لپیٹ میں تھے۔ مشفق کو اطلاع ملی کہ اس کی اپنی مکمل کمانڈو بٹالین جلد ہی مشرقی پاکستان خصوصی مشن پورے کرنے

کے لیے آرہی ہے۔اب اس کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں رہا تھا کہ جنگ شروع ہو چکی ہے کیونکہ مکتی باہنی کی بغاوت کو اب کھلے عام بھارت کی سرپرستی حاصل تھی اور اندرا گاندھی نے اپنی افواج کو مشرقی پاکستان میں داخل ہو کر مکتی باہنی کی عملی مدد کرنے کی اجازت دے دی تھی۔

کیپٹن مشفق تھوڑی ہی دیر قبل بریگیڈ ہیڈکوارٹرز سے واپس آیا تھا۔شب کا غالباً ایک بج چکا تھا اور اس کی واپسی کا وقت اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ حالات کس قدر سنگین ہو چکے ہیں۔اس نے آج کھانا بھی بریگیڈ میس میں ہی کھایا تھا۔ابتر حالات سے جہاں ایک طرف وہ پیارے وطن کے لیے پریشان تھا وہیں دوسری جانب وہ مائرہ اور بابر کے لیے بھی خاصا متفکر تھا۔اسے اتنا اطمینان تو تھا کہ بنگالی ہونے کے ناطے شاید اس کے لیے حالات اتنے سنگین نہ ہوں لیکن اگر اسے فکر تھی تو مائرہ کے لیے کیونکہ مختلف جگہوں سے غیر بنگالیوں اور محب وطن بنگالیوں کے مکتی باہنی کے ہاتھوں قتل کی خبریں تواتر سے مل رہی تھیں۔بریگیڈ سے واپس آ کر وہ بستر پر گرا تو سنجیدگی سے اس بارے سوچنا شروع کر دیا کہ کیوں نہ وہ مائرہ اور بابر کو مغربی پاکستان واپس بھجوا دے۔کم از کم وہ وہاں پر محفوظ تو ہونگے۔جونہی حالات ٹھیک ہوئے وہ انھیں واپس بلا لے گا حالانکہ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ دیوانے کا خواب مت دیکھو کیونکہ یہ حالات اب کبھی ٹھیک نہیں ہوں گے۔اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ فوراً سے پیشتر مائرہ کو واپس لاہور بھجوا دے گا۔اس طرح کم از کم اسے ذہنی اطمینان تو میسر ہوگا

اور وہ اپنی ڈیوٹی کی جانب مکمل دھیان دے سکے گا۔یہی سوچتے سوچتے وہ جلد نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

اگلی صبح اس نے سب سے پہلے ڈھاکہ میجر شوکت کو کال بک کروائی اور اس معاملے میں بات کی، ”سر آپ کو ایک زحمت دینی ہے۔“ اس نے میجر شوکت سے سیدھے سیدھے درخواست کر دی۔

”ہاں بولو.... بڑی خیریت ہے ناں؟“

”جی سر ابھی تک تو خیریت ہی ہے۔حالات آپ کے سامنے ہیں۔“

”بالکل.... میرا خیال ہے فون پر کم ہی بات کریں؟“

”جی سر.... میں نے بس صرف ایک درخواست کرنی تھی۔“

''ہاں ہاں.... بولو بولو۔''

''سر! حالات کو دیکھتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ مائرہ اور بابر کو واپس لاہور بھجوا دوں کیونکہ ابھی تو فلائٹس جیسے تیسے آ ہی رہی ہیں بھلے آپریشنل سہی لیکن شنید ہے واپسی پر non essentials اور سویلین کو بھی لیجا رہی ہیں اور جس سرعت سے صورتحال لحہ بہ لحہ تبدیل ہو رہی ہے یہ کبھی بھی بند ہو سکتی ہیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو مُش.... میرا اس طرف دھیان کیوں نہیں گیا؟''

''سر ہم لوگوں کا تو اگلے لمحے کا نہیں پتہ تو ان کو کیوں باندھ کر رکھیں؟ سو میں نے سوچا کہ آپ کو کہوں کہ سٹیشن ہیڈکوارٹرز یا ایسٹرن کمانڈ میں جو بھی ڈیل کر رہا ہے اسے کہہ کر میری مسز کی سیٹ بک کروا دیں۔ میں بے حد ممنون ہوں گا۔''

''پارٹنر! پھر میں صرف تمھاری بیگم ہی کی سیٹ کیوں بک کرواؤں؟ میں بھی زرینہ اور بچوں کو پیک اپ کرتا ہوں۔ تم نے تو مجھے بروقت ایک بہترین مشورہ دیا ہے بلکہ میں کیپٹن قاسم کو بھی ابھی پوچھ لیتا ہوں، اگر وہ بھی بیگم کو بھجوانا چاہے۔''

''تھینک یو سر آپ نے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتار دیا ہے۔''

''نہیں مُش تمھارا کمپنی کمانڈر ہونے کے ناطے یہ میرا فرض ہے لیکن میرے ذہن میں ایک بات کھٹک رہی ہے جو پوچھنے سے کترا رہا ہوں۔''

''پوچھیے سر.... ضرور پوچھیں۔ یہی ناں کہ بنگالی ہوتے ہوئے بھی میں اپنی فیملی کو ہوم سٹیشن پر رکھنے کی بجائے واپس کیوں بھجوا رہا ہوں؟ اور یہ کہ مجھے تو اب تک فوج سے بھگوڑا ہو کر مکتی باہنی سے جا ملنا چاہیے تھا؟ یہی ناں سر؟''

''اللہ نہ کرے کہ میں تم پر شک کروں۔ I am sorry if I have hurt you (معذرت چاہتا ہوں اگر تمھارا دل دکھایا ہو) لیکن یہ سوالات ہر شخص کے ذہن میں کھٹک سکتے ہیں اور پھر اتنی بڑی قربانی کا ہر کوئی نہیں سوچ سکتا۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں کہ ہر کوئی نہیں سوچ سکتا لیکن کچھ تو سوچتے ہیں ناں۔ چلیں جو سوچتے ہیں مجھے ان میں شامل کر لیں۔'' مشفق نے بغیر برا منائے اپنا نکتہ نظر پیش کر دیا، ''سر! میرے خاندان کا جینا مرنا پاکستان کے ساتھ تھا، ہے اور رہے گا۔ اگر خدانخواستہ یہ سکڑ کر ایک مربع میل بھی رہ گیا تو

میرے لیے وہی پاکستان ہوگا نہ کہ وہ تین لاکھ ستانوے ہزار چار سو اٹھانوے مربع میل کا علاقہ جو پاکستان کہلانا پسند نہ کرے۔"

"مُش میں تمھیں سلام کرتا ہوں۔"

"سر میری والدہ اور بہن کی مجبوری ہے کہ ان کا اس دیس کو چھوڑنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے لیکن وہ یہاں رہ کر بھی پاکستانی ہی رہیں گی، یہ میرا ایمان ہے۔" مشفق، میجر شوکت کی بات سنی ان سنی کر کے جذبات کی رو میں بہہ کر بولے چلا جا رہا تھا، "جس روز آپ کو پتہ چلے کہ کیپٹن مشفق نے پاکستان کے خلاف کوئی بات بھی کی ہے تو مجھے شوٹ کر دیجیے گا۔"

"حوصلہ بڑی حوصلہ.... میرے ذہن میں ایک سوال اٹھا تم نے میری تسلی کر دی بلکہ ضرورت سے زیادہ ہی کر دی۔" میجر شوکت نے ہنستے ہوئے ماحول کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"تو پھر سر میں اپنی مسز کو بتا دوں کہ وہ تیاری پکڑے؟ آپ خود بھی اس سے رابطہ کر لیجیے گا اور پلیز مجھے بھی فلائٹ کی تاریخ بتا دیجیے گا تا کہ میں بھی چند گھنٹوں کی چھٹی لے کر انھیں الوداع کہنے کے لیے پہنچ جاؤں۔"

"بے فکر رہو مُش میں انتظام کر کے بھابی سے بات کر لیتا ہوں۔ اچھا ہے یہ سب اکٹھی ہی واپس گھر چلی جائیں گی۔ ہمارے سر سے ایک بوجھ اتر جائے گا اور ہم تسلی سے اپنا فرض انجام دے سکیں گے۔ اور ہاں میں تمھیں جانے کی تاریخ بھی بتا دوں گا۔ And once again I apologise for what I said (اور ایک دفعہ پھر معذرت کہ جو میں نے کہا)۔"

میجر شوکت سے بات کرنے کے فوراً ہی بعد مشفق نے گھر کی کال ملوائی اور مائرہ سے بات کر کے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا، "مائرہ جی میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمھیں اور بابر کو جلد از جلد لاہور بھجوا دوں۔"

"کیوں مُشی خیریت تو ہے ناں؟ یہ اچانک اتنا بڑا فیصلہ؟"

"جی مومو فی الحال خیریت ہی ہے لیکن آنے والے دنوں کا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"جان! سچ سچ بتایئے آپ کہیں مجھ سے کسی بات پر ناراض تو نہیں ہیں؟"

"come on مومی.... کیسی بے وقوفوں والی باتیں کر رہی ہو؟"

"تو پھر بیٹھے بٹھائے مجھے لاہور واپس بھیجنے کا خیال کیوں آیا آپ کو؟"

''پھر وہی پاگلوں والی باتیں؟.... بھیجنے اور واپس بھیجنے میں زمین آسمان کا فرق ہے سویٹ ہارٹ۔اللہ نہ کرے میں کبھی تمھیں واپس بھیجنے کا سوچوں بھی۔''

''تو پھر مجھے وجہ بتایئے۔''

''میری جان حالات تمھارے سامنے ہیں اور دن بہ دن مزید بگڑتے جارہے ہیں۔ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت غیر بنگالیوں اور مغربی پاکستان کے لوگوں کے خلاف نفرت پھیلائی جارہی ہے۔ایسے میں ہم بنگالیوں کو تو شاید تعصب کے اس طوفان کا زیادہ سامنا نہ کرنا پڑے لیکن مغربی پاکستانیوں اور بہاری بھائیوں کے لیے آنے والے دن قیامت سے کم نہیں ہوں گے۔لیکن پلیز یہ خبر صرف اپنے تک رکھنا اور گھر میں کسی سے نہ شیئر کرنا۔''

''مُشی کچھ بھی ہو جائے میں جیتے جی آپ کو کبھی بھی اکیلا نہیں چھوڑ کر جاؤں گی، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔''

''پھر وہی ضدی بچوں والی بات؟ جو خبریں ہمیں مل رہی ہیں اگر میں مضبوط سے مضبوط دل والے شخص سے بھی شیئر کروں گا تو وہ کانپ جائے گا۔ضد چھوڑو اور میری بات مانو۔اور پھر میں کون سا خدانخواستہ تمھیں مستقل بھجوا رہا ہوں۔حالات ٹھیک ہوتے ہی تمھیں ان شاءاللہ واپس بلوا لوں گا۔''

حالانکہ ایسا کہتے ہوئے مشفق کا دل اس کے جھوٹ کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔

''مُشی میں کیسے رہوں گی آپ کے بغیر؟ ہم دونوں کو ہر قدم پر آپ کی ضرورت ہے۔''

''مانتا ہوں لیکن مومو جی یہ ایک عارضی حل ہے۔معاملات کسی کنارے لگیں تو ہماری یونٹ واپس اٹک چلی جائے گی۔ہم لوگوں کو جہاں ضرورت ہو صرف وہیں بھیجا جاتا ہے۔آرمی کی دوسری یونٹس کی طرح ہمیں مختلف سٹیشنز پر تین چار سال کے لیے نہیں رکھا جاتا۔حوصلہ رکھو۔تم سپاہی کی بیوی ہو اور تمھیں یہ حوصلہ ہارنا زیب نہیں دیتا۔''

''آپ کی بات مان تو لیتی ہوں لیکن بڑے بجھے دل کے ساتھ۔آپ کو پتہ ہے کہ مجھے آپ کی عادت سی ہو گئی ہے۔ابھی تو آپ ویسے بھی کئی مہینوں سے بہت کم چکر لگا رہے تھے لیکن میں نے کبھی آپ سے شکایت نہیں کی کیونکہ مجھے آپ کی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔''

''شاباش thats like a good girl میں نے تھوڑی دیر پہلے میجر شوکت سے بات کی ہے اور میری بات سن کر وہ بھی بھابھی کو واپس بھیج رہے ہیں۔اب بس کیپٹن قاسم سے پوچھنا رہ گیا ہے اور

میرے خیال میں وہ بھی اپنی وائف کو واپس بھیجنا ہی پسند کریگا۔ میجر شوکت Move Control میں بات کر کے جلد ہی تم سے رابطہ کریں گے۔ میں بھی اس تاریخ کو تم لوگوں کو الوداع کرنے تھوڑی دیر کے لیے آجاؤں گا۔ میں چاہتا ہوں تم جس قدر جلد ہو سکے نکل جاؤ کیونکہ اس بغاوت کے ساتھ ساتھ بھارت سے جنگ کا ماحول بھی بن رہا ہے۔ ظاہر ہے یہ سب ہمارے اسی ازلی دشمن کا ہی کیا دھرا ہے۔''

''مُشی آپ آئیں گے ناں ہمیں see off (الوداع) کرنے؟''

''کیوں نہیں موموً؟ مجھے آپ لوگوں سے ملے دیر بھی تو بہت ہوگئی ہے۔ میرے ذہن میں ہماری آخری ملاقات ابھی تک نقش ہے اور وہ خوبصورت لمحے ایک حسین یاد کی صورت میں میری آنکھوں کے سامنے رہتے ہیں۔ میرے بس میں ہوتا تو آپ لوگوں کو کبھی نظر کے سامنے سے نہ ہٹنے دیتا۔ اماں کو میرا سلام کہنا۔''

''میں کہہ دوں گی۔ یہ بابر کی آواز آرہی ہے آپ کو؟ اپنے بابا سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔'' مائرہ نے ریسیور ننھے بابر کے کان سے لگا دیا۔ اس کی غوں غاں سن کر مشفق بہت بے چین ہوگیا اور جذباتی ہو کر اسے آوازیں دینے لگا، ''اوئے بابا کی جان! کیا حال ہے آپ کا؟ بابا کو مس کرتے ہو؟ بابا بھی تمھیں مس کرتے ہیں بیٹا۔ ماما کا بہت خیال رکھنا you are a big brave boy (تم بہادر نوجوان ہو)۔''

مائرہ نے واپس اپنے کان سے فون لگایا اور بولی، ''یہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ آواز کدھر سے آرہی تھی۔''

''چلو موموً اپنا خیال رکھنا اور پیکنگ وغیرہ وقت پر کر لینا۔ چلتا ہوں بہت کام ہیں۔ Love you sweetheart۔''

فون بند کر کے مشفق کی طبیعت بہت اداس سی ہوگئی۔ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے ننھا بابر اور موموً آرہے تھے۔ اس نے نہایت مشکل سے اپنے آنسو ضبط کیے اور کام میں مصروف ہوگیا۔ پتہ نہیں کون لوگ ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ سپاہی کے جذبات اور آنسو نہیں ہوتے۔ سپاہی کے پاس دونوں چیزیں ہوتی ہیں لیکن وہ ان کا سرعام اظہار نہیں کرتا۔

مجیب الرحمان کی مسلح بغاوت کی اپیل کے بعد سے تشدد اور قتل و غارت کی وارداتوں میں بے پناہ اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ مکتی باہنی جو ابتدا میں غیر منظم اور ڈسپلن سے عاری جتھوں میں انفرادی طور پر محب وطن بنگالیوں اور فوج کے خلاف دہشت گردی کی کارروائیوں میں مصروف تھی رفتہ رفتہ ایک منظم گوریلا فوج میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ لمحہ فکریہ یہ تھا کہ پاک فوج کے پچاس ساٹھ ہزار جوانوں کے مقابلے میں، جو سارے ہی لڑاکا فوج سے نہیں تھے، مکتی باہنی کی تعداد تقریباً دوگنی تھی اور انفرادی مقامی رضاکارانہ اور دھونس دھمکی سے حاصل کیا گیا تعاون اس کے علاوہ تھا اور ان باغیوں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور اسی شرح سے شرپسندی اور خوں ریزی کے واقعات میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ اس سب کی بنیادی وجہ مکتی باہنی کو بھارت کی ہر طرح کی امداد تھی جس میں اسلحہ و گولہ بارود و دیگر ساز و سامان کی ترسیل سے لے کر فوجی تربیت تک سب شامل تھا۔ سرحد پار بھارتی ایجنسی را اور فوج کے تربیتی کیمپ، مقامی آبادی کا بھرپور تعاون اور موسمی و زمینی حقائق اس گوریلا جنگ کی کامیابی کی وجوہات تھیں۔ شاہراہیں، ریل کے پل اور بجلی فون کے کھمبے دھماکوں سے اڑا دینا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ ان ریاست مخالف حالات و واقعات کے تناظر میں فوج کے لیے مشرقی پاکستان میں امن و امان قائم رکھنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ جنرل یحییٰ خان نے جنرل ٹکا خان کو ہٹا کر ایک بنگالی سول گورنر کو تعینات کر دیا جس نے سول کابینہ تشکیل دی لیکن ایسے اقدامات کا کوئی فائدہ نہیں ہو رہا تھا کیونکہ مجیب مقامی آبادی کو مرکز کے خلاف نہایت موثر طریقے سے بھڑکا چکا تھا اور اوپر سے جلتی پر تیل کا کام بھارتی فوج اور اس کی نوزائیدہ خفیہ ایجنسی را کر رہی تھی۔

میجر شوکت نے کیپٹن مشفق کو فون کر کے اطلاع دی کہ اکیس جولائی اے ء کو ایک فلائٹ ڈھاکہ سے کراچی جا رہی ہے اور اس نے تینوں خواتین کے لیے اس پر سیٹیں مخصوص کروا لی ہیں۔ اور یہ کہ فلائٹ علی الصبح نکلے گی سو مشفق کو ایک روز پہلے شام کو آنا پڑے گا۔ میجر شوکت نے اس بارے مائرہ کو بھی آگاہ کر دیا تھا۔ ابھی کچھ روز تھے سو اس نے سوچا کہ وہ تھوڑا بہت وقت نکال ہی لے گا۔ مشفق کی جب گھر پر بات ہوئی تو مائرہ نے بھی تصدیق کی کہ میجر شوکت نے اسے فون کر کے تیاری کے لیے کہہ دیا تھا۔ مشفق نے اسے یقین تو نہ دلایا مگر یہ ضرور کہا کہ وہ ایک روز پہلے شام کو پہنچنے کی کوشش کریگا۔ فون بند کرنے کے بعد اسے یاد آیا کہ اکیس جولائی کو تو ان کی شادی کی دوسری سالگرہ ہے۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ کیا یادگار موقع ہوگا مائرہ کو سرپرائز دینے کا۔ اس نے بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز میں مختصر رخصت کی بات کی جو منظور کر لی گئی۔ بیس جولائی کو وہ دوپہر ہی کو protection (حفاظت) کے ساتھ ڈھاکہ کے لیے نکل گیا۔ دوپہر کو نکلنے کی وجہ صاف ظاہر تھی۔ خانہ جنگی شروع ہو چکی تھی اور ہر شخص کے لیے موت قدم قدم پر کھڑی تھی۔ مکتی باہنی موقع کی مناسبت سے کہیں باقاعدہ جنگ اور کہیں گوریلا جنگ کو ترجیح دے رہی تھی۔ اب جب کہ مسلح کارروائیاں شروع ہو چکی تھیں اور یہ بھی واضح ہو گیا تھا کہ تمام سیاسی تدابیر بے سود ثابت ہوئی تھیں بلکہ حکومت اور فوج کی تحمل مزاجی سے نہ صرف فوج کی مشکلات میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا بلکہ اس صبر اور برداشت کو فوج کی کمزوری پر محمول کیا جا رہا تھا۔ ایسے میں بالآخر باغیوں کی سختی سے سرکوبی کا فیصلہ کیا گیا۔ پاک فضائیہ کو بھی ان تمام مقامات کو جن کے بارے یقین تھا کہ وہ باغیوں اور شر پسندوں کے گڑھ ہیں، نشانہ بنانے اور بری فوج کی مدد کا حکم دے دیا گیا تھا چنانچہ فضائیہ کے موثر مشن بھی جاری تھے جس وجہ سے مکتی باہنی وقتی طور پر مربوط کارروائیوں سے معذور ہو چکی تھی اور بہت سے علاقوں میں اس نے گوریلا کارروائیوں کا آغاز کر دیا تھا۔

مشفق گھر پہنچا تو سب بہت پریشان تھے کیونکہ ریڈیو اور ٹیلیوژن پر خبریں کچھ اچھی نہیں آ رہی تھیں۔ ناہیدہ نے بڑھ کر بیٹے کو گلے سے لگایا اور اس کی بلائیں لینے لگیں۔ بہت دیر تک سب حالات پر تبادلہ خیال کرتے رہے اور مشرقی پاکستان کے مستقبل بارے فکرمندی کا اظہار کرتے رہے۔ مشفق نے نہایت طریقے سے باتوں باتوں میں ان پر صورتحال واضح کر دی اور یہ بھی کہ انھیں کسی بھی بری خبر کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ رات کھانے پر انیس نے بھی مشفق کو بتایا کہ شہر کی صورتحال خاصی کشیدہ تھی۔

عملی طور پر شہر عوامی لیگ کے ہاتھوں میں یرغمال بنا نظر آتا تھا اور ہر جگہ انھی کا حکم چل رہا تھا۔ غیر بنگالی اور بہاری اپنے اپنے کاروبار تقریباً بند کر چکے تھے۔ مغربی پاکستانیوں کی خواہش تھی کہ انھیں واپسی کے لیے پہلی دستیاب فلائٹ میں جگہ ملے۔

انیس نے بتایا، ''کافی غیر بنگالیوں کو مکتی باہنی والوں نے قتل بھی کیا ہے۔ انھوں نے اپنے جاسوس چھوڑے ہوئے ہیں جو سارے شہر کی خبر رکھے ہوئے ہیں اور وہ مغربی پاکستانیوں کے گھروں کا باقاعدہ ریکارڈ بنا رہے ہیں۔''

''انیس بھائی! پولیس اور انتظامیہ کے اثر رسوخ کا کیا حال ہے؟'' مشفق نے پوچھا۔

''چھوٹے بھائی وہ تو تقریباً ان کی کٹھ پتلی بن چکی ہے۔ ہاں فوج کا ضرور کچھ رعب ہے جس سے عوامی لیگ والے فی الحال تو بدکتے ہیں لیکن نظر یہی آ رہا ہے کہ اگر خدانخواستہ پانسہ ان کے حق میں پلٹ گیا تو شدید خون خرابہ ہوگا۔ جو اس وقت ہو رہا ہے وہی برداشت نہیں ہو رہا تو سوچ لیں کہ شدید خون خرابہ کیا ہوگا۔''

''مجھے بخوبی علم ہے۔ صرف اپنے مشاہدے کی تصدیق چاہ رہا تھا۔ آپ کو تو کوئی پریشانی نہیں ہوئی؟''

''نہیں چھوٹے بھائی.... اللہ کا بہت شکر ہے۔ چند ایک عوامی لیگ والے جنھیں ہمارے گھرانے کی سیاسی ساکھ کا پتہ نہیں تھا، تھانیدار بن کر آئے تھے مگر میں نے تعارف کرا دیا کہ یہ پریس کس کا ہے اور اس شخص کا مسلم لیگی ہوتے ہوئے بھی مجیب الرحمان سے کیا تعلق تھا۔ میں نے کہا اگر کسی نے مزید کچھ پوچھنا ہے وہ 'بنگلہ بندھو' (شیخ مجیب) سے جا کر تسلی کر لے۔ پھر کوئی نہیں آیا۔''

''آپ نے اچھا کیا ہے۔ خوامخواہ مسئلے کھڑے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پتہ نہیں آگے حالات کدھر کو جاتے ہیں۔''

''چھوٹے بھائی آپ مائرہ بی بی کو واپس بھیج کر بہت اچھا کر رہے ہیں۔''

''انیس بھائی اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ مجھے خود اپنا بھی نہیں پتہ کہ اگلے لمحے کہاں ہوں گا۔ معلوم نہیں کہ دوبارہ آپ لوگوں سے ملنے آ بھی سکوں گا یا نہیں، تو ایسے میں یہی بہتر سمجھا کہ اسے لاہور بھجوا دوں۔ کم از کم اس کی طرف سے تو بے فکری ہو ہی جائے گی۔ اچھا ہوا آپ سے علیحدگی میں بات ہو رہی ہے۔ پھر پتہ نہیں موقع ملے نہ ملے سو چند باتیں آپ کو بتانا چاہتا ہوں اور آپ وعدہ کریں

کہ یہ صرف ہم دونوں کے درمیان رہیں گی۔''

''بالکل بھائی آپ اطمینان رکھیں۔''

''انیس بھائی مجھے جنگ ہوتی نظر آ رہی ہے۔ یہ اب واضح ہو چکا ہے کہ بھارت، عوامی لیگ کی مدد کر رہا تھا لیکن اب جبکہ عوامی لیگ اور مکتی باہنی کی دم پر پاک فوج نے پاؤں رکھنا شروع کر دیا ہے تو بھارت کو کھیل تلپٹ ہوتا نظر آ رہا ہے، جو اسے کسی صورت قبول نہیں۔ سو اس بات کے امکانات سو فیصد ہیں کہ وہ اب براہ راست کسی بھی وقت اس جنگ میں کود پڑیگا۔''

''جی یہ تو شہر میں سب کہتے پھر رہے ہیں اور نادان لوگ تو اس خبر پر خوش ہوتے بھی نظر آ رہے ہیں۔''

''بہت بڑا المیہ ہے۔ نادان لوگوں کو اس بات کا احساس نہیں کہ اگر مجیب چاچا اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو آنے والے وقت میں، ہم لوگوں کے پاس سوائے پچھتاوے کے اور کچھ نہیں ہوگا۔''

''اگر کوئی سمجھے تب ناں۔''

''بہرحال انیس بھائی میں آپ سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ انھیں ذہن نشین کر لیں۔ آپ اس گھر کے بڑے ہیں اور آپ پر بہت ذمہ داریاں ہیں۔ آنے والے وقت میں حالات کس طرف جاتے ہیں کسی کو معلوم نہیں۔ جنگ تو ہم اب بھی لڑ رہے ہیں لیکن اگر بھارت کے ساتھ جنگ شروع ہو گئی تو پھر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ایسے میں عین ممکن ہے کہ اپنے مخصوص پروفیشن کیوجہ سے حالات مجھے نجانے کہاں سے کہاں لے جائیں مگر ایک بات آج آپ کو گواہ بنا کر اور اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں اپنے خون کے آخری قطرے تک پاکستان کی حرمت اور بقاء کے لیے لڑوں گا خواہ اس میں میری جان، ہی کیوں نہ چلی جائے اور بالفرض اگر زندہ رہ گیا تو ان شاء اللہ ہتھیار کبھی نہیں پھینکوں گا۔''

''ارے چھوٹے بھائی آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ اللہ خیر کرے گا۔''

''اللہ یقیناً خیر کرے گا لیکن میں وہ بات کر رہا ہوں جو مجھے لکھا نظر آ رہا ہے۔ اگر خدانخواستہ مشرقی پاکستان نہ رہا تو میں بھی اس دیس میں نہیں رہوں گا جو پاکستان نہ ہوگا۔ ہو سکتا ہے آج کے بعد آپ لوگوں سے میری دوبارہ کبھی ملاقات نہ ہو۔ اگر ایسا ہوا تو آپ نے اماں اور روبی کا بہت خیال رکھنا ہے۔ انھیں کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔''

''آپ اطمینان رکھیں۔ اللہ سب بہتر کریگا۔ باقی یہ آپ ہی کی نہیں میری بھی فیملی ہے۔ میرا ان

لوگوں کے سوا دُنیا میں اور ہے کون؟''

''میں صبح اماں سے بھی بات کروں گا اور طریقے سے انھیں بھی آنے والے دنوں کے لیے تیار کروں گا۔اب آپ بھی سوئیں میں بھی چلتا ہوں۔صبح مائرہ کو بھی چھوڑنے جانا ہے۔''

انیس سے گفتگو ختم کر کے مشفق اپنی خوابگاہ میں آیا تو مائرہ اس کی منتظر تھی۔اسے موموکی آنکھوں میں اداسی صاف جھلکتی نظر آرہی تھی۔اس کی سوگوار نگاہوں کا ایک اور ہی حسن ہوتا تھا جو مشفق کو اس کا اور بھی دیوانہ بنا دیتا تھا۔مشفق نے ماحول خوشگوار کرنے کے لیے ہلکی پھلکی باتیں شروع کر دیں۔بستر پر ڈھتے ہوئے بابر سے مخاطب ہوا،''میرا بیٹا بابا کو چھوڑ کر صبح جا رہا ہے؟''

''بابا خود ہی ہمیں اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتے تو ہم کیا کریں؟'' مائرہ نے نگاہیں ملائے بغیر جواب دیا۔وہ ننھے بابر کے کپڑے تہہ کر کے رکھ رہی تھی۔

''مومو جی! بابا آپ کے پاس ہوتا ہی کب ہے؟ کل صبح آپ کو الوداع نہ کہنا ہوتا تو نجانے اور کتنے ماہ ملاقات نہ ہوتی۔'' مشفق نے جواب دیا۔

''مُشی آخر اماں اور روبی بھی تو ہیں ناں یہاں؟ میں بھی رہ لیتی۔''

''پھر وہی بچوں والی باتیں! تم سمجھتی کیوں نہیں ہو؟ بھئی ان کی بات اور ہے۔تمھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ سارا جھگڑا ہی قومیت ولسانیت کا ہے جسے وجہ بنا کر خود غرض شیخ مجیب میرے پیارے وطن پاکستان کی سالمیت کو داؤ پر لگا بیٹھا ہے۔ایسے میں سیاسی مخالفت سے زیادہ صوبائی منافرت سے خطرہ ہے کیونکہ وہ اس کارڈ کو کہیں بھی کھیلنے سے دریغ نہیں کرے گا۔تم یقیناً خبریں بھی سنتی ہوگی؟ کبھی بنگالیوں کے قتل بارے کوئی خبر سنی؟ جب بھی سنی ہوگی کسی مغربی پاکستانی یا بیچارے بہاری کے قتل کی خبر ہوگی۔''

''تو پھر آپ سے دوبارہ ملاقات کب ہوگی؟'' مائرہ کو جیسے بات سمجھ آ گئی ہو، وہ قائل ہونے کے انداز میں بولی۔

''ہوسکتا ہے بہت جلد ہو، ہوسکتا ہے دیر سے ہو اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ ہم آج کے بعد کبھی نہ مل سکیں۔''

''مُش....'' مائرہ تقریباً چیخ اٹھی اور مُش کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا،''کیوں میرا دل دکھانے والی باتیں کرتے ہیں؟''

''میری جان! میں حقیقت بیان کر رہا ہوں کوئی ڈائیلاگ نہیں بول رہا۔اس وقت میرے وطن

میں جو ہو رہا ہے اس میں کوئی کسی کی زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا ہے۔ میری جاب ایک عام لڑاکا سپاہی سے بھی زیادہ کٹھن اور مشکل ہے، ایسے میں ہر انسان کو ہر نا گہانی لمحے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔''

ہاں لیکن ہمیں اچھے کی امید بھی تو رکھنی چاہیے ناں؟ زندگی رہی تو ضرور ملیں گے۔'' مائرہ نے تائید چاہی۔

''ان شاء اللہ کیوں نہیں لیکن تمھیں یہ ہر وقت ذہن میں رکھنا ہوگا کہ تم ایک سپاہی کی بیوی ہو جسے کسی بھی وقت کوئی بھی خبر مل سکتی ہے۔ اگر کبھی تمھیں یہ خبر ملے کہ میں نہیں رہا تو تم نے سوگ نہیں منانا۔ ظاہر ہے تمھیں ایک جیون ساتھی کی ضرورت ہوگی سو آج میں تمھیں بخوشی اجازت دے رہا ہوں کہ تم اپنا ہمسفر ضرور چن لینا کیونکہ اکیلے زندگی گزارنا بے حد مشکل ہوگا۔''

''مُشی آپ پھر وہی بات کر رہے ہیں؟''

''میری زندگی! میں تمھیں زندگی کا وہ تلخ رخ دکھا رہا ہوں جو کہ ممکن ہے۔ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ تم جھٹ سے شادی کر لینا۔'' مشفق نے مائرہ کو ہنسانے کی کوشش کی۔

''میں اپنی زندگی میں آپ کے علاوہ کبھی کسی اور کا سوچ بھی نہیں سکتی۔''

''اچھا چلو یونہی سہی لیکن ایک بات یاد رکھنا کہ اگر خدانخواستہ مجیب چاچا کامیاب ہو گیا تو میں مر جاؤں گا لیکن نہ تو ہتھیار ڈالوں گا اور نہ ہی اس دھرتی پر رہنا پسند کروں گا۔ مجھے نہیں علم کہ روز بروز بگڑتے ہوئے حالات کی بدولت میں تم سے کوئی رابطہ رکھ پاؤں گا بھی یا نہیں لیکن یہ وعدہ ضرور کرتا ہوں کہ میری حتی الوسع کوشش ہوگی کہ جہاں بھی اور جیسے بھی ممکن ہو تم سے رابطہ ضرور کروں۔ لیکن اگر میری طرف سے خاموشی ہو تو گھبرانا بالکل نہیں۔''

''آپ کو بہت مس کروں گی۔ آپ کو پتہ ہے میں آپ کے بغیر بالکل بھی نہیں رہ سکتی۔'' مومو نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

''تمھارے کہنے کی ضرورت ہی نہیں مومو۔ تمھاری یہ سرمئی آنکھیں سب کچھ کہہ دیتی ہیں اور یہی میری کمزوری ہیں۔'' کروٹ لیے ہوئے مشفق نے اسے اپنی طرف کھینچ کر سینے سے لگاتے ہوئے کہا اور مومو نے اپنا آپ مشفق کے سپرد کرتے ہوئے اپنا سر اس کے سینے میں چھپا لیا۔

○

میجر شوکت اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ایئر پورٹ پر موجود تھا۔ کیپٹن قاسم خود تو نہیں آ سکا تھا

لیکن اس نے کسی طور بیگم کو بھجوا دیا تھا جس کی آنکھیں شاید بے حد رونے سے بری طرح سوجی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر میں مشفق بھی مائرہ اور بابر کو لے کر پہنچ گیا۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر تینوں بیگمات کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔ شاید سفر میں ساتھ ہونے کے خیال نے تینوں کو اطمینان مہیا کر دیا تھا۔ فوج کی زندگی میں ایسے حساس اور جذباتی لمحات کا نظر آنا معمول کی بات ہے۔ یہ وہ واحد پیشہ ہے جو باقی دُنیا میں تو پیشہ کہلاتا ہے لیکن ایک مسلمان کے لیے عبادت سے کم نہیں۔ اگر محض پاکستان کے حوالے سے ہی دیکھا جائے تو آزادی کے بعد کی تاریخ بہادری کے محیر العقول اور ناقابل یقین کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ انیس سو سینتالیس اڑتالیس کی جنگ آزادی کشمیر میں اُوڑی کے محاذ پر کیپٹن سرور کی دلیری اور شہادت، پھر سن اٹھاون میں یہیں مشرقی پاکستان میں بھارتی فوجوں سے معرکہ لکشمی پور میں میجر طفیل محمد کی شجاعت اور شہادت اور پھر سن پینسٹھ میں برکی کے محاذ پر میجر عزیز بھٹی شہید کی بہادری کی داستان کسے معلوم نہیں۔ ہر جنگ میں پاک فوج کے افسران اپنے جوانوں کے لیے مثال بنے اور ان کی دلیرانہ قیادت کی۔

میجر شوکت نے مائرہ اور بابر کی سفری دستاویزات مشفق کے حوالے کیں اور مائرہ کو ہنسانے کے لیے ہلکا پھلکا مذاق کیا جس کا مائرہ نے پھیکی مسکراہٹ سے جواب دیا۔ کیپٹن قاسم کی بیوی عائشہ خاموش کھڑی رہی جبکہ مائرہ اور زرینہ شوکت نے اپنے شوہروں سے الوداعی کلمات کا تبادلہ کیا۔ مشفق نے بابر کو گود میں اٹھا کر بلند کیا اور ہنستے ہوئے کہا، ''ینگ مین! ماما کا خیال رکھنا۔'' اور اسے واپس موموکو تھماتے ہوئے اس کے کان میں آخری سرگوشی کی، ''مومو! میں ہمیشہ تمہیں چاہتا رہوں گا۔'' خواتین جہاز میں سوار ہوئیں اور بوئنگ جہاز نے اڑان بھری اور چند لمحوں بعد نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ایئرپورٹ سے باہر آتے ہوئے میجر شوکت نے مشفق سے استفسار کیا کہ اس کا کیا پروگرام ہے تو اس نے بتایا کہ وہ گھر جائے گا تاکہ اماں کے ساتھ کچھ وقت گزار سکے۔ کیا خبر دوبارہ ملنا نصیب ہو یا نہ ہو۔ اس کے بعد جلد از جلد واپس کومیلا پہنچنے کی کوشش کریگا۔ میجر شوکت سے رخصت لے کر وہ گھر کو روانہ ہوا لیکن ذہن پر مائرہ اور بابر سوار تھے۔ جہاں اسے ان سے جدا ہونے کی اداسی تھی وہیں اسے اس بات کا اطمینان بھی تھا کہ کم از کم وہ دونوں تو خطرات سے دور ایک محفوظ زندگی گزاریں گے۔

گھر پہنچ کر وہ سیدھا ناہیدہ کے کمرے میں گیا اور ان کے گھٹنوں کو چھو کر سامنے بیٹھ گیا۔

''چھوڑ آئے بیٹا، بہو اور بابر کو؟'' انھوں نے سوال کیا۔

''جی اماں۔ وہ لوگ چلے گئے۔'' مشفق اداس لہجے میں بولا۔

''اللہ انھیں اپنی امان میں رکھے اور تم لوگوں کو جلد ملائے۔ حوصلہ کرو بچے۔''

''اماں آپ میرے حوصلہ سے بخوبی واقف ہیں؟ مجھے صرف یہ تشنگی محسوس ہو رہی ہے کہ بابر کی پیدائش سے اب تک میں اسے زیادہ وقت نہیں دے پایا بلکہ ہماری ملاقاتیں ہی چار پانچ ہوئی ہیں۔ وہ تو مجھے پہچانتا بھی نہیں۔''

''کوئی نہیں بیٹا۔ ان شاء اللہ جب دوبارہ ملو گے اور ساتھ رہو گے تو پہچان جائے گا۔'' ناہیدہ نے اسے تسلی دی۔

''کون جانے اماں دوبارہ ملاقات ہوتی بھی ہے یا نہیں اور اگر ہوتی بھی ہے تو کب۔''

''دل چھوٹا نہیں کرتے تم تو بہت بہادر ہو۔''

''اماں محبت کے رشتوں کے سامنے بہادری بھی بے بس ہو جاتی ہے۔ خیر چھوڑیں اس موضوع کو میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' مشفق بات بدلتے ہوئے بولا۔

''جی چندا کہو کیا بات ہے۔''

''اماں! آپ کو حالات کا بخوبی علم ہے اور یہ بھی اندازہ ہوگا کہ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے؟ میرے وطن کے لوگوں کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی ہیں اور وہ اندھا دھند مجیب چاچا کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ دکھ یہ ہے کہ کسی کو بھی میرے وطن کا کوئی خیال نہیں جسے ہم نے ان گنت قربانیوں کے بعد حاصل کیا۔''

''جی بیٹا.... میں تو ہر وقت اور ہر نماز میں پاکستان کی سلامتی کی دعا مانگتی ہوں۔''

''ہم سب یہی دعائیں مانگتے ہیں اماں، لیکن اللہ بھی انھی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ اب میں جو کہنے جا رہا ہوں اسے حوصلے کیساتھ سنیے گا۔''

''جی کہو میں سن رہی ہوں۔''

''اماں! زندگی کی آخری سانس تک میرا وطن پاکستان ہے۔ وہ زمین کا ٹکڑا جو بھلے میرا گھر ہی کیوں نہ ہو جو پاکستان نہیں کہلائے گا میں وہاں زندہ رہنے کی بجائے مر جانے کو ترجیح دوں گا۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہو بیٹا؟''

''اماں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم حقیقت سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ بیشک ہماری افواج دشمنوں کے خلاف خون کے آخری قطرے تک لڑیں گی لیکن وہاں فوج کیا کرے جہاں اپنے ہم وطن ہی اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔''

''افسوس ہوتا ہے بیٹا لیکن ہم کچھ کر بھی تو نہیں سکتے ناں؟''

''آپ نہیں کر سکتے لیکن ہم وردی پہننے والے بھلا کیسے چپ کر کے بیٹھ سکتے ہیں۔ ہمارا تو فرض یہی ہے کہ ملک بچانے کے لیے جان بھی لڑانی پڑے تو دریغ نہ کریں اور ان شاء اللہ ہم ایسا ہی کریں گے۔''

''اللہ تم لوگوں کی حفاظت کرے میرے بچے۔''

''میں جانے سے پہلے آپ سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ انھیں غور سے سنیے گا۔ میری پیاری اماں! ہوسکتا ہے یہ ہماری آخری ملاقات ہو کیونکہ حالات جس قدر مخدوش ہو چکے ہیں اور جس تیزی سے خوں ریزی بڑھ رہی ہے اس میں اگلے وقت کا نہیں پتہ۔ میں نے انیس بھائی کو سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ امید یہی ہے کہ بنگالی ہونے کی وجہ سے آپ لوگوں کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ اگر ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور وطن دشمن عناصر اور بھارت کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے تو آپ سے ضرور ملاقات ہوگی لیکن اگر خدانخواستہ حالات ہمارے مخالف گئے تو پھر یہ شاید آخری ملاقات ہو کیونکہ اگر مجیب الرحمان کی خواہش کے مطابق میرا وطن خدانخواستہ بنگلہ دیش بن گیا تو میں یہاں رہنا تو دور کی بات سانس لینا بھی پسند نہیں کروں گا۔ میں آخر دم تک لڑوں گا لیکن اس زمین پر ہرگز نہیں رہوں گا جو پاکستان نہیں کہلائے گی اور نہ ہی دشمن کے ہاتھ آؤں گا۔ زندگی رہی تو کبھی نہ کبھی ملاقات ہو ہی جائے گی۔''

''کیا مطلب بیٹا؟ یہاں نہیں رہو گے تو کہاں جاؤ گے؟''

''اماں یہاں رہنے کا مطلب ہے کہ مکتی باہنی میں شامل ہونا اور وہ میں جیتے جی کبھی بھی نہیں کروں گا۔ کوشش کروں گا کہ مغربی پاکستان نکل جاؤں۔ اب کیسے جاؤں گا یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں لیکن اتنا علم ضرور ہے کہ زندگی نام ہی جدو جہد کا ہے اور وہ میں آخری سانس تک کرتا رہوں گا۔ اگر مجھ سے

انجانے میں کبھی کوئی غلطی یا گستاخی ہوئی ہو تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔ روبی اور آپ مائرہ سے رابطہ رکھنے کی کوشش کیجیے گا اور اسے تسلی دیتے رہیے گا۔ آپ کی دعاؤں کی مجھے ہمیشہ ضرورت رہے گی۔'' مشفق نے الوداعی کلمات کہے اور کھڑے ہو کر ناہیدہ کو اپنی ایس ایس جی وردی میں پہلا اور آخری سیلوٹ کیا۔ ناہیدہ نے بھی اسے بے اختیار سینے سے لگا لیا اور ہچکیوں سے رونا شروع کر دیا۔ مشفق نے نہایت خاموشی سے اپنا سر ماں کے کندھے پر ڈھیلا چھوڑ دیا جیسا وہ بچپن میں کیا کرتا تھا۔ اس کا دل کیا کہ وہ باقی زندگی یونہی ماں کے کندھے پر سر ٹکائے گزار دے لیکن پھر اسے یاد آیا کہ ایک دوسری ماں بھی ہے جو اس وقت شدت سے اس کی منتظر ہے اور جس کو اس وقت مشفق اور اس جیسے ہزاروں بیٹوں کی مدد کی فوری ضرورت ہے۔ اس نے ماں کا چہرہ نہایت عقیدت سے دونوں ہاتھوں میں تھاما اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیا، اپنے ہاتھوں سے ماں کی نمناک آنکھوں سے آنسو پونچھے اور خدا حافظ کہا۔ باہر روبی اور انیس بھی اس کے منتظر تھے وہ باری باری ان سے بغلگیر ہوا۔ روبی کو اپنی مخصوص باتوں سے ہنسانے کی کوشش کی۔

''دیکھو! اب تمھیں بھائی سے لڑائی کے لیے نجانے کب تک انتظار کرنا پڑے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اب کبھی بھی لڑائی کا موقع ہی نہ ملے۔''

''شفو بھیا کیوں دل دکھانے والی باتیں کر رہے ہیں؟'' روبی پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بھائی کے سینے سے جا لگی۔

''جب تک ممکن ہو مومو سے رابطہ رکھنا اور اسے تسلی دیتی رہنا۔''

''بھیا! اب ملاقات کب ہو گی؟''

''اگر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور زندگی رہی تو جلد ملیں گے ورنہ کہا سنا معاف کر دینا۔'' اس نے بہن کے سر پر ہلکی چپت لگائی، سر پر پیار دیا اور ننھے بدر کو گود میں لے کر الوداعی بوسہ دیا اور گھر پر الوداعی نظر ڈال کر وہ خاموشی سے سیڑھیاں اتر گیا۔ سامنے ڈرائیور سپاہی رفیق جیپ لیے اس کا منتظر تھا جو اسے لے کر واپس کومیلا روانہ ہو گیا۔

○

مائرہ اور بابر اُلفت لاج پہنچے تو جیسے گھر میں عید آ گئی۔ منزہ اور حمید کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی لیکن مائرہ بجھی بجھی سی تھی جس کی وجہ ان دونوں کو معلوم تھی۔ دونوں نے فیصلہ کیا کہ اسے کچھ دن کے لیے اکیلا چھوڑ دیا جائے۔ جونہی نارمل ہو گی تو پھر اسے زندگی میں واپس لایا جائے گا۔ دو تین روز وہ

دونوں ننھے بابر پر صدقے واری جاتے رہے اور جو کچھ اس کے لیے خرید رکھا تھا مائرہ کے کمرے میں اس کا ڈھیر لگا دیا۔ بابر بھی خوش نظر آرہا تھا۔ بچوں کو پیار کیا جائے، اہمیت دی جائے تو وہ سمجھتے ہیں اور اس رویئے سے بے حد خوش ہوتے ہیں۔ منزہ کی خوشی دیدنی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اسے اپنا بابر دوبارہ مل گیا ہو اور حمید منزہ کے چہرے پر بکھری مسرت دیکھ کر ہی نہال ہوئے جاتے تھے۔ روز شام کو گھر واپس آتے ہی دن بھر کی تھکن کی پروا کیے بغیر وہ مائرہ، منزہ اور بابر کو گھمانے پھرانے نکل جاتے۔ کوئی تین یا چار روز کے بعد ایک دن مائرہ کو قدرے نارمل پا کر منزہ نے اس سے بات کرنے کا موقع غنیمت جانا۔ رات کا دوسرا پہر تھا اور حمید کب کے سو چکے تھے۔ ننھا بابر بھی گہری نیند سو رہا تھا جب منزہ مائرہ کے کمرے میں آئی۔ مائرہ اس وقت اپنی شادی کی البم نکال کر دیکھ رہی تھی۔

"میرا بچہ کیا کر رہا ہے؟" منزہ نے بات شروع کرنے کی خاطر سوال کیا حالانکہ وہ دیکھ چکی تھی کہ موموشادی کی تصویروں والی البم میں محو ہے۔

"کچھ نہیں ماما، یونہی شادی کی البم نظر آئی تو تصویریں دیکھنے لگ گئی۔ آپ ابھی سوئی نہیں؟"

"نہیں میری جان۔ میری نیند ویسے ہی کم ہوگئی ہے۔ اور پھر نماز وظائف پڑھتے پڑھتے نصف شب تو آرام سے بیت جاتی ہے۔ لیکن تم بھی تو نہیں سوئیں؟"

"مجھے تو یہ آپ کا نواسہ اچھی خاصی پریڈ کراتا ہے۔ اس کے سونے جاگنے اور فیڈ کے اپنے ہی اوقات ہیں اور مجھے ان محترم کا پابند ہونا پڑتا ہے۔" مائرہ نے خوشدلی سے کہا۔

"اب پتہ چلا ہوگا کہ ماں باپ کیسے پالتے ہیں؟ بچے سمجھتے ہیں کہ وہ خود ہی بڑے ہو جاتے ہیں۔"

"ماما میں نے تو کبھی ایسا نہیں سوچا اور آپ یہ بات اچھی طرح جانتی ہیں۔"

"ارے نہیں.... میں نے یہ کب کہا ہے؟ میں تمھاری بات تھوڑے ہی کر رہی تھی؟ میں نے تو ایک عام حقیقت کا تذکرہ کیا تھا۔"

"بابا سو گئے ہیں؟"

"کب کے بیٹا۔ وہ جلدی سو جاتے ہیں۔ آجکل تو وہ تمھارے آنے کی خوشی میں تھوڑا زیادہ جاگ لیتے ہیں ورنہ وہ تو کھانا کھا کر اور خبروں کی سرخیاں سن کر سو جاتے ہیں۔ تم سناؤ وہاں سب خیریت تھی؟" منزہ دھیرے دھیرے اصل موضوع کی طرف آرہی تھیں۔

''جی ماما، سب ٹھیک تھے۔ بس صوبے کے حالات بہت بگڑ چکے ہیں۔ اور اب تو ایسا لگتا ہے کہ کہ شاید ہاتھ سے نکل رہے ہیں۔ بہت دکھ ہوتا ہے یہ سب دیکھ کر۔ عوامی لیگ والوں نے تو اب غیر بنگالیوں اور بہاریوں کی فہرستیں ترتیب دینی شروع کر دی ہیں جنھیں وہ چن چن کر قتل کر رہے ہیں یا دوسرے طریقوں سے نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اور تو اور اب تو پاکستان سے محبت کرنے والے بنگالی بھی ان کے عتاب سے نہیں بچ پا رہے۔''

''اللہ اپنا رحم کرے۔ جانے ہمارے وطن کو کس کی نظر لگ گئی ہے۔''

''ماما اسے ہماری اپنی ہی نظر لگی ہے۔ ہماری غیر ذمہ دارانہ روش اور غفلت نے ہمیں اس مقام تک پہنچایا ہے۔ ہم مشرقی پاکستان والوں کو تو دوش دیتے ہیں لیکن ہم مغربی پاکستان والوں نے بھی ان کے ساتھ بہت ناانصافیاں کی ہیں، میں تو وہاں رہ کر آئی ہوں ناں۔ مجھ پر بہت سی حقیقتیں کھلی ہیں۔''

''اور اب وہ ان زیادتیوں کا بدلہ لینے کے لیے مجیب الرحمان کے پرچم تلے جمع ہو گئے ہیں؟'' منزہ نے بات مکمل کی۔

''جی بالکل ایسا ہی ہے۔ انھیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ مجیب ٹھیک ہے یا غلط، بس وہ مغربی پاکستان کے خلاف کھڑا ہوا ہے لہٰذا اس کا ساتھ دینا ہے۔ اور پھر اس نے انھیں سنہرے خواب بھی تو دکھائے ہیں۔''

''تمھارے سسرال والوں کے لیے تو کوئی خطرہ نہیں؟''

''بظاہر تو کوئی خطرہ نہیں کیونکہ وہ بنگالی ہیں اور سیاست میں ایک معتبر خاندان ہے اور پھر ان کے مجیب الرحمان کے خاندان سے پرانے اور گہرے مراسم ہیں لیکن پھر بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ نفرت کی انتہا دیکھیے ماما کہ میں بھی اسی گھر کی بہو ہوں لیکن میری زندگی اور خیریت کی کوئی ضمانت نہیں مگر ان کی ہے۔ مُشی بھی اس بات پر بہت کڑھتے تھے۔'' ایسا لگا جیسے مائرہ کسی بہانے مشفق کا نام لینا چاہ رہی تھی۔

منزہ بھی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھی سو اس نے گفتگو کا رخ فوراً مشفق کی طرف موڑا، ''مشفق بیٹا تو ٹھیک ہے ناں؟''

''جی ماما اللہ کا شکر ہے لیکن دن رات آپریشنز میں مصروف ہیں۔ خطروں میں گھرے ہوئے ہیں اور باغیوں سے نبرد آزما ہیں۔''

''اللہ اسے اپنی امان میں رکھے اور کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ بیٹا مجھے یہ سمجھ نہیں آئی کہ اس نے

تمھیں لاہور کیوں بھجوا دیا؟''

''ماما بتایا تو ہے کہ وہاں غیر بنگالی تو بالکل بھی محفوظ نہیں تھے۔ میرا وہاں رہنا ان لوگوں کے لیے بھی پریشانی کا باعث بن سکتا تھا۔ پہلے پہل تو مجھے بھی بات سمجھ نہیں آئی لیکن جب مجھے معاملے کی نزاکت کا ادراک ہوا تو مجھے مُشی پر بے حد پیار آیا کہ انھوں نے ہمارے تحفظ کے لیے اپنے دل پر بھاری سل رکھ لی۔ اور دوسرا یہ کہ کئی ماہ سے ان کا ڈھاکہ آنا بہت کم ہو گیا تھا۔ ایسے میں جب وہ ملنے بھی نہ آسکتے تو لازماً ان کا دھیان پیچھے ہماری طرف ہی رہتا جس سے ان کی پیشہ ورانہ ذمہ داریاں متاثر ہو سکتی تھیں۔''

''مومو اس نے کچھ بتایا تو ہوگا کہ کب بلائے گا یا پھر اپنا آنے کا کوئی پروگرام؟'' کچھ دیر نظریں نیچی رکھنے کے بعد جب منزہ نے سر اٹھایا تو مائرہ کی آنکھوں کی دہلیز پر ایک سیلاب اُمڈتا پایا۔ جوں ہی دونوں کی نظریں چار ہوئیں مائرہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور بے ساختہ ماں کے کندھے پر سر رکھ کر ہچکیاں لینے لگی۔ منزہ گھبرا گئی۔ نجانے اس نے مائرہ کے اس طرح رونے سے کیا مطلب اخذ کیا کہ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''مومو میرے بچے کیا ہوا؟ مجھے سچ سچ بتاؤ کوئی اور بات تو نہیں؟ مشفق سے جھگڑا تو نہیں ہوا؟ کہیں اس نے لڑ کر تو واپس نہیں بھیج دیا؟''

''نہیں ماما.... اللہ نہ کرے۔ میری تو اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہر لڑکی کو مُشی جیسا شوہر عطا کرے۔ دراصل جب وہ ہمیں الوداع کرنے آئے تو اس رات انھوں نے مجھ سے ڈھیر ساری باتیں کیں۔ باتیں حقیقت تھیں لیکن مجھ میں ان کو سننے کی تاب نہیں تھی۔ وہ یاد کرتی ہوں تو گلہ رندھ جاتا ہے۔''

''کیا کہا اس نے؟ کچھ مجھے بھی تو پتہ چلے۔''

''ماما وہ مشرقی پاکستان کے مستقبل بارے بہت مایوس تھے۔ دوسری بات جو انھوں نے مجھ سے کی وہ یہ تھی کہ اگر خدانخواستہ مشرقی پاکستان الگ ہو گیا تو وہ مر جانے کو ترجیح دیں گے لیکن اس دیس میں نہیں رہیں گے۔''

''اللہ میرے بیٹے کو اپنی امان میں رکھے، اسے کبھی کچھ نہ ہو۔''

''مجھے کہنے لگے کہ معلوم نہیں کہ ہم دوبارہ مل پائیں گے بھی یا نہیں لیکن اگر میں شہید ہو گیا تو تم

اپنی زندگی برباد مت کرنا اور جلد از جلد اپنا گھر بسا لینا۔"

یہ سننا تھا کہ منزہ بھی سسکیوں سے رونے لگیں۔ دونوں ماں بیٹی بہت دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ کبھی ہنستیں تو کبھی روتیں۔ رات کے آخری پہر جا کر کہیں دل کا بوجھ ہلکا ہوا تو منزہ سونے کے لیے نیچے اتریں اور مائرہ اپنی پسندیدہ، مشفق کی تصویر کو سینے سے لگا کر سو گئی۔

مائرہ نے لاہور پہنچ کر ابھی تک فوزیہ کو اپنی آمد کی اطلاع نہیں دی تھی اسی لیے جب حمید نے سٹور جاتے فوزیہ کے گھر ڈراپ کیا تو فوزیہ تو جیسے ہکا بکا رہ گئی۔ اسے سمجھ نہ آئی کہ وہ سچ میں مائرہ کو اپنے سامنے دیکھ رہی ہے یا پھر کوئی خواب۔ وہ تو مائرہ نے جب فوزیہ کو گلے لگایا تو اسے یقین آیا۔ فوزیہ کی امی کے پاس کچھ دیر بیٹھنے کے بعد اور ان کے لازمی سوالوں کے جوابات دینے کے بعد وہ فوزیہ کے ساتھ اس کی خوابگاہ میں آ گئی۔ پہلے تو دونوں پاگلوں کی طرح خوب روئیں اور پھر اس کے بعد خود ہی ہنسنے لگیں اور معصوم بابر حیران پریشان کبھی ماں کو اور کبھی خالہ کو دیکھتا۔ وہی سوالات جو چند روز پہلے رت جگا مناتے ہوئے منزہ اس سے کر چکی تھیں، آج فوزیہ کی باری تھی کہ وہی سوالات پوچھتی۔ مائرہ نے نہایت تحمل سے ہر سوال کا جواب دیا۔ ہاں نئے سوالات کیپٹن اسد کے بارے تھے۔

"موموا اسد کی کوئی خبر؟ مُشی بھائی نے کچھ بتایا ان کے متعلق؟"

"نہیں دوبارہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ تب ہی ہوئی تھی تو تمھارا پیغام دے دیا تھا۔"

"ہاں انھوں نے کال کی تھی اور ساری کہانی سنائی کہ کس طرح موت کے منہ سے واپس آئے تھے۔ لیکن اس کال کے بعد دوبارہ کوئی کال نہیں آئی۔ مجھے پھر پریشانی ہو رہی ہے۔"

"فوزی تم وہاں کے حالات کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔ یہ لوگ جان ہتھیلی پر رکھ کر مادر وطن کی حفاظت کا فرض سرانجام دے رہے ہیں۔ انھیں اگلے پل کا نہیں پتہ ہوتا کہ کیا ہونے والا ہے۔ اسی وجہ سے تو مُشی نے ہمیں واپس بھجوایا ہے۔ ڈیڑھ گھنٹے کا فاصلہ تھا لیکن مہینے گزر جاتے تھے انھیں گھر آئے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اسد کا کوئی پتہ نہیں کہ کب آئیں گے یا بات کریں گے؟"

"تلخ حقیقت یہی ہے فوزی، میری جان۔"

"میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے یہ سب سوچ کر۔"

"تم خود اندازہ کر لو کہ پہلے جب شورش کے اکا دکا واقعات ہوتے تھے تو تب بات چیت کم ہوتی

تھی اور اب تو باغیوں نے مکتی باہنی کے نام سے باقاعدہ فوج بنالی ہے جن سے پاک فوج کی باقاعدہ جنگ ہو رہی ہے۔ ملنا تو دور کی بات اب تو شاید ان سے بات بھی نہ ہو پائے۔ خودمُشی نے ہمیں اس خیال کے ساتھ بھیجا ہے کہ شاید اب ہماری ملاقات دوبارہ کبھی بھی نہ ہو پائے۔''

''اللہ نہ کرے۔ میری دعا ہے کہ مشفق بھائی ہمیشہ تم لوگوں کے سر پر سلامت رہیں۔''

''آمین۔ میں تو خود جب یہ سوچتی ہوں تو ہول سے اٹھتے ہیں۔''

''موموا تمھیں اچھی طرح علم ہے کہ میں نے دل کی کتاب سے محبت نام کا ورق مدّتوں پہلے پھاڑ دیا تھا اور کبھی اس بارے بھول کر بھی نہیں سوچا تھا لیکن تمھاری شادی پر اسد سے جب سامنا ہوا تو کچھ بھی میرے بس میں نہیں رہا۔ مجھے خود نہیں پتہ کہ یہ سب کیا ہوا، کیوں ہوا اور کیسے ہوا؟ بس اتنا پتہ ہے کہ میں نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور وہ خاموشی سے میرے دل میں اتر گئے۔ میرے دل نے بھی بڑے وثوق سے سرگوشی کی کہ فوزیہ! یہی ہے وہ جو تمھارے لیے بنا ہے۔ اب اسے کھونا نہیں۔ میں نے دل کی بات پلے باندھ لی اور اب تو وہ جیسے میرا سرمایہ، میرا سب کچھ ہیں، وہ میرے وجود کا حصہ بن چکے ہیں۔ ان کے بغیر میں خود کو نامکمل سمجھتی ہوں۔ اس لیے جب ان کی کوئی خبر نہیں ملی تو میں بے چین ہوگئی تھی، تم نے فون پر مجھے ہزار تسلیاں دیں لیکن میرا دل کہہ رہا تھا کہ انھیں کچھ ہوگیا ہے اور بالآخر میرا خوف سچ ثابت ہوا۔ موموایک بات کہوں؟''

''ہاں فوزی کہو لیکن خدا کے واسطے شبھ شبھ بولنا۔''

''شبھ شبھ تو یہی بول سکتی ہوں کہ اللہ اسد کو ہمیشہ سلامت رکھے اور انھیں کوئی تکلیف نہ پہنچے لیکن جو دوسری بات میرا دل کہہ رہا ہے وہ اچھی نہیں ہے۔''

''اب وہ دوسری بات کیا ہے میڈم؟''

''مجھے نجانے کیوں یہ خوف سا ہونے لگا ہے کہ اسد مجھے نہیں مل سکتے۔ میں اس بات کو ذہن سے بہت جھٹکتی ہوں لیکن یہ خوف میرے اعصاب پر مسلط ہو کر رہ گیا ہے۔''

''اللہ کا نام لو، کبھی اچھی بات بھی منہ سے نکال لیا کرو۔''

''میری زندگی تمھارے سامنے ہے۔ ہم بچپن سے ایک ساتھ پلی بڑھیں۔ اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہو کہ کیا کبھی مجھے کوئی خوشی ملی؟ ہمیشہ آخری وقت پر مجھے مایوسی ہی دیکھنی پڑتی ہے۔''

''میری جان ضروری نہیں کہ اب بھی ایسا ہی ہو۔ اپنے رب سے ہمیشہ اچھے کی امید رکھتے ہیں۔''

مائرہ نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

''تمھارے کہنے پر میں تو مان لوں گی لیکن یہ دل کمبخت نہیں مانتا، اب اس کا کیا کروں؟ مومو! میری جان تم آج میرے پاس رک سکتی ہو؟ بہت دل کرتا ہے تم سے ڈھیر ساری باتیں کرنے کو۔''

''محترمہ میں آپ کے پاس شب بسری کے لیے ہی آئی ہوں اور گاہے بگاہے آتی رہوں گی۔ اور کام ہی کیا ہے میرا؟ وقت تو کسی طرح گزارنا ہوگا ناں؟ یا ماما بابا کے پاس یا تمھارے پاس۔''

''سچ ؟ قسم سے؟ تم نے مجھے خوش کر دیا۔'' فوزیہ مائرہ سے بغلگیر ہوتے ہوئے بولی۔

''دیکھ لو ابھی تم کہہ رہی تھیں کہ تمھیں زندگی میں کبھی کوئی خوشی نہیں ملی اور ابھی اللہ نے تمھیں ایک عدد خوشی عطا کر دی۔''

مائرہ کی حاضر جوابی پر دونوں ہنسنے لگیں۔

O

کومیلا، سہلٹ اور چٹا گانگ کے علاقے میں ایسٹ پاکستان رائفلز اور ایسٹ بنگال رجمنٹ کے باغیوں کی پاک فوج کے دستوں سے شدید جنگ شروع ہو چکی تھی۔ ایک عجیب کنفیوژن پھیلا ہوا تھا۔ پاک فوج کو دوست اور دشمن کی تمیز کرنے کے لیے پھونک پھونک کر قدم اٹھانا پڑ رہا تھا جبکہ باغی خود کو ایسی کسی بھی اخلاقی ذمہ داری سے مبرا سمجھتے تھے۔ کچھ علاقوں میں مکتی باہنی نے اپنا کنٹرول مضبوط ہونے کی بنا پر پاک فوج کی کچھ یونٹوں کو گھیرے میں بھی لے لیا تھا جو کہ نہایت بے جگری سے لڑ رہی تھیں لیکن ہر گزرتے دن کے ساتھ ان کا اسلحہ بارود اور رسد ختم ہوتی جا رہی تھی۔ کئی مقامات تو ایسے تھے جہاں نفری کم ہونے کی بنا پر پاک فوج کے دستے شدید جانی نقصان اٹھانے کے بعد بالکل ختم ہو چکے تھے لیکن انھوں نے باغیوں کے سامنے ہتھیار نہیں پھینکے تھے۔ کچھ جگہوں سے خبریں آ رہی تھیں کہ مکتی باہنی کے ساتھ ساتھ بھارتی فوجیوں کو بھی لڑتے دیکھا گیا ہے۔ ان حالات میں پاک فضائیہ نے اپنے مؤثر آپریشن سے مکتی باہنی پر نہ صرف مکمل کنٹرول حاصل کر لیا تھا بلکہ انھیں بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔ بری فوج کی ایوی ایشن کور کی مدد سے پاک فضائیہ نہ صرف گھرے ہوئے دستوں کو نکالنے اور نئے مقامات پر پہنچانے کا کام کر رہی تھی بلکہ دشمن کے ٹھکانوں پر بمباری کر کے انھیں غیر مؤثر اور اپاہج بھی کر رہی تھی اور اگست شروع ہونے تک مشرقی پاکستان میں بغاوت کو تقریباً کچل دیا گیا تھا لیکن جنگ ابھی باقی تھی کیونکہ بھارت اور اس کے کر گے مجیب الرحمان کا منصوبہ کچھ اور تھا جو انھوں نے ہر حال میں

مکمل کرنا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ یہ شکست تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ یہ پاک فوج اور فضائیہ کی بدقسمتی تھی کہ اگست میں مون سون کی بارشیں شروع ہو چکی تھیں جن میں فضائیہ کے لیے مشن جاری رکھنا ممکن نہ تھا اور پاک بری فوج کو اس کی مدد کے بغیر باغیوں کی سرکوبی کرنی تھی۔ دوسری جانب یہ موسمی تبدیل بنگالی مزاحمت کاروں کی دیکھی بھالی تھی چنانچہ پلان کے مطابق انھوں نے روائتی جنگ ترک کر کے گوریلا کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔

ایک روز کیپٹن مشفق کو میجر شوکت نے اطلاع دی کہ ان کی ایس ایس جی بٹالین ڈھاکہ پہنچ چکی ہے اور جلد ہی یونٹ کومیلا آ رہی ہے۔ کیپٹن احتشام اور کیپٹن قاسم کے دستے اپنی جگہوں پر ہی فرائض سر انجام دیتے رہیں گے لیکن کیپٹن مشفق کی نفری کی خدمات کومیلا بریگیڈ سے واپس لی جا رہی ہیں اور اسے بٹالین کو رپورٹ کرنے کا حکم ملنے ہی والا ہے علاوہ ازیں خود میجر شوکت بھی باقی ماندہ نفری کے ساتھ ڈھاکہ سے کومیلا پہنچ رہا ہے۔ مشفق اس خبر کے لیے بہت پہلے سے ہی تیار تھا سو اس نے اپنی ضروری کارروائی بروقت مکمل کر لی اور بٹالین کے کومیلا پہنچنے پر کمانڈنگ آفیسر کو رپورٹ کرنے میں بالکل دیر نہ لگی۔ کرنل طارق کو یاد تھا کہ کیپٹن مشفق کا تعلق مشرقی پاکستان سے ہے اسی لیے اس نے یہاں کے لوگوں کی نفسیات و عادات و خصائل متعلق معلومات کے حصول کے لیے مشفق کے ساتھ ایک خصوصی نشست کی۔ گفتگو کے دوران کرنل طارق کو یہ جان کر بہت حیرانگی ہوئی کہ مشفق نے اپنی فیملی مغربی پاکستان بھجوا دی تھی۔

''مش! مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تم نے بیگم اور بیٹے کو مغربی پاکستان بھجوا دیا ہے؟''

''کیوں سر اس میں حیرانگی والی کیا بات ہے؟'' مشفق نے مسکراتے ہوئے جوابی سوال داغا۔

''میری یادداشت اتنی بھی کمزور نہیں کہ میں بھول جاؤں کہ تم بنگالی ہو اور تمھارا تعلق اسی صوبے سے ہے؟''

''تعلق یہاں سے ضرور ہے سر لیکن میں پہلے پاکستانی اور پھر کچھ اور ہوں۔ میجر شوکت کو بھی کچھ کنفیوژن تھا اور مجھے وضاحت کرنی پڑی۔''

''سوری پارٹنر... لیکن سچ یہی ہے کہ جس تیز رفتاری سے بنگالی افسر اور جوان اپنی پلٹنیں چھوڑ کر مکتی باہنی سے مل رہے ہیں اس کے بعد جب کوئی بنگالی افسر پاکستان کی بات کرتا ہے تو حیرت ہوتی

ہے۔"

"سر کیا صرف میں وہ واحد بنگالی افسر ہوں جو پاک فوج میں رہنے کو ترجیح دے رہا ہے؟"

"نہیں مجھے پتہ چلا ہے کہ اور بھی ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔"

"لیکن سر ہیں تو سہی ناں؟ اگر ہیں تو پھر میں بھی انھی میں سے ہوں۔ اگر ان شاءاللہ یہ صوبہ پاکستان کا حصہ رہا تو میرے بیوی بچے بھی واپس آئیں گے اور اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہوا تو پھر میں بھی یہاں نہیں رہوں گا۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔"

"لیکن میرے خیال میں تمھاری والدہ اور باقی فیملی بھی تو ہے یہاں ڈھاکہ میں؟"

"یس سر.... اللہ مالک ہے انکا۔"

"مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ مجیب الرحمان کے خاندان سے قریبی تعلقات ہونے کے باوجود تم ایک کٹھن راستے کو ترجیح دے رہے ہو حالانکہ اگر تم جانا بھی چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ مکتی باہنی میں تمھارا ایک تابناک مستقبل منتظر ہے۔"

"سر مجھے تابناک مستقبل نہیں آزاد اور خوددار پاکستان چاہیے۔ میرے ہیرو ٹیپو سلطان شہید ہیں، میر جعفر اور میر صادق نہیں اور میں عزت کے ایک دن کو بے غیرتی کی سو سالہ زندگی پر ہمیشہ ترجیح دیتا رہوں گا۔" مشفق نے جب دوٹوک جواب دیا تو کرنل طارق نے فرط جذبات میں کھڑے ہو کر کیپٹن مشفق کو کاندھوں سے پکڑ لیا اور بولا،

"I salute you boy (میں تمھیں سیلوٹ کرتا ہوں دوست) سلام ہے اس ماں کو جس نے تم جیسا شیر پیدا کیا۔ مجھے موقع ملا تو میں اس عظیم ہستی سے ملنا پسند کروں گا۔"

"سر میرا خاندان دو نسلوں سے مسلم لیگی ہے۔ میرے دادا، نواب سلیم اللہ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ ہم کیسے پاکستان کو برباد ہوتے دیکھ سکتے ہیں؟"

کرنل طارق نے اسے پر جوش انداز میں گلے سے لگاتے ہوئے بولا، "میں بہت خوش قسمت ہوں کہ ایک ہیرا میری زیر کمان ہے۔ مجھے تمھارے مشوروں کی ہر موقع پر ضرورت پڑیگی، اس لیے میں تمھیں ایڈ جوٹنٹ رکھوں گا۔"

"میں ہر طرح حاضر ہوں سر کیونکہ یہ میری ڈیوٹی ہے باقی آپ سے التجا ہے کہ مجھے پلیز کرسی میز پر باندھ کر نہ بٹھا دیجیے گا۔ جو آپریشن آپ کو دشوار لگے، مقامی ہونے کے ناطے مجھے اس کے لیے ضرور منتخب

کیجیے گا۔'' مُش نے پہلی دفعہ مسکراتے ہوئے مذاق ہی مذاق میں میں دل کی بات کرنے کی جرأت کی۔

''کیوں نہیں کیوں نہیں.... تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔ میں نے تو تمھاری شادی کے لیے بھی کمانڈ وایکشن تجویز کیا تھا وہ تو تم خود ہی پیچھے ہٹ گئے تھے۔''

''اس معاملے کو اس سے مت ملائیں سر، شادی اور آزادی میں بہت فرق ہے۔'' مُش نے جملہ کسا تو دونوں نے قہقہہ لگایا۔

تواتر سے خبریں آرہی تھیں کہ چاند پور کے علاقے میں مکتی باہنی کے دستے پاک فوج کی ایک بٹالین کو گھیرے میں لیے ہوئے تھے اور ضرورت اس امر کی تھی کہ ان کی سرکوبی کی جائے۔ چونکہ یہ خصوصی نوعیت کا آپریشن تھا لہٰذا یہ ایس ایس جی بٹالین کے حوالے کیا گیا۔ کرنل طارق نے اپنے افسران اور سیکنڈ ان کمانڈ کے ہمراہ اس آپریشن کا نہایت گہرائی سے جائزہ لیا اور بالآخر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ کم از کم ایک کمپنی کی نفری کا آپریشن ہے۔ کمانڈنگ آفیسر نے جب والنٹیئر مانگے تو ہر کمپنی کمانڈر اس آپریشن پر جانے کے لیے بیتاب نظر آیا اور سی او کے لیے مشکل ہو گیا کہ کس کو بھیجے اور کس کو نہ بھیجے۔ ایسے میں مشفق نے یہ کہہ کر سب کو لاجواب کر دیا کہ اس آپریشن کی ذمہ داری صرف اس افسر کو ہی دی جائے جو نہ صرف علاقے سے واقفیت رکھتا ہو بلکہ مقامی لوگوں کے مزاج و نفسیات سے بھی واقف ہو۔ کرنل طارق نے اسے مسکرا کر دیکھا اور بولا، ''اپنے جانے کے لیے راستہ ہموار کر رہے ہو؟''

''نہیں سر میں نے تو ایک معیار تجویز کیا ہے بس۔ یہ محض اتفاق ہے کہ میں اس پر پورا اتر رہا ہوں۔ اب اگر میرے علاوہ کوئی اور بھی اس پر پورا اتر رہا ہے تو بسم اللہ.... اسے بھیج دیں۔'' مشفق شرارتی مسکراہٹ کو لبوں میں دباتے ہوئے بولا۔

''Very smart of you (بہت چالاک ہو)۔'' سیکنڈ ان کمانڈ نے جملہ کسا۔

کرنل طارق نے کیپٹن مشفق کے اس آپریشن پر جانے کا حتمی فیصلہ سنایا اور اسے فوری تیاری کا حکم دیا۔ کانفرنس کے فوراً بعد مشفق کمپنی میں گیا اور آپریشن کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ اسے تیاری کے لیے اڑتالیس گھنٹے کا وقت دیا گیا تھا۔ علاقے کو جانے والے تمام راستے مسدود تھے سو اسے تمام ریکی نقشے پر ہی کرنی تھی۔ بریگیڈ ہیڈکوارٹرز سے ملنے والی تمام نہایت اہم معلومات کرنل طارق اس سے پہلے ہی شیئر کر چکا تھا۔ کیپٹن مشفق نے نہایت دلجمعی اور سنجیدگی سے آپریشن کی تیاریاں شروع کر

دیں۔ اسے اپنے کندھوں پر پڑنے والی اس بھاری ذمہ داری کا بخوبی احساس تھا۔ ایک تو اس مشن میں شریک ہر گوریلے کی جان نہایت قیمتی تھی اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس مشن کے لیے مشفق نے اپنی خدمات رضا کارانہ طور پر پیش کی تھیں۔ اسے آرمی ایوی ایشن کے ایم آئی ایٹ اور ایلوٹ ہیلی کاپٹر ٹارگٹ ایریا میں پہنچانے کے لیے دستیاب تھے اور اس نے ایوی ایشن اسکواڈرن کے او سی سے بھی رابطہ کر لیا تھا۔

آپریشن سے چوبیس گھنٹے قبل اس نے اپنی کمپنی کو شام کے وقت اکٹھا کیا اور ان سے ایک نہایت جذباتی خطاب کیا۔ اس خطاب کے بعد ایس ایس جی کے جوانوں کا جوش و جذبہ دیدنی تھا۔ مشفق کی اُردو اتنی اچھی نہیں تھی لیکن مائرہ کے ساتھ نے اسے اپنا مافی الضمیر پراثر انداز میں بیان کرنے کے قابل کر دیا تھا۔

''میرے جوانو اور میرے ساتھیو! السلامُ علیکم۔ ایسے وقت میں جب مشرقی پاکستان میں بنگالی جوانوں اور افسروں کی ایک بڑی تعداد، پاک فوج سے اپنے پرانے تعلق اور روایات کا لحاظ کیے بغیر، اپنی یونٹیں چھوڑ کر مکتی باہنی سے مل رہی ہے تو کیا وجہ ہے کہ میں ابھی تک یہیں کھڑا ہوں۔ میں آپ کو ایک بات کا یقین دلاتا ہوں کہ پاک فوج سے بھگوڑے ہونے والے تمام بنگالی افسر اور جوان قوم پرست یا مجیب الرحمان کے پرستار نہیں بلکہ ان میں سے اکثریت ایسوں کی ہے جو مستقبل کے نتائج کے خوف سے فوج چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ یہ وہ ہیں جو ہر قیمت پر مشرقی پاکستان میں ہی رہنا چاہتے ہیں کیوں کہ ان کا جینا مرنا، عزیز رشتہ دار سب یہیں ہیں۔ یہ بیچارے مشرقی پاکستان میں رہ کر عوامی لیگ کے عتاب کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ انھیں جو مستقبل نظر آ رہا ہے وہ اس کے حساب سے فیصلہ کر رہے ہیں مگر میری ایسی کوئی مجبوری نہیں۔ میں آج آپ جوانوں کو ایک ایسی بات بتانے جا رہا ہوں جو شاید آپ کو حیران کر دے۔ شیخ مجیب الرحمان اور میرے والد مرحوم کے بہت پرانے خاندانی تعلقات ہیں۔'' مشفق نے یہاں تک ہی بات کی تھی کہ جوانوں نے حیرت کا اظہار کیا اور ان میں کھسر پھسر شروع ہو گئی جو مشفق کے دوبارہ تقریر شروع کرنے پر ختم ہو گئی، ''لیکن ان تعلقات کے باوجود میرے والد صاحب نے اپنا تعلق مسلم لیگ سے نہیں توڑا جو میرے دادا نے قائم کیا تھا۔ میرا گھرانہ آج بھی پاکستانی ہے اور پاکستان کی بات کرتا ہے۔ میں اگر آج مجیب الرحمان کو خوش کر دوں اور

مکتی باہنی میں چلا جاؤں تو میرے لیے ترقی کے راستے کھل جائیں گے لیکن میں ایسی ترقی پر موت کو ترجیح دوں گا۔ اکثر لوگوں کو حیرانی ہوتی ہے کہ باقیوں کی طرح میں نے پاک فوج کیوں نہیں چھوڑی؟ اور میرا جواب ہوتا ہے کہ جب ساری انگلیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں تو سب بنگالی بھی ایک جیسے کیسے ہو سکتے ہیں؟ پاک فوج ایسے محب وطن بنگالی افسروں اور جوانوں سے بھری پڑی ہے جو پاکستان کو صوبائی عصبیت پر ترجیح دیتے ہیں اور اس وقت بھی پاک فوج میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ میں اکثر کہتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ پاکستان سکڑ کر ایک مربع میل بھی رہ گیا تو میرے لیے وہی پاکستان ہوگا نہ کہ وہ تین لاکھ ستانوے ہزار چار سو اٹھانوے مربع میل کا علاقہ جو پاکستان کہلانا پسند نہ کرے۔ پاکستان ہے تو ہم ہیں اور اللہ نہ کرے پاکستان نہیں تو ہمارا وجود بھی بے کار اور بے مقصد ہے۔ ہمارا مقصد پاکستان کے دشمنوں کو سبق سکھانا اور ان کا قلع قمع کرنا ہے لیکن ہمیں اس سلسلے میں بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ اس احتیاط کی وجہ سے بعض اوقات ہمارا نقصان بھی ہوسکتا ہے لیکن ہم نے اس بات کا تہیہ کرنا ہے کہ ہمارے ہاتھ کسی بے گناہ کے خون سے نہ رنگے جائیں۔ آپ کی کمپنی نے ستمبر پینسٹھ کی جنگ میں ناقابل یقین کارنامے سرانجام دیئے ہیں اور شجاعت کی ان گنت داستانیں رقم کی ہیں۔ ہم نے اب بھی ان قربانیوں کی لاج رکھنی ہے۔ آپ مجھے پاکستان کے لیے لڑتا ہوا پائیں تو مجھے فالو کریں اور اگر پیٹھ دکھاؤں یا پاکستان کے خلاف جاؤں تو بیشک مجھے گولی مار دیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہم میں سے کچھ اس آپریشن کے بعد واپس نہ آئیں اور شاید ان میں، میں بھی شامل ہوں لیکن جو واپس آئیں وہ اس بات کی گواہی ضرور دیں کہ جنھوں نے جان دی وہ بلا کی بے جگری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ہمارے بڑوں نے یہ وطن اسلام کے نام پر لیا تھا اور اگر ہم اس کی حفاظت وحرمت کے لیے جان لڑا دیں گے تو اللہ بھی ہماری مدد کریگا۔ کسی کا کوئی سوال ہو تو بلا دھڑک پوچھ سکتا ہے؟'' کچھ دیر خاموشی رہی لیکن کسی جوان نے کوئی سوال نہ پوچھا تو کیپٹن مشفق نے اختتامی کلمات کہے، ''کل چودہ اگست ہے۔ ایک چودہ اگست وہ تھی جب پاکستان آزاد ہوا تھا اور ایک چودہ اگست کل ہے جب ہم نے پاکستان کی آزادی کو لاحق خطرات سے نمٹنا ہے۔ کوئی سوال نہیں تو میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ اللہ آپ کی حفاظت کرے اور اور آپ کو فتح عطا کرے۔ آمین۔ پاکستان....زندہ باد۔'' ایس ایس جی کے دلیروں نے زندہ باد کا فلک شگاف نعرہ اپنے او سی کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر لگایا۔ دربار برخاست ہوا اور سب تیاریوں میں جت گئے۔

آج چودہ اگست تھا، پاکستان کا یوم آزادی۔ مملکت خداداد کو آزاد ہوئے چوبیس برس بیت چکے تھے اور اتنے مختصر عرصے میں بھی ازلی دشمن بھارت نے پاکستان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔ سن اڑتالیس میں ریاست جموں و کشمیر پر غاصبانہ قبضے کے لیے فوجیں اتاریں۔ سن پینسٹھ میں رات کے اندھیرے میں بزدلانہ حملہ کیا اور منہ کی کھائی اور اب اس ہزیمت کا بدلہ لینے کے لیے شیخ مجیب الرحمان کی خدمات حاصل کر کے مشرقی پاکستان کے معصوم لوگوں کو ورغلا کر اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یوم آزادی کی یہ صبح، آزادی کی گزشتہ سالوں کی صبحوں سے یکسر مختلف تھی۔ فضا پر ایک پر اسرار سکوت اور سوگواری چھائی ہوئی تھی۔ یونٹ لائنوں سے ملحقہ میدان میں پاک فوج کے ایم آئی ایٹ اور ایلوٹ ہیلی کاپٹر ایس ایس جی کی کمپنی کو ٹارگٹ ایریا میں ڈراپ کرنے کے لیے منتظر تھے۔ صبح کا ذب کا اندھیرا، موجودہ حالات میں نقل و حرکت کے لیے بہترین گردانا گیا۔ مشفق کی کمپنی کی تیاری مکمل تھی۔ تمام جوان روائتی خاموشی سے تیاری کے تمام اختتامی ضابطے پورے کر رہے تھے۔ مشفق کی زیر کمان دو جونیئر؛ کیپٹن وجاہت اور لیفٹننٹ شہریار بھی تھے۔ یہ دونوں حال ہی میں بٹالین کے ساتھ اٹک سے آئے تھے اور انھوں نے ایس ایس جی، مشفق کے مشرقی پاکستان آنے کے بعد جوائن کی تھی۔ دونوں ہی غیر شادی شدہ تھے اور دونوں کا تعلق صوبہ سرحد سے تھا۔ سینئر جے سی او نے تیاری کی او کے رپورٹ دی تو کیپٹن مشفق نے ایک حافظ قرآن جوان سے تلاوت کرنے کو کہا جس نے سورۃ بقرہ کی دو سو سولہویں، مختصر آیت کی نہایت دلسوز آواز میں تلاوت کی جس نے سب کو مسحور کر دیا،

"تم پر جہاد فرض کیا گیا گو کہ وہ تمھیں دشوار معلوم ہو،
ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور دراصل وہی
تمھارے لیے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی
چیز کو اچھی سمجھو، حالانکہ وہ تمھارے لیے بری ہو
حقیقی علم اللہ ہی کو ہے، تم محض بے خبر ہو۔"

کمپنی نے فلک شگاف آواز سے نعرہ تکبیر بلند کیا اور میدان کی طرف روانہ ہو گئی جہاں ہیلی کاپٹرز ان لوگوں کے منتظر تھے۔ وقت کس قدر اہم ہوتا ہے اور اسے کیوں اتنی اہمیت دی جاتی ہے، اس کی وجہ

صرف فوج میں ہی دیکھی جا سکتی ہے جہاں وقت، وقت سے اس طرح جڑا ہوتا ہے کہ کوئی ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا جاتا۔ کوئی جتنی وقت کو اہمیت دے گا، اس کی کامیابی کے امکانات اتنے ہی روشن ہو نگے۔ ادھر کمانڈوز لائنوں سے روانہ ہوئے ادھر ہیلی کا پٹروں کے انجن دہاڑ اٹھے۔ انھوں نے مشفق کی کمپنی کو دو پھیروں میں چاند پور کے نواحی علاقے فرید گنج پہنچانا تھا۔ طلوع آفتاب سے تھوڑا پہلے کمپنی اپنی اجتماع گاہ میں پہنچ چکی تھی۔ گزشتہ دو دنوں کی ریکی (دیکھ بھال) کی روشنی میں حملے کا منصوبہ تیار کر لیا گیا تھا۔

خبر تھی کہ چاند پور میں موجود بلوچ رجمنٹ کی ایک بٹالین کو ایسٹ پاکستان رائفلز اور ایسٹ بنگال رجمنٹ کے باغی دستوں نے گھیر رکھا تھا، جو اب مکتی باہنی آرمی کمانڈ کے احکامات مان رہے تھے۔ انھوں نے کومیلا چاند پور روڈ اور فرید گنج چاند پور روڈ پر قبضہ کیا ہوا تھا جس سے بلوچ رجمنٹ کی یہ بٹالین چاند پور میں محصور ہو گئی تھی اور انھیں کمک و رسد پہنچانا بھی ممکن نہیں تھا۔ کیپٹن مشفق کی کمپنی کا مشن، اس بٹالین کا محاصرہ ختم کروانے کے ساتھ ساتھ ان دونوں سڑکوں پر باغیوں کا کنٹرول بھی ختم کروانا تھا۔ بلوچ رجمنٹ کے کمانڈنگ آفیسر کو وائرلیس پر خفیہ پیغام کے ذریعے اس بارے آگاہ کر دیا گیا تھا اور ان کے ساتھ تمام جزئیات طے ہو چکی تھیں۔ ان کے ذمہ کیپٹن مشفق کی جانب سے گرین سگنل ملنے پر دریائے میگھنا کی جانب بھاگنے والے باغیوں کو مارنا اور گرفتار کرنا تھا۔ منصوبے کے مطابق کیپٹن وجاہت نے ایک گروپ کو لے کر کومیلا چاند پور روڈ پر قابض باغیوں کو مفلوج کرنا تھا جبکہ کیپٹن مشفق نے فرید پور روڈ پر کولن پور میں موجود باغیوں پر مغرب کی جانب سے شب خون مارنا تھا۔ ان دونوں حملوں کے لیے ایک وقت رکھا گیا تھا تا کہ دشمن منقسم رہے۔ جبکہ لیفٹننٹ شہر یار نے چاند پور فرید گنج روڈ پر بغادی کے جنوب میں ناکہ لگایا تھا تا کہ اگر باغی فرید گنج کی جانب پسپائی اختیار کریں تو ان کا قلع قمع کیا جائے۔

تمام معاملات طے کرنے کے بعد مشفق وہیں ایک درخت کے نیچے ستانے کے لیے لیٹ گیا۔ کچھ دیر کے لیے اس کا دھیان گھر کی جانب چلا گیا۔ اماں، روبی اور مائرہ کے بعد اسے جونہی ننھے بابر کا خیال آیا تو ساتھ میں یہ بھی یاد آیا کہ آج تو بابر کی سالگرہ تھی۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا، ”آج

میرا بیٹا ماشا اللہ ایک سال کا ہوگیا ہے۔ میں نے تو اسے جی بھر کر بھی نہیں دیکھا تھا کہ اس سے جدا ہونا پڑ گیا۔نجانے اب کب ملاقات ہو؟ کبھی ہوگی بھی یا نہیں؟ اگر ملا تو کیا وہ مجھے پہچان پائے گا؟ نہیں وہ ضرور پہچان لے گا۔ میری مائرہ جو ہے اس کے پاس۔ وہ یقیناً اسے نہ صرف میری تصویریں دکھائے گی بلکہ اسے بتاتی بھی رہے گی کہ اس کے بابا آرمی میں ہیں۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جب میں گھر جاؤں گا تو اس کے لیے کیا لے کر جاؤں گا؟ کھلونے تو اس کی اماں اور نانا نانی بہت لے کر دیتے ہونگے۔ کیوں نہ میں اسے پاکستان کا پرچم تحفے میں دوں؟ ہاں.... یہ ٹھیک رہے گا۔ ہمارا خاندان پاکستان سے محبت کرتا ہے۔ وہ محب وطن دادا کا پوتا ہے اور پھر اس کی پیدائش بھی تو چودہ اگست کی ہے تو اس سے بہتر تحفہ اس کے لیے اور کیا ہوسکتا ہے۔ آپریشن سے واپسی کے بعد میں ایک خوبصورت ہلالی پرچم لوں گا اور اپنی اس دھرتی کی مٹی اس میں پیک کر کے سنبھال لوں گا اور ملاقات ہونے پر اسے گفٹ کروں گا۔

مغرب کے بعد تمام دستے مقررہ وقت پر اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ چکے تھے۔ ایس ایس جی کے دلیروں کی یہی خوبی ہے کہ انھیں اپنے قدموں کی آہٹ بھی محسوس نہیں ہوتی۔ H-Hour (مقررہ وقت) پر، کیپٹن مشفق کولن پور میں موجود باغیوں کے سر پر پہنچ گیا جنھیں اپنے مقامی ہونے کی بنا پر برتری ہونے کا اتنا زعم تھا کہ وہ اس حقیقت سے لاعلم آپس میں بلا خوف وخطر بنگالی زبان میں گفتگو کر رہے تھے کہ ہر بنگالی وطن دشمن نہیں ہوتا۔ مشفق ان کے پاس پہنچ کر رک گیا اور ان کی گفتگو سننے لگا۔ ان کی گفتگو سے یہی پتہ چل رہا تھا کہ بلوچ رجمنٹ کا محاصرہ کرنے کے باوجود انھیں، ان سے خوف محسوس ہو رہا تھا اور اسی بنا پر ان باغیوں نے مزید نفری طلب کی تھی جو کل صبح کسی وقت پہنچنی تھی۔ مشفق کے لیے یہ ایک بہت بڑی خوشخبری تھی۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے آج کا دن اس مشن کے لیے چنا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے آپریشن شروع کرنے کا اشارہ دے دیا۔

ایک کمانڈو نے قصداً ایک جانب پتھر پھینکا جس کے کسی چیز پر گرنے سے واضح آواز آئی تو باغی چوکنا ہوگئے۔ جو دو باغی آواز چیک کرنے کے لیے آئے، گوریلوں نے اپنی روائت نبھاتے ہوئے انھیں آواز نکالنے کا موقع بھی نہ دیا اور ڈھیر کر دیا۔ باقی دو ان ڈھیر ہونے والوں کو آوازیں دیتے رہے لیکن وہ بھلا کیا جواب دیتے۔ چنانچہ وہ اسلحہ تانے انھیں دیکھنے کے لیے آئے۔ کسی بھی کمانڈو ایکشن

میں خاموشی ایک بنیادی اور اہم عنصر ہوتا ہے۔ضروری ہو چکا تھا کہ ان دونوں کی آواز کو بھی خاموش کر دیا جائے۔اب تک دشمنوں کے مورچوں میں کھلبلی مچ چکی تھی لیکن ان کے حواس مجتمع ہونے تک مشفق شب خون کا آغاز کر چکا تھا۔نتیجتاً دونوں طرف سے بھرپور فائرنگ کا آغاز ہوا لیکن فرق صرف یہ تھا کہ کمانڈوز کو پتہ تھا کہ ان کا دشمن کہاں کہاں ہے اور وہ اسے تاک تاک کر نشانہ بنا رہے تھے جبکہ باغیوں کی فائرنگ زیادہ تر اندازوں کی بنیاد پر تھی۔غالباً بیس پچیس منٹ کے آپریشن کے بعد باغیوں کو اپنی شکست کے آثار نظر آنے شروع ہو گئے۔اس دوران انھوں نے، چاند پور کو میلا روڈ پر چھوٹو سندر کے پاس لگائے گئے ناکے والوں کو ناکہ ختم کر کے اپنی مدد کے لیے کولن پور طلب کیا اور یہی ان کی فاش غلطی تھی۔کیپٹن وجاہت جوان پر ہلہ بولا ہی چاہتا تھا، جب اسے باغیوں کا دستہ کولن پور کی جانب جاتا نظر آیا اور کولن پور سے شدید فائرنگ کی آوازیں بھی آنا شروع ہوئیں تو اسے ساری کہانی سمجھ آ گئی۔اس نے لمحوں میں اپنی حکمت عملی تبدیل کی اور اس دستے پر عقب سے حملہ کر دیا۔باغی خواب میں بھی اس آفت کے لیے تیار نہ تھے۔آخر یہ ''ان کا شونار دیش'' تھا جہاں مغربی پاکستانیوں کو کوئی اختیار نہ تھا لیکن انھیں سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا اور کیپٹن وجاہت کے دستے نے اس قدر تباہی مچائی کہ مکتی باہنی والے تتر بتر ہونے پر مجبور ہو گئے۔جس کا جدھر منہ اٹھا وہ ادھر کو بھاگا لیکن وجاہت نے بھی قسم کھا رکھی تھی کہ بھاگنے کسی کو نہیں دینا، بھلے کچھ ہو جائے۔

ادھر مشفق کا آپریشن بھی آخری لمحات میں تھا۔کولن پور میں موجود مکتی باہنی کے دستے شاید اپنی شکست تسلیم کر چکے تھے جو انھوں نے جنوب میں فرید گنج کی جانب پسپائی اختیار کی لیکن اس جانب، بغادی کے پاس لیفٹیننٹ شہر یار ان کے استقبال کے لیے منتظر تھا۔ان سے خاطر خواہ تواضع کے بعد چاند پور میں موجود بلوچ رجمنٹ کا محاصرہ کرنے والی مکتی باہنی فورس کا شیرازہ بالکل بکھر چکا تھا۔تینوں مقامات پر SSG والوں نے درجنوں شورش پسندوں کو ہلاک کر دیا تھا اور دو باغی زندہ بھی پکڑ لیے گئے تھے۔یہ کیپٹن مشفق کی دوسری کامیابی تھی جس پر اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔اس نے چاند پور کی مٹی اٹھائی اور اسے چوم کر آنکھوں سے لگایا اور اپنے رومال میں باندھ کر نہایت عقیدت سے جیب میں رکھ لیا۔تینوں دستے اکٹھے ہوئے تو اس نے 'سب اچھا' کی رپورٹ لی۔پتہ چلا کہ نائیک اقبال اور سپاہی اشرف اس معرکہ میں شہید ہوئے ہیں جبکہ تین جوان معمولی زخمی بھی ہوئے تھے۔بلوچ رجمنٹ کے

کمانڈنگ آفیسر سے رابطہ کر کے اس نے انھیں چاند پور خالی کرنے کا سگنل دیا۔ خود وہ اپنے جوانوں کے پاس آ گیا اور صبح صادق کا انتظار کرنے لگا جب ہیلی کاپٹرز نے انھیں واپس کومیلا پہنچانا تھا۔ اسی دوران اس نے کمپنی سینئر جے سی او سے قیدیوں کے بارے پوچھا جو پکڑے گئے تھے۔

''صاحب! وہ کتنے قیدی ہیں جو آپ نے گرفتار کیے؟''

''سر دو ہیں، ایک تو EPR کا جوان ہے اور دوسرا کوئی سویلین ہے جو بنگلہ دیش بنانے کے لیے مکتی باہنی میں بھرتی ہوا ہے۔'' صوبیدار نے اپنے مزاح کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''مگر صاحب وہ ہے کون؟ کوئی حدود اربعہ، کوئی گرڈ ریفرینس؟'' مشفق نے بھی جواباً مزاح کا سہارا لیا۔

''پتہ نہیں سر کوئی منشی ٹائپ ہے۔ بہت پڑھا لکھا لگتا ہے لیکن بدتمیز بھی بہت ہے۔ بڑی بکواس شکواس کی ہے اس نے۔ تھوڑی طبیعت صاف تو کی ہے اس کی، لیکن ڈھیٹ لگتا ہے۔''

''ذرا میرے پاس تو لائیں، میں بھی دیکھوں کون ہیرو ہے۔''

''چھوڑیں دفع کریں سر، کوئی ضرورت نہیں منہ لگانے کی۔ ایسے کوئی بکواس کر دی آپ کے سامنے تو مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔''

''او ہو لائیں تو سہی۔'' مشفق نے نہایت نرمی سے صوبیدار کو کہا تو وہ اسے لینے چلا گیا۔ اسی دوران جب اس نے کمپنی حوالدار میجر سے شہدا بارے دریافت کیا کہ ان کے جسد کہاں رکھے ہیں تو اس نے بتایا کہ سر جہاں سب جوان بیٹھے ہیں وہیں انھیں نہایت احترام کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ مشفق نے انھیں کسی بھی جوابی حملے کے لیے تیار رہنے کی تاکید کی گو کہ جس قدر نقصان اس شب خون میں مکتی باہنی کو پہنچا تھا اس کے بعد ان کی کمر تقریباً ٹوٹ چکی تھی اور کوئی بھی جوابی حملہ تازہ رسد اور بھاری کمک کے بغیر ممکن نہیں تھا اور اگر باغی جلد سے جلد بھی یہ کارروائیاں کرتے تو کم از کم چھتیس گھنٹے درکار تھے جبکہ کامیاب جوابی حملہ وہی ہوتا ہے جو محض چند گھنٹوں کے اندر اندر تازہ دم دستوں کے ساتھ، کامیاب دشمن کے پاؤں جمانے سے پہلے کیا جائے۔ مشفق ان دونوں شہدا کے پاس گیا اور انھیں نہایت جذباتی انداز میں سیلوٹ کیا۔ تھوڑی دیر میں صوبیدار ان دونوں قیدیوں کو لے کر آ گیا۔ مشفق کی زیادہ توجہ اس کی جانب تھی جس کے بارے بتایا گیا تھا کہ وہ بدتمیز اور اکھڑ ہے۔

''کون ہو تم اور کیا نام ہے تمھارا؟'' مشفق نے بنگلہ بھاشا میں پوچھا۔

''میرے نام کو تم نے کیا کرنا ہے؟ یہ کافی نہیں کہ میں آزادی پسند تمھارے سامنے کھڑا ہوں؟''
اس نے حسب توقع بدتمیزی سے جواب دیا۔ مشفق کو آواز کچھ سنی سنی سی لگی۔

''بہتر ہوگا اگر خود ہی بتا دو ورنہ پتہ تو میں چلا ہی لوں گا۔''

''تو پھر شوق سے چلا لو پتہ۔ تم نہیں جانتے لیکن میں جانتا ہوں کہ تم مشفق الاسلام ہو، بنگالی قوم کے غدار۔'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا صوبیدار نے جو پاس ہی چوکس کھڑا تھا اسے زناٹے کا تھپڑ رسید کیا جس کے لیے وہ قیدی تیار نہ تھا اور زمین پر گر گیا۔ مشفق نے صوبیدار کو روکا۔

''ہاں پہلے میں تمھیں نہیں پہچانا تھا لیکن اب تمھاری آواز سے تمھیں خوب پہچان گیا ہوں۔ تم حسنات چوہدری ہی ہو ناں، میرے کالج کے کلاس فیلو؟''

''ہاں تمھارا کلاس فیلو ہی ہوں اسی لیے مجھے باندھ کر مار رہے ہو ناں؟'' حسنات کے جواب سے مشفق کو کالج کا زمانہ یاد آ گیا جب وہ شوق سے دوستوں کو بتایا کرتا تھا کہ وہ آرمی میں جائے گا کچھ تعریف کرتے تھے اور باقی اس کے فیصلے پر تنقید، لیکن حسنات کچھ زیادہ ہی بڑھ کر تنقید کیا کرتا تھا بلکہ بعض اوقات اوچھا وار بھی کر دیا کرتا تھا۔ مشفق قدرت کے فیصلوں پر حیران ہو رہا تھا جس نے آج اسی حسنات کو مشفق کے سامنے ایک اسیر کے طور پر لا کھڑا کیا تھا۔ مشفق بولا، ''نہیں میں نے کلاس فیلو کو نہیں باندھا بلکہ ایک دشمن کو قید کیا ہے۔ تم بھلے عوامی لیگ کے ہیرو ہو گے لیکن میرے وطن کے تم دشمن ہو اور اسی سلوک کے مستحق ہو۔ صوبیدار صاحب! یہ شخص کالج میں میرا کلاس فیلو تھا اور آج اسی لیے اتنا بڑھ چڑھ کر بول رہا ہے۔'' مشفق نے حسنات کا صوبیدار سے مختصر تعارف کرایا۔

''سر اجازت دیں تو اس کی طبیعت ابھی صاف کر دیتے ہیں؟''

''نہیں میں اس کا انجام قدرت پر چھوڑتا ہوں، وہ اس کے لیے بہتر فیصلہ کرے گی۔ ان دونوں کی سیکورٹی کا خاص خیال رکھیں اور کوئی انھیں انگلی تک نہیں لگائے گا۔ کومیلا پہنچ کر انھیں انٹیلی جنس والوں کے حوالے کر دیں۔''

بلوچ رجمنٹ نے بھی راتوں رات کومیلا روانگی کی تیاری کر لی تھی اور علی الصبح پوری حفاظتی تیاریوں کے ساتھ عین اس وقت جب SSG کمپنی بذریعہ ہیلی کاپٹرز، کومیلا واپس جا رہی تھی، بلوچ رجمنٹ کا کانوائے بھی پوری حفاظتی تیاریوں کے ساتھ کومیلا کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ مشفق بار بار جیب میں پڑی مٹی کو ہاتھ لگا کر چیک کر رہا تھا اور دل ہی دل میں بچوں کی طرح خوش ہو رہا تھا کہ اس نے

اپنے بیٹے کی سالگرہ کے لیے ایک انمول اور بیش قیمت تحفہ حاصل کر لیا تھا۔

O

مائرہ جب سے واپس آئی تھی اس کا دھیان ہر وقت مشفق کی طرف ہی لگا رہتا تھا۔ اسے مشفق سے جدا ہونے کے بعد یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ نامکمل ہو۔ اسے یہ تو علم تھا کہ وہ مُش کو بہت پیار کرتی ہے لیکن اتنا شدید کرتی ہے، یہ اسے اب پتہ چلا تھا۔ جب بھی اسے اپنے مُشی کی یاد ستاتی تو وہ فوراً تصویروں والے البم اور ننھے بابر کو جو سال بھر کا ہو گیا تھا لے کر بیٹھ جاتی اور اس کا مشفق سے تعارف یوں کراتی جیسے وہ سب کچھ سمجھتا ہو مثلاً وہ اسے پلنگ پر لے کر بیٹھ جاتی اور تصویریں سامنے پھیلا کر اسے کہتی، ''یہ دیکھو یہ میرے بابر کے بابا ہیں۔ کتنے سمارٹ لگ رہی ہیں یونیفارم میں۔ ہیں ناں؟ تمھیں پتہ ہے ایک دفعہ میں نے ان کی شرٹ پہنی تو نانو بہت ناراض ہوئی تھیں۔ میرے چھوٹے بوبی کے بابا ان شاء اللہ جلد واپس آئیں گے پھر ہم خوب گھومیں گے، سیر کریں گے۔ آپ نے بابا سے خوب لڑائی کرنی ہے اور انھیں پوچھنا کہ انھوں نے ماما کو خط کیوں نہیں لکھا اور یہ تم نے ہی پوچھنا ہے کیونکہ میں تو ان سے بالکل بھی بات نہیں کروں گی۔'' ننھا بابر نہایت معصومیت سے منہ اٹھائے اس کو یوں تکتا رہتا جیسے اسے ماں کی سب باتیں سمجھ آ رہی ہوں۔

ایک روز اسے جب مشفق کی یاد بہت ستانے لگی تو وہ نہ رہ سکی اور ڈھاکہ کے لیے ٹرنک کال بک کروالی حالانکہ وہ اس سے قبل دو دفعہ کوشش کر چکی تھی لیکن کال نہیں ملتی تھی۔ اس بار کال ملی تو سہی مگر دو دن کے طویل انتظار کے بعد اس وقت جب وہ کال کینسل کرایا ہی چاہتی تھی۔ دوسری جانب سے روبی نے فون اٹھایا۔ مائرہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ چھوٹتے ساتھ ہی مُشی کا پوچھے لیکن رسماً فرداً فرداً سب کی خیریت پوچھی اور پھر مشفق کا پوچھا تو روبی رونے لگی۔ مائرہ کو تو جیسے جھٹکا سا لگا۔

''روبی! میری جان کیا ہوا؟ سب خیریت تو ہے ناں؟''

''جی موموآپی سب ٹھیک ہے۔''

''تو پھر رو کیوں رہی ہو؟ میری تو جان نکال لی تم نے۔''

''آپی! دراصل آپ کی آواز بہت دیر بعد سنی تو وہ سب باتیں یاد آ گئیں اور آپ یاد آئیں تو شفو بھیا بھی شدت سے یاد آئے۔''

''کیوں؟ پچھلے تین ماہ میں مُشی سے بات نہیں ہوئی تم لوگوں کی؟''

''نہیں آپی بالکل بھی نہیں۔ بس وہ جولائی میں آپ کو چھوڑنے آئے تھے وہی آخری ملاقات تھی اوراب آدھا اکتوبر گزر گیا ہے لیکن کوئی اتہ پتہ نہیں۔اماں بھی یاد کر کے بہت روتی ہیں۔اللہ کرے شفو بھیا خیریت سے ہوں۔''

''روبی! میں نے تو اس امید پر تمھیں فون کیا تھا کہ تم سے کچھ خیر خیریت پتہ چل جائے گی تو دل کو تسلی ہوجائے گی لیکن تم نے تو اور پریشان کردیا۔''

''مومو آپی یہاں تو ویسے بھی حالات بہت خراب ہوگئے ہیں۔ بھارت کا اثر رسوخ بڑھتا جارہا ہے اوراب تو جنگ کے آثار بھی نظر آرہے ہیں کیونکہ بھارتی پرائم منسٹر اندرا گاندھی نے مجیب الرحمان کا کھلم کھلا ساتھ دینے کی دھمکی دے دی ہے۔''

''تم لوگوں کو تو کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے بنگالی ہونے کی وجہ سے؟''

''جی بنگالی ضرور ہیں لیکن پاکستان کے حمایتی ہونے کی وجہ سے پلڑا ہمارے خلاف جھک گیا ہے۔ایک روز تو کچھ لفنگے نوجوانوں نے گھر پر ہلہ بولنے کی بھی کوشش کی لیکن اتفاق سے بازار کے دو چار بڑے ہیں، جو تعلق تو عوامی لیگ سے رکھتے ہیں لیکن بابا کی بہت عزت کرتے ہیں انھوں نے شاید ان غنڈوں کو ہمارے گھرانے کا مجیب کے گھر سے تعلق بتایا تو پھر ٹل گئے لیکن کب تک۔اس وقت بھی مکتی باہنی کے اندر کچھ گروہ ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ مجیب پاکستان سے مصالحت کرلے گا اور یہ وہ گروہ ہیں جنھیں بھارتی انٹیلی جنس کی آشیر باد حاصل ہے۔ یہ لوگ تو بعض اوقات مجیب اور دوسرے بڑوں کی بھی نہیں سنتے۔اگر ایسا کوئی وقت آیا تو پھر شاید ہم بھی نہ بچ پائیں۔''

''ایسا نہ کہو۔اللہ کرم کرے گا۔انیس بھائی کیسے ہیں؟''

''آپی وہ بھی پریشان ہیں۔ پرنٹنگ پریس پچھلے ایک ماہ سے تو بالکل بند ہے۔عوامی لیگ کے غنڈے کاروبار کھولنے ہی نہیں دیتے۔ مالی مسائل بڑھتے جارہے ہیں۔سچ پوچھیں مائرہ آپی تو ملک کے حالات سے دل بہت ڈرسا گیا ہے۔دعا کریں سب خیریت رہے۔''

''آمین۔روبی کچھ دنوں سے تمھارے بھیا مجھے بہت یاد آرہے تھے۔کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ان کے بغیر ایک لمحہ بھی گزاروں گی۔ کئی دفعہ تو دل کرتا ہے کسی کونے کھدرے میں منہ چھپا کر خوب روؤں۔''

''حوصلہ کریں آپی، آپ ایک بہادر سپاہی کی بہادر بیوی ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس وقت تو یہ دعا ہے کہ اللہ ہمارے پیارے وطن کو سلامت رکھے۔''

''حوصلہ ہی تو کر رہی ہوں۔ آج تم سے ایک بات شیئر کر رہی ہوں ابھی تک ماما کو بھی نہیں بتایا کہ میں دوبارہ ماں بننے والی ہوں۔''

''سچ میں بھابھی؟ بہت مبارک ہو۔ اور یہ آنٹی کو نہ بتانے والی بے وقوفی مت کریں۔ میرے خیال میں تیسرا مہینہ تو ہو گا؟''

''جی روبی تیسرا ہی ہے۔ انھوں نے ایک دفعہ کہا کہ نجانے مجھے کیوں محسوس ہو رہا ہے کہ تم امید سے ہو، تو میں نے ہنس کر ٹال دیا کہ نہیں ماما یہ آپ کا وہم ہے۔''

''آپ کو اب ڈاکٹر کے پاس بھی جانا ہو گا تو پھر کیسے چھپائیں گی؟ آپ سے اس بے وقوفی کی امید نہیں تھی۔ فوراً آنٹی کو بتائیں۔''

''اچھا بابا ناراض مت ہو، میں آج ہی بتا دیتی ہوں، وعدہ رہا۔ ویسے میں نے واقعی بہت بڑی بے وقوفی کی ہے۔ شاید کال کا وقت بھی ختم ہو رہا ہے۔ اماں کو میرا اسلام کہنا۔ پھر بات کروں گی۔ ابھی میری آواز سن کر وہ اور پریشان ہو جائیں گی۔''

''موموآپی! میں کہہ دوں گی، انکل آنٹی کو میرا اسلام اور چھوٹے بوبی کو بہت بہت پیار۔ اللہ حافظ۔''

کال ختم کر کے مائرہ نے سنجیدگی سے سوچنا شروع کیا تو اسے احساس ہوا کہ اس نے واقعی بہت بڑی غلطی کی تھی۔ بھلا ایسی باتیں کبھی کسی سے چھپتی ہیں؟ وہ یہ سوچتی ہوئی کہ ماما کو کس طرح بتائے، منزہ کے کمرے کی جانب چل دی۔ سہ پہر کا وقت تھا اور حمید ابھی تک سٹور پر ہی تھے۔ مائرہ نے ہلکا سا دروازہ کھٹکھٹایا اور کواڑ کھول کر اندر جھانکا۔ اکتوبر کی شامیں لاہور میں بہت حد تک بہتر ہو چکی ہوتی ہیں۔ منزہ پلنگ سے ٹیک لگائے کسی رسالے کے مطالعہ میں مصروف تھی۔ مائرہ کو دیکھا تو رسالہ ایک طرف رکھ دیا اور موموسے مخاطب ہوئی، ''آؤ بیٹا آجاؤ اندر۔ خیریت ہے؟''

''جی ماما بالکل خیریت ہے۔ بابر سویا ہوا تھا اور میں بور ہو رہی تھی، سوچا آپ کے پاس جا کر بیٹھوں۔ آپ ڈسٹرب تو نہیں ہوں گی؟''

''ارے نہیں، میں بھلا کیوں ڈسٹرب ہونے لگی؟ آؤ، آجاؤ میرے پاس۔'' منزہ نے اس کے لیے پلنگ پر جگہ بناتے ہوئے کہا۔ مائرہ نے پلنگ پر دراز ہوتے ہوئے منزہ کی گود میں سر رکھ دیا۔ شاید وہ اعتراف کرتے ہوئے ماں سے نظریں ملانے کی جرأت نہیں کر پا رہی تھی۔

''ماما میں نے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔''

''جی میری جان بولو۔'' منزہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔

''وعدہ کریں آپ ناراض نہیں ہوں گی۔''

''ارے میں کیوں ناراض ہونے لگی؟ تم کھل کر بات کرو شاباش۔''

''وہ دراصل میں نے آپ سے چھپایا تھا لیکن پھر احساس ہوا کہ جب بات چھپ نہیں سکتی تو میں پھر کیوں یہ غلطی کر رہی ہوں۔''

''ارے میری مومو بولو گی بھی یا یونہی پہیلیاں بجھواتی رہو گی؟''

''ماما! میں دوبارہ ماں بننے والی ہوں۔''

''مجھے علم ہے مائرہ.... میں نے کہا پتہ نہیں کیا کہنے جا رہی ہو۔'' منزہ نے معمول کے لہجے میں چونکے بغیر جواب دیا جس سے مائرہ کو البتہ ضرور جھٹکا لگا اور وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی، ''آپ کو پتہ تھا؟''

''جی جناب مجھے دوسرے ماہ سے ہی پتہ تھا۔'' منزہ نے شرارتی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

''تو آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟''

''بے وقوف لڑکی! ماں تم بننے والی ہو، میں نہیں۔ یہ بات تم نے مجھ سے شیئر کرنی تھی یا میں نے تم سے؟ تمھیں یاد ہے ایک دفعہ تمھیں پوچھا بھی تھا مگر تم سرے سے ہی مکر گئیں تو میں نے سوچا کوئی بات نہیں جب ڈاکٹر کے پاس جانے کا وقت آئے گا تو خود ہی بتا دے گی، سو خاموش رہی۔''

''ماما آپ بہت گریٹ ہیں۔'' اس نے ماں کو گلے لگاتے ہوئے کہا، ''کل روبی سے فون پر بات ہوئی تو اس نے بھی ڈانٹا کہ کیوں یہ بے وقوفی کر رہی ہوں۔''

''تم سے تو وہ سمجھدار ثابت ہوئی پھر؟''

''سوری ماما.... مجھے معاف کر دیں۔ میں نے کبھی آپ سے کوئی بات نہیں چھپائی، پتہ نہیں یہ کیسے ہو گیا۔''

''کوئی نہیں غلطی ہو جاتی ہے اور پھر یہ کوئی اتنی بڑی غلطی بھی نہیں بلکہ اسے بے وقوفی کہا جائے تو

زیادہ بہتر ہے۔'' منزہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا، ''اب یہ بتاؤ کہ ڈاکٹر کے پاس کب جانا ہے؟''

''آپ جب بھی لے جائیں لیکن ہمیں CMH جانا ہوگا جہاں بہت سہولتیں حاصل ہیں۔''

''چلو تمھارے بابا سے کہوں گی کہ وہ ہمیں کسی روز ڈرائیور کا بندوبست کر دیں۔ ہاں یاد آیا تمھاری روبی سے بات ہوئی تھی تو مشفق کی کوئی خبر پتہ چلی؟''

''نہیں ماما وہ لوگ بھی پریشان ہیں۔ کئی ماہ سے ان کی کوئی خبر نہیں۔'' بات کرتے کرتے مائرہ آبدیدہ ہوگئی تو منزہ نے اسے سینے سے لگالیا اور تسلی دینے لگی۔

''ماما! مُشی مجھے بہت یاد آرہے ہیں۔ ان کے بغیر کسی شے میں دل نہیں لگ رہا میرا۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں میرے بچے لیکن یہ اللہ کی مرضی ہے۔ نماز پڑھا کرو اور اللہ سے بہتری کی دعا مانگا کرو۔ ان شاء اللہ سب اچھا ہوگا۔''

''میں سوچتی ہوں کہ ابھی تو بابر نے اپنے بابا کو ہوش میں نہیں دیکھا۔ ملنے پر پتہ نہیں اس کا کیا ردِعمل ہوگا اور وہ جو آنے والا یا والی ہے، اسے تو مُشی نے چھوا تک نہیں ہوگا اس کے کیا احساسات ہونگے؟''

''موموذہن پر زیادہ زور مت دیا کرو۔ اس حالت میں تمھارے لیے زیادہ حساس ہونا بھی مناسب نہیں۔ چلو تم لاؤنج میں چلو، میں چائے بناتی ہوں۔ دونوں ماں بیٹی اکٹھے چائے پیتے ہیں۔''

O

ماہ اکتوبر شروع ہو چکا تھا اور اب پاک فوج اور مکتی باہنی کے درمیان تقریباً کھلی جنگ جاری تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ مون سون شروع ہونے سے پہلے شرپسند باقاعدہ جنگ لڑ رہے تھے اور اب مکتی باہنی نے موسم کے تناظر میں اپنی حکمت عملی تبدیل کر لی تھی اور گوریلا جنگ شروع کر دی تھی۔ ایسے میں ایس ایس جی بٹالین کے آپریشنز میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا تھا اور ظاہر ہے کہ کیپٹن مشفق کو بھلا کیسے آرام مل سکتا تھا؟ ان حالات میں وہ بھی اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ کبھی دشمنوں میں گھری کسی بٹالین کے لیے راستہ کھولنے پہنچتا تو کبھی کسی اہم پل پر باغیوں کا قبضہ ختم کرانے۔ بارہا ایسا ہوا کہ موت اسے قریب سے چھو کر گزر گئی۔ یقیناً یہ اس کے ان بزرگوں کی دعاؤں کا اثر تھا جو ہمہ وقت اس کے لیے دست دعا بلند کیے ہوئے تھے۔ اسی دوران حالات کو یکسر پلٹا کھاتے دیکھ کر مشرقی کمانڈ نے محسوس کیا کہ جنگ ایک بار پھر روائتی انداز میں تبدیل ہو رہی ہے اور ایسے میں گوریلا بٹالین کے استعمال کے لیے

بہت کم چوائس رہ گئی تھی۔ وجہ ظاہر تھی کہ ایک تو بھارت کے اس میں کودنے کے بعد یہ جنگ ایک بار پھر روائتی جنگ بن گئی تھی اور دوسرا اس میں پاک فوج اور مکتی باہنی آپس میں کچھ اس طرح گڈ مڈ ہو چکے تھے کہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ کون کس کے عقب میں ہے اور کون کس کا سامنا کر رہا ہے۔ ایسے میں ایک فوری فیصلہ کے مطابق SSG کی ایک کمپنی کو چھوڑ کر باقی بٹالین کو فوراً نکال کر واپس مغربی پاکستان بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ کیپٹن مشفق نے کمانڈنگ آفیسر سے درخواست کی کہ اسے پیچھے رہ جانے والی کمپنی کے ساتھ رہنے دیا جائے جسے سی او نے منظور کر لیا۔ یہ کمپنی میجر اقبال کی تھی جبکہ میجر شوکت اب بٹالین کے ساتھ واپس جا رہا تھا۔ جس روز بٹالین کو میلا سے روانہ ہو رہی تھی، اس سے ایک شام پہلے کیپٹن مشفق میجر شوکت کو ملا۔

''سر آپ کو مبارک ہو آپ واپس جا رہے ہیں۔''

''تھینکس پارٹنر، اصولاً تو تمھیں بھی واپس جانا چاہیے تھا کیونکہ تم اسی کمپنی کا حصہ ہو۔''

''جی سر لیکن میں اپنی مرضی سے یہاں رہ رہا ہوں کیونکہ اس دھرتی کا مجھ پر ایک بہت بڑا قرض ہے اور مجھے وہ چکانا ہے۔''

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہ کیا ہے؟''

''جی سر، میں بتاتا ہوں۔ دراصل میں نہیں چاہتا کہ تاریخ بنگالیوں کو بحیثیت قوم غداری کا مرتکب ٹھہرائے۔ میں اور مجھ جیسے لاکھوں فوجی اور سویلین بنگالی جو پاکستان کے لیے مر مٹنے کو تیار ہیں اور وہ جو بھارتی ایجنٹوں کے ہاتھوں شہید ہو چکے ہیں، ان کا نام اس امر کی گواہی دے گا کہ اگر پاکستان بنانے والوں میں بنگالی قوم پیش پیش تھی تو اس کو بچانے کی کوشش کرنے کے لیے بھی اس قوم نے بیش قیمت قربانیاں دیں۔''

''مُش یار تم ایک حقیقی ہیرو ہو۔'' میجر شوکت بولا۔

''سر مجھے گنہگار نہ کریں.... میں جو کر رہا ہوں یہ نہ صرف میری حب الوطنی کا تقاضا ہے بلکہ بحیثیت ایک سپاہی میرا فرض بھی ہے۔''

''مُش میں تمھیں بہت مس کروں گا۔ اپنا خیال رکھنا تم بہت قیمتی ہو۔''

''اس وطن سے زیادہ نہیں سر.... ہاں یاد آیا آپ سے ایک کام ہے اگر آپ محسوس نہ کریں تو۔''

''ہاں ہاں بولو، تم دس کام کہو۔''

''سر! آپ وقت نکال کر لاہور ضرور جایئے گا۔ مائرہ کو میرا سلام کہیے گا اور یہ پوٹلی اسے دے دیجیے گا۔ کہیے گا کہ زندہ رہا تو خود وضاحت کر دوں گا لیکن اگر قسمت میں دوبارہ ملنا نہ لکھا ہوا تو یہ میرے بیٹے کو دے دے۔''

''کیا ہے اس پوٹلی میں؟'' میجر شوکت نے تجسس سے پوچھا۔

''سر اس میں چاندپور کی مقدس مٹی ہے جسے آپریشن کے بعد میں نے پاکستانی پرچم میں باندھ لیا تھا۔ اس روز میرے بیٹے کی سالگرہ تھی اور مجھے اس کے لیے اس سے قیمتی تحفہ کچھ نہیں ملا۔ اسے کہیے گا کہ وہ بابر کو بڑا ہونے پر یہ گفٹ دے اور اسے فوج کے لیے تیار کرے۔''

''تم نے تو مجھے بھی جذباتی کر دیا۔ دل چاہ رہا ہے کہ میں بھی واپس جانے سے انکار کر دوں، میں اول فرصت میں بھابھی کو ملنے جاؤں گا۔'' میجر شوکت نے چاندپور کی مٹی کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

''اور ہاں سر یہ انگوٹھی اور یہ خط بھی اس کے حوالے کر دیجیے گا۔'' اس نے اپنی انگلی سے انگشتری اتار کر ایک بند لفافے کے ہمراہ میجر شوکت کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ شوکت نے مشفق سے تینوں چیزیں لیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا تو اسے وہاں واضح طور پر نمی تیرتی نظر آئی۔

بھارت کی کھلم کھلا مدد کے باعث پاکستانی افواج پر دباؤ بڑھتا جا رہا تھا اور اسی کے باعث اکتوبر میں جنرل یحییٰ نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو بھارت اور پاکستان کے دورہ کی دعوت بھی دی تھی تاکہ دوطرفہ فوجی انخلاء پر بات کی جا سکے۔ لیکن بھارت نے حیران کن طور پر اسے مسترد کر دیا تھا کیونکہ لوہا گرم تھا اور وہ کوئی ایسا معاہدہ نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے ان کی عیارانہ کامیابی میں رخنہ پڑے۔ ادھر یحییٰ خان کی پالیسیوں اور فیصلوں پر ذوالفقار علی بھٹو غیر ضروری طور پر اثر انداز ہو رہا تھا جو کہ متنازعہ ثابت ہو رہے تھے۔ ایسے میں مشرقی کمانڈ کو اندرون مشرقی پاکستان سے پوزیشنیں خالی کر کے بڑے بڑے شہروں میں اکٹھا ہونے کا حکم دے دیا گیا جس سے بے جگری سے لڑنے والے جوانوں کے مورال پر بہت اثر پڑا۔ حالات کی سنگینی کے باعث ڈھاکہ میں رات کا کرفیو بھی نافذ کر دیا گیا کیونکہ شہر میں مکتی باہنی کا اثر و رسوخ بڑھتا جا رہا تھا اور اب تو وہ دیدہ دلیری سے مغربی پاکستانیوں اور محب وطن بنگالیوں کو قتل کر رہے تھے۔ مشرقی پاکستان میں بھارتی عمل دخل بہت پہلے سے شروع ہو چکا تھا اور کئی حملوں میں تو انھیں ٹینک استعمال کرتے بھی دیکھا گیا۔ لیکن خود بھارتیوں نے اس حقیقت کا اعتراف کہیں وسط

نومبر کے بعد جا کر کیا اور اس کا جواز یہ پیش کیا گیا کہ چونکہ پاکستان کی جانب سے ٹینکوں کے استعمال کا خدشہ بڑھ گیا تھا چنانچہ ان کی ممکنہ پیش قدمی کو روکنے کے لیے یہ پہل کی گئی۔ تیئس نومبر کو بھارت کے جیسور، سہلٹ، چٹاگانگ اور رنگپور پر چار طرفی حملے کے بعد یحیٰی خان کی حکومت نے ملک بھر میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا اور پھر تین دسمبر سن اکہتر کو مغربی پاکستان کے محاذ پر جنگ شروع کر کے یحیٰی حکومت نے بھارت کو وہ جواز مہیا کر دیا جو وہ مشرقی پاکستان میں مشتعل کر کے حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔ چنانچہ حسب توقع بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے پاکستان کے خلاف مشرقی اور مغربی محاذ پر عام جنگ کا اعلان کر دیا۔ مکتی باہنی کو تو جیسے قتل و غارت کے لیے کھلی چھوٹ مل گئی تھی۔ محب وطن قوتیں دو دو دشمنوں سے نبرد آزما تھیں؛ اندرونی طور پر مکتی باہنی کے قاتلوں اور قانون شکنوں سے جو ان کے خون کے پیاسے تھے اور بیرونی طور پر بھارتی فوج سے۔

اسی قیامت کے دوران بھارت نے چھ دسمبر سن اکہتر کو مملکت پاکستان کے وفاق کو مسترد کرتے ہوئے بنگلہ دیش کو ایک آزاد مملکت کے طور پر تسلیم کر لیا۔ دوسری جانب یحیٰی خان نے سات دسمبر کو نور الامین کی قیادت میں ایک سول کابینہ کی تعیناتی کا حکم جاری کیا جس کا نائب بھٹو کو بنایا گیا لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ یہاں بھی بھٹو اپنی سیاست کھیلنے سے باز نہ آیا اور بیان دیا کہ وہ نمبر دو پوزیشن محض وقتی طور پر قبول کر رہا ہے کیونکہ نور الامین اس عہدے پر صرف ذاتی حیثیت میں ہے جبکہ میں مغربی پاکستان کے عوام کی نمائندگی کر رہا ہوں۔ حالات بہت سرعت سے تبدیل ہو رہے تھے۔ ہر چند گھنٹوں بعد ایک نئی صورتحال پیش آ رہی تھی۔ ایسے میں بھارت نے جب حالات مکمل طور پر اپنے حق میں دیکھے تو بارہ دسمبر کو ڈھاکہ کے نواح میں اپنے چھاتہ بردار اتار کر بساط لپیٹنے کا آغاز کر دیا۔ اب یحیٰی خان کی آنکھیں بھی کھلنا شروع ہوئیں اور اس نے بھٹو سے الگ سوچنے کی کوشش کی لیکن نوشتہ دیوار نظر آ رہا تھا۔ چنانچہ کھیل ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر یحیٰی نے پندرہ دسمبر کو تمام ملبہ کمانڈر مشرقی کمانڈ جنرل امیر عبداللہ خان نیازی کے سر پر لاد کر اسے مناسب فیصلے کرنے اور جنگ ختم کرنے کا اختیار دے دیا۔ بھٹو اور یحیٰی کی پاکستان کو اپاہج کرنے کے بعد آخری رسومات ادا کرنے کی ذمہ داری جنرل نیازی کے کاندھوں پر ڈالنے کی چال وہ آخری کوشش تھی جسے جنرل نیازی نے بھانپ لیا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ ہاتھ سے نکلتی ہوئی جنگ میں بے گناہوں کا خون بہائے۔ چنانچہ اس ہزیمت کی ذمہ داری اپنے سر لیتے

ہوئے اس نے سولہ دسمبر سن اکہتر کو مشرقی کمانڈ کے زیر کمان افواج کو شکست تسلیم کرنے کا حکم دے دیا اور یوں سقوط بغداد کے سات سو تیرہ سال اور دس ماہ بعد تاریخ نے خود کو ڈھاکہ میں دہرایا۔ ستم ظریفی یہ کہ عین اس وقت بھٹو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے پولینڈ کی قراداد پھاڑ کر واک آؤٹ کر رہا تھا۔ ڈھاکہ میں لوگ سڑکوں پر نکل آئے۔ بھارتی فوجی سرعام جیپوں میں اور پیدل گشت کر رہے تھے اور عوامی لیگ کے حامی کہیں ان کی آؤ بھگت کر رہے تھے تو کہیں انھیں پھولوں کی مالائیں پیش کر رہے تھے۔ ادھر بالکونی سے لگی سہمی ہوئی ناہیدہ بیگم اور روبی نیچے بازار میں ہونے والا تماشا دیکھ رہی تھیں۔ انھیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ مشرقی پاکستان کے عوام اس قدر معصوم اور سادہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اتنے آرام سے شیشے میں اتر جائیں گے اور پاکستان کا شیرازہ اتنی آسانی سے بکھر جائے گا۔ انیس نے، جو ذراہٹ کر سر پکڑے سوگوار بیٹھا تھا، انھیں بالکونی سے ہٹ جانے کو کہا کہ مبادا کسی دشمن کی نظر پڑ گئی تو جنھیں ہم نہیں بھی یاد انھیں بھی یاد آ جائیں گے۔ جنگ ختم ہونے کے فوراً بعد بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی نے پہلا بیان دیا کہ ''آج ہم نے دوقومی نظریہ کو بحر ہند میں غرق کر دیا۔''

میجر اقبال اپنی کمپنی کے دیگر افسروں بشمول کیپٹن مشفق الاسلام اپنی کمانڈ پوسٹ میں بیٹھے تھے جب ریڈیو پر اعلان ہوا کہ مشرقی کمانڈ حالات کی سنگینی اور نوعیت دیکھتے ہوئے مشرقی پاکستان میں موجود تمام پاکستانی افواج کو ہتھیار پھینکنے اور قریبی ہیڈکوارٹرز میں پہنچنے کا حکم دیتی ہے۔ حالانکہ سب اس خبر کی کسی بھی وقت ملنے کی توقع کر رہے تھے تاہم پھر بھی دل کے کسی گوشے میں یہ امید قائم تھی کہ ایسا نہیں ہوگا۔ لیکن ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ خبر سن کر جیسے سب پر سکتہ سا طاری ہو گیا ہو۔ سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کو اس امید سے تک رہے تھے کہ شاید دوسرا کہہ دے کہ نہیں یہ خبر بالکل جھوٹ ہے لیکن وہاں تو ہر کوئی ایک دوسرے سے نظریں چرا رہا تھا اور پھر مشفق اچانک پھوٹ پھوٹ کر رو دیا اور اتنا رویا کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔ مشفق اپنی زندگی میں بہت کم مقامات پر کھل کر رویا ہوگا۔ حتیٰ کہ بدر میاں کی وفات پر بھی اس نے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا لیکن شاید بدر صاحب اس کے والد تھے مگر یہاں تو معاملہ 'ماں' کا تھا۔ میجر اقبال نے اسے بہت تسلی دینے کی کوشش کی۔

''سر! میں ہتھیار نہیں پھینکوں گا اور نہ ہی قید ہونا پسند کروں گا۔'' مشفق نے فیصلہ کن انداز میں میجر اقبال کو آگاہ کیا۔

''پارٹنر We don't have any other option (ہمارے پاس کوئی اور چارہ بھی تو نہیں)۔''

''آپشن ہے سر، بالکل ہے۔''

''وہ کونسا؟'' میجر اقبال نے حیران ہو کر پوچھا۔

''فرار کی راہ.... سر میں فرار ہونے کو ترجیح دوں گا۔''

''لیکن یہ تو بہت خطرناک ہے اور پھر فرار ہو کر جاؤ گے کہاں؟ مغربی پاکستان تو یہاں سے ہزار میل دور ہے۔''

''سر میں مغربی پاکستان ہی جاؤں گا کیونکہ وہی پاکستان ہے اور میرا وطن ہے۔''

''لیکن تمھاری تو فیملی ڈھاکہ میں ہے؟ تم قید بھی ہوئے تو جلد چھوٹ جاؤ گے؟''

''سر فیملی کا اللہ مالک ہے۔ بس میرا یہ فیصلہ ہے کہ ہتھیار نہیں پھینکوں گا چاہے جو مرضی ہو جائے۔ یہ وہ واحد کمانڈ ہے جس کی حکم عدولی کی مجھے اجازت ہے۔''

''تم بہت بڑے خطرے سے کھیلنے جا رہے ہو۔ سو دو سو میل کے سفر کی بات ہوتی تو شاید میں بھی تمھارا ساتھ دیتا مگر یہ تو پورے ہزار میل کا معاملہ ہے اور پھر بیچ میں یا تو وسیع بحر ہند اور یا پھر ازلی دشمن بھارت کی دھرتی جہاں قدم قدم پر خون کے پیاسے ملیں گے۔''

''سر کیا اس سے پہلے خطرے موجود نہیں تھے؟ زندگی کی شام تو کسی بھی موڑ پر ہو سکتی تھی۔ اگر نہیں ہوئی تو اس کا مطلب ہے وہ کہیں کسی اور مقام پر لکھی ہے جہاں میرا فیصلہ مجھے لیجا رہا ہے سو پلیز مجھے مت روکیں۔''

''لیکن تم جاؤ گے کہاں، اتنا تو بتا دو؟''

''سر فی الحال تو میں اپنے اردلی کو لے کر چٹاگانگ، اپنی پہلی یونٹ پنجاب رجمنٹ جاؤں گا اور پھر وہاں سے اگلا لائحہ عمل طے کروں گا۔''

''اور کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اگلا لائحہ عمل کیا ہوگا؟''

''اپنے پیارے وطن پاکستان کی سرزمین کو چومنے کی ہر کوشش کرنا، چاہے اس میں میری جان ہی چلی جائے۔''

''دیکھ لو.... یہ تقریباً ناممکن ہے لیکن میں تمھارے جذبے کو سلام کرتا ہوں۔''

''تھینک یو سر۔ آپ سے ایک درخواست ہے کہ یہ اسلحہ بارود اور ساز و سامان تو اب آپ کے کسی کام کا نہیں سو مجھے اجازت دیں کہ میں ایک جیپ، نقشہ، کمپاس (قطب نما) اور ہتھیار ساتھ لے جاؤں؟''

''کیوں نہیں جو چیز بھی لیجانا چاہو لے جاؤ۔''

''کمانڈ ہیڈکوارٹرز میں parade state (نفری کا خلاصہ) دیتے وقت میرا پوچھا جائے تو بتا دیجیے گا کہ اس نے آخری الفاظ کہے تھے کہ میں مر جاؤں گا ہتھیار نہیں پھینکوں گا اور اس کے بعد مشفق غائب ہو گیا تھا۔''

''ٹھیک ہے بڑی کہہ دوں گا، فکر مت کرو۔ اپنا بہت خیال رکھنا۔ اللہ تمھیں اپنے ارادے میں کامیاب کرے۔ زندگی رہی تو پاکستان میں ملاقات ہوگی۔''

''ان شاء اللہ سر، اب اجازت دیں۔ بہتر یہی ہے کہ میں جس قدر جلد ممکن ہو یہ علاقہ کلیئر کر جاؤں۔'' یہ کہہ کر مشفق سب سے فرداً فرداً گلے ملا۔ اس نے اپنی وردی کی شرٹ کی جگہ سول قمیض پہن لی تھی۔ اگر کہیں خدانخواستہ مکتی باہنی سے ٹاکرا ہوتا تو کہانی تیار تھی اور اگر پول کھلتا تو مشفق نے مرنے مارنے کی تیاری کر رکھی تھی۔ یونٹ سے جیپ کی ٹینکی فل کروا کر فالتو پٹرول کے جتنے کین آ سکتے تھے، رکھے، اپنی سٹین گن اور اس کے ایمونیشن کے ڈبے، کچھ گرینیڈ وغیرہ اور اپنا خنجر و دیگر گوریلا کِٹ کا سامان لیا اور اردلی کے ہمراہ چٹاگانگ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ ذہنی طور پر راستے میں کسی بھی ممکنہ مزاحمت کے لیے تیار تھا اور چلنے سے پہلے اس نے اپنے اردلی سپاہی محمد عاشق کو اس بارے متنبہ کر دیا تھا لیکن اس کا اصرار رہا کہ وہ اپنے صاحب کو ہرگز اکیلا نہیں جانے دے گا۔

تین ساڑھے تین گھنٹے کا راستہ تھا جو ان حالات میں دوگنا بھی ہو سکتا تھا کیونکہ خوشیاں منانے والے اور قتل و غارت کا بازار گرم کرنے والے مکتی باہنی کے مسلح ارکان سڑکوں پر تھے۔ دسمبر کی طویل راتوں میں وہ اندھیرے اندھیرے اپنی یونٹ میں پہنچنا چاہتا تھا اس لیے اس نے اپنا سفر شام ہوتے ہی شروع کر دیا تھا۔ کومیلا شہر میں عجیب بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ایک بے مقصدی بھاگ دوڑ نظر آ رہی تھی اور کہیں کہیں فائرنگ کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ مشفق نے شہر سے نکلنے کے لیے نسبتاً لمبے لیکن خاموش اور ویران راستوں کو اختیار کیا اور قریب ایک گھنٹے بعد وہ شہر سے نکل کر چٹاگانگ والی سڑک پر

تھا۔ جہاں اس نے شہر سے خیر خیریت سے نکلنے پر سکھ کا سانس لیا وہیں اسے راستے میں پڑنے والے ایک شہر فینی کی فکر دامن گیر ہوگئی۔ فینی کے بارے خبر تھی کہ وہاں بھی مکتی باہنی کا خاصا زور تھا۔ وہ چاہتا تو گھوم پھر کر طویل راستوں سے فینی سے کنی کترا سکتا تھا لیکن ایک تو اس میں کوئی ضمانت نہیں تھی کہ وہ مکتی باہنی سے بچ پائے گا اور دوسرا وقت کا بہت زیاں تھا۔ ڈرائیونگ کے دوران ہی ایک مختصر تجزیئے کے بعد اس نے فینی شہر سے گزرنے کا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا۔ ایس ایس جی کا کمانڈو اور خطروں سے نہ کھیلتا؟ یہ بھلا کیسے ممکن تھا؟

حسب توقع فینی شہر سے میل ڈیڑھ میل باہر ہی اسے پانچ سات بندوں کا جمگھٹا نظر آیا جنھوں نے سڑک بند کی ہوئی تھی۔ اس نے فوراً سپاہی عاشق کو سمجھایا کہ کچھ ہوجائے وہ گونگا ہے اور گونگا بنا رہے گا جو بات بالکل بھی نہیں کرسکتا۔ ان لوگوں کے پاس پہنچ کر اس نے خود ہی گاڑی آہستہ کی اور بریک لگائی۔ ان میں سے ایک ناٹے قد کا منحنی سا نوجوان جو ان کا لیڈر لگتا تھا آگے بڑھا۔ ٹارچ کی روشنی گاڑی پر ڈالی تو اسے فوجی جیپ نظر آئی۔ اس نے چونک کر ٹارچ مشفق کے چہرے پر ڈالی تو مشفق نہایت اعتماد سے بنگلہ میں ہنستے ہوئے مخاطب ہوا، ''کیوں پہلے کبھی پاکستانی جیپ نہیں دیکھی؟''

''بالکل دیکھی ہے لیکن یہ تمھارے پاس کیوں ہے اور تم کون ہو؟''

''میں کومیلا مکتی باہنی ونگ کا حسنات چوہدری ہوں اور کمانڈر منظر عالم کا ایک اہم پیغام لے کر چٹاگانگ ونگ میں جارہا ہوں۔'' مشفق نے چند دن پہلے اپنے جماعتی حسنات چوہدری سے ملنے والی معلومات کا استعمال شروع کردیا۔

''کیا پیغام ہے؟'' وہ جو مشفق کی رواں اور پراعتماد بنگلہ گفتگو سے خاصا مرعوب لگتا تھا، تذبذب کا شکار ہوتے ہوئے بولا۔

''کیا اہم پیغام ہر ایک کو بتایا جاتا ہے؟ اگر جاننے کا شوق ہے تو ساتھ چلو اور وہاں کمانڈر سے پوچھ لینا۔''

''یہ کون ہے؟'' اس نے عاشق کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''کمانڈر منظر نے اسے کومیلا اتارنے کو کہا ہے۔''

''کیا نام ہے تمھارا؟'' اس نے مشفق کی بات نظرانداز کرتے ہوئے سیدھا سپاہی عاشق سے

سوال کر ڈالا، جس نے جواب میں اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نفی میں جواب دیا کہ وہ بول نہیں سکتا۔

''یہ گونگا ہے پاکستانی فوجیوں نے کوئی سال بھر پہلے اس کی زبان کاٹ دی تھی۔'' مشفق نے سنسنی خیز کہانی میں مزید رنگ بھرا۔ وہ کچھ دیر سر کھجا کر سوچتا رہا پھر مشفق کو جانے کی اجازت دے دی لیکن دوسرے ہی لمحے بولا، ''میں بھی چٹا گانگ ونگ سے ہوں، وہاں کس کے پاس جانا ہے؟''

''ٹھیک سے یاد نہیں لیکن میرا خیال ہے کوئی فرید الدین ہیں یا ملتا جلتا نام ہے۔'' مشفق نے حاضر جوابی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تکا لگایا۔

''اس نام کا تو وہاں کوئی شخص نہیں؟''

''تو فکر کی کیا بات ہے؟ تم وہیں سے ہو تو میرے ساتھ چلو بلکہ میری رہنمائی بھی کر دینا لیکن جلدی فیصلہ کرو کہ کیا کرنا کیونکہ یہ پیغام صبح روشنی سے پہلے پہنچانا ہے۔ پاکستانی فوجیوں سے ہتھیار رکھوانے سے متعلق ہے۔''

''اس نوجوان نے کچھ دیر سوچا پھر اپنے نائب کو کچھ ہدایات دے کر مشفق سے بولا، چلو میں تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔'' مشفق نے اشاروں سے عاشق کو کہا کہ وہ اسے پہلے جیپ میں بیٹھنے دے پھر دروازے کی جانب بعد میں خود سوار ہو۔ عاشق ساری بات سمجھ گیا اور اسے پہلے بیٹھنے دیا۔ اب وہ لڑکا کیپٹن مشفق اور سپاہی محمد عاشق کے درمیان پھنس کر بیٹھا تھا۔ اپنے آپ کو پر اعتماد اور دلیر ثابت کرنے کے لیے اس نے راستے میں باتیں شروع کر دیں، اس بات سے بے خبر کہ اس جیپ میں بیٹھ کر اس نے اپنی موت کے پروانے پر خود دستخط کر دیئے ہیں، ''تم کومیلا کے رہنے والے ہو؟'' اس نے مشفق سے پوچھا۔

''ہاں لیکن زیادہ وقت ڈھاکہ میں گزرا ہے۔ پڑھا بھی وہیں تھا اور اب نوکری بھی وہیں تلاش کر رہا تھا کہ آزادی کی جنگ شروع ہوگئی۔ مجیب چاچا نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے اچھی نوکری دلوایں گے لیکن ابھی تو وہ خود بیچارا مغربی پاکستان والوں کی قید میں ہے۔''

''کون مجیب چاچا؟ امار بنگلہ بندھو (ہمارا بنگالی بھائی)؟''

''ہاں وہی۔''

''تم اسے جانتے ہو؟'' اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''کہاناں میرا چاچا ہے۔''مشفق نے لا پروائی سے کہا اور پھر چند ایک ایسی نجی باتیں بتائیں جو عام لوگوں کو نہیں پتہ تھیں۔ وہ نوجوان اب خاصا مرعوب لگ رہا تھا۔

''اچھا اسی لیے کمانڈر منظر نے اس خفیہ کام کے لیے تمھیں چنا ہے؟''

''یونہی سمجھ لو۔''مشفق اسی لا پروائی سے بولا۔

''اسے تو پنجابیوں (مغربی پاکستان والوں) نے سزائے موت سنا دی ہے۔ اللہ کرے وہ بچ جائے اور آ کر سونار دیش (سنہرے دیس) کو سنبھالے۔تم نے میرے لیے بھی اپنے چاچا سے سفارش کرنی ہے۔'' وہ چاپلوسی کرتے ہوئے بولا۔

''کیوں نہیں.... تمھارے لیے تو ضرور کروں گا، فکر ہی نہ کرو۔'' مُش اپنی طنز کو چھپاتے ہوئے بولا۔

''کومیلا کے کیا حالات ہیں؟ کیا پاکستانی فوجی ہتھیار پھینک دیں گے؟''

''اور کیا کریں گے؟ انھیں اوپر اپنی کمانڈ سے حکم جو مل گیا ہے۔ ہتھیار نہیں پھینکیں گے تو کہاں جائیں گے۔''مشفق نے، جو شہر سے خاصا باہر اور تقریباً ویران سڑک پر آ چکا تھا، جواب دیا۔

''اب انھیں سمجھ آئے گی جب ہم انھیں چن چن کر ماریں گے۔'' وہ نوجوان منتقم لہجے میں بولا۔

''رات کومیلا میں ایک خبر بہت گرم تھی۔''مشفق نے بات بدلی۔

''وہ کیا خبر تھی؟''نوجوان نے جاننے کی خواہش ظاہر کی۔

''کہتے ہیں کہ ایک SSG کا کمانڈو کپتان ہے جس نے ہتھیار پھینکنے سے انکار کر دیا اور وہ وہاں سے غائب ہو گیا ہے۔''

''کسی کو پتہ ہے کدھر گیا ہے؟''

''یقین سے تو کوئی نہیں کہتا لیکن خبر یہی گرم ہے کہ وہ جیپ لے کر چٹاگانگ کی جانب فرار ہوا ہے۔'' اب اس نوجوان کو کچھ بے چینی شروع ہوئی۔

''کوئی نہیں کہاں جائے گا وہ پنجابی؟ جلد ہی پکڑا جائے گا اور بے موت مارا جائے گا۔''

''ہاں یہ تو ہے لیکن ایک اور خبر بھی اڑی ہوئی ہے۔''

''اب وہ کیا خبر ہے؟'' پہلی خبر ہی نے اس بنگالی نوجوان کو خاصا بے چین کر رکھا تھا کہ دوسری خبر کا سن کر اس نے جیپ کی سیٹ پر گھبراہٹ میں پہلو بدلنے شروع کر دیئے۔

''کہتے ہیں کہ وہ آفیسر پنجابی نہیں بلکہ بنگالی ہے۔''مشفق نے اسے خبر دی۔

''لیکن وہ تم نہیں ہو سکتے کیونکہ تم تو بنگلہ بندھو کے بھتیجے ہو؟'' اس نے الفاظ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر بدقت جملہ مکمل کیا۔

''کیوں؟.... میں کیوں نہیں ہو سکتا؟ اگر فرعون کے گھر موسیٰ پرورش پا سکتے ہیں تو بندھو کا بھتیجا پاکستان کا حامی کیوں نہیں ہو سکتا؟''

اب اس نوجوان کی حالت دیدنی تھی۔ وہ ایک چیتے کے کچھار میں تھا اور بے بس تھا۔ یہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہ تھا۔ خوف سے اس کا سانس بے ربط ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی کمر سے بندھی لگری نکالنے کی کوشش کی لیکن گوریلا پہل کر چکا تھا۔ جیپ ڈرائیو کرتے کرتے مشفق نے بایاں ہاتھ بڑھا کر اپنے کمر سے دائیں جانب لٹکے خنجر کو نکالا اور وہ اس نوجوان کے پیٹ پر بجلی کی سرعت سے پھر چکا تھا۔ اس کے پیٹ سے خوان کا فوارہ ابلا اور اس نے خوفناک چیخ ماری جسے سننے کے لیے ویران سڑک پر کوئی موجود نہ تھا۔ مشفق نے جیپ چند لمحوں کے لیے روکی، اس کی لاش کو کھینچ کر سڑک کے کنارے جنگلی ہریالی میں پھینکا اور سپاہی عاشق کو لے کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا جو اندھیرے میں اسے مسلسل دیکھے جا رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ 'صاحب آپ کیا چیز ہیں؟'۔ صبح کاذب سے پہلے وہ اپنی یونٹ میں پہنچ چکا تھا جہاں ایک سوگوار ماحول تھا۔

تمام افسران کمانڈ پوسٹ میں سر جھکائے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ سی او نے ایڈ جوٹنٹ کو تمام حساس کاغذات جلانے کا حکم دے رکھا تھا اور وہ ہیڈ کلرک کی مدد سے باہر تمام کاغذات بلاتمیز جلا رہا تھا۔ سی او، کیپٹن مشفق سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا، ''مشفق! تم فرار ہی کیوں ہونا چاہتے ہو جبکہ تم بنگالی ہو، تم اگر چاہو تو ہمارا ساتھ چھوڑ کر مکتی باہنی سے جا ملو، کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

''سر! مجھے سمجھ نہیں آتی کہ مجھے ہر کوئی یہ مشورہ کیوں دیتا ہے کہ میں عوامی لیگ سے جا ملوں، مکتی باہنی سے تعلق جوڑ لوں؟ کیوں مجھے یہ ہر دفعہ سمجھانا پڑتا ہے کہ میرا وطن پاکستان ہے بھلے وہ چند مربع میلوں پر محیط ہو؟ کیا آپ لوگوں کو میری حب الوطنی پر کوئی شک ہے؟ یا میری حرکات آپ کو مشکوک نظر آئی ہیں؟''مشفق تقریباً زچ ہوتے ہوئے بولا۔

''I am sorry Mushfiq'' میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا۔ میں تو یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ تاریخ

کروٹ لے رہی ہے۔کل کے دوست آج دشمن بن رہے ہیں۔ واقف، اجنبی ہو گئے ہیں تو تم کیوں کسی آزمائش میں پڑتے ہو؟ بنگالی فوجیوں کا ایک جم غفیر اپنی وفاداریاں تبدیل کر چکا ہے اور منطق بھی یہی سجھاتی ہے تو پھر تم کیوں امتحان میں پڑتے ہو؟ میں یونٹ کا سی او ہونے کے ناطے تمھیں مشورہ دے رہا تھا کہ کیوں اپنی فیملی لائف کو ڈسٹرب کرتے ہو، ہم میں سے کوئی تمھیں نہیں روکے گا۔''

''سر شاید آپ کو معلوم نہیں کہ میں اپنی فیملی کو بہت پہلے مغربی پاکستان بھجوا چکا ہوں۔ جس وقت SSG بٹالین واپس جا رہی تھی تو میرے پاس واپس جانے کی آپشن تھی۔ کیونکہ میری کمپنی پہلے سے آئی ہوئی تھی اور وہ بٹالین کے ساتھ واپس جا رہی تھی لیکن میں رضا کارانہ طور پر پیچھے رہا۔ کیونکہ یہ میرا وطن تھا اور میں اس کا آخری لمحوں تک دفاع کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت بھی کچھ نے سوچا ہوگا کہ شاید میں نے وفاداریاں تبدیل کرنی ہوں گی یا میری والدہ اور ہمشیرہ ڈھاکہ میں ہیں اس لیے پیچھے رہ گیا ہوں۔ آپ کو مکتی باہنی سے جا ملنے والے تو نظر آتے ہیں لیکن جنھوں نے بنگلہ دیش پر پاکستان کو ترجیح دی ہے اور اپنے مغربی پاکستانی ساتھیوں کے ساتھ شکست تسلیم کر رہے ہیں ان کی قربانی کسی کو نظر نہیں آتی؟''

''نہیں نہیں ایسا کسی نے کبھی بھی نہیں سوچا۔''

''کوئی بات نہیں سر۔ میرا ضمیر مطمئن ہے سو مجھے کسی کو کوئی وضاحت نہیں پیش کرنی۔ میں یونٹ اس لیے واپس آیا ہوں کہ یہ میرا گھر ہے اور دوسری وجہ یہ کہ چٹا گانگ میرے فرار کے راستے میں تھا سوچا آپ لوگوں کو اطلاع بھی دے دوں اور پوچھ لوں کہ کوئی ساتھ دینا چاہتا ہے یا نہیں۔ جہاں پٹرول ختم ہوا یا حالات میرے حق میں نہ ہوئے جیپ وہیں چھوڑ کر پیدل سفر شروع کر دوں گا۔''

'' Now since you have decided so I can only wish you good luck (اب جب تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہے تو میں صرف تمھارے لیے نیک تمناؤں کا اظہار ہی کر سکتا ہوں) لیکن بہتر ہوگا کہ دو چار اور کو ساتھ لے لو۔'' پھر اپنے افسروں سے مخاطب ہو کر بولا، ''بھئی تم لوگوں میں سے بھی اگر کوئی اس مشن میں شامل ہونا چاہے میری طرف سے اجازت ہے۔''

چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد کیپٹن اسد اور ایک دو لفٹینوں نے خواہش ظاہر کی تو کیپٹن مشفق بولا، ''سر زیادہ لوگوں کا ساتھ ہونے سے مشن کی ناکامی کا خطرہ ہے۔ میرا اردلی پہلے ہی میرے ساتھ ہے اور وہ مجھے اکیلا چھوڑنے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں۔ اس کے علاوہ صرف ایک اور آفیسر کو ساتھ لے سکتا ہوں اور میری خواہش ہوگی کہ کیپٹن اسد میرے ساتھ رہیں۔ وہ میرے پرانے روم میٹ اور

بڑی ہیں۔ باقیوں سے میں معذرت چاہوں گا۔"

"ٹھیک ہے جیسے تمھاری مرضی۔"

"سر اسد ضرورت کی کم سے کم چیزیں، سول کپڑوں کا جوڑا اور دو ہلکے ہتھیار بمعہ ایمونیشن رکھ لیں۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔" اس کے بعد اس نے عاشق کو یونٹ کینٹین پر بھیجا تا کہ وہ وہاں سے کچھ خشک میوہ جات اور بسکٹ چنے وغیرہ لے آئے۔ سپاہی عاشق نے بھی وقت قطعی ضائع نہیں کیا۔ رات کا کچھ پہر آرام کرنے کے بعد تقریباً ساڑھے چار بجے صبح یہ لوگ سب کو خدا حافظ کہہ کر یونٹ سے روانہ ہو گئے۔ الوداع کہنے والوں اور الوداع ہونے والوں، سب کے ذہن میں ایک ہی سوال تھا کہ کون جانے اب ملاقات ہو گی یا نہیں اور اگر ہو گی تو کب ہو گی۔

کیپٹن مشفق جیپ دوڑا رہا تھا اور ساتھ والی سیٹ پر کیپٹن اسد اور سپاہی عاشق بالکل پھنس کر بیٹھے تھے۔ اسد، مشفق سے باتیں بھی کرتا جا رہا تھا تا کہ اسے نیند نہ آئے۔

"مُش پارٹنر ہمیں کتنی دیر لگے گی اور ہماری منزل کونسی ہے؟"

"سر منزل کا تو اللہ کو پتہ ہے، ہاں میرا ارادہ پہلے کاکس بازار یا اس کے گرد و نواح کا رخ کرنا ہے۔"

"اس طرف جانے کی کوئی خاص وجہ؟"

"جی سر.... ایک تو یہ مرکزی مشرقی پاکستان سے بالکل ہٹ کر ہے اور اس طرف زمین پر کسی قسم کی بھی فوجی سرگرمیاں شاید برائے نام ہوں کیونکہ یہ جنوب میں صوبے کا آخری کونہ ہے کوئی عام گزرگاہ نہیں لیکن ساحل بارے خبریں کوئی اچھی نہیں۔ ان کی روشنی میں میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ بھارتی نیوی نے ہماری بحریہ کو مفلوج کرنے اور سمندر کے راستے فرار کو ناممکن بنانے کے لیے، چٹاگانگ سے لے کر کاکس بازار تک ساری ساحلی پٹی کی یقیناً ناکہ بندی کی ہو گی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم نے ادھر سے ہی برما میں داخل ہونا ہے۔"

"برما؟؟؟؟.... ہمیں کوئی سرحد پر چیک نہیں کریگا؟"

"جنگ حکمت عملی کے تحت فرار میں ضابطوں کا کیا کام اور سرحد بھلا کون عبور کریگا؟ آپ SSG کے گوریلے کے ساتھ سفر کر رہے ہیں جو کوئی کام بھی سیدھا نہیں کریگا۔" مشفق نے ماحول کو خوشگوار

کرنے کے لیے لطیفہ چھوڑا۔

''اوہ! یعنی ہم جنگلوں میں سفر کریں گے۔'' اسد نے حیرت کا اظہار کیا۔

''سر! وہ براوو (B) کمپنی کا حوالدار میجر رفیق کہا کرتا تھا کہ فوجی کا کام رات کو جنگلوں میں اور دن کو کمبلوں میں۔'' سپاہی عاشق نے بھی گفتگو میں اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا لیکن جب اس نے دونوں افسروں کو آپس میں آنکھیں ملاتے دیکھا تو سہم گیا، ''معافی چاہتا ہوں سر۔''

''ارے نہیں نہیں.... اب تم ہمارے سفر میں ساتھ ہو تو تم ہمارے ساتھی ہو۔ ابھی تو تم سے بولیاں بھی سنیں گے۔ تم نے تو ہمارا مورال بلند کرنا ہے۔'' کیپٹن اسد نے اسے تسلی دی۔

''سر میری کوشش ہوگی کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے ہم کاکسس بازار کے گردونواح میں ہوں تاکہ اگر کسی وجہ سے جیپ چھوڑنی بھی پڑے تو ہم چھوڑ کر فوراً جنگلوں کی آڑ لے لیں۔ یقیناً یہ اللہ کا خاص کرم ہے کہ جو روٹ ہم نے چنا ہے وہ اس قیامت (سقوط مشرقی پاکستان) کے براہ راست اثر سے بہت دور ہے۔''

''اندازاً کتنی دیر کا سفر ہوگا مُش؟''

''سر میں نے نقشے پر اختتامی پوائنٹ 'عید گاؤں' مارک کیا ہے اور وہاں پہنچنے کے لیے چار گھنٹے کہیں نہیں گئے۔ پندرہ بیس منٹ اوپر لگ جائیں تو کہہ نہیں سکتا۔ ہم پتیہ، چندنیش سے ہوتے ہوئے چکاریا تقریباً سوا چھ بجے تک پہنچ جائیں گے۔ سورج بھی ان دنوں سات سوا سات تک نکل آتا ہے لیکن اس علاقے میں روشنی ذرا دیر سے ہوتی ہے سو یہ بھی ہمارے لیے ایک اور غنیمت ہے۔''

''ویسے ہم اس وقت اندازاً ہیں کہاں؟''

''سر ہم لوہاگرا سے گزر چکے ہیں اور چکاریہ ان شاءاللہ مزید آدھے گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔ چکاریہ سے آگے بھی، عید گاؤں تک زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹہ لگے گا۔ کم از کم نقشے کے حساب سے یہی لگتا ہے۔''

''مجھے تو یہاں مکتی باہنی تو کیا کوئی پاکستانی یونٹ کے نشان بھی نظر نہیں آرہے۔''

''وہ راستہ میں نے قصداً ترک کیا تھا۔ ہمارے ٹروپس (فوجی) ہوئے بھی تو کاکسس بازار کے گردونواح میں نظر آئیں گے اور ہمارا ادھر کوئی کام نہیں۔'' ''تمھارا مطلب ہے کہ اس طرف کوئی نہیں آئے گا؟''

''سر آپ مجھ سے سینئر اور زیادہ تجربہ رکھتے ہیں۔آپ کو سب پتہ ہے مجھے تو شرمندہ نہ کریں۔''

''نہیں نہیں سچ میں، میں جاننا چاہتا ہوں۔زمینی حقائق کے تناظر میں تجزیہ کسی مقامی سے بہتر کوئی نہیں کرسکتا۔مغربی پاکستان میں یہ صورتحال ہوتی تو میں تمھیں فوراً اپنا تجزیہ پیش کر دیتا۔اور ویسے بھی SSG کا ہونے کی بنا پر تم لوگ ان چیزوں کو مختلف آنکھ سے دیکھتے ہو۔''

''شکریہ سر۔دراصل ادھر بھارتی فوجی آئیں گے لیکن کلین اپ آپریشن کے دوران۔شاید چار پانچ دن یا پھر ہفتہ لگ جائے کیونکہ یہ انھیں بھی علم ہے کہ جو پاکستانی فوجی اور مغربی پاکستانی سویلین کاکسس بازار میں محبوس ہیں وہ نہ کہیں جاسکتے ہیں اور نہ ہی کہیں جائیں گے۔یہاں ویسے بھی زیادہ تر ماہی گیروں کی بستیاں ہیں جو امن پسند اور روزی روٹی کی فکر کرنے والے لوگ ہیں اور اسی وجہ سے میں نے ادھر کا راستہ چنا۔''

ہلکا ہلکا اندھیرا چھٹ رہا تھا لیکن یہ لوگ اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھے۔بیچ میں ایک دو بار کیپٹن اسد نے مشفق کو آرام دینے کی خاطر ڈرائیونگ بھی کی۔جہاں جیپ میں پٹرل ڈالنا ہوتا یہ گاڑی روک کر ایندھن بھرتے اور خالی جری کین خودرو گھاس میں پھینک دیتے۔ان کے لیے ایک ایک منٹ قیمتی تھا۔اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ان کا سفر بلا روک ٹوک جاری تھا لیکن انھیں یہ بھی علم تھا کہ فوج میں ایک چیز کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اور وہ ہے 'ناگہانی صورت حال' اور ایسی کسی بھی سچویشن کے لیے وہ مکمل طور پر تیار رہتے تھے۔ابھی تک وہ اپنی ہی سرزمین پر تھے اور یہ بات ان کے لیے نفسیاتی اطمینان کا باعث تھی لیکن اصل امتحان اس وقت شروع ہونا تھا جب انھوں نے برما کی انجانی حدود میں داخل ہونا تھا۔جہاں کی بود باش، لوگوں کے مزاج، رہن سہن اور دیگر چیزوں بارے انھیں کوئی علم نہیں تھا۔

جوں ہی یہ لوگوں چکاریہ گاؤں کے نواح سے گزرے تو روشنی خاصی ہو چکی تھی لیکن اس علاقے میں انھیں کوئی چہل پہل نظر نہیں آئی بلکہ اس وقت کو سنسان کہنا زیادہ بہتر ہوگا۔تقریباً ساڑھے سات پونے آٹھ وہ لوگ عیدگاؤں پہنچ چکے تھے۔مشفق کو حالات حق میں نظر آئے تو اس نے کیپٹن اسد کو تجویز دی کہ ہم وقت بچانے کے لیے مزید کچھ آگے تک جیپ کو استعمال کر سکتے ہیں، چنانچہ محتاط انداز میں اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے وہ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے تک کاکسس بازار کے مشرق میں واقع ایک چھوٹے سے گاؤں راموپہنچ چکے تھے۔اب یہاں سے گھنے جنگل کے آثار شروع ہو چکے تھے۔مشفق کچھ دیر تذبذب میں رہا

کہ آیا جیپ کو چھوڑ کر یہیں سے پیدل سفر شروع کیا جائے یا پھر جنگل میں جانے والے کچے راستے کو اپنا کر جیپ سے مزید کچھ فائدہ حاصل کیا جائے۔ نقشے کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد دل اور دماغ دونوں نے کچے راستے پر جانے کے لیے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ فی الحال معاملات آسان ثابت ہو رہے تھے ورنہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اتنے طویل سفر کے لیے جیپ کو یوں دندناتا ہوا استعمال کریگا۔ ہاں اگر وہ اپنے فرار کا سفر چند دن تو کیا چند گھنٹوں کے لیے بھی مؤخر کرتے تو شاید یہ سب ممکن نہ ہوتا۔ پھر تو کاکسس بازار تو دور کی بات یہ لوگ شاید کومیلا سے ہی نہ نکل پاتے۔

راموگاؤں کے نواح سے گزر کر اور ماحول کا عمومی جائزہ لے کر کیپٹن مشفق کی چھٹی حس نے اسے تسلی دی کہ کم از کم اس علاقے میں انھیں اب برما داخل ہونے تک کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ گھنے جنگل میں ایک جگہ جیپ روک کر وہ سب ستائے۔ اس دوران مشفق اگلے سفر کے لیے نقشے پر نشانات لگاتا رہا۔ کچھ دیر بعد انھوں نے دوبارہ سفر شروع کیا۔ کچے راستے پر انھیں ایک آدھ جگہ کوئی اکا دکا دیہاتی بھی ملے جن سے مشفق نے ثقیل بنگلہ زبان میں گفتگو کر کے راستے بارے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ کچا راستہ تھوڑی دور جا کر بالوکھالی بازار کے پاس ایک نسبتاً بہتر لیکن تنگ سڑک کو مل جاتا ہے جو سرحدی گاؤں دکشن نالہ کو جاتی ہے۔ دکشن نالہ ہی وہ جمپنگ پوائنٹ (نقطہ آغاز) تھا جہاں سے مشفق، اسد اور عاشق نے اپنے انتہائی خطرناک سفر کا آغاز کرنا تھا۔ دوپہر تک وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں کچا راستہ سڑک سے ملتا تھا۔ اکا دکا گھروں سے انھیں اندازہ ہوگیا کہ وہ بالوکھالی بازار پہنچ چکے ہیں۔ مشفق وقت ضائع کیے بغیر سڑک عبور کر کے جیپ کو گھنے جنگل میں لے گیا تاکہ کسی کی نظر نہ پڑے۔ انھیں وہیں چوکنا ہو کر رکنے کا کہہ کر وہ حلیہ تبدیل کر کے گاؤں سے کچھ کھانے پینے کا سامان لینے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو اشیائے خورد و نوش کے ساتھ ساتھ اس کے پاس خاصی مفید معلومات تھیں مثلاً یہ کہ ان سادہ لوح لوگوں کو ابھی تک یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا سانحہ پیش آچکا ہے یا پاکستان کی بھارت سے کوئی جنگ ہوئی ہے۔ بیشک حالات ان کے حق میں تھے لیکن اگلے سفر کے بارے میں بے یقینی بھی سامنے کھڑی منہ چڑا رہی تھی۔ کسی نے سچ کہا تھا کہ ہزار میل کا سفر پہلا قدم اٹھانے سے ہی شروع ہوتا ہے۔ بے یقینی یا یقین دونوں بے معنی باتیں تھیں، اصل بات یہ تھی کہ اگر انھیں منزل پر پہنچنے کی خواہش تھی تو سفر ضروری تھا۔

مشفق نے انھیں بتایا کہ مشرقی پاکستان میں یہ ان کا آخری پڑاؤ ہے اور یہاں سے ان کا اگلا سفر پیدل شروع ہوگا۔ دکشن نالہ کے پاس سے وہ برما میں داخل ہوں گے اور اس کے بعد ان کے پاس پیچھے مڑکر دیکھنے کو کچھ نہیں ہوگا اور اگلے سفر کے لیے وہ اللہ سے دعا گو ہوں گے کہ وہ انھیں اپنی امان میں رکھے اور کامیاب کرے۔ مشفق نے انھیں خوب آرام کر لینے کو کہا کیونکہ اس کے بعد انھوں نے اپنی منزل رنگون پہنچنے تک دن کو آرام اور رات کو سفر کرنا تھا۔ جیپ کو مشفق نے آخری بار پیار سے تھپکی دی جیسے اس کا شکریہ ادا کر رہا ہو اور اسے جنگل میں گزرنے والے ایک نالے میں بمعہ غیر ضروری اور استعمال شدہ سامان کے دھکیل دیا۔ اپنا تمام سامان انھوں نے اپنے اپنے Big Packs (بڑے جھولوں) میں طریقے سے رکھا۔ سفر کے لیے وردی کی خاکی پتلونیں اور بوٹ پہن رکھے تھے لیکن سامان میں فلیٹ شوز بھی تھے۔ غرضیکہ ضرورت کا تمام سامان جو ایک فوجی کی کٹ میں شامل ہوتا ہے وہ موجود تھا البتہ مشفق کی گوریلا کٹ ذرا زیادہ بھاری تھی۔ دو دو گھنٹے کی ڈیوٹی رکھی گئی جس میں ایک پہرہ دیتا اور دو آرام کرتے۔ سپاہی عاشق نے رضا کارانہ طور پر پہلی ڈیوٹی دینے کے لیے خود کو پیش کیا جبکہ اسد اور مشفق سو گئے۔ مغرب کے وقت کیپٹن اسد نے مشفق کو اٹھایا۔

''مُش بڈی! اٹھو اللہ کا نام لے کر سفر شروع کریں۔''

مشفق فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بہت ہی ہلکا پھلکا کچھ کھایا پیا اور سفر کی تیاری شروع کر دی۔

''سر اسد! میں سپاہی ہوں اور کتنا بھی خطرناک مشن کیوں نہ ہو مجھے موت سے کبھی خوف محسوس نہیں ہوا لیکن آج یہ دیس جو میری مٹی تھی جہاں میں نے آنکھ کھولی تھی چھوڑتے ہوئے میرا دل رو رہا ہے۔ پتہ نہیں کبھی دوبارہ اس مٹی کو چومنا نصیب بھی ہوگا یا نہیں؟''

''حوصلہ کرو یار.... ایک سپاہی کی زندگی انھی امتحانات اور چیلنجز پر مشتمل ہے۔''

گو کہ یہ تینوں دینی اور روائتی خیالات کے حامل تھے لیکن نماز کے معاملے میں کوئی خاص پابند نہ تھے تاہم اس روز ان سب نے مغرب کی نماز ادا کی اور اپنی کامیابی کے لیے اللہ رب العزت سے گڑگڑا کر خشوع وخضوع سے دعا مانگ کر سفر کا آغاز کر دیا۔
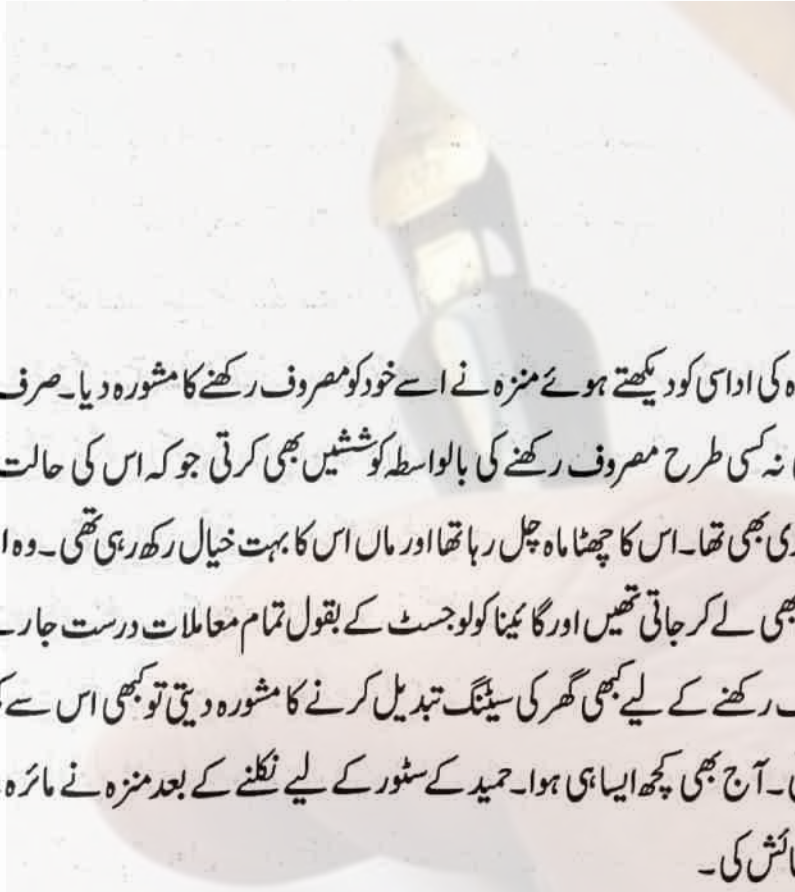
مائرہ کی اداسی کو دیکھتے ہوئے منزہ نے اسے خود کو مصروف رکھنے کا مشورہ دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ اسے کسی نہ کسی طرح مصروف رکھنے کی بالواسطہ کوششیں بھی کرتی جو کہ اس کی حالت کے پیش نظر بے حد ضروری بھی تھا۔ اس کا چھٹا ماہ چل رہا تھا اور ماں اس کا بہت خیال رکھ رہی تھی۔ وہ اسے باقاعدگی سے ہسپتال بھی لے کر جاتی تھیں اور گائینا کولوجسٹ کے بقول تمام معاملات درست جا رہے تھے۔ منزہ اسے مصروف رکھنے کے لیے کبھی گھر کی سیٹنگ تبدیل کرنے کا مشورہ دیتی تو کبھی اس سے کھانا پکانے کی فرمائش کرتی۔ آج بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ حمید کے سٹور کے لیے نکلنے کے بعد منزہ نے مائرہ سے چکن پلاؤ بنانے کی فرمائش کی۔

''آج میرا بچہ چکن پلاؤ بنائے گا۔''

''ماما میرا موڈ نہیں ہے۔ کچھ کرنے کو دل نہیں کر رہا، پھر کسی دن بنا دوں گی۔''

''نہیں میں تو آج ہی کھاؤں گی اپنی بیٹی کے ہاتھ کا پلاؤ۔ ویسے بھی تمھارے بابا آج فرمائش کر کے گئے تھے۔'' منزہ کو علم تھا کہ بابا کے نام پر مائرہ سے کچھ بھی کروایا جا سکتا ہے۔

''چلیں ٹھیک ہے میں بناتی ہوں آپ ذرا بابر کو سنبھال لیں۔''

''اس کی فکر نہ کرو، لاؤ اسے مجھے دو۔'' منزہ نے بابر کو مائرہ سے پکڑتے ہوئے کہا۔

مائرہ کی اداسی میں مشفق سے جدائی کے ساتھ ساتھ سقوط مشرقی پاکستان کا دکھ بھی شامل تھا اور اس کے اس دکھ میں باقی گھر والے بھی شامل تھے لیکن دُنیا نے اس المیہ پر بحیثیت قوم ہمارا رویہ بھی دیکھا۔

جنھیں اس سانحہ کا دکھ تھا انھیں رہا لیکن اکثریت نے اسے چار دن میں بھلا دیا اور پھر وہی مخول اور ٹھٹھے بازی۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ماہ جنوری ۱۹۷۲ء نصف بیت چکا تھا۔ دن گیارہ بجے کے لگ بھگ کا وقت تھا اور لاہور کی سردیوں کی مخصوص پھیکی دھوپ نے ڈیرہ ڈالا ہوا تھا۔ ماحول کی اس سوگواری میں سردیوں کے ساتھ ساتھ سانحہ مشرقی پاکستان کا بھی بہت دخل تھا۔ اُلفت لاج کے لان کی ہریالی اس موسم میں منفرد زردی میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ پورا لان درخت سے بچھڑے زرد پتوں سے بھرا پڑا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے تانبے کا فرش بچھا ہو۔ مائرہ کو یہ سوگوار خوبصورتی ہمیشہ مسحور کرتی تھی اور وہ کئی کئی روز مالی کو پتے صاف نہیں کرنے دیتی تھی۔ اس وقت بھی مائرہ رسوئی میں ماں کی فرمائش پر پلاؤ بنانے کے ساتھ ساتھ کھڑکی سے لان کے سوگوار زرد حسن کا نظارہ بھی کر رہی تھی جبکہ منزہ اپنے نواسے کے ساتھ کھیل رہی تھی کہ گیٹ پر بیل ہوئی۔ ماں بیٹی دونوں اپنی اپنی جگہ حیران تھیں کہ اتنی صبح کون آ گیا۔

''ماما میں دیکھتی ہوں کون ہے، آپ مت اٹھیں۔'' ماں کو تسلی دے کر مائرہ نے خود کو اپنی بڑی کشمیری چادر میں اچھی طرح لپیٹا اور پورچ میں گئی تو سامنے ایک لمبا تڑنگا سمارٹ نوجوان کھڑا تھا، جو ڈیل ڈول سے فوجی لگتا تھا۔ مائرہ کو محسوس ہوا کہ شکل تو دیکھی بھالی تھی لیکن ذہن میں نام نہیں آ رہا تھا۔

''جی کون؟ .... معاف کیجیے میں نے پہچانا نہیں۔'' تذبذب کا شکار موموبولی۔

''کیا ہو گیا بھابھی آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟ میں مشفق کا کمپنی کمانڈر میجر شوکت ہوں۔ شاید زرینہ ساتھ نہیں تو اس لیے نہیں پہچانا۔'' میجر شوکت نے مسکراتے ہوئے اپنا تعارف کرایا تا کہ مائرہ کو تسلی رہے کہ سب خیریت ہے۔

''اوہ!!!! .... معاف کیجیے گا بھائی۔ وہ آپ ایکدم سامنے آئے تو میں بالکل کنفیوز سی ہو گئی۔ باہر کیوں کھڑے ہیں اندر آیئے ناں۔'' کھسیانی مائرہ نے شوکت کو دمکتے ہوئے چہرے سے خوش آمدید کہا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ مشفق کے کسی دوست کو اچانک اپنے سامنے پا کر اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ وہ میجر شوکت کو اندر لے آئی اور اسے بٹھا کر منزہ کو اطلاع دینے چلی گئی۔

''ماما! مُشی کے یونٹ آفیسر شوکت بھائی آئے ہیں۔ ضرور ان کے پاس کوئی خبر ہو گی۔ آپ پلیز

بابر کو لے کر ان کے پاس بیٹھیں میں ان کے لیے چائے بناتی ہوں۔''

''نہیں تم بابر کو لے کر جاؤ اور باتیں کرو، چائے میں بنا کر لاتی ہوں۔'' منزہ نے فیصلہ سنایا۔

''ٹھیک ہے ماما.... لائیں بابر کو مجھے دیں۔'' اس نے بیٹا ماں سے لیتے ہوئے کہا اور شوکت کے پاس بیٹھنے چلی گئی اور خیر خیریت دریافت کرنے لگی۔

''اور بھائی! زرینہ بھابھی کیسی ہیں؟ انھیں کیوں نہیں ساتھ لائے؟''

''بس بھابھی میں بھی بڑی مشکل سے وقت نکال کر آیا ہوں۔ زرینہ اپنے والدین کے پاس ہے اور ہم لوگ بھی ابھی بیرکوں میں واپس نہیں گئے۔ ان شاء اللہ جب فوج چھاؤنیوں کو لوٹے گی تو ضرور ملاقات ہوگی۔''

''میرا خیال تھا کہ آپ مشرقی پاکستان میں ہی ہوں گے اور سانحہ کے بعد دیگر سول اور فوجی مغربی پاکستانیوں کی طرح آپ کو بھی اسیر بنالیا گیا ہوگا۔''

''نہیں بھابھی.... اتفاق سے ہائی کمانڈ نے نوشتہ دیوار پڑھ لیا تھا سو SSG کی ایک کمپنی کو چھوڑ کر باقی بٹالین جنگ شروع ہونے سے عین چند دن پہلے واپس مغربی پاکستان بھیج دی گئی تھی۔''

''آپ لوگ واپس آ گئے تھے؟'' مائرہ نے شدید حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا، ''تو پھر مُشی کدھر ہیں؟''

''بھابھی مشفق واپس نہیں آیا۔ گھبرائیے نہیں وہ خیریت سے تھا لیکن اس نے واپس آنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس دھرتی کا مجھ پر قرض واجب ہے اور مجھے وہ چکانا ہے۔ حالانکہ اس کی کمپنی واپس آ رہی تھی لیکن اس نے وہاں رہ کر لڑنے کو ترجیح دی۔''

اس دوران منزہ چائے کی ٹرالی لیے نمودار ہوئی تو شوکت سلام کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا اور مائرہ نہایت جذباتی ہو کر ماں کو اطلاع دینے لگ گئی، ''ماما سنا ہے آپ نے؟ مشفق نے واپس آنے سے انکار کر دیا تھا اور وہیں رہ گئے ہیں لڑنے کے لیے؟'' اس کے لہجے میں شکایت اور مایوسی دونوں شامل تھے۔

''بیٹا حوصلہ رکھو۔ مشفق نے یہی بہتر سمجھا ہوگا۔ ہر سپاہی اپنی زندگی میں کچھ فیصلے خود کرنے کے لیے آزاد ہوتا ہے اور میدان جنگ میں کس طریقے سے اترنا ہے، یہ بھی انھی فیصلوں میں سے ایک فیصلہ ہے۔'' منزہ نے بیٹی کو تسلی دی۔

''لیکن بھائی یہ کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ آپ سے ملاقات کے بعد مُشی کہاں گئے اور جنگ کے

دوران کہاں تھے؟''

''یہ سب بتانا تو میرے لیے ممکن نہیں لیکن جہاں تک میرا خیال ہے دو ہی باتیں ممکن ہیں۔ پہلی تو یہ کہ وہ اپنی کمپنی کے ساتھ آخر وقت تک لڑتا رہا اور جنگ بندی کے بعد اسیر ہو گیا۔ اگر ایسا ہوا ہے تو ایک دو ماہ تک بھارت میں قائم ہونے والے کیمپوں سے اطلاعات آنی شروع ہو جائیں گی اور مشفق کی بھی خبر مل جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس نے ہتھیار پھینکنے کی بجائے فرار کو فوقیت دی ہو اور جنگ بند ہونے کے بعد کہیں غائب ہو گیا ہو۔ اس کی طبیعت کو اور مزاج کو سمجھتے ہوئے مجھے زیادہ قوی امکانات اس دوسری ممکنہ صورت کے لگتے ہیں۔ بہرحال کچھ عرصے تک بے یقینی ختم ہو جائے گی۔''

''میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ مُشی جنگی قیدی بن گئے ہوں لیکن میری یہ دلی دعا ہے کہ وہ جہاں بھی ہوں ساتھ خیریت کے ہوں اور انھیں کوئی گزند نہ پہنچے۔'' مائرہ نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

تینوں چائے کے دوران باتیں کرتے رہے اور مائرہ اپنی خواہش کے مطابق تمام معلومات حاصل کرنے کی جستجو بھی کرتی رہی۔ جب میجر شوکت رخصت کے لیے اجازت طلب کرنے لگا تو ہاتھ میں پکڑا ہوا پیکٹ مائرہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا، ''بھابھی! یہ آپ کی امانت ہے اور آج میں خاص طور پر یہ امانت پہنچانے آیا ہوں۔'' پیکٹ دیکھ کر اور شوکت کی بات سن کر منزہ اور مائرہ دونوں چونک گئیں۔

''یہ کیا ہے بھائی؟''

''بھابھی جی جب مُش کو پتہ چلا کہ یونٹ واپس مغربی پاکستان جا رہی ہے تو اس نے سی او سے التجا کی کہ اسے پیچھے رہ جانے والی کمپنی کے ساتھ رہنے دیا جائے کیونکہ مشرقی پاکستان کے لوگوں اور زمین کو اس سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔''

''جی بھائی وہ تو آپ مجھے بتا چکے ہیں لیکن یہ پیکٹ کیا ہے؟'' مائرہ بے صبری سے بولی۔

''وہی بتانے جا رہا ہوں۔ اس کے بعد جس روز ہم واپس آ رہے تھے، اس نے مجھ سے آخری ملاقات میں یہ پوٹلی آپ کو دینے کو کہا۔ میں نے اسے کھولنے کی جرأت نہیں کی لیکن اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس میں ننھے بابر کے لیے چاند پور کے علاقے کی تھوڑی سی مٹی پاکستانی پرچم میں بندھی ہوئی ہے۔'' اس نے پوٹلی مائرہ کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا، ''اور ہاں اس نے یہ خط اور اپنی انگوٹھی بھی آپ کو دینے کو کہا تھا۔'' میجر شوکت جیب سے انگشتری نکالتے ہوئے بولا۔ مائرہ نے انگوٹھی اور خط بے صبری سے

پکڑے اور بے اختیار ماں اور میجر شوکت کی موجودگی سے بے نیاز ہو کر اسے گرم جوشی سے بوسہ دیا۔

''بھائی آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے میری امانت مجھ تک پہنچائی۔ میں آپ کی بے حد احسان مند ہوں۔''

''پلیز مجھے شرمندہ نہ کریں۔ کاش کہ میں اس سے زیادہ کچھ کر سکتا۔ بہر حال میں ہر وقت حاضر ہوں۔ بھائی کے لائق کوئی بھی خدمت ہو تو ضرور بتایئے گا۔''

مائرہ سے انتظار نہیں ہو رہا تھا کہ کب میجر شوکت جائے اور وہ پیکٹ کو کھولے۔ جلد ہی شوکت الوداع ہوا۔ منزہ اور مائرہ اسے دروازے تک چھوڑ کر آئیں اور مائرہ نے لاؤنج میں ہی بے صبری سے پیکٹ کھولنا شروع کر دیا۔ احتیاط سے بندھے پیکٹ کو اس نے جب نہایت محبّت سے کھولا تو سب سے پہلے سبز پوٹلی پر نظر پڑی۔ اس نے خط والے لفافہ کو ایک سائیڈ پر رکھتے ہوئے سبز پوٹلی کی گرہ کھولی تو اس میں سے گھاس ملی سوندھی خوشبو والی مٹی برآمد ہوئی؛ چاند پور کی مٹی، میرے مشی کے دیس کی مٹی اس نے دل میں سوچا اور بے اختیار اس مٹی کو بوسہ دیا۔ پوٹلی کو ادھ کھلا چھوڑ کر وہ تقریباً دوڑتی ہوئی کچن میں گئی اور ایک خالی بوتل لے کر آئی جس میں اس نے نہایت احتیاط سے وہ ساری مٹی ڈال دی۔ اب جب سبز کپڑے کو کھولا تو وہ درمیانی سائز کا سبز ہلالی پرچم نکلا جس پر لگی چاند پور کی مٹی کے داغوں نے اس کا حسن اور دوبالا کر دیا تھا۔ مائرہ دونوں ہاتھوں سے پرچم کو اپنی آنکھوں کے سامنے پھیلا کر کچھ دیر نہایت غور سے دیکھتی رہی اور پھر بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ منزہ تو بیٹی کے جذبات کو سمجھتی تھی سو وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی لیکن نانی کی گود میں بیٹھا ننھا بابر حیران کن نظروں سے ماں کو دیکھنے لگا کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ جب مائرہ کے بھرے ہوئے دل کو سکون مل گیا تو اس نے پہلے تو پرچم کو سر پر اوڑھا اور پھر اسے بابر کے ننھے کاندھوں پر ڈال کر اس سے مخاطب ہوئی، ''بوبی! میری جان یہ تمھارے بابا نے صرف تمھارے لیے بھیجا ہے کہ تمھیں دوں۔ انھوں نے کہا ہے کہ تم نے بھی فوج میں جانا ہے اور یہ مٹی بھی تمھاری سالگرہ کا تحفہ ہے۔ یہ چاند پور کی مٹی ہے جہاں بابا نے پاکستان کے دشمنوں کو شکست دی۔ تم نے ہمیشہ اسے اپنے پاس رکھنا ہے۔'' وہ بول رہی تھی اور بابر مسکرا کر اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اسے ساری بات سمجھ آ گئی ہو۔

منزہ کو احساس ہو گیا کہ مومو اس وقت حسین یادوں میں کھو چکی ہے سو اس نے خود ہی اسے کہہ

دیا کہ وہ بابر کو لے کر کمرے میں چلی جائے اور آرام سے خط پڑھے، کھانا وہ خود بنا لے گی۔ مائرہ اسی اجازت کی منتظر تھی، ماں کا شکریہ ادا کر کے بولی، ''ماما! بابر کو بھی آپ ہی سنبھالیں تھوڑی دیر کے لیے۔ میں خط نہایت سکون اور لگاؤ سے پڑھنا چاہتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے بیڈروم میں چلی گئی۔ کمرے میں جاتے ہی اس نے سب سے پہلے سائڈ ٹیبل پر پڑی مشفق کی مسکراتی تصویر کو سینے سے لگایا اور پھر اسے بوسہ دیتے ہوئے بولی، ''جان خط لکھنے کا شکریہ۔ مجھے سچ میں بے حد انتظار تھا۔'' اس نے نہایت محبّت کے ساتھ لفافہ چاک کیا اور خط پڑھنا شروع کر دیا:

میری زندگی مومو!

کیسی ہو؟ مجھے یقین ہے کہ تم خیریت سے ہوگی اور تمھیں یقیناً میرا انتظار ہوگا؟ یاد ہے میں نے ایک دفعہ تم سے کہا تھا کہ مومو میری دھرتی کا مجھ پر ایک قرض واجب ہے اور جب بھی وقت آیا تو مجھے وہ قرض چکانا ہوگا۔ میں نے یہ خواہش کبھی بھی نہیں کی تھی کہ وہ وقت نہ آئے لیکن میری تمنا تھی کہ جب وہ وقت آئے تو میں اپنے روائتی دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑا ہوں لیکن یہ میری بدقسمتی کہہ لو کہ وقت نے مجھے اپنوں کے سامنے لا کھڑا کیا۔ تمھیں یہ بھی علم ہے کہ میں وقتی آرام و آسائش اور گھریلو سکون، اپنی وطن سے محبّت اور وفاداری کو تیاگ کر، وطن فروشوں سے سمجھوتہ کر کے حاصل کر سکتا تھا لیکن ایسا کر کے میں دُنیا کی نظر میں تو بعد میں گرتا سب سے پہلے میں اپنی نظروں میں ایسا گرتا کہ شاید کبھی دوبارہ نہ اٹھ سکتا۔ چنانچہ میں نے اس وقت کو اپنا قرض چکانے کے لیے موزوں وقت جانا۔ جس وقت تمھیں میرا خط ملے گا تو میرے وطن کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہوگا۔ میں مایوسی کو گناہ سمجھتا ہوں لیکن جو حالات جا رہے ہیں ان کو بھانپ کر میں نے نوشتہ دیوار پڑھ لیا ہے اور وفاق کی سلامتی کے بارے کچھ زیادہ پر امید نہیں ہوں۔ غیر ضروری اور فالتو افراد و سامان کی واپسی کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور اب تو آخری پروازیں ہیں جن سے دیگر افراد کے علاوہ میری بٹالین کی اکثریت بھی واپس آ رہی ہے۔ میرا استحقاق تھا کہ میں بھی واپس آتا لیکن میں نے یہاں رہ کر آخر دم تک لڑنے کو ترجیح دی ہے اور واپس آنے سے انکار کر دیا ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ تمھیں مایوسی ہوئی ہوگی لیکن یہ بات ذہن نشین کر لینا کہ میں اگر تمھارے پاس واپس نہیں آیا تو میں ڈھاکہ بھی واپس نہیں جا رہا جہاں اماں اور روبی ہیں کیونکہ میں وہاں کبھی رہنا پسند نہیں کروں گا جو زمین میرا وطن نہ کہلائے۔

چودہ اگست کو بابر اور پاکستان دونوں ہی کی سالگرہ تھی اور اتفاق سے اس روز مجھے ایک آپریشن

کے لیے چاند پور جانا پڑا جو الحمدللہ کامیاب رہا۔ کامیابی کے بعد مجھے تم دونوں یاد آئے تو بابر کی سالگرہ بھی یاد آئی۔ میرے پاس اور تو کچھ نہیں تھا لیکن وہاں کی مٹی میرے لیے بہت قیمتی تھی جسے میں نے قومی پرچم میں لپیٹ کر بابر کو تحفہ دینے کا فیصلہ کیا سو بھیج رہا ہوں۔ یہ انگوٹھی ماما (منزہ) نے مجھے شادی پر پہنائی تھی، ڈر ہے کہ جن حالات میں، میں ہوں کہیں گم نہ ہو جائے، یہ بھی تمھیں واپس بھجوا رہا ہوں۔ ان شاءاللہ ایک دن واپس آؤں گا تو اپنی امانت واپس لے لوں گا، لیکن اگر میں واپس نہ آسکا تو میری وصیت ہے کہ یہ انگوٹھی بابر کی دلہن کو شادی پر تحفہ دے دینا۔ مجھے پتہ ہے کہ تم سوچ رہی ہو کہ یہ تو مردانہ انگشتری ہے؟ ہاں بالکل درست بات ہے لیکن اس کی ہونے والی دلہن کو پتہ تو چلے گا کہ وہ ایک نڈر محب وطن سپاہی کی بہو ہے۔ سپاہیوں کے تحفے اصناف کی حدود و قیود سے بالکل آزاد ہوتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ میرا بیٹا ایک دن اپنے بابا اور ماموں کی طرح آرمی میں جائے۔

موموجی! میجر شوکت مجھ سے یہ خط اور پیکٹ لے کر جا رہے ہیں، انھیں نہیں معلوم کہ اس کے بعد میں کہاں ہوں گا۔ جب تمھیں میری کوئی خبر نہ ملی تو ظاہر ہے تم بھی پریشان ہوگی۔ بہتر ہے کہ یہ موقع غنیمت جانتے ہوئے تمھیں ابھی سے اپنے پلان سے آگاہ کر دوں۔ جیسا کہ نظر آ رہا ہے کہ ہر طرف سے گھرنے کے بعد مشرقی کمانڈ کو جنگ بند کرنا پڑیگی اور ظاہر ہے اس کے بعد وہی ہوگا جو دشمن چاہتا ہے۔ اگر خدانخواستہ ایسی کوئی صورت ہوئی تو میں اپنے کمپنی کمانڈر کو اطلاع دے کر چٹا گانگ اپنی یونٹ پنجاب رجمنٹ کی طرف نکل جاؤں گا۔ وہاں سے اگر کیپٹن اسد نے ہامی بھری تو انھیں بھی ساتھ لوں گا اور برما کے راستے فرار کے منصوبے پر عمل کروں گا جو میں نے پہلے سے سوچ رکھا ہے۔ اس منصوبے میں بے یقینی کے ساتھ ساتھ بے حد خطرات بھی ہیں لیکن یہی خطرات جنگ میں بھی موجود ہوتے ہیں۔ اگر تمھیں میری کوئی خبر نہ ملے تو قطعی نہیں گھبرانا۔ کسی روز تمھارا مُشی اچانک لاہور پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹا دے گا۔ دروازہ تم ہی کھولنا تا کہ میں اپنی مائرہ کو سینے سے لگا لوں اور اس وقت تک لگائے رکھوں جب تک میرا جی نہ بھر جائے۔ مجھے نہیں علم کے مجھے پاکستان پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا۔ ایک دُنیا سے گزر کر مجھے آنا ہے۔ چھ ماہ بھی لگ سکتے ہیں اور سال بھی لیکن اگر تمھیں ایک ڈیڑھ سال تک میری کوئی خبر نہ ملے تو تم اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہو۔ میرے انتظار میں اپنی زندگی ہرگز برباد نہ کرنا۔ بابر کی اس طرح تربیت کرنا کہ وہ آرمی جوائن کرنے کی جانب راغب ہو، یہ میری خواہش ہے۔ فوزیہ کو کہنا کہ اگر اسے کیپٹن اسد کی کوئی خبر نہ ملے تو سمجھ لے کہ وہ اس فرار کے منصوبہ میں میرے ساتھ شامل

ہے لیکن اگر وہ میرے ساتھ نہیں جاتے تو پھر دو تین ماہ تک ان کے متعلق کہیں نہ کہیں سے اسے خیریت کی خبر مل ہی جائے گی۔

انکل اور ماما کو میرا بہت بہت سلام کہنا۔ مجھے ان کے ساتھ گزاری شامیں بہت یاد آتی ہیں۔ خصوصاً انکل لبرٹی سے جو سموسے لایا کرتے تھے وہ نہیں بھولتے۔ جس روز ان شاءاللہ واپس آیا میں نے دو کام کرنے ہیں؛ پہلا تو یہ کہ انکل کے لائے سموسے کھاؤں گا اور دوسرا تمھارے شانے پر سر رکھ کے خوب سوؤں گا۔ مجھے تمھارے ساتھ گزاری وہ آخری رات بہت یاد آ رہی ہے جب میں تم لوگوں کو رخصت کرنے کے لیے ایک روز کی چھٹی پر ڈھاکہ آیا تھا۔ تم نے جس طرح وہ شب میرے نام کی میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ نجانے آج میری چھٹی حس کیوں مجھے یہ خبر دے رہی ہے کہ ہم جب بھی ملے تم مجھے خبر دوگی کہ مُشی آپ ایک نہیں دو بچوں کے باپ ہو۔ اپنی صحت کا خاص خیال رکھنا۔ میں نے جس خوبصورت مائرہ کو الوداع کیا تھا، واپس آ کر اسی سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ تمھاری سرمئی آنکھوں کو بہت سارا پیار۔

اللہ نے چاہا اور زندگی رہی تو دوبارہ ملیں گے اور اگر میں تمھاری یادوں سے محو ہونا شروع ہو گیا تو سمجھ لینا کہ میں دُنیا میں نہیں رہا، پھر میرے لیے ہاتھ اٹھا کر دعائے خیر کر دیا کرنا۔ خط بند کرنے کو دل تو نہیں کرتا لیکن ابھی زندگی کے بہت سے اہم فیصلے کرنے ہیں اور وقت بہت کم ہے۔ اجازت چاہوں گا۔

بہت پیار اور دعاؤں کے ساتھ

صرف اپنی موموکا

مُشی

مائرہ نے خط بند کیا اور بے اختیار تکیے میں سر دے کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مشفق کے خط کے ایک ایک لفظ سے اسے اپنی اہمیت کا احساس ہو رہا تھا۔ اسے یہ تو پتہ تھا کہ مُشی اسے پیار کرتا ہے لیکن اتنا کرتا ہے یہ اسے آج معلوم ہوا۔ وہ حیران تھی کہ مشفق کی چھٹی حس نے اسے خبردار کر دیا تھا کہ تمھاری مومو دوبارہ ماں بننے والی ہے۔ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی اور نجانے کب وہ ہلکان ہو کر نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

O

مشفق اسے بہت احتیاط کے ساتھ جنگل میں لے کر جا رہا تھا۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ اس کی مومو کو ذرہ بھر خراش تک نہ آئے۔ مومو نے ایک آدھ دفعہ اس سے پوچھا بھی کہ مُشی ابھی اور کتنا چلنا ہے تو وہ ہنس کر جواب دیتا،'' مومو حوصلہ کرو۔ ابھی تو سفر شروع ہی ہوا ہے اور جو سفر پیدل کیے جائیں وہ مشکل سے ہی ختم ہوتے ہیں۔ ہاں تم اگر تھک گئی ہو تو واپس چلی جاؤ مجھے تو ابھی آگے جانا ہے۔ میری مومو میرا انتظار کر رہی ہے۔''

''لیکن جان! میں تو آپ کے ساتھ ہوں؟''

''نہیں تم مومو نہیں ہو بلکہ تم میرا حوصلہ ہو جسے میں نے مومو کا نام دیا ہوا ہے۔ یہ مائرہ میری ہمسفر رہے گی تو میں اپنی مائرہ تک پہنچوں گا۔''

وہ دونوں بدستور چلتے جا رہے تھے کہ ناگہانی طور پر آگے دلدلی علاقہ آ گیا جس کا مشفق کو نہ پتہ چلا اور وہ اس میں دھنسنے لگا۔ کچھ دیر تو مائرہ نے زور لگا کر اسے نکالنے کی کوشش کی لیکن کب تک بالآخر اس کا ہاتھ مشفق کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ مائرہ نے زور زور سے شور مچانا شروع کر دیا،'' کوئی ہے؟ خدا کے واسطے میرے مُشی کو بچا لیں۔'' لیکن وہاں دور دور تک کوئی ذی روح نہیں تھا۔ مائرہ ہسٹیریائی انداز میں چیخے چلی جا رہی تھی کہ خدا کے واسطے مُش کو بچا لیں، میں مر جاؤں گی۔

''ہوش کرو مائرہ! کیا ہو گیا ہے تمھیں؟ کوئی ڈراؤنا خواب تو نہیں دیکھا تم نے؟'' منزہ اسے جھنجوڑ رہی تھی جو اس کی چیخیں سن کر دوڑی چلی آئی تھی۔ مائرہ کو بھی چند لمحوں بعد احساس ہوا کہ وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی تھی۔ جہاں ایک طرف اس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ ایک خواب تھا حقیقت نہیں وہیں دوسری جانب اس خواب کی دہشت ہنوز اس کے ذہن پر سوار تھی۔

''میری جان کوئی خواب دیکھا ہے کیا؟'' منزہ نے دوبارہ پوچھا۔

''جی ماما بہت بھیانک خواب تھا۔ مشفق کو دلدل میں پھنسے دیکھا ہے۔''

''میرا خیال ہے تم اس کا خط پڑھتے ہوئے سو گئی تھیں شاید اسی لیے۔''

''جی ماما بلکہ پڑھتے پڑھتے روئی بھی بہت اور روتے روتے سو گئی تو خواب دیکھا۔''

''اس کا خط تمھارے ذہن پر سوار تھا شاید اسی وجہ سے خواب دیکھا۔ فکر نہ کرو، ویسے بھی دن کے وقت کے خواب کبھی سچے نہیں ہوتے۔ چلو فریش ہو کر نیچے آؤ۔ بابر بھی تمھیں کافی دیر سے ڈھونڈ رہا ہے۔''

''آپ چلیں میں آ رہی ہوں۔'' مائرہ، منزہ کو بھیج کر واش روم میں گئی منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، سوجی ہوئی آنکھوں پر انگلیوں کی پوروں سے ہلکا ہلکا مساج کیا اور حلیہ ٹھیک کیا۔ اس نے دائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی میں پہن ہوئی مشفق کی انگوٹھی کو چوما اور نیچے چلی گئی۔

منزہ نیچے اس کی منتظر تھیں اور بابر نے بھی ماں کو دیکھ کر والہانہ انداز میں بازو پھیلا دیئے۔ مائرہ نے بابر کو گود میں لیا اور ماں کے پاس صوفے پر بیٹھ کر اس کے شانے پر سر رکھ دیا۔

''کیسی ہے طبیعت میری بیٹی کی؟'' مائرہ نے پوچھا۔

''جی ماما بہتر ہوں۔ وہ بس خواب دیکھ لیا تھا اس لیے شاید خوفزدہ ہو گئی تھی۔''

''مُش نے خیر کا خط لکھا ہے؟ مجھے پوچھنا تو نہیں چاہیے کیونکہ یہ تم دونوں کا نجی معاملہ ہے لیکن ماں ہوں تو فکر تو ہوگی۔''

''جی ماما.... مجھے بہت مس کر رہے تھے اس خط میں اور دوسرا بتایا ہے کہ وہ شکست تسلیم نہیں کریں گے اور ایسا موقع آیا تو Escape (فرار) کو ترجیح دیں گے۔ مطلب کہ اس وقت وہ یقیناً مشرقی پاکستان سے نکل چکے ہونگے۔ نجانے کہاں ہونگے اور کس حال میں ہونگے؟''

''حوصلہ میری جان.... ان شاء اللہ وہ رب العزت کی امان میں رہے گا۔ بالکل فکر مت کرو۔''

''ماما فکر کیسے نہ کروں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ میرا سال سے زیادہ انتظار نہ کرنا اور نہ ہی اپنی زندگی خراب کرنا۔ آپ ہی بتائیں بھلا میں ایسا کرنے کا سوچ سکتی ہوں؟''

''اوہو تو کیا ہوا؟ اس نے کہہ دیا اور تم نے پڑھ لیا بات ختم۔ یہ تو تمھاری مرضی ہے ناں کہ کیا فیصلہ کرتی ہو؟ کوئی زور زبردستی تھوڑی ہی ہے۔ اچھا چھوڑو یہ بتاؤ کہ کھانا ابھی کھانا ہے یا تمھارے بابا آئیں گے تو ان کے ساتھ کھاؤ گی؟''

''کھانا تو بابا کے ساتھ ہی کھاؤنگی لیکن اس وقت کچھ چٹ پٹا اگر مل جائے تو تسلی ہو جائے گی۔''

''ہزار بار اس لڑکی کو کہا ہے کہ اس حالت میں زیادہ لمبا فاقہ مت کیا کرو مگر مجال ہے جو کسی کی سنے۔ کل شام کو چائے پر جو چاٹ بنائی تھی وہ تھوڑی سی پڑی ہے۔ ٹھہرو میں وہ لاتی ہوں۔'' منزہ کچن میں گئی تو مائرہ بابر سے باتیں کرنے لگ گئی۔ وہی باتیں جو وہ کچھ دیر پہلے اس سے کر چکی تھی، ''بوب! آپ کے بابا کا خط آیا ہے۔ وہ آپ کو بہت مس کر رہے ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ آپ کو بہت ساری پپیاں

کروں اور جب آپ بڑے ہو جائیں تو آپ کو آرمی میں بھیجوں۔'' وہ باتیں کیے جا رہی تھی اور بابر گول مٹول آنکھیں کھولے حیرت سے ماں کو تک رہا تھا۔ حمید سٹور سے جلدی آ گئے تھے۔ کھانے کی میز پر انھیں بھی مشفق کے خط بارے بتایا گیا۔ وہ بھی کچھ پریشان ہوئے لیکن مائرہ کے سامنے فوراً خود پر قابو پا لیا مبادا وہ مزید پریشان نہ ہو جائے۔

مشفق کا خط ملنے کے بعد سے ہی مائرہ کے ذہن میں تھا کہ وہ فوزیہ کو فون کرے گی اور کیپٹن اسد بارے اسے تسلی دینے کی کوشش کرے گی۔ دراصل فوزیہ بہت دفعہ الٹے سیدھے خدشات کا اظہار کر چکی تھی جس کے باعث اسے فون کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر مائرہ نے فوزیہ کو فون کیا۔

''ہیلو فوزیہ کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں اور جی رہی ہوں۔ تم سناؤ پریگنینسی کیسی چل رہی ہے؟ سب ٹھیک ہے ناں؟''

''اللہ کا شکر ہے۔ ساتواں شروع ہونے والا ہے اور میں پھیل کر میونسپل کمیٹی کا ٹرک بن چکی ہوں۔'' مائرہ نے فوزیہ کا موڈ خوشگوار کرنے کے لیے پھلجھڑی چھوڑی۔

''بس بس ٹرک کی حد تک رہنا، کہیں ٹائٹینک بننے کی کوشش نہ کرنا۔ اور سناؤ مشفق بھائی کی کوئی خبر ملی یا نہیں؟''

''تجھے یہی بتانے کے لیے تو فون کیا ہے۔''

''کیا.... مشفق بھائی آ گئے ہیں یا ان کا کوئی اتہ پتہ مل گیا ہے؟'' فوزیہ نے خوشی اور حیرت کے ملے جلے جذبات سے کہا۔

''ایسی خوش قسمت میں کہاں کہ وہ آ جائیں۔ رہی ان کی خبر تو پتہ چل بھی گیا ہے اور نہیں بھی۔''

''کیا مطلب کہ پتہ چل بھی گیا ہے اور نہیں بھی؟ پہیلیاں مت بجھواؤ اور صاف صاف بات کرو۔''

''تم بات کرنے کا موقع دو گی تو بتاؤں گی ناں؟''

''ہاں بولو، میں سن رہی ہوں۔'' فوزیہ کھسیانی سی ہو کر بولی۔

''آج صبح مشفق کی SSG یونٹ سے میجر شوکت بھائی آئے تھے۔ ایک پوٹلی میں مشرقی پاکستان کی مٹی اور پاکستان کا پرچم تھا اور اس کے ساتھ مشی کی انگوٹھی اور میرے نام خط۔''

''لیکن وہ خود کدھر ہیں؟ کہیں جنگی اسیر تونہیں بن گئے؟ کیونکہ جنگ کے اختتام پر جن سپاہیوں سے ہتھیار رکھوائے گئے تھے انھیں بھارت جنگی قیدی بنا کر اپنے ملک منتقل کر رہا ہے۔''

''نہیں فوزی میرے مُشی ان میں نہیں ہیں۔ اس خط میں انھوں نے لکھا ہے کہ وہ شکست تسلیم نہیں کریں گے اور اسیر جنگ بننے کی بجائے فرار ہونا زیادہ پسند کریں گے لیکن وہ اس وقت کہاں ہیں یہ مجھے یا کسی کو بھی معلوم نہیں۔''

''اسد کی بھی تو کوئی خبر نہیں۔ پتہ نہیں وہ کس حال میں ہونگے؟''

''ہاں.... میں تمھیں یہی بتانے والی تھی کہ مُشی نے لکھا ہے کہ چٹا گانگ اپنی پنجاب رجمنٹ میں جائیں گے اور اگر اسد بھائی نے ہامی بھری تو اس فرار میں انھیں ساتھ رکھیں گے اور اگر وہ ساتھ نہ گئے تو جنگی اسیران کے کیمپوں سے رابطہ ہونے پر یقیناً ان کی خبر مل جائے گی۔''

''مطلب فی الحال اسد کا بھی کچھ پتہ نہیں؟'' فوزیہ نے نہایت مایوسی سے کہا۔

''ہاں فوزی لیکن میری دعا ہے کہ یہ دونوں اگر واقعی فرار کا تہیہ کر چکے ہیں تو جہاں بھی ہوں خیریت سے ہوں۔''

''دعا تو میری بھی یہی ہے مومو لیکن پتہ نہیں کیوں، ہر وقت ایک عجیب سا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ دل کو تسلی دینے کی کوشش کرتی ہوں تو وہ میری ماضی کی محرومیوں کو میرے سامنے لا کھڑا کرتا ہے۔ اسد سے ایک عجیب سی انسیت ہوگئی ہے جو محبت سے بھی بہت آگے کی شے ہے۔ میں تو اکثر یہ دعا مانگتی ہوں کہ مجھے بیشک مایوسیاں ملیں لیکن ان کی سزا اسد کو کسی طور نہ ملے۔ اللہ انھیں ہمیشہ اپنی امان میں رکھے۔ مومو! میں نے اپنی زندگی میں اتنا راست گو، ٹوٹ کر پیار کرنے والا اور عورت کو عزت اور مان دینے والا اسد جیسا مرد آج تک نہیں دیکھا۔''

''فوزی دل چھوٹا نہیں کرتے۔ ہر دھوپ کے بعد اگر چھاؤں ہے تو ہر غم کے بعد خوشی اور ہر مایوسی کے بعد امید بھی طلوع ہوتی ہے۔ اچھے دن ضرور آئیں گے۔ حوصلہ رکھو۔''

دونوں نے جلد ملنے کا وعدہ کیا اور فون بند کر دیا۔

O

مشفق، اسد اور عاشق کو دکشن نالہ سے چلے آج اندازاً ایک ماہ ہو گیا تھا اور اس بات کا اندازہ بھی وہ دن کی روشنی اور رات کے اندھیروں سے لگا رہے تھے ورنہ وثوق سے وہ بھی نہیں کہہ سکتے تھے کہ

انھیں سفر شروع کیے کتنے روز بیت گئے تھے۔ان کا شروع کا سفر ہی اتنا کٹھن اور مشکلات سے پر تھا تو آگے ان کے ساتھ نجانے کیا ہونے والا تھا۔کوئی ہفتہ ڈیڑھ قبل سپاہی عاشق کو ایک سانپ نے ڈس لیا تھا جس کی وجہ سے انھیں اپنا سفر کچھ دنوں کے لیے ملتوی بھی کرنا پڑا۔ وہ تو شکر ہے کہ مشفق کی گوریلا ٹریننگ کام آگئی ورنہ جان جا بھی سکتی تھی۔مشفق کی ہدایت کے مطابق وہ اپنی کھانے پینے کی اشیا اور پانی کم سے کم استعمال کرتے تھے۔ زیادہ تر ان کی کوشش ہوتی کہ وہ خود کو جنگلی جڑی بوٹیوں، پھلوں کا عادی بنائیں۔ پانی کے حصول کے لیے بھی انھوں نے جنگل کے باسیوں کے روائتی طریقے اپنائے، مثلاً جہاں رکنا گڑھے کھود لینا تاکہ بارش ہو تو پانی جمع کیا جا سکے، اس کے علاوہ درختوں کے پتوں سے مخصوص کیف بنانا جس کے ذریعے رات بھر شبنم کے قطرے ٹپک ٹپک کر نیچے رکھے برتن میں جمع ہوں۔وہ ایک مدت سے دھوپ دیکھنے کو ترس گئے تھے لیکن دن میں جنگل سے باہر نکلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

فرار کا منصوبہ تیار کرتے وقت راہ میں بہت سی مشکلات آتی ہیں مثلاً لوگ، راستے، ماحول سب اجنبی اور منصوبہ بنانے والے کے مخالف ہوتے ہیں۔اسے ان سے بچ بچا کر آگے بڑھنا ہوتا ہے جو کہ ایک خاصا مشکل کام ہوتا ہے۔موت قدم قدم پر آنکھیں دکھاتی ہے۔سفر نہایت سست انداز میں طے کرنا ہوتا ہے۔جلدی کا دوسرا نام موت ہوتا ہے۔حالات موافق ہوں تو ایک رات میں چار پانچ میل سفر بھی طے کیا جا سکتا ہے لیکن اگر صورت حال بدتر ہو رہی ہو تو پھر ایک ہفتے میں دو میل بھی نہیں طے ہو سکتا۔اپنے آپ کو حالات کے سپرد کرنا پڑتا ہے جس سے منزل تک پہنچنے میں تاخیر تو ہو سکتی ہے لیکن کامیابی کے امکانات زیادہ روشن ہوتے ہیں۔نقشے اور قطب نما ہاتھ میں ہونے کے باوجود اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مہینے بھر کا سفر کرنے کے بعد جب آپ اپنی موجودہ پوزیشن کو نقشے پر تلاش کرتے ہیں تو عقدہ کھلتا ہے کہ ۔

یہ تو وہی جگہ ہے گزرے تھے ہم جہاں سے

ایسے میں انسان کا خودکشی کرنے کو دل چاہتا ہے۔اکثریت مایوس ہو کر خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتی ہے لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ہمت نہیں ہارتے اور عزم نو کے ساتھ پھر سے اپنا سفر شروع کرتے ہیں۔دوسری جنگ عظیم کے جرمن لیفٹیننٹ کارنیلیئس روسٹ کی مثال مشفق کے سامنے

تھی جو سائبیریا کے برفانی صحرا سے روسیوں کی قید سے ۱۹۴۴ء میں فرار ہو کر سات ہزار میل کا سفر طے کر کے ۱۹۴۷ء میں تہران میں نمودار ہوا۔ اس دوران اس نے ہر وسیلہ سفر آزمایا جس میں پیدل سفر سے لے کر گھوڑ سواری اور ٹرین کا سفر تک شامل تھے۔ یہ خوش قسمتی کی بات تھی کہ ابھی تک ان تینوں میں سے کوئی بھی ہمت نہیں ہارا تھا۔ سفر سیدھا سیدھا ہوتا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا، اس صورت میں دکشن نالہ سے برما کے دارالحکومت رنگون تک زیادہ سے زیادہ آٹھ نو سو میل کا ہوتا لیکن انھوں نے سفر کا منصوبہ بناتے وقت چند اہم باتوں کا خاص خیال رکھا تھا۔ پہلا تو یہ کہ انھوں سفر کا بیشتر حصہ برما کے مسلم اکثریت والے صوبہ 'اراکان' میں طے کرنا تھا تا کہ خدانخواستہ اگر کہیں کوئی مسئلہ درپیش آ بھی جائے تو مقامی لوگ مسلمان ہونے کے ناطے ان سے شاید نرمی کا سلوک کریں۔ سفر کے بالکل آخری حصہ میں انھوں نے (Kyetpaung) کیٹپا ننگ کے جنگلات سے نکل کر بدھ مت آبادی والے پہلے شہر (Yegyi) یگی کے نواح میں پہنچنا تھا اور پھر وہاں سے (Inma) انما، (Pantanow) پٹانوا، (Samalouk) سمالوک اور (Hatantabin) ہٹنٹابن سے ہوتے ہوئے رنگون پہنچنا تھا جہاں انھوں نے کسی نہ کسی طرح پاکستانی ایمبیسی میں رپورٹ کرنی تھی جو انھیں مغربی پاکستان پہنچاتی۔ منزل مقصود کا سوچ کر ان کے ارادوں میں نئی طاقت آ جاتی تھی اور وہ تازہ دم ہو کر اگلی منزل کی جانب پیش قدمی شروع کر دیتے تھے۔

مشفق یقین سے تو نہیں کہہ سکتا تھا لیکن نقشے کے حساب سے وہ قصبے (Bothidoung) بوتھیڈونگ کے مغرب کی جانب سے لمبا چکر لگا کر اس وقت اس قصبے کے مشرق کی جانب گھنے جنگل میں موجود تھے۔ اندھیرے میں انھیں قصبے کی کچھ ٹمٹماتی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ مشفق نے گاؤں جانے کا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا۔ مقصد ایک ہی تھا کہ کچھ کھانے کے لیے لایا جائے۔ جنگل کے اندر ایک محفوظ جگہ پر اس نے پڑاؤ ڈال کر کیپٹن اسد اور عاشق کو انتظار کرنے کا کہا۔

''سر میں ذرا اس گاؤں کا چکر لگانا چاہتا ہوں۔ کچھ کھانے کے لیے بھی ڈھونڈتا ہوں اور شاید کوئی انفارمیشن بھی مل جائے۔''

''کتنی دیر لگے گی پارٹنر؟'' اسد نے سوال کیا۔

''میرے خیال میں ایک گھنٹہ سے کم کیا لگے گا۔ لیکن آپ نے یہاں سے بالکل نہیں ہلنا۔ میرا

نہیں خیال کہ کوئی ادھر آئے گا لیکن بالفرض کوئی ادھر کا رخ کرے بھی تو آپ دونوں نے دم سادھ لینا ہے تاوقتیکہ خطرہ ٹل نہ جائے۔ اور اگر خطرہ سر پر پہنچ کر آپ کے لیے مصیبت بن جائے تو پھر آخری حل کے طور پر چھٹکارا حاصل کر لیجیے گا۔ لیکن میرا نہیں خیال کہ ایسی نوبت آئے گی۔''

''تم وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو کہ ایسا نہیں ہوگا؟'' کیپٹن اسد نے سوال کیا۔

''سر اس لیے کہ یہ لوگ بنیادی طور پر مسلمان اور امن پسند ہیں۔ آپ کو پتہ ہے کہ ان کے بڑوں نے ۱۹۴۰ء میں قائداعظم سے درخواست کی تھی کہ اراکان کے خطہ کو بھی پاکستان میں شامل کیا جائے لیکن ہمارے دشمنوں نے ایسا نہیں ہونے دیا۔''

''اچھا اب تم نکلو۔ دیر مت کرو۔ اگر تھوڑی سی اور دیر کر دی تو کہیں ہمیں آج پھر جڑی بوٹیاں نہ کھانی پڑیں۔''

''بس میں جا رہا ہوں۔ اور ہاں، خدانخواستہ اگر میں نہیں آتا تو آپ نے گھبرانے کی بجائے چوبیس گھنٹے انتظار کر کے اپنا سفر کل رات سے دوبارہ شروع کر دینا ہے۔ نقشہ اور قطب نما آپ کے پاس چھوڑے جا رہا ہوں۔ میں نے روٹ ایک کاغذ پر اتار لیا ہے اور اس ناگہانی صورت میں آپ سے ملنے کی پوری کوشش کروں گا لیکن آپ نے میرے لیے کسی بھی جگہ پر نہ ہی رکنا ہے اور نہ ہی انتظار کرنا ہے۔''

"Don't you worry buddy." (فکر مت کرو دوست) مجھے پتہ ہے کہ تم ایک پھرتیلے چیتے ہو۔ جاؤ کچھ کھانے کے لیے لاؤ، آج پارٹی کرتے ہیں۔'' اسد نے ماحول کو لطیف بنانے کے لیے شگوفہ چھوڑا۔

رات کا پہلا پہر تھا اور ان کی گھڑیاں، جنھیں انھوں نے برما میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہاں کے وقت کے مطابق کر لیا تھا، رات نو بجے کا وقت بتا رہی تھیں۔ کیپٹن مشفق نے اپنا کمر سے بندھا خنجر اور پستول ہاتھ مار کر چیک کیا اور کسی محتاط چیتے کی مانند دبے پاؤں گاؤں کی جانب روانہ ہو گیا۔ سپاہی محمد عاشق نے جواب بہت بہتر محسوس کر رہا تھا کیپٹن اسد کو نیند لینے کا کہا اور کہا کہ وہ تین گھنٹے کے لیے پہرہ دے گا۔ اسد وہیں درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر سو گیا۔ بمشکل پچاس منٹ گزرے ہونگے کہ مشفق واپس آ گیا۔ اس کی عاشق سے گفتگو سن کر اسد کی آنکھ بھی کھل گئی۔

''تم آ بھی گئے؟'' اسد نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اور کیا سر؟ جب اللہ مہربان ہو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ میرا ارادہ ایک گھر میں داخل ہونے کا تھا کہ پیچھے سے کسی نے مجھے برمی میں آواز دی کہ کون ہوں۔ میں گھبرا کر مڑا اور سوچا کہ اگر اس نے حملہ کیا تو پہل کر دوں گا لیکن قریب آیا تو دیکھا کہ وہ ایک پچاس سالہ مرد تھا جس نے خشخاشی داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ میں نے اشارے سے بتایا کہ برمی نہیں بول سکتا تو وہ بنگلہ بھاشا میں پوچھنے لگا کہ کیا اُردو یا بنگالی بول سکتا ہوں تو میں نے اثبات میں سر ہلایا۔''

''کمال ہے!!! ارے واہ۔''

''کوئی جہاندیدہ، بردبار شخص لگتا تھا۔ مجھ سے بنگلہ میں گفتگو شروع کر دی۔ نجانے کیوں میرا دل چاہا کہ اس پر اعتبار کروں سو میں نے دل میں یہ سوچ کر اسے ساری حقیقت بتا دی کہ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو پہل کرنے کی آپشن تو میرے پاس ہے ہی۔ یہ اس کے لیے خبر تھی کہ مشرقی پاکستان اب بنگلہ دیش بن گیا ہے اور اسے افسوس بھی ہوا۔ پاس ہی اس کا گھر تھا وہ مجھے ساتھ لے گیا اور باہر انتظار کرنے کو کہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مچھلی اور ابلے ہوئے چاول اور کچھ فروٹ کے ساتھ باہر نکلا اور بولا کہ اس وقت تو گھر میں یہی ہے۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس سے پوچھا کہ رنگون کتنی دور ہے جس پر اس نے کہا کہ بہت دور ہے۔ نام سنا ہے کبھی گیا نہیں۔''

''لگتا ہے تمھاری خوب گپ شپ ہوئی اس کے ساتھ؟''

''بس سر کوشش تھی کہ زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کروں۔ ہاں اتنا پتہ چل گیا کہ رنگون جانے کے لیے ہمیں یہ مشرق میں پہاڑی جنگل جس کے دامن میں ہم بیٹھے ہیں اس کو عبور کرنا ہوگا اور اس کے دوسری جانب دو نسبتاً بڑے قصبے (Sanmyaywa) سنمایاوا اور (Kyauktaw) کیوکتا ہیں اور ہمیں ان کے درمیان سے گزر کر جنوب مشرق کی سمت میں سفر جاری رکھنا ہوگا یعنی نقشے کے حساب سے ہم درست سمت میں سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔''

''چلو یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی پہلے پیٹ پوجا تو کر لیں۔ آج چاول مچھلی کھانے کا مطلب ہے کہ ہم پارٹی کر رہے ہیں۔''

سب ہنسنے لگے عاشق نے کھانا ہلکا پھلکا گرم کیا جس کے بعد مشفق نے اگلا لائحہ عمل بتایا۔ پلان کے مطابق انھوں نے اس رات اور اگلے دن کو اسی پناہ گاہ میں قیام کرنا تھا اور تازہ دم ہو کر اگلی شب سے پہاڑی جنگل کا سفر شروع کرنا تھا۔ اگلے تین گھنٹوں کے لیے اسد نے پہرہ دینے کی ذمہ داری

اٹھائی جبکہ عاشق اور مشفق دونوں جلد ہی گہری نیند سو گئے۔

ان کا اگلا پورا دن پہاڑ کے دامن والے جنگل ہی میں گزرا۔ دن کا صرف احساس ہو رہا تھا کہ ہے، ورنہ جنگل اس قدر گھنا تھا کہ ہر طرف تاریکی کا ہی راج تھا۔ مشفق نے اگلے پڑاؤ تک کے لیے نقشے پر ریکی کی۔ غیر کارآمد چیزوں اور کوڑا کرکٹ کو ایک جگہ احتیاط سے دفنایا۔ جوں جوں سفر آگے بڑھ رہا تھا یہ لوگ توں توں ہلکے پھلکے ہو رہے تھے۔ پانی کی بوتلیں اور چھاگلیں انھوں نے پاس کے نالے سے بھر لی تھیں اور اب وہ مغرب کے بعد سفر کے لیے تیار تھے۔ اس گاؤں والے شخص نے انھیں جنگل میں سانپوں اور بادلی باگھ، (clouded leopard) جو ان جنگلوں میں پائی جانے والی چیتے کی ایک قسم تھی، سے محتاط رہنے کو کہا تھا۔ اندھیرا ہوتے ہی انھوں نے پہاڑ کی چڑھائی کا سفر شروع کیا۔ ان کے سامنے اب دو کٹھن کام تھے؛ اس خطرناک جنگل کو عبور کرنا اور پہاڑ کی چڑھائی۔ وہ آہستہ آہستہ نہایت محتاط انداز میں آگے بڑھ رہے تھے۔ مشفق کی ہدایت کے مطابق وہ سب اپنی اندھیرے میں دیکھنے کی صلاحیت کو بڑھا رہے تھے اسی لیے ٹارچ کا استعمال کم سے کم کیا جا رہا تھا۔ تقریباً چار پانچ گھنٹے کا سفر طے ہو چکا تھا لیکن چڑھائی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی ہاں البتہ جنگل اب اتنا گھنا نہیں رہا تھا۔ کچھ دیر بعد جب انھیں صبح صادق کی پہلی روشنی کے آثار نظر آنے شروع ہوئے تو انھوں نے وہیں پڑاؤ کا فیصلہ کیا۔ ویسے بھی ان مشکل حالات میں، یکمشت اتنا سفر کافی تھا۔ اونچائی پر انھیں ایک نئے پھل کی جھاڑیاں نظر آئیں جو پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ بیر سے ملتا جلتا یہ پھل سب سے پہلے مشفق نے چکھا۔ کچھ دیر منہ میں رکھنے کے بعد جب وہ اسے بے ضرر لگا تو گودا نگل گیا۔ یہ خاصا رسیلا پھل تھا جس کے گودے نے بھوک مٹائی اور رس نے پیاس بجھائی۔ سب نے وہ سیر ہو کر کھایا اور پھر ایک محفوظ جگہ پر پناہ گاہ بنا کر اپنے وضع کیے ہوئے ضابطوں کے تحت آرام کرنے لگے۔

دن کا اجالا ہوا تو ان سب کی آنکھ کھل گئی۔ وہ سب دیکھ رہے تھے کہ اونچائی پر جنگل اتنا گھنا نہیں تھا اور ابھی مزید چڑھائی باقی تھی۔ مشفق نے علاقے کا جائزہ لینے کی ٹھانی اور ان دونوں کو وہیں رکنے کا کہا۔ موسم ابر آلود تھا اور نجانے کیوں اسے مشرقی پاکستان کی یاد آ گئی۔ وہ خیالوں میں گم دھیرے دھیرے چڑھائی چڑھ رہا تھا اور ساتھ ساتھ سب کو یاد کر رہا تھا۔ اماں نجانے کیسی ہوں گی؟

روبی بھی تو اداس ہوگی۔ اور پھر لاہور میں مائرہ اور بابر پتہ نہیں کیسے ہونگے؟ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اسے یاد نہ کرتے ہوں۔ مومو یقیناً بابر کو میری تصویر دکھا کر پہچان کرواتی ہوگی کہ دیکھو یہ ہیں تمھارے بابا۔ میں اگر اس سفر کی بجائے باقیوں کے ساتھ شکست تسلیم کر لیتا تو کبھی نہ کبھی تو گھر پہنچ ہی جاتا لیکن اب تو یہ محض ایک کوشش اور خواب ہی ہے۔ مگر نہیں، میں کیوں شکست تسلیم کرتا جبکہ میرا عہد تھا کہ میں آزاد پاکستان کی سرزمین پر رہوں گا تو پھر مجھے یہی کچھ کرنا چاہیے تھا جو میں نے کیا ہے۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو میں ایک دن ضرور اپنوں سے ملوں گا اور اگر یہ میری قسمت میں نہیں تو کم از کم مومو اور بابر دُنیا کے سامنے فخر سے سر تو بلند کر سکیں گے کہ میں نے مرنا پسند کیا لیکن دشمن کے ہاتھ نہیں آیا۔

اچانک اس نے محسوس کیا کہ وہ چوٹی پر پہنچ چکا ہے۔ یہ ایک مختصر سا میدان تھا جس پر درخت قدرے کم تھے۔ قدرت کی صناعی کا یہ ایک ایسا نظارہ تھا جس نے اسے دم بخود کر دیا۔ ایک ایسا حسین و جمیل پرندہ جو اس نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، نہایت سریلی آواز میں چہک چہک کر اسے خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ شاید اس نے بھی اس سے پہلے کبھی کسی انسان کو نہیں دیکھا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ معصوم پرندہ بھلا اس کی زبان کہاں سمجھے گا پھر بھی مشفق نے اس کا شکریہ ادا کیا، ''ہیلو ننھے دوست! تمھارا بہت شکریہ۔ کاش کہ تم لاہور جا سکتے تو میں تمھارے ہاتھ اپنے بیٹے کو پیار بھیج سکتا۔'' پرندے نے ایک بار پھر اسی سریلی آواز میں کچھ کہا اور ایک جانب اڑتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا جیسے وہ مشفق کی بات سمجھ گیا ہو اور اس کا پیار اس کے بیٹے بابر کو پہنچانے چلا گیا ہو۔ مشفق کا خیال تھا کہ نجانے اسے کتنا اوپر چڑھنا ہوگا لیکن یہ تو بمشکل دو میل بھی نہیں تھا۔ اس نے چوٹی کے اس چھوٹے سے میدان پر مشرق کی جانب بڑھنا شروع کیا۔ بمشکل تین چار سو گز کے بعد مشرقی ڈھلوان شروع ہوگئی۔ وہ اسی جگہ رک کر اگلے سفر بارے کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر فیصلہ کیا کہ ان موافق حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دن میں بھی سفر کریں گے اور پہلے مرحلے میں چوٹی کی مشرقی ڈھلوان کا سفر مکمل کریں گے اور پھر شام کے بعد راتوں رات مشرقی ڈھلوان کے دامن تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ وہ وہیں سے پلٹا اور واپس آ کر کیپٹن اسد سے اپنے منصوبے کا اظہار کیا۔

''سر! موسم بھی بہت اچھا ہے اور چڑھائی اب بہت کم رہ گئی ہے۔ موقع ہے کہ ہم ابھی پہاڑ کی مشرقی ڈھلوان تک کا سفر کر لیں اور اس کے بعد سارا دن آرام کریں۔''

''اور پھر اس کے بعد؟'' اسد نے سوال کیا۔

''اس کے بعد رات میں سفر کریں گے اور صبح صادق سے پہلے پہلے پہاڑ کے مشرقی دامن تک پہنچ جائیں گے۔''

''پارٹنر تم لیڈر ہو.... تم کہو گے تو ہم کنوئیں میں بھی چھلانگ لگا دیں گے۔ کیوں محمد عاشق؟'' اس نے سپاہی عاشق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''سر آپ لوگ افسر ہیں جو حکم کریں گے میں مانوں گا۔'' عاشق نے سعادتمندی سے جواب دیا۔

انھوں نے منٹوں میں اپنا مختصر سامان سمیٹا اور سفر شروع کر دیا۔

○

فروری اور مارچ لاہور میں بہار کے مہینے کہلاتے ہیں۔ پھولوں کی نمائشیں لگتی ہیں اور بسنت منائی جاتی ہے اور بہت سے میلے بھی شہر کی رونق کو دوبالا کرتے ہیں جن میں میلہ مویشیاں سب سے نمایاں رہتا ہے۔ لیکن اس سال ۱۹۷۲ء میں یہ تمام رونقیں پھیکی پھیکی سی رہیں، خصوصاً ۲۳ مارچ کا یوم پاکستان جس کی وجہ سقوط مشرقی پاکستان اور سول اور فوجی اسیران جنگ تھے، جو بھارتی کیمپوں میں اپنی قسمت کے فیصلوں کے منتظر تھے لیکن مائرہ نے اپنے محبوب شوہر کیپٹن مشفق کو یاد کرنے کے لیے انوکھا طریقہ اپنایا۔ اس نے یوم پاکستان کے روز ننھے بابر الاسلام کو خصوصی طور پر تیار کروائی گئی SSG کی وردی پہنائی۔ بابر اب ماشاءاللہ پونے دو سال کا ہو گیا تھا اور توتلی باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ پورے گھر میں دوڑتا پھرتا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں پورے گھر کی آنکھ کا تارا تھا۔ مائرہ کا آٹھواں ماہ چل رہا تھا لیکن اس کے باوجود وہ بابر کو پورا وقت دیتی تھی۔ وہ اکثر سوچتی تھی کہ ایسی حالت میں اگر مشفق اس کے پاس ہوتا تو وہ یقیناً بابر کو اس کے حوالے کرتی اور خود کو مکمل طور پر آنے والے نئے مہمان کے لیے وقف کر دیتی۔ وہ اس موقع پر مشفق کی کمی کو اس قدر شدت سے محسوس کر رہی تھی کہ اکثر تنہائی میں بے اختیار خود کلامی کرتے ہوئے اس سے گلہ کرنا شروع کر دیتی کہ وہ ایسے وقت میں اس کے پاس کیوں نہیں؟

ایک ماہ گزرتے پتہ نہ چلا اور مائرہ کی زچگی کے دن سر پر آن پہنچے۔ ڈاکٹروں نے بائیس اپریل ۱۹۷۲ء کی تاریخ دے رکھی تھی اور اسے کہا تھا کہ وہ ایک روز پہلے ہوسپٹل پہنچ جائے لیکن اگر اس سے

پہلے طبیعت بگڑنے لگے تو بلا تاخیر پہنچے۔ منزہ نے اسے کہا کہ وہ اس کے ساتھ رہے گی لیکن مائرہ نے ماں کو سختی سے منع کر دیا۔ کہنے لگی کہ ایک تو بابا گھر پر اکیلے ہوں گے اور دوسرا بابر کو ہسپتال میں نہیں رہنے دیں گے سو اس کے لیے آپ کا گھر پر رہنا ضروری ہے۔ منزہ نے فوزیہ کو بلا لینے کی تجویز دی اور وہ بھی مومو نے رد کر دی کہ اس کی اپنی امی بیمار ہیں۔ اس نے ماں کو یقین دہانی کرائی کہ سی ایم ایچ ہسپتالوں کا نظام سول ہسپتالوں سے کہیں بہتر ہے۔ یہاں کسی کے ساتھ رہنے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہاں اگر کوئی مریض خدانخواستہ تشویشناک حالت میں ہو تو اس کے لواحقین میں سے کسی کو رکنے کی ہدایت کی جاتی ہے کیونکہ کسی بھی وقت ان سے رابطے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ حمید نے منزہ کو تسلی دی کہ وہ اکیس اپریل کو صبح خود جا کر مائرہ کو ہسپتال چھوڑ کر آئیں گے۔

بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ اُلفت لاج کو تالا لگایا جائے۔ آج جمعہ اکیس اپریل انھی دنوں میں سے ایک تھا جب کچھ دیر کے لیے گھر کو تالا لگایا گیا۔ منزہ نے مالی کو ان کی واپسی تک لان میں موجود رہنے کی ہدایت کی اور حمید کے ساتھ مائرہ کو ہسپتال چھوڑنے نکل پڑیں۔ واپسی پر ننھا بابر حیران پریشان تھا کہ وہ لوگ ماما کو اس نئے گھر میں اکیلا کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں لیکن وہ کسی سے پوچھتا تو کیسے پوچھتا۔ اگلے روز حمید منزہ کو جلد ہسپتال چھوڑ آئے جہاں وہ پورا دن مائرہ کے ساتھ رہیں اور گاہے بگاہے اس سے پوچھتی رہتیں کہ وہ ٹھیک تو ہے؟ درد تو نہیں شروع ہوا؟ ایک موقع پر تو مائرہ کی ہنسی چھوٹ گئی اور منزہ حیران ہو کر اس کا منہ تکنے لگیں، ''کیوں لڑکی کیا ہوا؟ کیا میں نے کوئی غلط بات کر دی؟''

''اور نہیں تو کیا ماما۔ جب آپ کو پتہ ہے کہ تکلیف شروع ہوگی تو میری شکل سے پتہ چل جائے گا تو پھر کیوں آپ تھوڑی تھوڑی دیر بعد مجھ سے صورت حال پوچھتی ہیں؟ ایسا لگتا ہے کہ کرکٹ میچ ہو رہا ہے اور آپ مجھ سے پل پل کا اسکور پوچھ رہی ہیں۔''

''شرم کرو۔ ایسی مسخروں والی باتیں نہیں کرو گی تو پتہ کیسے چلے گا کہ مریضہ کا نام مائرہ ہے۔'' منزہ نے کھسیانی ہو کر مائرہ کے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔

''ماما آپ کو پتہ ہے نرسیں میرے حوصلے کی تعریف کر رہی تھیں؟ کہہ رہی تھیں کہ انھوں نے بہت کم ایسی حاملہ خواتین دیکھی ہیں جو اس حالت میں بھی زندہ دلی کا مظاہرہ کرتی ہیں ورنہ جو بھی آتی ہیں بیڈ پر لیٹتے ہی اس کا رونا دھونا شروع ہو جاتا ہے۔''

''اللہ نظر بد سے بچائے اور خیر خیریت سے فارغ کرے۔''

ڈاکٹروں نے آج کی تاریخ دی تھی اور پورا دن ایسے ہی گزر گیا۔ بالآخر شام کو حمید کے آنے پر منزہ کو کوئی خوشی کی خبر سنے بغیر ہی لوٹنا پڑا۔ اگلے روز تئیس اپریل کو اتوار کا روز تھا۔ حمید کا سٹور بھی بند تھا سو منزہ نے سوچا کہ وہ دونوں دوپہر کو آرام سے ہسپتال جائیں گے اور کچھ دیر مائرہ کے پاس بیٹھ کر آئیں گے۔ وہ صبح ناشتے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری جانب ہسپتال سے کوئی نرس تھی جس نے اطلاع دی کہ مسز کیپٹن مشفق کو لیبر روم میں لے گئے ہیں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں آپ کو صرف اطلاع دینے کے لیے فون کیا ہے۔ لیکن منزہ اب بھلا کہاں رکتی تھیں۔ ہر ماں کی طرح ان کی بھی خواہش تھی کہ اس موقع پر وہ بیٹی کے پاس موجود ہوں اور سب سے پہلے خوشخبری وہی سنیں۔ منزہ نے بچے کے لیے پہلے دن کے سامان کی ٹوکری تیار کی ہوئی تھی۔ انھوں نے وہ ٹوکری اٹھائی اور دونوں ہسپتال کو چل دیئے۔ راستے بھر وہ مختلف وظائف کا ورد کرتی رہیں۔

فیملی وارڈ میں داخل ہوتے ہی ڈیوٹی نرس نے خبر دی کہ چند منٹ پہلے بیٹی ہوئی ہے لیکن مسز مشفق ابھی لیبر روم میں ہی ہیں البتہ بیٹی کو وہ لوگ کچھ دیر بعد دیکھ سکیں گے۔ مائرہ کی خیریت کا سن کر منزہ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ بیٹی کی آمد نے جہاں انھیں بے پناہ خوشیاں دیں وہیں اداسیوں نے بھی جھلک دکھائی۔ ظاہر ہے انھیں مشفق کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ منزہ نے نرس کو اپنا پسندیدہ پنک کلر کا بے بی سوٹ اور دیگر کپڑے نکال کر دیئے کہ بچی کو یہ پہنائے جائیں۔ کچھ دیر کے انتظار کے بعد مائرہ اور بیٹی دونوں اکٹھے ہی وارڈ میں داخل ہوئے۔ منزہ نے لپک کر مائرہ کا ماتھا چوما جو ہوش میں تھی لیکن ابھی غنودگی طاری تھی۔ بیٹی کیا تھی چودھویں کا چاند تھی۔ ہو بہو ماں کا پرتو۔ منزہ کئی سال پیچھے چلی گئیں اور انھیں یوں لگا جیسے مائرہ کو ہی گود میں اٹھایا ہو۔ انھوں نے بیٹی حمید کی گود میں دی اور انھیں اذان دینے کو کہا جبکہ وہ خود مائرہ کی طرف متوجہ ہو گئیں، ''میری جان کیسی ہے؟ مبارک ہو اللہ نے بالکل تمھاری کاپی بیٹی دی ہے۔''

''ماما..... مشفق سے پوچھیں انھیں کیسی لگی ہے۔'' مائرہ نے غنودگی میں کہا۔

منزہ سمجھ گئیں کہ ابھی انستھیزیا کا اثر باقی ہے، ''موموجی! مشفق یہاں نہیں ہے۔''

''وہ یہیں ہیں۔ ابھی انھوں نے میری پیشانی پر بوسہ دیا تھا اور کہا تھا کہ تم بہت بہادر ہو۔'' مائرہ

نہایت درشتی سے بولی۔

''اچھا پھر میرا خیال ہے وہ ذرا باہر نکلا ہوگا۔ آتا ہے تو میں پوچھتی ہوں۔'' منزہ نے بات ٹالنے کو کہا لیکن اس کا دل رو دیا۔ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی کہ پتہ نہیں قدرت کو کیا منظور تھا جو اس شدت سے پیار کرنے والوں کو ایک دوجے سے اتنا دور کر دیا۔ انھوں نے منہ پھیر کر نہایت خاموشی سے آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو دوپٹے کے پلو سے صاف کر ڈالا۔ حمید بچی کے کانوں میں اذان دینے سے فارغ ہوئے تو منزہ نے بیٹی مائرہ کی بغل میں لٹا دی۔ نرس نے انھیں مائرہ سے زیادہ باتیں کرنے سے منع کیا اور وہ دونوں باہر آ گئے۔

ننھا بابر بہت بور ہو رہا تھا اور بار بار ماں کے پاس جانے کی ضد کر رہا تھا چنانچہ شام گھر لوٹنے سے پہلے وہ دونوں بابر کو مائرہ سے ملوانے وارڈ میں گئے۔ مومو اب خاصی ہوش میں تھی اور جب منزہ نے اسے یاد کرایا کہ وہ غنودگی میں کیا کہہ رہی تھی تو وہ مسکراتے ہوئے بولی، ''ماما یقین کریں مجھے یوں ہی لگا کہ وہ میرے پاس کھڑے ہیں اور وہ میری زندگی کے بہترین لمحات تھے۔ میں اس وقت بھی ان کے ہاتھ کی گرمائش اپنی پیشانی پر محسوس کر رہی ہوں۔''

''یہ بتاؤ بیٹی کا نام کیا رکھنا ہے؟'' منزہ نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

''مشفق ہوتے تو وہ رکھتے۔ آپ اور بابا کوئی اچھا سا نام سوچ کر رکھ دیں۔''

''تم بتا دیتیں تو اچھا تھا۔ چلو ایسا کرو کہ تم اپنی پسند کا کوئی نام بتاؤ پھر ہم بھی سوچیں گے اور جو اچھا ہوگا وہی رکھ دیں گے۔'' منزہ نے تجویز دی۔

''میں رکھتی تو مومنہ یا مائزہ میں سے کوئی بھی رکھ لیتی۔''

''یہ حرف 'م' ہماری فیملی میں کچھ زیادہ نہیں ہو گیا کیا؟'' منزہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں نے تو کہا ہے کہ جو آپ کی مرضی رکھ لیں۔''

''میرے خیال میں مائزہ زیادہ جچے گا کیونکہ یہ میری بیٹی کے نام کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے؛ مائرہ اور مائزہ۔'' اس دفعہ حمید نے بھی اپنی رائے دی جسے مائرہ نے فوراً قبول کر لیا۔ جو کام اگلے روز پر ڈالا جا رہا تھا وہ حسن اتفاق سے اسی وقت ہو گیا۔ حمید نے کچھ دعائیں پڑھیں اور مائرہ اور ننھی مائزہ پر پھونک کر مبارک دی۔

''بابا کل آتے ہوئے سب سٹاف کے لیے مٹھائی ضرور لائیے گا۔'' مائرہ نے یاد دہانی کرانا ضروری سمجھا۔

منزہ ریت رواج نبھانے والی خاتون تھیں انھوں نے چلتے چلتے وارڈ کی آیا اور صفائی والی کو چپکے سے کچھ نقد رقم تھما دی۔ اگلے روز منزہ مٹھائی لانا نہ بھولی لیکن انھیں یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی جب ان کے پہنچنے پر مائرہ سامان باندھے ان کی منتظر تھی۔ اس نے خوشخبری دی کہ اسے ڈسچارج کر دیا گیا ہے۔ مٹھائی تقسیم کر کے ان لوگوں نے گھر کی راہ لی۔

○

مشفق، اسد اور عاشق کو سفر شروع کیے چار ماہ کے قریب ہو چکے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اب دنوں کی گنتی تقریباً بھول چکے تھے، انھیں یہ نہیں پتہ تھا کہ دن کیا ہے اور تاریخ کیا ہے۔ اب تو تنگ آ کر انھوں نے دنوں کی گنتی بھی چھوڑ دی تھی۔ بقول مشفق کے کہ اگر وہ دن گنتے رہے تو خدشہ ہے کہ وہ لوگ فرسٹریشن کا شکار ہو جائیں گے لہٰذا انھیں سر جھٹک کر سفر جاری رکھنا ہے۔ اسد نے بھی اس کی بات سے اتفاق کیا اور اعتراف بھی کہ سچ میں دن گنتے گنتے وہ بھی فرسٹریشن کا شکار ہونے جا رہا تھا۔ صبح کاذب سے ذرا پہلے کا وقت تھا جب مشفق اور اسد سوئے ہوئے تھے جبکہ عاشق پہرے پر تھا۔ اچانک مشفق ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا جس سے کیپٹن اسد کی بھی آنکھ کھل گئی۔

''مُش! بڑی خیریت ہے؟ کیا ہوا؟''

''اللہ کا شکر ہے سر۔ سب خیریت ہے بس ایک خواب دیکھا ہے۔ خواب ہے تو بہت خوبصورت لیکن مجھے اس نے اداس کر دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پھر اولاد سے نوازا ہے۔''

''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''سر میں نے دیکھا ہے کہ میں انھی جنگلوں میں اکیلا چلا جا رہا ہوں اور اچانک سامنے کھلی وادی آ جاتی ہے، ایسی حسین وادی میں نے نہ کبھی دیکھی اور نہ کبھی سنی۔ رات کا وقت ہے اور وادی چودھویں کے چاند کی روشنی میں نہائی ہوئی ہے۔ اچانک مجھے ایک نہایت شفیق آواز آئی کہ مشفق تمھیں یہ چاند پسند ہے؟ میں اشتیاق سے سر ہلا کر کہتا ہوں کہ جی مجھے پسند ہے۔ میرے کہنے کی دیر ہوتی ہے کہ وہ چاند دھیرے دھیرے زمین کی طرف آنا شروع ہوا اور بالآخر میری گود میں آ گیا۔ اس کے گود میں آتے ہی مجھے عجب سکون ملا اور دفعتاً میری آنکھ کھل گئی۔''

''یار خواب تو بہت اچھا ہے۔ اللہ تمھارے لیے خوشیاں لائے اور تم جلد اپنی فیملی سے ملو۔''

''میں ہی کیوں سر، ہم سب ان شاء اللہ جلد اپنے اپنے گھر والوں سے جا ملیں گے۔''

''مُش میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ شاید میں واپس پاکستان نہ پہنچ پاؤں۔ اگر ایسا ہوا تو فوزیہ کو کہنا کہ میں نے سچے دل سے واپس آنے کی اور اسے اپنانے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا، وہ مجھے معاف کردے۔''

''سر کیا الٹی الٹی باتیں کر رہے ہیں؟ ہم میں سے کسی کو بھی یہ یقین نہیں کہ ہم واپس پہنچ جائیں گے لیکن امید وہ واحد کشتی ہے جس پر سوار ہو کر ہم منزل کی طرف گامزن ہیں۔ طوفان اپنا کام دکھاتے ہیں اور ملاح اپنا فرض نبھاتے ہیں۔''

''نہیں ایسی بات نہیں۔ میں ہمت بالکل بھی نہیں ہارا، بس اپنے دل کی بات تمھارے ساتھ شیئر کی تھی۔''

دونوں نے کروٹ لی اور پھر سو گئے اور دوبارہ ان کی آنکھ اس وقت کھلی جب بارش کے بھاری چھینٹے ان کے منہ پر پڑ رہے تھے اور منہ زور مینہ کے شور میں سپاہی عاشق کی آواز بھی دب کر رہ گئی تھی جو نجانے کس وقت سے انھیں جگا رہا تھا۔ بارش کے ساتھ ساتھ طوفانی ہوا بھی چل رہی تھی جس سے جنگل میں ایک عجیب ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ایسے میں ان کے بس میں کچھ نہیں تھا، جو کرنا تھا وہ طوفان نے ہی کرنا تھا چنانچہ وہ تینوں دم سادھ کر بیٹھ گئے اور بھیگتے ہوئے بارش تھمنے کا انتظار کرنے لگے۔

نقشہ اور قطب نما دو ایسی چیزیں تھیں جنھیں مشفق اپنی جان سے بھی عزیز رکھ رہا تھا کیونکہ انھی دو پر اس کے اگلے سفر کا دارومدار تھا۔ ایسا نہیں کہ ان کے بغیر وہ سفر نہیں کر سکتے تھے مگر وہ سفر زیادہ مشکل، کٹھن اور وقت طلب ہوتا اور اس میں کامیابی کے امکانات بھی قدرے معدوم ہو جاتے۔ اپنے پیشہ ورانہ ضابطوں کے مطابق، مشفق دوران سفر گاہے بگاہے نقشہ بچھا لیتا اور گردونواح کے مطابق اپنی پوزیشن کا تعین کرتا رہتا۔ یہی وجہ تھی کہ خوش قسمتی سے اب تک وہ تقریباً درست سمت میں جا رہے تھے۔ مشفق نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنے سفر کا زیادہ تر حصہ اس مسلم اکثریت والے برمی صوبے اراکان کی مشرقی پٹی کے ساتھ ساتھ چل کر طے کریگا کیونکہ یہ نسبتاً محفوظ تھا۔ صوبے کے بالکل جنوب میں جا کر کیٹاپانگ ریزرو فارسٹ سے صوبہ اراکان کو چھوڑ کر پھر انھوں نے دارالحکومت رنگون کا رخ کرنا تھا۔ اصل

خطرات سفر کے اسی حصہ میں تھے لیکن اس کے سوا رنگون پہنچنے کا اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ نقشے کے مطابق وہ مایونگ بووے (Myaung Bway) سے بہت پہلے گزر چکے تھے اور اس وقت غالباً تھاپھان بن (Thaphanbin) کے گردونواح میں تھے یعنی انھیں ابھی نصف سے زیادہ سفر طے کرنا تھا۔ پروگرام کے مطابق انھوں نے قصبہ آن (Ann) اور مائیہ (Ma-ei) کے نواح میں رکتے ہوئے طویل پڑاؤ چن بائن (Chinbyin) کے نواحی پہاڑی جنگلات میں کرنا تھا۔

کیپٹن اسد اور مشفق دونوں پرعزم نظر آتے تھے لیکن سپاہی عاشق کے چہرے سے مایوسی عیاں تھی شاید سانپ سے ڈسے جانے کے بعد وہ صحت یاب تو ہو گیا تھا لیکن اس کی قوت مدافعت اور ہمت رفتہ رفتہ جواب دے رہی تھی۔ وہ اپنے تئیں ہر لحاظ سے چاک و چوبند رہنے کی کوشش کرتا لیکن اب یہ اس کے بس کی بات نظر نہیں آتی تھی۔ ایک موقع پر تو اس نے کیپٹن مشفق کو کہا بھی کہ وہ اسے شوٹ کر دیں یا وہیں چھوڑ کر چلے جائیں لیکن اس کے لیے اپنے مشن کو خطرے میں نہ ڈالیں لیکن مشفق نے پہلے تو اسے سختی سے ڈانٹا اور پھر یاد دلایا کہ مشفق اسے نہیں لا رہا تھا بلکہ یہ عاشق کا اپنا فیصلہ تھا کہ اس نے اپنے صاحب کو نہیں چھوڑنا اور اب جب وہ شریک سفر ہو ہی گیا ہے تو ہمت نہ ہارے۔ ہاں اگر قدرت کی طرف سے کسی کا وقت پورا ہو گیا ہو تو نہیں کہا جاسکتا لیکن خود کبھی ہتھیار نہیں پھینکنے چاہییں۔ سپاہی عاشق کا بھی آج دل کر رہا تھا کہ وہ کسی سے باتیں کرے اور مشفق نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا سو وہ اسے پورا وقت دے رہا تھا۔

''سر جی! میری ایک ہی بیٹی ہے بس۔ بشریٰ نام ہے اس کا۔ بہت پیاری اور گڈی جیسی ہے۔''

''اچھا؟ تم نے کبھی بتایا ہی نہیں۔'' مشفق نے مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہو کہا، حالانکہ بحیثیت کمپنی کمانڈر وہ اپنے تمام ماتحتوں کے اہل خانہ کے بارے جانتا تھا۔

''بس سر خیال ہی نہیں آیا کبھی۔ مجھے بہت پیار کرتی ہے۔ جب میں لاہور سے آیا تھا تو چھ سال کی تھی۔ میں جب بھی تاندلیوالہ جاتا تھا تو اس کے لیے کچھ نہ کچھ لے کر جاتا تھا۔ ہمیشہ فرمائش کرتی تھی کہ ابا میرے لیے بولنے والی گڑیا لانا۔''

''پھر؟ تم نے لے کر دی اسے بولنے والی گڑیا؟''

''نہیں سر.... یونٹ مشرقی پاکستان آ گئی اور میں اس کی فرمائش پوری نہ کر سکا لیکن اب اگر

زندگی نے ساتھ دیا تو واپس جا کر اسے ضرور لے کر دوں گا۔ اسے میرا بہت انتظار ہوگا۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں.... ضرور لے کر جانا بلکہ مجھے بھی بشریٰ سے ملوانا۔ تمھاری باتیں سن کر مجھے بھی اس سے ملنے کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے عاشق پر نگاہ ڈالی تو نقاہت کے باوجود مشفق نے اس کا چہرہ تمتماتا ہوا پایا۔ ایک سپاہی کے لیے اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں ہوتا کہ اس کا افسر اس کے اہل خانہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کرے یا اس کے گاؤں پہنچ جائے۔

''گیا تو لے کر دوں گا.... لیکن سر جی مجھے نہیں لگتا کہ میں واپس پاکستان پہنچوں گا۔''

''یار.... پھر وہی دل ہارنے والی باتیں۔ اب اگر تم نے دوبارہ ایسی بات کی تو میں تمھیں یہیں برما کے جنگلوں میں پھٹو لگا دوں گا۔'' مشفق نے مصنوعی غصّے کا اظہار کرتے ہوئے اسے ڈانٹ تو دیا لیکن دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ کہہ تو بیچارا ٹھیک ہی رہا ہے۔ ہم میں سے کس کو یہ یقین ہے کہ وہ خیر خیریت سے پاکستان پہنچ جائے گا؟

''سر! اب ایسی بات نہیں کروں گا لیکن ایک وعدہ آپ بھی کریں کہ اگر میں پاکستان نہ پہنچ سکا تو آپ میری بشریٰ کو میری طرف سے ایک پیاری سی بولنے والی گڑیا ضرور لے کر دیں گے؟''

''میں وعدہ کرتا ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ گڑیا تم خود اس کو لے کر دو گے۔ چلو اب ارد گرد کی جھاڑیوں درختوں سے کوئی پھل تلاش کرتے ہیں۔'' مشفق نے بات بدلی اور سپاہی عاشق کے ساتھ کھانے پینے کے لیے کچھ ڈھونڈنے لگ گیا۔

دسمبر نے ایک مرتبہ پھر لاہور کو زرد پتوں کی اوڑھنی اوڑھا دی۔ایک تو موسم کی روایتی اداسی اور پھر اوپر سے سقوط ڈھاکہ کی پہلی برسی نے اہل پاکستان کو سوگوار کر دیا۔ بہت کم آنکھیں ایسی ہوں گی جو اشک بار نہ ہوں۔ کچھ وطن عزیز کا ایک بازو الگ ہونے کا غم اور کچھ ان نوے ہزار سول اور فوجی اسیران کا دکھ جو بھارت کے کیمپوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے۔مائرہ کی صبح سے رو رو کر آنکھیں سوج چکی تھیں۔ دونوں بچے بابر اور مائزہ، ماں کو اس حالت میں دیکھ کر الگ پریشان ہو رہے تھے۔منزہ کے بار بار سمجھانے کے باوجود کہ ننھی مائزہ کو فیڈ کرانے کے لیے اس کا کچھ کھانا بہت ضروری ہے، اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔مائرہ کو آج مشفق شدت سے یاد آرہا تھا۔اچھے رشتوں کو یاد کرنے کے لیے کوئی دن مقرر نہیں ہوتے لیکن پھر بھی جن دنوں سے کچھ یادیں وابستہ ہوں وہ ان رشتوں کو خوامخواہ سامنے لا کھڑا کرتے ہیں۔آج سولہ دسمبر بھی ایک ایسا ہی دن تھا جب گزشتہ سال ہمارے ازلی اور مکار دشمن نے ہماری کمزوریوں اور ناچاقی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں دولخت کر دیا تھا۔مائرہ کو اپنا مُشی اس لیے بھی یاد آرہا تھا کہ اس نے اپنا عہد نبھایا تھا اور اپنے آبائی شہر ڈھاکہ کو محض اس لیے چھوڑا کہ وہ پاکستان نہیں رہا تھا اور شکست تسلیم کرنے کی بجائے جنگلوں میں روپوش ہو گیا تھا۔وہ کھل کر رو بھی تو نہیں سکتی تھی کہ وہ زندہ تھا.... لیکن کہاں تھا اور کس حال میں تھا یہ اسے قطعی علم نہیں تھا۔اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ مشفق ایک روز اچانک اس کے سامنے آن کھڑا ہوگا۔

دوپہر ڈھل رہی تھی۔ جب سے گھر میں بچوں کی رونق ہوئی تھی حمید عموماً دوپہر کے کھانے اور قیلولہ کرنے کے بہانے دو چار گھنٹے کے لیے گھر آجایا کرتے تھے۔ بابر تو نانا.... نانا کرتا ان سے جا کر لپٹ جاتا لیکن ننھی مائرہ بھی، جس نے تازہ تازہ کھڑا ہونا شروع کیا تھا بھائی کے پیچھے پیچھے نجانے کس بھاشا میں غوں غاں کرتی نانا کی جانب لپکتی۔ حمید دونوں کو گود میں بٹھا کر کھانا بھی کھاتے اور ان کی کلکاریوں سے لطف اندوز بھی ہوتے۔ حسب معمول آج بھی حمید جب گھر میں داخل ہوئے تو بچے شور مچاتے ان کی جانب لپکے لیکن حمید نے بڑی بے زاری سے انھیں ہاتھ سے ایک طرف ہٹا دیا۔ اس بات کو مائرہ اور منزہ دونوں نے محسوس کیا۔ مائرہ بچوں کو لے کر خاموشی سے ایک طرف ہوگئی اور سوچنے لگی کہ بابا کو پتہ تھا کہ آج کیا دن ہے اور میری کیا حالت ہوگی، انھیں کم از کم آج کے دن تو مجھے اور بچوں کو خصوصی توجہ دینی چاہیے تھی۔ دوسری طرف منزہ نہ رہ سکی اور حمید کے پیچھے پیچھے خوابگاہ میں چلی گئی کہ حمید کی بے رخی اور بیزاری کی وجہ پوچھ سکے لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی بات کرتی، حمید نے انھیں ہاتھ کے اشارے سے روک دیا اور بولے، ''مجھے پتہ ہے کہ تم کیا پوچھنا چاہ رہی ہو لیکن اس سے پہلے کہ تم کچھ پوچھو میں خود تمھیں بتا دیتا ہوں کہ کیا وجہ ہے۔''

''جی میں بھی وجہ جاننا چاہتی ہوں اور مائرہ بھی الگ پریشان ہوگئی ہے آپ کا رویہ دیکھ کر۔''

''منزہ جی آج میرا ہر رشتے سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔''

''خیر ہے حمید کیا ہوا؟ کچھ بتائیں گے یا پہیلیاں ہی بجھاتے رہیں گے؟'' پریشان منزہ بولی۔

''سٹور کیپر پرویز نے میرے ساتھ بہت بڑا ہاتھ کر دیا ہے۔''

''اللہ خیر کیا کیا ہے اس نے۔'' منزہ پریشان ہو کر بولی۔

''لاکھوں کا سٹاک خرد برد کر دیا ہے۔ نجانے کب سے اس کام میں مصروف تھا۔ مجھے تو آج پتہ چلا جب میں ایسے ہی فارغ بیٹھا تھا سوچا گودام کو دیکھ لوں۔ رجسٹر لے کر گودام میں گیا تو وہاں معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ مجھے بہت روکتا رہا کہ سر پھر کسی دن آرام سے دیکھ لیجیے گا لیکن جب میری ضد کے آگے ایک نہ چلی تو بولا کہ آپ چلیں، میں پانی پی کر آتا ہوں۔''

''اچھا؟.... پھر؟''

''پھر کیا جب بہت دیر انتظار کے باجود یہ واپس نہ لوٹا تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ جس کارٹن کو کھولوں وہ خالی نکلے اور انھیں سجا کر اس طرح رکھا ہوا تھا کہ سٹور بھرا بھرا لگے۔''

''حالانکہ آپ اس پر اندھا اعتماد کرتے تھے۔ سارا کیش بھی یہی سنبھالتا تھا، سٹور کی چابیاں بھی اسی کے پاس ہوتی تھیں۔'' منزہ بولی۔

''بس میرے اس اندھے اعتماد نے ہی میرا بیڑا غرق کر دیا۔ ابھی تو بنک کی صورت حال کا علم نہیں کہ اس نے وہاں کیا گل کھلائے ہیں۔ کتنا کیش جمع کرایا اور کتنا گول کیا۔''

''اللہ پر بھروسہ رکھیں اور حوصلہ کریں۔ صحت اور زندگی سے بڑی دولت کوئی نہیں۔ پیسہ پھر آ سکتا ہے۔''

''منزہ! کہنا آسان ہے۔ یہ میری زندگی بھر کی محنت اور خون پسینے کی کمائی تھی اور تم جانتی ہو کہ میں حرام سے ہمیشہ دور بھاگتا رہا ہوں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ کہیں میں سڑک پر نہ آ جاؤں۔ اس عمر میں تو کوئی نیا کام بھی شروع نہیں کر سکتا۔''

''اللہ نہ کرے کہ آپ سڑک پر آئیں۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ اللہ اور اس کے بعد آپ کے سوا تو ہمارا ہے بھی کوئی نہیں۔ حوصلہ نہ ہاریں۔ بچے بھی آپ کو دیکھ کر پریشان ہو رہے ہیں۔''

''مجھے پتہ ہے لیکن کیا کروں یہ سب میرے بس میں نہیں۔''

''آپ پولیس میں فوراً رپورٹ کروا دیں کم از کم ایک طرف سے تو تحفظ کا احساس ہو۔''

''آج تو طبیعت بے حد خراب ہو گئی تھی۔ بڑی مشکل سے پڑوس کی دکان والے اسلم بٹ صاحب کو آواز دی اور خود کو سنبھالا۔ وہ تو مجھے ہسپتال جانے کا مشورہ دے رہے تھے لیکن میں نہیں مانا۔ میں نے تو انھیں اپنا گھر کا فون نمبر تک بھی دے دیا تھا کہ مجھے کچھ ہو تو آپ لوگوں کو اطلاع دے دوں لیکن شکر ہے کہ پہنچ ہی گیا ہوں۔''

''چلیں آپ آرام کریں۔ میں موموکو کسی طریقے سے سمجھا دیتی ہوں۔'' منزہ نے حمید کو لحاف اوڑھایا اور لائٹ آف کر دی۔

لاؤنج میں آ کر منزہ صوفے پر ڈھے گئیں اور سسکیوں سے رونے لگیں۔ حمید نے تمام عمر انھیں مہا رانیوں کی طرح رکھا تھا اور پھر وہی سکھ آسائشیں انھوں نے اپنے بچوں بابر اور مائرہ کو بھی دیں۔ حمید نے تنکا تنکا جوڑ کر یہ محل تعمیر کیا تھا اور منزہ کو نجانے کیوں اُلفت لاج آج شکست و ریخت کا شکار ہوتا نظر آ رہا تھا۔ وہ دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کر رہی تھیں کہ مائرہ آ گئی اور ماں کو روتا دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

''ماما! سب ٹھیک ہے ناں؟ بابا تو ٹھیک ہیں ناں؟''

''ہاں بیٹا ٹھیک ہیں۔ بس ذرا طبیعت بوجھل سی ہے، سو گئے ہیں۔''

''ماما! میری طرف دیکھیں۔'' اس نے نظریں چراتی ہوئی منزہ سے کہا۔

''جی بیٹا سچ کہہ رہی ہوں۔ وہ سو گئے ہیں۔ جاؤ خود جا کر دیکھ لو۔''

''لیکن آپ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں۔ آپ کو میری قسم ہے جو نہ بتائیں۔''

''نہیں نہیں میری جان، قسم والی بات غلط ہے۔ دراصل پرویز نے دکان کے مال اور کیش میں کچھ گھپلے کیے ہیں جن سے تمھارے بابا پریشان ہو گئے ہیں۔''

''کون پرویز؟ ہماری فارمیسی کا سٹور کیپر؟ ماما! کوئی بہت بڑا جھٹکا دیا ہوگا جو بابا پریشان ہو گئے ورنہ چھوٹی موٹی باتوں سے میرے بابا گھبرانے والے نہیں۔''

''بس دعا کرو کہ اللہ تمام معاملات ٹھیک کر دے اور حمید زیادہ پریشانی نہ لیں۔ ہمارا تو ان کے سوا کوئی ہے بھی نہیں۔'' منزہ روتے ہوئے بولی۔

''اللہ نہ کرے کہ بابا کو کچھ ہو۔ ماما آپ کو پتہ ہے کہ مُشی کی غیر موجودگی نے مجھے پہلے ہی ڈھا دیا ہے اور خدانخواستہ اگر بابا کو کچھ ہو گیا تو میں تو جیتے جی مر جاؤں گی۔''

''اللہ نہ کرے بیٹی۔ وہ تو ہم سب کے سر کا سائبان ہیں۔ اللہ انھیں ہمیشہ سلامت رکھے۔'' منزہ نے مائرہ کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

حمید بہت گہری نیند سو رہے تھے اور عصر کی نماز بھی قضا کر دی تھی۔ جب وہ مغرب کے وقت تک نہ اٹھے تو منزہ اور مائرہ کو پریشانی لاحق ہوئی۔ مائرہ نے آہستگی سے خوابگاہ کا دروازہ کھولا اور باپ کے سرہانے جا کر پہلے سرگوشی میں آواز دی جب جواب نہ ملا تو حمید کا کندھا نہایت آہستگی سے ہلا کر قدرے اونچی آواز میں انھیں مخاطب کیا، ''بابا! اٹھیں شام ہو رہی ہے۔ آپ نے مغرب کی نماز نہیں پڑھنی؟''

بیٹی کی آواز سن کر حمید نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں جو ابھی بھی نیند سے بھری ہوئی تھیں، ''ہیں مغرب؟ مگر میں نے تو عصر بھی پڑھنی ہے موموں۔''

''بابا وہ آپ نے قضا کر دی۔ ماما آپ کو اٹھاتی رہیں لیکن آپ گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔''

باپ بیٹی کی باتوں کی آوازیں سن کر منزہ بھی اندر آ گئی اور بولی، ''آپ نے تو ہمیں ڈرا ہی دیا تھا۔''

''ڈرانا کیسا؟ یہ تو ایک حقیقت ہے۔ آج نہیں تو کل ہم سب نے جانا ہی ہے۔''

''اللہ آپ کو میری عمر بھی لگا دے۔ ابھی تو ہمیں آپ کی بہت ضرورت ہے۔''

''منزہ جی! کوئی بھی ناگزیر نہیں ہوتا۔ رب باری تعالیٰ اگر کسی کو بلاتا ہے تو پیچھے والوں کا کوئی نہ بندوبست بھی کر دیتا ہے۔ چلو میں مغرب پڑھوں پھر چائے پیتے ہیں۔'' حمید جو پہلے کی نسبت خود پر کافی حد تک قابو پا چکے تھے منزہ کو چائے کا کہہ کر نماز پڑھنے چلے گئے۔ نماز کے بعد انھوں نے چائے پیتے ہوئے بابر اور مائزہ کو بھی بلا لیا اور انھیں اپنے ساتھ لحاف میں بٹھا لیا۔ دونوں معصوم نانا کی توجہ پا کر چہکنے لگے۔

اگلے روز صبح جب منزہ حمید کا ناشتہ بنانے کچن میں جانے لگیں تو انھوں نے ناشتہ بستر میں ہی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ منزہ کہنے لگیں کہ وہ اپنا ناشتہ بھی لے آتی ہیں اور دونوں اکٹھے ہی کریں گے۔ حمید نے پراٹھے کے ساتھ رات کی پکّی چنے کی دال کھانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ منزہ کچن میں ناشتہ بنانے چلی گئیں۔ ٹرے سجائے واپس آئیں تو حمید کو پلنگ پر ٹانگیں لٹکائے دروازے کی جانب پشت کیے کچھ لکھتے پایا۔

''یہ آپ صبح صبح کیا لکھنے بیٹھ گئے؟'' منزہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

''تمھارے لیے ہی کچھ لکھ رہا تھا۔'' حمید نے واپس پلنگ پر ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

منزہ ٹرے پلنگ پر رکھتے ہوئے ان کے پاس ہی بیٹھ گئیں اور بولیں، ''کیا لکھا ہے؟''

''یہ چیک بک رکھ لو۔ میں نے سارے پرتوں پر دستخط کر دیئے ہیں۔'' انھوں نے چیک بک منزہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کیوں؟ آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' منزہ نے حمید کا چیک بک والا ہاتھ واپس دھکیلتے ہوئے کہا۔

''کوئی پتہ تھوڑے ہی ہوتا ہے؟ ہر جگہ انسان اپنی مرضی سے تھوڑے ہی جاتا ہے؟ کبھی بھیجنے والا بھی تو اچانک بلا سکتا ہے۔'' انھوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا صبح صبح الٹی سیدھی ہانکنے لگے ہیں؟ آپ جانتے ہیں کہ مجھے ایسے مذاق ہرگز پسند نہیں۔ کیوں میرا دل دکھاتے ہیں؟''

''ارے نہیں میں مذاق نہیں کر رہا لیکن پتہ نہیں کیوں یہ سب کچھ کرنے پر دل کر رہا ہے۔ منزہ!

اس پرویز کے دھوکہ دینے کے بعد میرا دُنیا سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔ بہرحال یہ سنبھال کر رکھ لو۔ میرے خیال میں بنک میں کوئی چار پانچ لاکھ پڑا ہوا ہے جو ضرورت کے وقت کام آ سکتا ہے۔ اُلفت لاج کی رجسٹری پہلے ہی تمھارے نام اور تمھارے پاس ہے۔''

''بس کر دیں۔ مت میرا دل دکھائیں۔ کوئی اور وقت رکھیں ان باتوں کے لیے۔ آرام سے ناشتہ کریں اور اگر دل نہیں کر رہا تو کام پر مت جائیں، آرام کریں۔''

''نہیں جانا تو ہے، بھلے دل نہ کرے۔ میں پولیس میں تو رپورٹ کروا دوں۔ مائرہ سو رہی ہے کیا؟''

''جی بچوں کے ساتھ رات دیر تک جاگتی ہے تو صبح آرام سے اُٹھتی ہے۔ کیوں خیریت ہے جو اس کا پوچھا؟''

''ہاں بالکل خیریت۔ رات اس سے ٹھیک سے بات نہیں کر پایا اور وقت بھی نہیں دیا۔''

''کوئی نہیں آج واپس آ کر کر لیجیے گا۔''

''نہیں میں ناشتہ کر کے اسے پیار کر کے جاؤں گا'' حمید نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ الفاظ بے ساختہ حمید کے منہ سے ادا ہو رہے تھے اور منزہ کا دل بیٹھتا چلا جا رہا تھا کہ آج انھیں کیا ہو گیا ہے۔ وہ سوچنے لگی کہ حمید نے پہلے کبھی ایسی مایوسی کی باتیں نہیں کی تھیں۔ حمید ناشتہ کر کے تیار ہوئے اور کئی سالوں میں پہلی مرتبہ مائرہ کے کمرے میں گئے۔ دھیرے سے دروازہ کھولا تو مائرہ کو بچوں کے ساتھ گہری نیند سوتے ہوئے پایا۔ اس کے پاس جا کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور بچوں کو بھی فرداً فرداً پیار کیا اور کمرے سے نکل آئے۔ ذرا سی آہٹ پر نیند سے بیدار ہو جانے والی مائرہ اس دن بالکل بے خبر پڑی رہی۔ آج گھر سے نکلنے سے پہلے حمید نے بہت دیر بعد منزہ کو بھی اپنی بانہوں میں بھر کر پیشانی پر بوسہ دیا اور بولے، ''تمھارا ممنون ہوں کہ تم نے دو دہائیوں سے زیادہ ہر دکھ سکھ، خوشی اور غم میں میرا ساتھ دیا لیکن میں تمھارا حق اس طرح ادا نہیں کر پایا، مجھے معاف کر دینا۔''

''آج آپ کا ڈائیلاگ مارنے کا موڈ بن رہا ہے۔ سب اللہ پر چھوڑ دیں۔ ان شاءاللہ رب العزت کی ذات آسانیاں پیدا کرے گی۔''

''ان شاءاللہ۔ اب مجھے اجازت دو۔'' حمید کے گاڑی گیٹ سے نکالنے تک منزہ انھیں جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ پتہ نہیں کیوں ان کا دل کیا کہ کاش آج وہ حمید کو کام پر جانے سے روک لیتیں۔

انھوں نے وقت دیکھا تو دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ بوجھل قدموں سے واپس اندر آئیں اور کچن سمیٹنے لگیں۔ انھیں رہ رہ کر حمید کی کہی ہوئی ذو معنی باتوں کا خیال آ رہا تھا اور منزہ سوچ رہی تھیں کہ انھوں نے کیوں ایسی باتیں کیں؟ پہلے تو کبھی ایسی مایوسی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ پھر خود کو تسلی دی کہ کاروبار میں اتنا بڑا دھچکا بھی تو پہلی بار لگا ہے۔ وہ دل ہی دل میں حمید کی صحت سلامتی کی دعا کرتے ہوئے روزمرہ کے کاموں میں جت گئیں۔

''ماما! بابا چلے گئے؟'' جمائیاں لیتی ہوئی مائرہ نے کچن میں آ کر منزہ سے استفسار کیا۔

''جی بیٹا وہ تو اپنے روزمرہ کے وقت پر گیارہ بجے ہی گھر سے نکل گئے تھے اور آج تو خلاف توقع جانے سے پہلے وہ تمھیں اور بچوں کو پیار کر کے گئے۔''

''بابا میرے کمرے میں آئے اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے ماما؟''

''ایسا ہوا ہے میری جان۔ وہ جانے سے پہلے تم سب کو پیار کر کے گئے ہیں لیکن مجھے کل سے ان کی سب باتیں بہت عجیب عجیب سی لگ رہی تھیں۔ سچ پوچھو تو ڈر سا لگنے لگ گیا ہے۔''

''اللہ نہ کرے کچھ ایسا ہو۔ آپ نے تو مجھے ڈرا دیا ہے ماما۔''

''چلو تم منہ ہاتھ دھو لو میں تمھارا ناشتہ میز پر لگاتی ہوں۔'' مائرہ کو تاکید کر کے منزہ اس کا ناشتہ بنانے میں مصروف ہو گئی۔

دوپہر ایک ڈیڑھ کا وقت ہوگا جب دونوں ماں بیٹی میز پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ فون کی گھنٹی پہلے بھی دن میں کئی بار بجا کرتی تھی لیکن اس روز نہ جانے کیوں منزہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔

''السّلامُ علیکم جی.... یہ حمید ملک صاحب کا گھر ہے؟'' دوسری طرف سے کسی اجنبی آواز نے پوچھا۔

''جی.... یہ حمید ملک صاحب کا ہی گھر ہے۔ میں ان کی اہلیہ بات کر رہی ہوں مگر آپ کون بات کر رہے ہیں؟''

''بھابھی جی میں ان کے پڑوس میں کاروبار کرتا ہوں اسلم بٹ میرا نام ہے۔''

''جی بھائی رات بتا رہے تھے۔سب خیریت ہے ناں؟''

''نہیں بھابھی جی خیریت نہیں ہے۔یہی آپ کو بتانا تھا۔''

''یا اللہ خیر۔'' منزہ کی چیخ بلند ہوتے ہوتے رہ گئی، ''بھائی مجھے کھل کر بتائیں کیا بات ہے۔''

''بھابھی جی آپ حوصلے اور تحمل سے سنیں۔ اللہ کے کاموں میں کسی کا دخل نہیں۔حمید صاحب اب اس دُنیا میں نہیں رہے۔''

منزہ نے یہ سنتے ہی زور کی چیخ ماری،فون کا ریسیور ان کے ہاتھ سے گر گیا اور وہ غش کھا کر زمین پر گر گئیں۔ مائرہ ماں کی حالت دیکھ کر فوراً لپکی۔ ماں کو جھنجھوڑنے کے ساتھ ساتھ اس نے فون بھی کان سے لگایا، ''ہیلو..... جی کون؟''

''جی میں حمید صاحب کا پڑوسی دکاندار ہوں ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ مجھے تحمل سے اپنا ایڈریس لکھوا دیں اور گھر پر رہیں، میں میت لے کر کچھ دیر میں پہنچتا ہوں۔''

مائرہ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے؟ ماں کو سنبھالے یا روئے، ''یا اللہ یہ آناً فاناً کیا ہو گیا؟ ہنستا بستا میکہ، میت بن گیا۔'' جن جن عزیزوں کے نام نمبر یاد آئے اس نے انھیں فون کر کے اطلاع دی اور فوزیہ سے بھی کہا کہ جس طرح ہو فوراً سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پہنچے۔ منزہ ہوش میں آ چکی تھی اور ماں بیٹی ایک دوسرے کے چہروں پر قیامت پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔اسلم بٹ اللہ کا کوئی نیک بندہ تھا۔ تھوڑی دیر میں ایمبولینس پر میت لے کر پہنچ گیا۔ مائرہ سے تعارف کے بعد وہ اسے بتانے لگا کہ صبح مجھے دکان پر آتے ہی کہنے لگے کہ پولیس سٹیشن چلنا ہے ایف آئی آر کٹوانے۔ ہم دونوں گئے اور رپورٹ کٹوا کر واپس آ گئے۔ واپسی پر خاصے بجھے بجھے سے تھے۔اپنی دکان کھول تو لی مگر پھر میرے پاس آ کر بیٹھ گئے کہ دل گھبرا رہا ہے اور اکیلا بیٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا۔ باتیں کر رہے تھے کہ اچانک منہ سے بے ربط الفاظ نکلنے شروع ہو گئے جیسے کوئی بچہ بات کر رہا ہو۔آخری الفاظ تھے ''اللہ واحد۔'' اور سر ایک طرف کو ڈھلک گیا۔اسلم بٹ نے انھیں تسلی دی کہ وہ گھر کے اندر کے معاملات سنبھالیں اور جب تک ان کے خاندان کا کوئی مرد نہیں آتا وہ تکفین وتدفین کے انتظامات کرتے ہیں۔

نہ تو کوئی آنے والا اس دُنیا میں اپنی مرضی سے آتا ہے اور نہ ہی جانے والا اپنی خوشی سے جاتا ہے۔حمید صاحب کا وقت پورا ہو چکا تھا اور مالک حقیقی نے بلاوا لکھ چھوڑا تھا سو انھوں نے اس سے

بے پرواہو کر کوچ کا قصد کر لیا کہ منزہ تو ان کے بغیر رُل جائے گی، مائرہ کو یتیمی کی چادر اوڑھنی پڑ جائے گی، ننھا نواسہ اور نواسی اب کس کی گود میں کھیلیں گے؟ ماموں پہلے ہی نہیں رہا، باپ کا کچھ اتا پتہ نہیں کہاں ہے۔ ایک لے دے کر میں ہی رہ گیا تھا اب میں بھی جا رہا ہوں۔ کچھ دیر تو ٹھہر جانا چاہیے تھا مجھے؟ اُلفت لاج میں تو کوئی مرد نہیں رہ گیا! یہ بے سہارا اور بے بس بیبیاں کیا کریں گی؟ عصر اور مغرب کے درمیان جنازہ اٹھا تو اُلفت لاج کے درختوں کے زرد پتے بھی اشکبار ہو گئے۔ حمید ان کے بھی باپ تھے۔

کتنی محنت سے یہ سب پودے لگائے جو اب قد آور درختوں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ جب گیٹ پر حمید کی گاڑی کا ہارن بجتا تھا تو ہر ڈالی اور ہر پتہ جھوم اٹھتا تھا لیکن آج یہ سب یتیم ہو گئے تھے۔ مائرہ تو ہر بات سے بے خبر بری طرح پچھاڑیں کھا رہی تھی۔ جب سے ہوش سنبھالا اس گیٹ سے بابا کو مسکراتے داخل ہوتے دیکھا تھا اور آج اسی گیٹ سے انھیں نہایت خاموشی سے دبے پاؤں الوداع ہوتے دیکھ رہی تھی۔ شاید اسی لیے وہ صبح اسے جانے سے پہلے الوداع کہہ گئے تھے؟ بابا کو تو بوبی بھائی کی کمپنی مل گئی لیکن انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ ہم ماں بیٹی کا کیا ہوگا؟ میرے دن کیسے گزریں گے؟ ماما کی راتیں کیسے کٹیں گی؟ مائرہ یہ سب کچھ سوچتی رہی اور حمید اسی شب مٹی کی چادر اوڑھ کر ابدی نیند سو گئے۔ زندگی اسی کا نام ہے۔

فوزیہ، مائرہ کو تسلی دیتے ہوئے سمجھا رہی تھی کہ وہ اس کی جانب دیکھے کہ اس کے حالات بھی مائرہ لوگوں سے مختلف نہیں۔

''مومو میری جان، ہمیں دیکھو ایک مدّت سے ایسے رہ رہے ہیں۔ تمھارے پاس تو یہ دو ننھے معصوم کھلونے بابر اور مائزہ بھی ہیں جو تمھاری توجہ بٹائے رکھیں گے لیکن ہم ماں بیٹی کے پاس تو ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔''

''فوزی میں تمھاری بات مانتی ہوں لیکن تم لوگ تو ایک عرصہ سے ایسے ہی رہ رہے ہو، جبکہ ہم لوگ اوپر نیچے کئی صدمات سہہ چکے ہیں۔ پہلے بوبی بھائی گئے، پھر مُشی نجانے کہاں اور کس حال میں ہیں اور اب بابا اچانک ہمیں چھوڑ گئے۔ تم ہی بتاؤ کس طرح صبر آئے گا؟''

''مومو! اب تمھاری اس بات کا میرے پاس واقعی کوئی جواب نہیں ہے۔ صرف یہی کہہ سکتی ہوں

کہ حوصلہ کرو۔“

”فوزی میں تو کل سارا دن سقوط مشرقی پاکستان کا غم مناتی رہی۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ آنے والی صبح ایسا ہی ایک اور غم لے کر آ رہی ہے۔ میرے لیے دعا کرو کہ اللہ مجھے صبر عطا کر دے۔“

کسی نے سچ کہا ہے کہ آج مرے کل دوجا دن۔ دکھ تو ہمیشہ سینے سلگا تا رہتا ہے لیکن وقت کو تو جیسے پر لگ جاتے ہیں۔ حمید کا چالیسواں گزرا تو منزہ کو کچھ ہوش آیا۔ جانے والا تو چلا گیا لیکن ہم نے تو جتنی لکھی ہے جیسے تیسے گزارنی ہے۔ انھوں نے بہت ہمت کر کے پلنگ کی حمید کی سائیڈ والی دراز کھولی تو سامنے پنج سورۃ پڑا نظر آیا ساتھ ہی تسبیح تھی جسے دیکھ کر اس کی آنکھوں کے سامنے چھ سال پہلے کیا گیا عمرہ گھوم گیا۔ اسے مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ دکان بھی یاد آ گئی جہاں حمید کو یہ تسبیح پسند آئی لیکن اس کی قیمت سن کر چھوڑ دی تھی۔ وہ ذرا آگے بڑھے تو منزہ نے خاموشی سے دکاندار کو ہدیہ ادا کر کے وہ تسبیح اٹھا کر فوراً پرس میں ڈال لی تھی اور دل میں سوچنے لگی کہ ہم لوگ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان ہیں۔ یقیناً وہ دیکھ رہے ہونگے اور انھیں اپنی ایک بندی کا اپنے شوہر، مجازی خدا کے لیے محبّت کا یہ انداز بے حد پسند آیا ہوگا اور یہ سوچتے ہی مارے عقیدت کے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ منزہ نے وہ تسبیح پاکستان واپس پہنچ کر ایک صبح فجر کی نماز سے پہلے چپکے سے حمید کے سرہانے رکھ دی تھی جسے پا کر ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا تھا۔ دراز میں ذرا پیچھے کر کے وہ چیک بک پڑی تھی جس کے ساتھ ہی بنک کا ایک لفافہ پڑا تھا۔ منزہ نے لفافہ کھولا تو وہ بنک سٹیمنٹ تھی جس پر وفات سے چند روز پہلے کا بیلنس مبلغ پانچ لاکھ، دس ہزار، چھیانوے روپے درج تھا۔ ساتھ حمید کی گھڑی پڑی تھی۔ منزہ کو قطعی یاد نہیں آ رہا تھا کہ کس نے حمید کی کلائی سے اتار کر اسے دی اور کب اس نے اسے ان کے دراز میں رکھا۔ گھڑی کے مالک کی سانس تو رک چکی تھی لیکن گھڑی کی بے رحم سوئیاں تمام سانحوں سے بے نیاز وقت کو آگے بڑھانے میں مصروف تھیں۔ کچھ چھوٹی موٹی پرچیوں کو اکٹھا کرتے ہوئے اسے ان میں سے اپنی جوانی کی تصویر ملی۔ یہ وہ تصویر تھی جو منزہ کے گھر والوں نے بھجوائی تھی اور حمید نے اپنی اماں سے کہا تھا کہ جب مجھے لڑکی ہی پسند آ گئی ہے تو میں تصویر کیوں واپس کروں۔ اس زمانے کے حوالے سے یہ بہت بڑی جرأت تھی۔ ان لمحوں کا سوچ کر ہی سوگوار منزہ کے ہونٹوں پر خفیف مسکراہٹ بکھر گئی اور وہ زیر لب بڑبڑائیں، ”باز نہیں آئے ناں؟ بچھڑ کر بھی مجھے خوش رکھنے کی فکر ہے۔

دستخط شدہ چیکوں میں سے صرف پہلے چیک پر سترہ دسمبر ۱۹۷۲ء کی تاریخ درج تھی جبکہ باقی تمام چیکوں پر ماسوائے دستخطوں کے اور کچھ نہیں لکھا تھا۔ منزہ بہت دیر سوچتی رہی کہ ضرورت کے مطابق رقم نکلواتی رہے یا اکٹھی نکلوا لے؟ اس کے دل نے کہا کہ حمید کی وفات کے بعد کی کوئی تاریخ درج کرنے میں کہیں کوئی قانونی مسئلہ نہ کھڑا ہو جائے سو بہتر ہے کہ یکمشت رقم نکلوا کر اپنا اکاؤنٹ کسی نزدیکی بنک میں کھلوا لے۔ منزہ نے جب سے شادی ہوئی تھی کبھی حمید کی کسی الماری، دراز، بکس یا کسی اور چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ حمید اکثر مذاق میں کہتے کہ اللہ کی بندی میری چیزیں تمھاری ہیں ان میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ تم تلاشی لینے میں ہچکچاؤ تو وہ جواب دیتی کہ تلاشی کا فائدہ کوئی نہیں کیوں کہ ذاتی نوعیت کی تمام دستاویزات تو انھوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر شادی سے پہلے ہی تلف کر دی ہوں گی اور دونوں ہنس پڑتے۔ آج جب وہ درازوں الماریوں کی تلاشی لے رہی تھیں تو انھیں یوں محسوس ہوا کہ حمید ان کے سر پر کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ منو! اب کیوں تلاشی لے رہی ہو؟ اس لیے کہ اب میں موجود نہیں؟ یہ خیال ذہن میں آنا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

○

مشفق کا اندازہ تھا کہ انھیں سفر شروع کیے کم از کم سال ہو چکا تھا۔ شاید وہ دو ماہ پہلے رنگون کے گرد و نواح میں ہوتے اگر وہ چن بائن (Chinbyin) سے نکلنے کے بعد راستہ نہ کھو جاتے۔ اس وقت مشفق حیران ہوا تھا کہ یہ کیسے ہو گیا حالانکہ وہ بہت محتاط انداز میں پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہے تھے لیکن اسے دھچکا اس وقت لگا جب ایک آبادی کو دیکھ کر مشفق نے کھوج لگانے کا رسک لیا تو پتہ چلا کہ وہ بجائے گیکٹاؤ (Gyeiktaw) پہنچنے کے اراکان صوبے کے مشرق میں پہاڑی سلسلہ کے دامن میں واقع ایک خالصتاً برمی قصبے منڈان (Mindon) کے نزدیک تھے۔ یعنی وہ تقریباً اتنا ہی فاصلہ واپس طے کر چکے تھے جتنا وہ اسوقت (Ann) آن سے پچھلے دو مہینوں میں طے کر کے آئے تھے۔ اور اس وقت ان کا حوصلہ کچھ وقت کے لیے ٹوٹ گیا۔ اسد اور عاشق کا خیال تھا کہ مزید سفر کا ارادہ ترک کر کے باقی زندگی اپنے انجام کا انھی جنگلوں میں رہ کر انتظار کیا جائے۔ صرف مشفق تھا جس نے ان کی ہمت بڑھائی اور وہ مزید سفر کے لیے راضی ہوئے اور آج بالآخر یہ لوگ تاخیر سے سہی لیکن اپنے اگلے پڑاؤ گیکٹاؤ پہنچ ہی گئے تھے۔ تینوں بے حد کمزور ہو چکے تھے اور سپاہی عاشق کی حالت تو بہت ہی غیر ہو چکی

تھی۔ ملیریا اور سانپ کے کاٹے نے اس کا خون تقریباً نچوڑ ہی لیا تھا۔ اسد جو پہلے ہی دبلا پتلا سمارٹ افسر تھا اب کافی حد تک لاغر ہو چکا تھا۔ واحد مشفق ایسا تھا جو کمزور ہونے کے باوجود چاک و چوبند تھا۔ سفر کے ساتھ ساتھ ان کا سامان کافی حد تک ہلکا ہو چکا تھا۔ تاہم کپڑوں کے معاملے میں وہ بے حد محتاط تھے اور خستہ حالت لباس نہایت احتیاط سے پہنتے تھے۔

گیکیٹا ڈ پہنچ کر انھوں نے کم از کم دو تین دن رکنے کا پروگرام بنایا۔ وجہ تھکاوٹ اور زخمی پیروں کو آرام دینا تھا۔ دن کا اجالا پھیل رہا تھا۔ مشفق گرد و نواح کا جائزہ لینے کے لیے پناہ گاہ سے نکلا تو ذرا ہی دور اسے پانی کا چشمہ نظر آیا یہ ایک اچھی خبر ہونے کے ساتھ ساتھ نیک شگون بھی تھا۔ اس کے بعد اسے کچھ اجنبی پھل بھی نظر آئے جو چھوٹے گرمے کے حجم کے تھے۔ اس نے نہایت احتیاط سے ایک کاٹ کر چکھا تو نہایت شیریں اور تربوز کے ذائقے سے ملتا جلتا ذائقہ تھا۔ وہ دو تین توڑ کر ساتھ لے آیا اور ساتھیوں کو پانی کی موجودگی کی بھی خوشخبری سنائی۔ اس پھل نے انھیں بے حد تراوٹ پہنچائی۔ انھوں نے باری باری غسل کا پروگرام بنایا لیکن مشفق نے انھیں خبردار کیا کہ اردگرد پر نظر ضرور رکھیں کیونکہ اس کی چھٹی حس اسے خبردار کر رہی تھی کہ یہاں کوئی نہ کوئی خونخوار جانور موجود ہو سکتا ہے۔ دراصل کمانڈوز جنگلی ماحول سے اس قدر مانوس ہو چکے ہوتے ہیں کہ بھلے وہ وجہ بیان نہ کر سکیں لیکن ان کی چھٹی حس انھیں خطرات سے باخبر کر دیتی ہے۔ ایسا ہی کچھ یہاں ہوا تھا جب پانی اور خوراک کی تلاش میں مشفق نکلا تو اسے کئی بار محسوس ہوا کہ اس کے ساتھ ساتھ گھنے درختوں میں کوئی شے چل رہی ہے۔ ایک آدھ دفعہ تو اس نے اسے اپنا وہم تصور کیا لیکن پھر اسے یقین ہو گیا کہ جانور ہے یا انسان لیکن کوئی موجود ضرور ہے۔ ان کا ارادہ تھا کہ سب غسل کرنے کے بعد دن بھر خوب آرام کریں گے تاکہ رات کو چوکنا رہ سکیں۔ سب سے پہلے کیپٹن اسد نے اور پھر مشفق نے غسل کیا اور آخر میں انھوں نے سپاہی عاشق کو بھیجا اور خود آئندہ کے لائحہ عمل پر غور کرنے لگے۔

اسد کو رہ رہ کر یہ احساس بری طرح تنگ کر رہا تھا کہ اگر وہ نہ پہنچ سکا تو فوزیہ اس کے بارے کیا سوچے گی۔ مشفق نے اسے بہت تسلی دینے کی کوشش کی وہ ایسا کچھ نہیں سوچے گی کیونکہ اس نے میجر شوکت کے ہاتھ پیغام بھجوا دیا تھا کہ اگر فرار کا منصوبہ بنایا تو اسد اس کے ساتھ ہوگا۔ بہرحال اسد کی اپنی

منطق تھی۔ مشفق اسے بتا رہا تھا کہ خوراک کے حوالے سے وہ اب قلت کا شکار ہو رہے ہیں۔ ایک عرصے سے انھیں کوئی پرندہ یا جانور نہیں مل رہا اور ان کا گزارہ کئی ماہ سے صرف جنگلی پھلوں اور جڑی بوٹیوں پر ہے جس بنا پر وہ لاغر ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اس سے پہلے کہ ان کے لیے طبی مسائل پیدا ہوں انھیں جلد از جلد منزل مقصود پر پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے حساب سے انھیں زیادہ سے زیادہ اگلے دو ماہ میں رنگون موجود ہونا چاہیے۔ نہایت احتیاط سے سنبھال رکھنے کے باوجود نقشہ خاصا بوسیدہ ہو چکا تھا لیکن مشفق اس سے کام چلا رہا تھا اور سچ یہ ہے کہ مشفق ہی اس کو استعمال کر سکتا تھا۔ وہ نقشہ پھیلائے مختلف فاصلے ماپنے کے علاوہ اپنا اگلا راستہ اور منزلیں بھی چن رہا تھا وہ ساتھ ساتھ کیپٹن اسد کو بھی تفصیلات سے آگاہ کر رہا تھا۔ دونوں باتیں کر رہے تھے کہ اچانک ایک خوفناک انسانی چیخ بلند ہوئی۔ یوں لگا جیسے کسی آدمی کو کسی شے نے نرخرے سے پکڑا ہو۔ دونوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا کہ کون ہو سکتا ہے۔ اچانک انھیں خیال آیا کہ یہاں تو ان تینوں کے علاوہ اور کوئی انسان نہیں۔

''یہ تو عاشق ہے۔''.... دونوں کے منہ سے بے ساختہ ایک ساتھ نکلا اور دونوں نے چشمے کی جانب دوڑ لگا دی۔ وہاں پہنچ کر انھیں ایک دردناک منظر دیکھنے کو ملا۔ ایک درمیانی جسامت کا بادلی باگھ (Clouded Leopard) ان کے سامنے تھا جس نے عاشق کے جسم پر پنجے اور اس کی گردن میں اپنے دانت گاڑے ہوئے تھے۔ ان دونوں نے کچھ شاخیں توڑ کر اسے بھگانے کی کوشش کی لیکن وہ ان سے لاتعلق، عاشق کو گھسیٹ کر لیجانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مشفق نے کمر سے بندھا اپنا خنجر نکالا اور کیپٹن اسد کو کہا کہ وہ اس کے سامنے جا کر شاخ سے اپنی جانب متوجّہ کرے جبکہ وہ اس پر عقب سے وار کرتا ہے۔ اسد نے اسے پستول سے فائر کرنے کا مشورہ دیا لیکن مشفق نے بتایا کہ پستول کی گولی سے اسے کچھ نہیں ہوگا، وہ خنجر سے اس کے جسم کے کسی نازک حصے پر وار کریگا۔ بے بس عاشق بیچارہ پہلے تو زور زور سے چیختا رہا لیکن پھر رفتہ رفتہ اس کی مزاحمت مانند پڑ گئی۔ ایک موقعہ پر باگھ کی توجہ ہٹی دیکھ کر کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر مُش نے اس پر جست لگا کر اس کے پیٹ پر تیز دھار خنجر پھیر دیا۔ یہ نہایت خطرناک کوشش تھی لیکن کارگر رہی۔ بادلی باگھ نے تکلیف سے کراہتے ہوئے پلٹ کر مشفق پر اوچھا وار کیا جس کے لیے مش پہلے سے ہی تیار تھا لیکن پھر بھی اس کے نوکیلے پنجے نے اسے معمولی زخمی کر ہی دیا۔ خنجر کا وار اتنا شدید تھا کہ باگھ کے لیے سپاہی عاشق کو چھوڑ کر بھاگنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ درد سے

کراہتا ہوا جنگل میں روپوش ہو گیا۔ دونوں بھاگ کر عاشق کے پاس گئے جو نیم بیہوش تھا اور اکھڑی اکھڑی سانسیں چل رہی تھیں۔ اس کی شہ رگ سے خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مایوسی میں سر ہلایا لیکن پھر بھی اسے بچانے کی کوششیں ترک نہ کیں۔ مشفق نے اپنی شرٹ اتار کر اسے پھاڑ کر پٹیاں بنائیں اور انھیں اس کی گردن پر باندھنے کی کوشش کی لیکن خون تھا کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اس دوران کیپٹن اسد متواتر عاشق کو آوازیں دے کر جگانے کی کوشش کرتا رہا۔ رفتہ رفتہ اس کی سانس تھمنی شروع ہو گئی اور بالآخر چک ۱۱۴ گ ب، مجھیانہ، تاندلیانوالہ کے سپوت نے دیارِ غیر میں اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کو تو اس پہاڑی سے ایک سو پچاس میل کی دوری پر رنگون جیسی معروف جگہ میں دو گز زمین مل گئی لیکن قوم کے لیے اپنی زندگی داؤ پر لگانے والے اس جری جوان کے نصیب میں یہ نامعلوم مقام لکھا تھا جہاں کسی کے فاتحہ کہنے کی بات تو دور رہی کسی کا گزر بھی شاید ہی ہوتا ہوگا۔ قدرت کے کھیل بھی عجب نرالے ہوتے ہیں۔ کیپٹن مشفق کی آنکھوں میں آنسو کم ہی آتے تھے لیکن اس موقع پر وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

''مُش یار حوصلہ کرو۔ تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ کوشش ہم ضرور کر رہے ہیں لیکن ہم میں سے کسی کو یقین نہیں کہ وہ منزل پر پہنچ بھی سکے گا یا نہیں۔ آج عاشق کی باری تھی کل پتہ نہیں ہم میں سے کس کی باری ہو۔''

''سر میں اس انجام پر نہیں رویا۔ کسی بھی سپاہی کا انجام اس سے بھلا کتنا مختلف ہوگا؟ زیادہ سے زیادہ انیس بیس کا فرق ہوگا؟ یہی ناں؟ مجھے تو رونا آ رہا ہے اس کی بیٹی معصوم بشریٰ پر جو یہاں سے سینکڑوں میل دور پنجاب کے ایک دور افتادہ گاؤں تاندلیانوالہ میں بیٹھی اپنے باپ کا انتظار کر رہی ہے کہ وہ کب اس کے لیے بولنے والی گڑیا لائے گا۔''

''کاش کہ اس کی جان بچ جاتی اور شیر مجھے مار دیتا۔ میرا تو کوئی آگے پیچھے نہیں۔'' اسد بولا۔

''اس سے کیا فرق پڑنا تھا سر؟ کسی نہ کسی گھر میں کسی کو تو مایوسی کا منہ دیکھنا ہی پڑتا ناں؟ بشریٰ نہیں تو فوزیہ ہوتی یا پھر مائرہ۔''

''حوصلہ کرو میری جان۔ تم تو مجھے ہمت کرنے کا کہتے تھے اب خود ہی ہمت ڈھا بیٹھے ہو؟''

''بالکل نہیں سر.... میں ہمت بالکل نہیں ہارا۔ میں عاشق کی چند دن پہلے کی بات یاد کر رہا

ہوں۔ اور بات نہیں بلکہ ایک وصیت تھی۔ شاید اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کر دیا تھا۔ آپ سو رہے تھے تو وہ مجھ سے باتیں کرنے لگا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ میرے سامنے اپنا دل کھولے۔ کہنے لگا کہ اگر وہ گھر واپس نہ پہنچ سکا تو میں اس کی بیٹی بشریٰ کو بولنے والی گڑیا لے کر دوں گا اور میں نے ہامی بھر لی تھی اور اب اس کا وہ قرض مجھ پر واجب ہے۔''

''اب اس معصوم شہید کا کیا کرنا ہے۔'' کیپٹن اسد نے مشفق سے استفسار کیا۔

''کیا کرنا ہے سر؟ یہ سپاہی ساری عمر ملک کی مٹی کے لیے لڑا لیکن جب دُنیا سے گیا تو اس کی قسمت میں گیکٹاؤ کے پہاڑ کی مٹی تھی، یہ یہیں ابدی نیند سوئے گا۔'' پھر عاشق کو مخاطب کرتے ہوئے بولا، ''دوست! میری تو دلی خواہش تھی کہ ہم تینوں ایک ساتھ منزل مقصود پر پہنچیں لیکن شاید تقدیر کو کچھ اور منظور ہے۔ گواہ رہنا کہ ہم تمھیں اپنی خوشی سے یہاں چھوڑ کر نہیں جا رہے۔''

دونوں نے ہاتھوں، خنجر اور مضبوط شاخوں کے استعمال سے بدقت اس کی لحد کھودی۔ کیپٹن اسد نے اللہ سے معافی طلب کرتے ہوئے اپنے علم کے مطابق اس کا جنازہ پڑھایا۔ دونوں نے اسے نیم گہری قبر میں اتار کر اس کے جسد کو شاخوں اور پتوں سے ڈھانپا اور بھاری دل کے ساتھ مٹی ڈال کر اس کی فاتحہ کہہ کر بوجھل قدموں کے ساتھ سر جھکائے پناہ گاہ کو واپس آ گئے۔ وہ سارا دن انھوں نے سوگواری میں گزارا اور دونوں نے نہ کچھ کھایا اور نہ ہی پیا۔ مشفق صبح جو فروٹ تلاش کر کے لایا تھا وہ ویسے ہی پڑا تھا۔ اندھیرا چھانے لگا تو مشفق اسد سے مخاطب ہوا، ''سر ہم نے کھانا عیاشی کے لیے نہیں بلکہ ضرورت کے لیے کھانا ہے۔ آج نہیں تو کل ہم نے کھانا تو ہے ہی۔ ویسے بھی یہاں کونسی پلاؤ کی دیگیں دم کی ہوئی ہیں۔ میرا خیال ہے تھوڑا تھوڑا یہ فروٹ کھا لیں۔''

''بڈی! دل تو نہیں کرتا لیکن تم کہتے ہو تو کھا لیتا ہوں۔ سچ پوچھو تو مجھے یقین نہیں رہا کہ ہم رنگون پہنچ جائیں گے لیکن چونکہ ایک سپاہی ہوں اس لیے کبھی بھی ہمت نہیں ہاروں گا۔''

''بس اسی ہمت کی ضرورت ہوتی ہے سر۔ باقی نتیجہ تو اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔''

''یہ عاشق کی چیزوں کا کیا کرنا ہے مُش؟''

''سر دو چار تو چیزیں ہیں۔ اس کی SMC (سٹین گن) اور کپڑے رکھ لیتے ہیں کیونکہ ان کی ضرورت رہے گی۔ پانی کی بوتل بھر کر باقی جو کچھ ہے لپیٹ کر یہیں کہیں دفن کر دیتے ہیں۔''

دونوں کا قیام اس پہاڑی پر دو دن رہا اس دوران وہ دن میں دو تین دفعہ عاشق کی قبر پر چکر

لگاتے اور فاتحہ کہہ کر آتے۔ فوج میں افسر اور اردلی کا بہت مضبوط رشتہ ہوتا ہے۔ مذاق میں اکثر کہا جاتا ہے کہ اردلی صاحب کی دوسری بیوی ہوتی ہے۔ افسر اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس کا کیش، اس کی تمام قیمتی چیزیں وغیرہ اردلی کی تحویل میں ہی ہوتی ہیں۔ اسی لیے کیپٹن مشفق کا حد سے زیادہ رنجیدہ ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ جس رات انھوں نے اگلے پڑاؤ ٹینگ گائی (Tainggye) کے لیے نکلنا تھا، مغرب سے ذرا پہلے مشفق نے اسد سے اجازت مانگی کہ وہ اکیلا عاشق کی قبر پر جانا چاہتا ہے۔ اس نے یقین دہانی کرائی کہ وہ جلد ہی واپس آجائے گا۔ مشفق اس کی قبر پر جا کر پائینتی کھڑا ہو کر اس سے مخاطب ہوا، ''پیارے عاشق! اگر تم سن رہے ہو تو گواہ رہنا کہ میں نے تمھیں بچانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ تم میرے ساتھ کہنے کو تو دو ڈھائی سال رہے تھے لیکن مجھے یوں لگتا ہے جیسے تم صدیوں سے میرے ساتھ تھے۔ تم نے انتھک خدمت سے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ تم میرے لیے چھوٹے بھائی سے کم نہ تھے۔ میری خواہش تھی کہ تم پیاری بشریٰ کو خود بولنے والی گڑیا لے کر دیتے لیکن تمھارا بلاوہ آ گیا اور تمھیں جانا پڑا۔ میں تمھیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان شا اللہ لاہور پہنچ کر میں پہلی فرصت میں تمھارے گاؤں بشریٰ کو گڑیا دینے جاؤں گا۔ فوج میں کام کے سلسلہ میں کبھی اونچ نیچ ہو جاتی ہے۔ انسان ہوں یقیناً مجھے کبھی غصہ بھی آیا ہوگا۔ صرف اتنا کہنا ہے کہ اگر میں نے کبھی تمھارا دل دکھایا ہو تو اپنے صاحب کو دل سے معاف کر دینا۔ میری اللہ سے دعا ہے کہ وہ تمھیں ابدی سکون میں رکھے۔ اب چلتا ہوں۔ روز قیامت ملاقات ہوگی۔ اللہ حافظ۔''

اس کے بعد اس نے فاتحہ پڑھی اور عاشق کی مرقد پر الوداعی نگاہ ڈال کر چل دیا۔ رات ہوتے ہی ان دونوں نے اگلے پڑاؤ ٹینگ گائی کے لیے سفر شروع کر دیا۔

منزہ شریعت کی پیروی میں نہایت پابندی سے عدت گزار رہی تھیں۔ دین کی طرف ان کا رجحان پہلے ہی خاصا تھا اور اب تو انھوں اس طرف اور زیادہ توجہ دینی شروع کر دی تھی۔ قران پاک ترجمے کے ساتھ اور تفسیر بھی نہایت دلجمعی سے پڑھ رہی تھیں۔ حمید کے جانے کے بعد ان کے روزمرہ کے معمولات بہت حد تک تبدیل ہو چکے تھے۔ حمید کی زندگی میں تو منزہ کی توجہ کا محور سب سے زیادہ ان کا رفیق زندگی ہی ہوا کرتا تھا۔ حمید کا کھانا، حمید کے کپڑے، حمید کا آرام۔ اس کے بعد اگر کوئی وقت بچتا تو وہ کسی اور کے لیے ہوتا تھا۔ اب ان کے پاس وقت ہی وقت تھا۔ اس فالتو وقت کو انھوں نے دین کی تعلیم اور نواسے نواسی کے لیے وقف کر دیا تھا۔ عدت کے دنوں میں ہی حمید کے پڑوسی دکاندار اسلم بٹ کا ایک دو دفعہ خیریت پوچھنے کے لیے فون آیا جس سے اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس دُنیا میں ابھی اللہ کے نیک بندے موجود ہیں۔ اسلم بٹ کو پتہ تھا کہ ان کے گھر میں کوئی اور مرد نہیں سو وہ گاہے بگاہے پوچھ لیا کرتا تھا کہ کوئی کام یا کسی چیز کی ضرورت۔ ایک روز اس نے فون کیا تو مائرہ نے اٹھایا۔

''بیٹا میں اسلم بٹ بول رہا ہوں، حمید بھائی کا پڑوسی۔ کیا میں بھابھی جی سے بات کر سکتا ہوں؟''

''ایک منٹ انکل.... میں ماما کو بلاتی ہوں۔'' ریسیور رکھ کر اس نے منزہ کو بتایا کہ بٹ انکل بات کرنا چاہتے ہیں۔

منزہ نے فون اٹھایا اور بولی، ''السّلام علیکم بھائی.... جی فرمایئے۔''

''میں نے سوچا آپ سے پوچھ لوں کسی چیز کی ضرورت ہو یا کوئی کام ہو۔''

''جزاک اللہ بھائی جی.... آپ نے پہلے ہی ہماری بہت مدد کی ہے۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا، بس ہمارے حق میں دعا کر دیا کریں۔''

''کیوں نہیں آپ میری بہن ہیں۔ میں نے آج دراصل فون حمید صاحب کے بزنس کے سلسلہ میں کیا تھا۔''

''بھائیجان میں سمجھی نہیں۔'' منزہ بولی۔

''بھابھی جی دراصل چار ماہ ہونے کو ہیں اور دکان بند پڑی ہے جسے دیکھ کر ہول اٹھتے ہیں۔ آپ لوگوں کا بھی اس کاروبار کے علاوہ اور کوئی سلسلہ روزگار نہیں، پتہ نہیں گھر بار کیسے چل رہا ہوگا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس کا جو کوئی معقول تخمینہ لگے وہ آپ مجھ سے لے لیں۔ میں اپنے بیٹے کو کوئی کاروبار شروع کرانا چاہتا تھا۔ سوچا کہ اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے خاص طور پر جب کہ کاروبار میرے پڑوس میں ہو اور بیٹا نگاہ میں بھی رہے۔ آپ کا بھی سلسلہ چلتا رہے گا اور میرا بھی کام ہو جائے گا۔''

''بھائی اللہ آپ کو اجر دے۔ میں ابھی عدت میں ہوں اور مزید پندرہ روز باقی ہیں۔ اس کے بعد کسی دن آ جائے گا اور بیٹھ کر بات کر لیں گے۔''

''ضرور بہن جی.... میں بیگم کو بھی ساتھ لے آؤں گا۔ وہ پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ آپ مجھے تعزیت کے علاوہ دوبارہ نہیں لے کر گئے۔''

''ضرور بھائی، آپ کا اپنا گھر ہے۔''

''اور دوسرا میں اس کیس کے پیچھے اس وقت تک پڑا رہوں گا جب تک کہ اس ذلیل انسان کو سزا نہیں مل جاتی جس کی وجہ سے ایک ہنستا بستا گھر اجڑ گیا۔ مجھے یہ تو نہیں پتہ کہ آیا جو رقم اس نے غبن کی وہ واپس بھی ملے گی یا نہیں لیکن میں کوشش پوری کروں گا اور کچھ نہیں تو اس کے بال بچوں کو سڑک پر ضرور لے آؤں گا۔''

''بھائی! پرویز کا معاملہ میں نے اللہ پر چھوڑ دیا ہے۔ وہ یقیناً اللہ سے صلہ پائے گا۔ آپ کے تعاون کے لیے بہت زیادہ دعا گو ہوں۔''

''شکریہ بھابھی جی۔'' اسلم بٹ نے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اور منزہ بیٹی کو تفصیل بتانے لگی۔

۲۳ اپریل ۱۹۷۳ء کو ننھی مائرہ کی پہلی سالگرہ بھی عدت ختم ہونے سے چند روز پہلے ہی آئی۔ مائرہ نے ماں کو بہت منع کیا کہ کوئی ضرورت نہیں منانے کی بابا کا غم تازہ ہے لیکن منزہ قطعی نہ مانی۔ اس کا کہنا تھا کہ حمید زندہ ہوتے تو بہت دھوم دھام سے مناتے اور میں ان کی روح کو ناراض نہیں کرنا چاہتی۔ بھلے کسی کو نہ بلائیں مگر خود منانے میں کوئی حرج نہیں۔ مائرہ نے فوزیہ کو بھی بلا لیا اور گنتی کے ان چار بندوں نے ننھی پری کی سالگرہ منائی۔ یہ الگ بات ہے کہ مائرہ اور منزہ ایک دوسرے سے چھپ چھپ کر آنسو بہاتی رہیں؛ منزہ حمید کو یاد کر کے اور مائرہ مشفق کو، لیکن پھر بھی ہلکی پھلکی رونق نے کچھ دیر کے لیے ان سب کا دل بہلا دیا۔ سالگرہ کے چند ہی دن بعد منزہ کی عدت ختم ہو رہی تھی۔ جس روز عدت ختم ہوئی، اسی صبح وہ گاڑی لے کر سیدھی قبرستان گئی اور جس بری طرح وہ روئی یقیناً حمید کی روح بھی پریشان ہوئی ہوگی۔ واپس آ کر اس نے دن میں اسلم بٹ کو فون کیا اور انھیں آنے والی اتوار کو چکر لگانے کی دعوت دی۔ مقررہ دن پر بٹ صاحب اپنی بیگم کے ہمراہ تشریف لائے۔ زیادہ تر حمید صاحب کے حوالے سے ان کی ملنساری اور اخلاق کی تعریفیں ہوئیں اور پھر انھوں نے دکان کی فروخت کی پیشکش منزہ کے سامنے رکھ دی۔

''بھابھی جی! پہلی بات تو میں یہ واضح کر دوں کہ آپ پابند نہیں ہیں کہ آپ مجھے ہی ہر حال میں یہ دکان فروخت کریں۔ آپ مجھے انکار بھی کر دیں گی تو میں اسی طرح آپ کا بھائی رہوں گا۔''

''اللہ آپ کو جزا دے بھائی، میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا۔ یہ تو حقیقت ہے کہ ہم دونوں ماں بیٹی میں سے کوئی اس دکان پر بیٹھنے سے تو رہا۔ گھر کا ایک واحد مرد میرا داماد ہے جس کے متعلق کچھ علم نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ ایسی صورت حال میں، میں سمجھتی ہوں کہ اس کو بیچ دینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں اور شاید اسی لیے اللہ نے آپ کو ہماری مدد کے لیے فرشتہ بنا کر بھیجا ہے۔''

''میں آپ کا احسانمند ہوں کہ کہ آپ میرے بارے میں ایسا سوچتی ہیں۔ میری درخواست ہے کہ آپ ملنے جلنے والوں سے کہہ کہلا کر اس کی سامان سمیت قیمت لگوا لیں۔ میں آپ کو اس سے کچھ زیادہ دے دوں گا۔''

''بھائی میں کہاں جاؤں گی اور کہاں قیمتیں لگواتی پھروں گی۔ آپ خود پتہ کر لیں، مجھے آپ پر مکمل اعتبار ہے۔ جب آپ ہماری مدد کا سوچ رہے ہیں تو پھر ہمارے نقصان کا بھلا خیال بھی کیسے کر سکتے ہیں؟''

''جی میں نے تو پتہ کرلیا ہے۔ یہ لبرٹی مارکیٹ کی موقع کی دکان ہے اور سامان سمیت اس کا چھ لاکھ مل رہا ہے باقی مجھے اس کی پگڑی کا نہیں پتہ کہ حمید صاحب نے کیا دی تھی۔''

''جی انھوں نے ۱۹۶۰ء میں یہ دکان خریدی تھی اور پگڑی کے کاغذ میرے پاس ہیں۔ اگلے روز میں دیکھ رہی تھی اس وقت انھوں نے اس کی پگڑی تیس ہزار دی تھی۔ باقی آپ خود دیکھ لیں۔''

''بھابھی جی ہم نے کاروبار تو کرنا نہیں کہ بھاؤ تاؤ کریں۔ اس کا چھ لاکھ مل رہا ہے تو میں آپ کو سوا چھ لاکھ دوں گا۔ رہی پگڑی تو سن ساٹھ کا تیس ہزار آج انیس سو تہتر میں کوئی ستر اسی ہزار کے لگ بھگ ہوگا۔ اب جو حکم آپ کا سر آنکھوں پر ہوگا۔''

''ٹھیک ہے بھائی آپ فائنل سمجھیں۔''

''بھابھی جی میں ابھی بھی کہوں گا کہ آپ آرام سے سوچ لیں جتنا وقت لینا چاہتی ہیں لے لیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے تعلقات خراب ہوں۔ حاسدوں اور دشمنوں کی کوئی کمی نہیں۔ کل کو کوئی آ کر صرف اتنا کان میں کہہ دے کہ اسلم بٹ آپ کے ساتھ ہاتھ کر گیا ہے تو مجھے دکھ ہوگا۔''

''ایسی بات نہیں ہے بھائی۔ میں نے بھی دُنیا دیکھی ہے۔ آپ اسے فائنل سمجھیں۔''

''اللہ آپ کو خوش رکھے۔ کہیں تو بیعانہ میز پر رکھ دوں؟''

''زبان سے بڑا کوئی بیعانہ نہیں ہوتا بھائی صاحب۔ یہ دکان اب آپ کی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ یہ رقم سات لاکھ پانچ ہزار بنتی ہے۔ میں کل تمام کاغذات بنوا کرلاؤں گا۔ آپ کو میرے ساتھ کچہری بھی جانا ہوگا کچھ لوازمات پورے کرنے ہونگے اور چیک یا کیش جو آپ کہیں گی ادا کردوں گا۔''

''ٹھیک ہے بھائی اور آپ اس رقم کو سیدھا سیدھا سات لاکھ کردیں۔''

سب نے دعا کی اور بٹ صاحب اگلے دن آنے کا کہہ کر چلے گئے۔ اگلے روز کوئی دوپہر بارہ بجے کے قریب محتاط شخص اسلم بٹ اپنی بیگم کے ہمراہ آئے۔ جہاندیدہ منزہ سمجھ گئی اور اس کے دل میں ان کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔ شام تک انھوں نے تمام کارروائیاں پوری کرلیں تھیں اور سات لاکھ کا چیک وہ پہلے ہی منزہ کے حوالے کرچکے تھے۔ جب وہ انھیں گھر اتارنے آئے تو دکان کی چابیاں ان کے حوالے کرتے ہوئے منزہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ نجانے کتنی ہی یادیں اس میڈیکل سٹور سے وابستہ تھیں۔

وہ تمام باتیں ایک فلم کی طرح ان کے ذہن میں چلنے لگیں۔ بٹ صاحب اور ان کی بیگم کچھ دیر بیٹھ کر روانہ ہو گئے اور منزہ مستقبل کے بارے سوچنے لگی کہ سات لاکھ یہ ہے اور جو حمید چھوڑ گئے وہ تقریباً پانچ لاکھ سے کچھ اوپر ہی ہے۔ بارہ میں سے بالفرض اگر وہ دس لاکھ کے ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ بھی خرید کر رکھ لے تو ہر ماہ ان پر اچھی خاصا منافع مل سکتا ہے جس میں وہ ماں بیٹی نہ صرف خوشحال زندگی گزار سکتی ہیں بلکہ بچوں کو بہترین تعلیم بھی دلوا سکتی ہیں۔ اس نے مغرب کی نماز میں سر بسجود ہو کر اللہ رحیم و کریم کا بے حد شکر ادا کیا اور حمید کی مغفرت کے لیے دعا کی جو انھیں فکروں سے آزاد کر گئے۔

O

انسان کو جب بھی کسی نئے چیلنج کا سامنا ہو یا وہ طویل مدت کے لیے نئی مصیبتوں سے نبرد آزما ہو تو حالات اسے بہت کچھ سکھاتے ہیں۔ وہ نئی چیزیں ایجاد کرتا ہے، نت نئے طریقے آزماتا ہے غرضیکہ بہت کچھ سیکھتا ہے۔ گیکٹاؤ پہنچنے سے قبل اس ٹیم کو قدم قدم پر نئی مشکلات پیش آتی رہی تھیں اور وہ بھی قدم قدم پر ان کا توڑ یا تریاق دریافت کرتے رہتے تھے۔ ان مسائل میں سے ایک سب سے اہم مسئلہ دن اور مہینوں کا حساب رکھنا تھا۔ گیکٹاؤ پہنچنے تک کیلنڈر کا جو بھی حساب تھا وہ محض اندازہ تھا لیکن پھر مشفق کو خیال آیا کہ اس کے بعد وہ کم از کم دنوں کا حساب ضرور رکھے گا تا کہ یہ تو پتہ چلے کہ انھیں سفر کرتے کتنے دن ہو گئے ہیں چنانچہ گیکٹاؤ سے نکلنے سے پہلے اس نے اپنے پاس موجود لائن یارڈ (موٹی ڈوری) کو اس مقصد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ اس میں ایک مضبوط گرہ لگاتا اور یوں اسے یاد رہتا کہ انھیں چلے کتنے دن ہو گئے ہیں۔ ان دونوں نے تو اب حلیہ بھی تقریباً مقامی ہی بنا لیا تھا اور اس مقصد کے لیے دوران سفر کسی قصبے کی کسی جھونپڑی کے باہر لٹکے کوئی سے بھی کپڑے وہ اتار لیا کرتے تھے لیکن ان سب باتوں کے باوجود آبادی سے دور رہنے کی احتیاط برقرار تھی۔

آج انھیں گیکٹاؤ سے نکلے دو ماہ ہو چکے تھے اور مشفق کے حساب کے مطابق انھیں اس وقت پائن ماکھون (Pyin Makhon) کے گردونواح میں ہونا چاہیے تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ انھیں دور دور تک کوئی قصبہ تو کیا کسی ذی روح کا نام و نشان تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ مشفق نے اسد کو بتایا کہ جب تک وہ اس مقام کا تعین نہ کر لیں آگے جانے کا رسک مول نہیں لے سکتے کیونکہ وہ پہلے والی غلطی نہیں دہرانا چاہتے جب وہ دو ماہ پیچھے چلے گئے تھے۔ فیصلہ کیا گیا کہ اسی جگہ پر ایک دو روز قیام کیا جائے اور اس

دوران مشفق جائزہ لے اور اگر کوئی شخص ملے تو اس سے جگہ کا نام پوچھ لے۔ انھوں نے گہرے جنگل میں جا کر ایک محفوظ مقام پر پناہ گاہ بنائی اور مشفق شام کا دھندلکا شروع ہوتے ہی ریکی کے لیے نکل گیا۔ جنگل سے باہر نکلتے ہی اسے ایک پگڈنڈی نظر آئی اور اسے اس پر انسانی قدموں کے نشانات بھی ملے جو بیک وقت حوصلہ افزا ہونے کے ساتھ ساتھ خطرناک بھی ثابت ہو سکتے تھے۔ بہرحال مُش نے اس پر جنوب کی جانب چلنا شروع کر دیا۔ کوئی ایک فرلانگ کے سفر کے بعد اسے ایک شخص ملا جو پانی سے بھرا ڈول اٹھائے کہیں جا رہا تھا۔ مشفق کی کھانسی کی آواز سن کر رک گیا اور برمی قسم کی زبان میں پوچھنے لگا کہ وہ کون ہے۔ مشفق نے ہاتھ سے منہ کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ گونگا ہے بول نہیں سکتا اور بتایا کہ وہ اراکان کے کسی شمالی گاؤں سے آ رہا ہے۔ اس شخص نے سر ہلایا جیسے مسئلہ سمجھ گیا ہو۔ مشفق نے جگہ کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ تھوڑی دور پائن ماکھون کا قصبہ ہے۔ مشفق نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ وہ درست سمت میں جا رہے تھے۔ اس اجنبی نے اسے ساتھ چلنے کی دعوت دی لیکن مشفق نے لیٹ ہونے بہانہ بنایا اور اس کا شکریہ ادا کر کے چل دیا۔ وہ شخص کچھ دیر وہیں کھڑا ہو کر اسے کنفیوز نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر سر جھٹک کر اپنی راہ ہو لیا۔ کوئی ایک گھنٹہ بعد مشفق ہائیڈ آؤٹ (پناہ گاہ) پہنچا تو اسد کو بے چینی سے منتظر پایا۔ مشفق نے اسے خوش خبری دی کہ وہ صحیح سمت میں جا رہے ہیں اور اس وقت پائن ماکھون کے مغرب میں ہیں، اس کے بعد انھیں کیٹپاؤنگ ریزرو فارسٹ (Kyetpaung Reserved Forests) میں داخل ہونے کے لیے زیادہ سے زیادہ ایک دو روز لگیں گے۔ اسد کے پاؤں بہت زیادہ زخمی اور خراب ہو چکے تھے۔ خاص طور پر بایاں پاؤں خاصا گل چکا تھا اور اس میں سے مسلسل خون رس رہا تھا۔ پندرہ بیس روز پہلے کہیں سوتے میں اسے کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا تھا یا کوئی تیز دھار چیز زخمی کر گئی تھی جس کے بعد سے یہ ٹھیک نہ ہو سکا۔ زخم تب ٹھیک ہوتا اگر وہ کہیں ہفتہ دس دن کے لیے رکتے لیکن رکنے کا مطلب خطرات کو دعوت دینا تھا چنانچہ اسی حالت میں سفر جاری رکھا گیا۔ مشفق نے اسے مشورہ دیا کہ کیٹپاؤنگ کے جنگلات میں وہ کچھ دن زیادہ رک جائیں گے اور وہ کوشش ہوگی کہ کہیں سے کوئی ممکنہ طبی امداد تلاش کی جائے۔

اگلے تین دن کے بعد بالآخر وہ کیٹپاؤنگ ریزرو فارسٹ میں داخل ہو چکے تھے۔ امید کی کرن نظر آنے کے ساتھ ساتھ خطرات بھی خاصے بڑھ رہے تھے کیونکہ یہ درختوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا اور اب

تک وہ جتنے بھی جنگلوں سے گزرے تھے وہ سب اس کے سامنے ہیچ تھے۔اس جنگل کے اندر کہیں کہیں آبادیاں بھی تھیں اور کہیں کہیں سے کچے پکے راستے بھی گزرتے تھے جس بنا پر ان دونوں کو بے حد احتیاط سے کام لینا تھا۔اس وقت ان کے لیے سب سے بڑا مسئلہ کیپٹن اسد کے پاؤں کا زخم تھا جو دن بہ دن خراب ہوتا جارہا تھا اور یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی اور نہ ہی وہ اسے معمولی زخم سمجھ کر درگزر کر سکتے تھے۔تین چیزیں اس زخم کو خراب سے خراب تر کر رہی تھیں؛ ایک تو مسلسل سفر، دوسرا کسی بھی قسم کی دوا کی عدم دستیابی اور تیسرا پروٹین والی خوراک کی کمی۔اب تک کے پورے سفر میں بمشکل دو یا تین دفعہ کوئی پرندہ ان کے قابو آیا تھا جسے انھوں نے بھون کر کھایا تھا یا پھر مشفق کی پیشہ ورانہ مہارت کی بدولت صرف دو دفعہ وہ بھنا ہوا سانپ کھا سکے۔کیپٹن اسد ہر دفعہ انکار کرتا رہا لیکن مشفق نے اسے مجبور کیا کہ وہ اسے مچھلی سمجھ کر ہی کھالے کیونکہ یہ ان کی جسمانی طاقت کے لیے بہت ضروری تھا۔سفر کا حل تو انھوں نے نکال لیا تھا کہ یہاں کیٹپاؤنگ کے جنگلات میں وہ کچھ دن آرام کریں گے لیکن دوا اور پروٹین غذا والے مسئلے حل طلب تھے ادھر درد تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔مشفق نے جب بھی غور کیا وہ یہ اندازہ لگانے سے قاصر رہا کہ اس گہرے زخم کی وجہ واقعی کوئی زہریلا کیڑا تھا یا کیپٹن اسد نے غلطی سے پاؤں کسی زنگ آلود دھاتی شے پر رکھ دیا تھا۔خود بقول اسد کے اس وقت تو اسے بس اتنا لگا کہ کوئی تیز دھار چیز اس کے پاؤں میں پیوست ہوئی ہے لیکن اس کے بدکنے سے وہ فوراً نکل بھی گئی۔اس نے اسے معمولی بات سمجھا۔وہ تو تین چار دن گزرنے کے بعد جب پاؤں رفتہ رفتہ سوجنا شروع ہوا تو اسے فکر لاحق ہوئی اور پھر فکرمند ہو کر اس نے مشفق کو آگاہ کیا۔کیپٹن مشفق بہت ناراض ہوا کہ اس نے اسے فوراً کیوں نہیں بتایا۔وہیں رک جاتے تو ہوسکتا تھا کہ وجہ معلوم ہو جاتی۔جن جڑی بوٹیوں کے متعلق مشفق کا خیال تھا کہ وہ مرہم لیپ وغیرہ میں استعمال ہوسکتی ہیں اور جن کا اگر فائدہ نہیں تو کوئی نقصان بھی نہیں ہوگا اس نے انھیں ان چند دنوں میں کوٹ کر اسد کے پاؤں پر بار ہا لیپ کی۔

وقت گزرتا جا رہا تھا اور وہ کئی وجوہات کی بنا پر یہاں زیادہ دن رک بھی نہیں سکتے تھے۔خود کیپٹن اسد بھی لیٹ لیٹ کر تنگ آ چکا تھا اور اس نے ایک دن خود ہی کیپٹن مشفق سے اکتاہٹ کا ذکر کیا، ''مُش یار I am fed up (میں تنگ آ گیا ہوں)۔یہ ایک جگہ جم کر بیٹھنے سے ایک تو سفر تھم گیا ہے جس سے ہم قیمتی وقت ہاتھ سے کھو رہے ہیں اور دوسرا مجھے پاؤں کی تکلیف کا احساس زیادہ ہو رہا ہے۔''

''سر مجھے تو کوئی اعتراض نہیں لیکن میں اگر رکا ہوں تو صرف آپ کے زخمی پاؤں کی وجہ سے رکا ہوں تا کہ آپ کو کچھ آرام مل سکے ورنہ آپ گواہ ہیں کہ گزشتہ سفر میں، میں کہیں بھی ضرورت سے زیادہ وقت نہیں ٹھہرا۔''

''تو پھر آج رات سے سفر شروع کرو۔ اللہ مالک ہے۔ دیکھی جائے گی جو ہوگا۔ اگر اس طرح لکھی ہے تو اسی طرح سہی۔''

''سر اس جنگل سے نکلتے ہی ہم مسلم اکثریت والے صوبے اراکان کو خیر باد کہہ چکے ہونگے اور بدھ برما کی حدود میں داخل ہو جائیں گے جہاں سب سے پہلا قصبہ ہپان گاپن (Hpan Gapin) ہو گا جو موجودہ جگہ سے کم و بیش بیس میل کے فاصلے پر ہے۔''

''مُش! بیس میل تو کوئی زیادہ سفر نہیں۔''

''اگر فاصلے کو دیکھیں تو واقعی زیادہ نہیں لیکن اگر ان حالات پر نظر دوڑائیں جن سے ہم گزر رہے ہیں تو خطرات کے حوالے سے یہ دو سو میل بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ ہمت نہیں ہارے۔ دس پندرہ میل کا سفر تو سیدھا سیدھا اس جنگل کے پہاڑوں کو عبور کرنے کا ہے، اس کے بعد ڈھلوان شروع ہوگی تو ہمیں جنگل سے نکلتے ہی ہپان گاپن نظر آئے گا۔''

''جو بھی ہوگا اس رک کر درد سہنے کی اذیت سے تو بہتر ہی ہوگا۔''

''ٹھیک ہے سر۔ میں کوئی مضبوط ٹہنی ڈھونڈھ کر آپ کے لیے چھڑی بنا تا ہوں۔'' مشفق یہ کہہ کر پاس کے درختوں سے کوئی مضبوط شاخ تلاش کرنے لگا جو اسے جلد ہی مل گئی اور اس نے خنجر استعمال کرتے ہوئے اسے تراش خراش کر تقریباً بیساکھی کی شکل میں تیار کر لیا۔ چلنے سے پہلے مشفق نے اپنے جھولے سے خشک کیا ہوا بیر نما پھل نکالا جسے دونوں نے کھایا۔ اسی دوران اسد کے چہرے پر مسکراہٹ لانے کے لیے اس نے بات چھیڑی۔

''سر آج یہ بیر کھاتے ہوئے مجھے مائرہ کے ہاتھ کے کھانے شدت سے یاد آ رہے ہیں۔ میں تو لاہور پہنچتے ہی اس سے ابلے چاولوں اور فرائی فش کی فرمائش کروں گا۔''

''اور اگر قسمت مجھ پر مہربان رہی تو میں فوزیہ سے کہوں گا کہ وہ میرے لیے بریانی بنائے جو اس نے ہماری دعوت پر بنائی تھی۔ میں آج بھی اس کا ذائقہ اپنی زبان پر محسوس کر رہا ہوں۔''

''کیوں نہیں سر۔ مشکل وقت کے بعد آسان وقت اور برے دنوں کے بعد اچھے دن ضرور آتے

ہیں۔ہم ایک گرینڈ پارٹی کریں گے جس میں اور کسی کو نہیں بلائیں گے۔ پھر وہاں اپنے اس فرار کی کہانی نہایت فخر سے سنائیں گے۔''

''بیشک تم ضرور سناؤ گے لیکن مُشی پتہ نہیں مجھے کیوں ایسا لگتا ہے کہ میں لاہور تو کیا پاکستان بھی نہیں پہنچ پاؤں گا۔''

''اوہ خدایا کیا ہوگیا ہے آپ کو؟ ہر چند گھنٹوں بعد آپ پر اچانک مایوسی کا دورہ پڑتا ہے۔''

''نہیں مایوسی نہیں حقیقت کا سامنا۔ دراصل مجھے اپنے اس پاؤں کے زخم سے خوف آنے لگا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ اس کا زہر، اندر ہی اندر کہیں اوپر کی طرف سرایت کر رہا ہے۔''

For God's sake sir ''(خدا کا واسطہ ہے) زخم ہو تو ایسے وہم اکثر ہو جاتے ہیں۔ایسی کوئی بات نہیں ہے۔فی الحال اپنا دھیان لاہور پر مرکوز رکھیں جہاں پہنچ کر آپ نے فوزیہ کو شادی کی انگوٹھی بھی پہنانی ہے۔ وہ بہت شدت سے آپ کی منتظر ہوگی۔''

''اس کے انتظار میں مجھے کوئی شک نہیں لیکن کہیں وہ شادی سے پہلے ہی بیوہ نہ ہو جائے۔ ہاں یاد آیا اگر میں نہ پہنچ سکا تو یہ انگوٹھی تم اسے یاد سے دے دینا، میں نے چٹا گانگ سے خریدی تھی۔ اسے یقین آجائے گا کہ میں اس سے محبّت میں سنجیدہ تھا۔'' اسد اندھیرے میں جیب سے ایک انگوٹھی نکال کر مشفق کو دکھاتے ہوئے بولا جسے اس نے واپس جیب میں ڈال لیا۔ یہ پہلی دفعہ تھی کہ مشفق نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اسے وجہ بھی معلوم نہ ہوئی کہ وہ کیوں خاموش رہا۔

اندھیرا ہوتے ہی دونوں نے اپنی اگلی منزل کے لیے سفر کا آغاز کر دیا۔ اسد نے سفر شروع ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد کیپٹن مشفق کا شکریہ ادا کیا جس نے اسے وہ بیساکھی نما چھڑی تراش کر دی اور بتایا کہ وہ اس کی وجہ سے کافی آرام محسوس کر رہا ہے۔ مشفق نے اسد کا کندھا تھپتھپا کر اس کے شکریہ کا جواب دیا۔ انھوں نے صبح کاذب تک اپنا سفر جاری رکھا اور پو پھٹنے سے بہت پہلے ایک مناسب جگہ کو اپنی ہائیڈ آؤٹ چنا۔ کندھوں سے بیگ اتار کر وہ نڈھال ہوکر گر پڑے۔ کچھ دیر بعد جب ان کے جسم ٹھنڈے پڑے تو اچانک اسد کے پاؤں کی درد شدت سے جاگ اٹھی اور وہ مارے درد کے کراہنے لگا۔ اس کی آواز سن کر مشفق بھی گھبرا گیا لیکن وہ بالکل بے بس تھا۔ تکلیف اسی کی ہوتی ہے جو سہتا ہے دوسرے صرف ہمدردی یا دعا ہی کر سکتے ہیں اور وہی کچھ مشفق کر رہا تھا۔ صبح کا اجالا پھیلا تو مشفق نے

اسد سے پاؤں کا زخم دکھانے کو کہا۔

''سر لائیں میں روشنی میں آپ کا پاؤں تو دیکھوں۔''

''پارٹنر تم دیکھ کر کیا کر لو گے سوائے اس کے کہ تمھیں اور پریشانی ہو گی۔''

''کوئی پریشانی نہیں سر آپ دکھائیں تو سہی۔'' مُش نے اصرار کیا تو اسد نے ٹانگ لمبی کر کے لنگی اوپر گھٹنے تک سرکائی اور اسے اپنا زخم دکھانے لگا۔ مشفق نے پہلی دفعہ اس گہرے اور تشویشناک زخم کا بغور جائزہ لیا تھا۔ اسد کا پاؤں تو سوجنے کے ساتھ ساتھ سیاہ بھی ہو چکا تھا لیکن جو زیادہ خطرناک بات تھی وہ پاؤں سے لے کر گھٹنے سے اوپر تک کا حصہ بھی اب نہ صرف سیاہ ہوتا جا رہا تھا بلکہ اس پر آبلے بھی پڑتے جا رہے تھے جن میں فاسد مواد بھرا نظر آ رہا تھا، ''یا خدا!! یہ تو انفیکشن والی گینگرین پھیل چکی ہے۔'' اس نے دل میں سوچا۔

''کیا کہا تم نے بڈی؟'' اسد نے پوچھا جو شاید اس کی سوچ پڑھنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''کچھ نہیں سر.... فکر نہ کریں ان شاء اللہ یہ ٹھیک ہو جائے گا۔ ہپان گاپن پہنچ کر میں کہیں سے طبی امداد لینے کی کوشش کروں گا بھلے اس میں کتنا ہی خطرہ کیوں نہ ہو۔'' مشفق نے اسے جھوٹی تسلی دینے کی کوشش کی ورنہ یہ پہلا موقع تھا کہ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کا بہترین دوست اب دنوں کا مہمان ہے۔

''خاک ٹھیک ہو گا میری جان؟ غور سے دیکھو۔ مجھے تو یہ گینگرین لگتی ہے۔ چل بھئی کیپٹن اسد یوسفزئی تم تو اپنے رب کے حضور پیشی کی تیاری پکڑو۔'' اس نے تو ایک ممکنہ المیہ کو مزاح میں بدلنے کی کوشش کی لیکن مشفق کا کلیجہ منہ کو آ گیا۔

''یا اللہ تیرے خزانوں میں کس شے کی کمی ہے۔ میں زیادہ نہیں مانگتا بس اتنا کہتا ہوں کہ ایک دفعہ میرے دوست کو لاہور پہنچا دے۔ یہ فوزیہ سے مل کر انگوٹھی دے لے پھر بیشک اپنے پاس بلا لینا۔'' اسے جو جو دعائیں یاد تھیں وہ انھیں درود شریف کے ہمراہ پڑھ کر اسد کی ٹانگ اور پاؤں پر پھونکتا رہا،'' خشک گینگرین ہوتی تو صحت یابی کی تھوڑی بہت امید ہوتی لیکن انفیکشن سے پھیلنے والی گینگرین کا واحد علاج تو جسم کے اس عضو کو فوری طور پر کاٹنا ہوتا ہے تا کہ وہ مزید نہ پھیل سکے اور وقت اس میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جو زہر بظاہر گھٹنے سے اوپر ران تک پہنچا نظر آ رہا ہے وہ نجانے درحقیقت کہاں تک پہنچ چکا ہے؟ کاش کہ وہ اس پوزیشن میں ہوتا کہ اسد کی ٹانگ فوراً کٹوا دیتا۔ اس کا مطلب ہے مجھے اپنے ایک

اور ساتھی کو اس نا معلوم جنگل میں چھوڑ کر جانا ہوگا؟'' وہ سوچ رہا تھا اور اس کا دل لرز رہا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو پارٹنر؟ This is part of life؟ (یہ تو زندگی کا حصہ ہے)۔ تم یوں کرو کہ مجھے چھوڑ دو اور اللہ کا نام لے کر اپنے سفر کا آغاز کرو۔ میں بھی آج نہیں تو کل کوچ کر جاؤں گا۔''

''سر! ایک بات بتائیں؟''

''ہاں بولو میری جان دو باتیں پوچھو۔'' اسد ایک زندہ دلی کا مظاہرہ کرنے لگا تھا۔ ایک اچھے سپاہی کی یہی شان اور پہچان ہے کہ جب اسے انجام سامنے نظر آنے لگے تو وہ اسے نہایت خوش دلی سے قبول کرتا ہے اور یہی کچھ اسد کر رہا تھا۔

''اگر آپ کو یقین ہے کہ یہ گینگرین ہے تو پھر میں بھی آپ کو اپنا فیصلہ سناتا ہوں۔ کیپٹن مشفق الاسلام آج اپنے Escape (فرار) کا سفر یہیں ختم کر رہا ہے اور آپ کی زندگی کے آخری سانس تک اسے مؤخر کرتا ہوں۔ موت تو ہر انسان کا مقدر ہے سو میں اب اپنی یا آپ کی موت تک یہاں سے نہیں ہلوں گا۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔''

''بے وقوف مت بنو اور وقت نہ ضائع کرو۔ میں تو اب گھڑیوں کا مہمان ہوں۔''

''آپ جو مرضی کہہ لیں لیکن اگر بقول آپ کے، آپ اب گھڑیوں کے مہمان ہیں تو میں بھی آپ کی آخری سانس تک یہاں سے نہیں ہلنے والا اور میری دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کو طویل عمر عطا کرے۔'' مشفق یہ کہہ کر اسد کے پاس بیٹھ گیا۔

یہ کہنا آسان ہے لیکن ایسا سوچنا یا عملی مظاہرہ کرنا بہت جگرے کا کام ہے کہ ایک شخص کو علم ہو کہ وہ زیادہ سے زیادہ دو دن کا مہمان ہے اور وہ اپنے کسی عزیز یا دوست کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہو۔ اسد ایسا ہی کر رہا تھا اور مشفق نے، جو اپنے عزیز از جان دوست کی زندگی کی آخری گھڑیوں میں اسے ہر ممکن خوشی دینا چاہتا تھا، اسے قطعی مایوس نہیں کیا۔

''مُش مجھے صرف ایک بات کا قلق ہے کہ جس دن میرا مکتی باہنی سے معرکہ ہوا تھا تو کاش میں شدید زخمی ہونے کی بجائے شہید ہی ہو جاتا۔ کم از کم میری زندگی وطن کے کام تو آ جاتی اور آج یوں اس غریب الوطنی کی حالت میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر تو نہ مرتا۔''

''سر اسد! آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر یہاں آپ کی یا میری جان چلی جاتی ہے تو یہ وطن کی راہ

میں نہیں ہوگی؟ ہم نے یہ فرار کا منصوبہ کس لیے بنایا ہے؟ جواب دیں۔''

''تا کہ واپس پاکستان چلے جائیں۔''

''جی....اور ظاہر ہے واپس ہم اس لیے جانا چاہتے ہیں کہ دوبارہ وردی پہن کر ملک کی خدمت کریں۔تو یہ کسطرح وطن کی راہ میں قربانی نہ ہوئی؟''

''لیکن لڑتے ہوئے جان دینے کا اور ہی لطف ہے۔''

''لیکن باس یہ فیصلہ قدرت نے کرنا ہے کہ اس نے آپ کی جان کہاں لینی ہے۔حضرت خالد بن ولیدؓ کا واقعہ نہیں سنا آپ نے؟ شہادت کی تمنا میں ساری عمر ہر غزوہ اور جنگ میں شرکت کی لیکن موت پھر بھی بستر مرگ پر اس حالت میں آئی کہ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جس پر کوئی زخم نہ ہو۔ پھر ہماری کیا حیثیت ہے؟''

''میں بہت چھوٹا تھا جب میرے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ مجھے تو ان کی شکل بھی یاد نہیں بس چند تصویروں میں انھیں دیکھ کر ان کی شبیہ ذہن نشین کی ہوئی ہے۔ مجھ اماں بھی تھوڑی تھوڑی یاد ہیں۔ یہ خوشی ہے کہ اب میری ان دونوں سے ملاقات ہوگی۔اگر میرے گاؤں جانا ہو تو میرے چاچا سے میری اس حالت کا ذکر نہ کرنا بلکہ کہنا کہ اسد مشرقی پاکستان میں لڑتے ہوئے مارا گیا تھا۔ مجھے پتہ ہے یہ سن کر وہ فخر محسوس کریں گے۔''

''سر آپ بہت بہادر اور دلیر سپاہی ہیں۔I am proud to be your commrade (مجھے آپ کا دوست ہونے پر فخر ہے)۔''

''کوئی بہادر نہیں ہوتا یار۔ یہ سب مجبوری کا نام شکریہ والی بات ہے۔تمھارا کیا خیال ہے میرا دل نہیں چاہتا کہ اڑ کر لاہور پہنچوں اور فوزیہ کا ہاتھ تھاموں؟''

''ابھی بھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے سر اسد۔ مستقبل کا حال صرف اللہ کو پتہ ہے۔'' مشفق اسد کو جھوٹی تسلی دیتے ہوئے بولا۔

''بالکل مستقبل کا علم صرف اللہ کی ذات کو ہے لیکن ایک چیز ہے جسے کہتے ہیں نوشتہ دیوار اور میں اسے صاف پڑھ رہا ہوں۔ مجھے بے حد تلخی ہو رہی ہے، کچھ ٹھنڈا اور میٹھا پینے کو دل چاہ رہا ہے۔'' شاید اسد اپنی آخری خواہش کا اظہار کر رہا تھا۔

''کاش سر میں آپ کی یہ خواہش پوری کر سکتا۔'' مشفق بمشکل آنسو ضبط کرتے ہوئے بولا۔

''چلو یار پانی ہی پلا دو۔ میں آنکھیں بند کر کے یہ تصور کرلوں گا کہ انارکلی میں کھڑا باداموں والا دودھ پی رہا ہوں۔'' باہمت کیپٹن اسد نے زندگی کے آخری لمحات میں بھی مزاح کی حس زندہ رکھے ہوئے تھا،'' پتہ نہیں میں آج زندگی کا آخری اجالا دیکھ رہا ہوں یا ابھی ایک آدھ دن اور باقی ہے؟ لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی ہے بیٹا تیرا وقت پورا ہو گیا ہے۔'' پھر جیب سے انگوٹھی نکالتے ہوئے بولا،'' یہ رکھ لو پتہ نہیں بعد میں تمھیں یاد رہے یا نہ رہے۔ یہ یاد سے فوزیہ کو دے دینا۔''

مشفق نے لرزتے ہاتھوں سے انگوٹھی پکڑی اور بغیر نگاہ ڈالے نہایت بے دلی سے جیب میں ڈال لی اور دونوں پھر باتوں میں مشغول ہو گئے۔

''یار ایک بات تو بتاؤ۔''

''جی سر پوچھیں۔'' خیالات میں گم مشفق چونک کر بولا۔

''کیا سپاہی محمد عاشق کی قسمت میں گیکٹاؤ اور میری قسمت میں کیٹپاؤ نگ کی مٹی لکھی تھی؟ کیا کبھی کوئی ہماری قبروں پر پھول چڑھانے اور فاتحہ کہنے نہیں آئے گا؟''

''سر جو آپ کے لیے دعا کرتے ہیں وہ کئی ہزار میل دور بھی ہوں تو ان کی دعا پہنچتی ہے۔ دعائیں فاصلوں کی محتاج نہیں ہوتیں۔''

''میرا خیال ہے کہ تمھاری بات درست ہے۔ مجھے آج مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر یاد آ رہا ہے جو یہاں سے سو میل دور رنگون میں ابدی نیند سو رہا ہے لیکن کرنے والے اب بھی دُنیا میں کہیں بھی ہوں اس کے لیے دعا ضرور کرتے ہونگے۔ اگر اس کے لیے ہو سکتی ہے تو پھر ہم نے تو سر دھڑ کی بازی لگا کر اپنے پیارے وطن کی آبرو کی حفاظت کی کوششیں کی ہیں، ہمارے لیے کیوں نہیں ہوں گی؟ چلو بڑے میاں کچھ دیر بعد تمھارے پاس آ رہا ہوں چوسر کھیلنے۔''

دونوں نے سارا دن جی بھر کر باتیں کیں۔ گھر، یونٹ، فوج سے لے کر ملک کی سیاست تک کوئی ایسا موضوع نہیں تھا جو زیر بحث نہ آیا ہو۔ مغرب سے ذرا پہلے اسد نے مشفق کو بتایا کہ درد بھی بڑھ رہی ہے اور اس پر غنودگی بھی طاری ہو رہی ہے اور وہ سونا چاہتا ہے۔ مُش نے ایک مناسب اونچی جگہ پر پتوں سے اس کا نرم بستر بنانے کی کوشش کی اور کسی حد تک کامیاب بھی رہا۔ کیپٹن اسد کو اس پر لٹا کر مشفق بھی اپنے لیے پاس ہی جگہ بنا کر لیٹ گیا اور اسد سے بولا،'' سر جب تک سفر ملتوی تب تک پہرہ بھی ملتوی۔ اگر قسمت میں نیند میں ہی مرنا لکھا ہے تو کون روک سکتا ہے۔ چلیں دونوں بھائی خوب

سوتے ہیں۔ صبح ملاقات ہوگی۔ ان شاء اللہ۔''

''چلو ٹھیک ہے، لیکن صبح کس نے دیکھی؟ ہاں پارٹنر یہ انگوٹھی یاد سے فوزیہ کو دے دینا، کہیں بھول نہ جانا۔''

''فکر نہ کریں سر لاہور پہنچ کر آپ کے حوالے کروں گا آپ خود دیجیے گا۔'' مُش بولا۔

''مذاق اچھا کر لیتے ہو۔ چلو سو جاؤ۔'' یہ کہہ کر کیپٹن اسد نے کروٹ لی اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ مشفق بھی بہت دیر آسمان کو دیکھتا رہا اور نجانے کیا سوچتا رہا تاوقتیکہ اندھیرا چھانے لگا اور اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ کب نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

صبح صادق کے وقت پرندوں کے چہچہانے سے مشفق کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے فوراً اٹھ کر سب سے پہلے کیپٹن اسد کو چیک کیا جو سینے پر دونوں ہاتھ باندھے بالکل ساکت اور سیدھا لیٹا ہوا تھا جیسے بہت گہری نیند سو رہا ہو۔ اس نے پاس جا کر آہستہ سے آواز دی۔ دوسری آواز پر بھی جب اس نے جواب نہ دیا تو مشفق نے ہاتھ کی دو انگلیوں کو اسد کی گردن پر رکھا۔ اسد خالق حقیقی سے مل چکا تھا۔ مردان کے ایک نواحی گاؤں کا سبز آنکھوں والا شہزادہ کیٹپاؤ نگ کے جنگلات میں دُنیا کو الوداع کہہ گیا تھا۔

''انا للہ وانا الیہ راجعون۔'' مشفق نے زیر لب پڑھا اور اسد سے مخاطب ہوا۔ ''آخر اپنی مرضی ہی کی ناں آپ نے سر؟ راستے میں ہی چھوڑ گئے؟ آپ مجھ پر بہت بڑی ذمہ داری ڈال گئے ہیں۔''

وہ وہیں کافی دیر کھڑا اسد کے بے جان جسد خاکی سے باتیں کرتا رہا۔ اس کی نظر اسد کے نہایت کمزور اور ستے ہوئے چہرے سے ہٹنے کا نام نہیں لیتی تھی جو کبھی بھورے بالوں، گوری رنگت اور سبز آنکھوں والے شہزادے کا چہرہ ہوا کرتا تھا۔ لیکن چہرے پر ایک عجیب سا تاثر تھا۔ طمانیت لیکن جیسے بہت تھکا ہوا کوئی شخص سکون کی نیند سو رہا ہو۔ ایک لمحے کو اس کا دل کیا کہ اپنے پیارے دوست کو دفنا کر خود بھی یہیں باقی عمر گزار دے۔ کیا پتہ کہ وہ بھی منزل پر پہنچتا ہے بھی کہ نہیں۔ مگر پھر خیال آیا کہ یہ تو اس کی تربیت کے منافی ہے۔ گزرے ہوئے وقت کا ہر لمحہ اس کی آنکھوں کے سامنے فلم کی طرح چلنے لگا۔ پھر فوزیہ بار بار اس کی نظروں کے سامنے مسکراتی ہوئی آن کھڑی ہوتی جیسے پوچھ رہی ہو کہ مُشی بھائی اسد کو ساتھ لے کر آ رہے ہیں ناں؟

مشفق نے اسد کی جیبوں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ سوڈیڑھ سو روپے کی کرنسی نکلی جو پتہ نہیں اس نے کیوں جیب میں رکھ لی تھی۔ اس کا سروس کارڈ، ایک چھوٹا سا چابیوں کا گچھا اور اپنے والدین کی نہایت بوسیدہ تصویر بھی ایک جیب سے برآمد ہوئیں۔ اس نے تمام چیزیں ایک پوٹلی میں باندھیں اور وہاں نرم زمین دیکھ کر قبر کے لیے کھدائی شروع کر دی۔ زمین نرم تھی مگر پھر بھی اکیلے شخص کے لیے یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ وہ ایک نہایت مضبوط نوکدار شاخ اور خنجر سے کھدائی کا کام لے رہا تھا۔ دوپہر دو بجے تک اس نے اتنی زمین کھود لی تھی جس میں اس کا دوست سکون کے ساتھ ابدی نیند سو سکتا تھا۔ اس نے کیپٹن اسد کو قبر میں لٹایا۔ آخر وقت میں نجانے اسے کیا خیال آیا کہ اس نے اسد کے اماں ابا کی تصویر کے پیچھے اپنی پنسل سے اس کا رینک، نمبر اور نام بمعہ تاریخ وفات انگریزی میں لکھ کر واپس اسی پوٹلی میں ڈالکر وہ پوٹلی اس کے جسد خاکی کے ساتھ قبر میں رکھ دی۔ اس کے بعد شاخوں سے چھت بنا کر اس پر خاصے پتے ڈالے اور واپس مٹی ڈال کر ایک پتھر سے نشان سا رکھ دیا۔ مشفق وردی میں نہیں تھا لیکن سپاہی تو تھا۔ پہلے اس نے اس کا جنازہ اور دعا پڑھی اور پھر اس کی قبر کے سرہانے احتراماً کھڑا ہو کر سیلوٹ کیا۔

کیپٹن مشفق نے اب مستقبل کا لائحہ عمل تیار کرنا تھا لیکن سچ بات تو یہ تھی کہ اب اس کے ارادوں میں وہ چمک وہ مضبوطی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے اسی وقت سفر شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا اور منصوبہ بنایا کہ جونہی کیٹپاؤنگ جنگل کی ڈھلوان ختم ہوگی تو ہپان گاپن کے قصبے میں داخل ہونے سے پہلے ہی جنگل میں تمام فالتو سامان اور ہتھیار کہیں دفنا دے گا اور صرف ذاتی کپڑوں اور سروس کارڈ کے ساتھ سفر کریگا۔ اس نے کپڑوں میں سے دوبارہ پتلون نکالی اور ٹی شرٹ کے ساتھ پہن لی۔ اپنے کامریڈ کی آرام گاہ پر الوداعی نگاہ ڈالی اور اپنا سفر شروع کر دیا۔ اگلی صبح کے طلوع ہونے پر بھی وہ ہنوز کیٹپاؤنگ کے جنگلات میں ہی تھا لیکن اب درختوں کے جھنڈ، ڈھلوان کے ساتھ ساتھ کم ہوتے جا رہے تھے۔ سورج طلوع ہوتے ہی وہ چھپنے کی خاطر اندرون جنگل منتقل ہو گیا اور ایک مناسب جگہ پر رک کر جنگلی پھل کھایا اور پانی پی کر سو گیا۔ پچھلے ایک ڈیڑھ ماہ سے دھوپ کی تمازت خاصی کم تھی جس سے مشفق کے لیے اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ سردیوں کا ہی کوئی مہینہ ہو سکتا تھا؛ نومبر یا پھر دسمبر۔ شام جب ڈھلنے لگی تو خنکی میں اضافہ ہونا شروع ہوا جس سے مشفق کی آنکھ کھل گئی۔ اندھیرا ہوتے ہی اس نے دوبارہ سفر

شروع کیا زمینی سفر کے ساتھ ساتھ خیالات کا سفر بھی جاری تھا۔ کبھی وہ ڈھاکہ پہنچ جاتا اور خود کو اماں کے قدموں میں بیٹھا پاتا۔ کبھی روبی اور انیس کے ساتھ ہنسی مذاق اور ننھے بدر سے شرارتیں۔ پھر اچانک ہی وہ ڈھاکہ سے لاہور پہنچ جاتا جہاں مائرہ اسے خود سے لپٹتی ہوئی ملتی۔ اچانک ننھا بابر اس کے قدموں سے آن لپٹتا اور وہ اسے گود میں اٹھاتا۔ جب مائرہ اسے بتاتی کہ اس نے اس کی پسندیدہ ڈش مچھلی چاول بنائے ہیں تو اس کی اشتہا بڑھنے لگتی۔ بھوک اچانک اتنی بڑھی کہ چلتے چلتے اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا اور اسے باقاعدہ اپنی پسندیدہ ڈشز کی خوشبو محسوس ہوئی۔ مشفق کا دل بہت خراب ہوا اور اچانک اسے اداسی نے آن گھیرا۔ انسان جتنے مضبوط ارادوں کا مرضی، مالک ہو، ذہنی طور پر صحت مند ہو لیکن اپنوں سے دوری، ان گنت صعوبتیں، آزمائشیں اور طویل مشقت طلب مسافتیں اسے نفسیاتی الجھنوں کا شکار بنا ہی ڈالتی ہیں اور اس کا عزم و ہمت لڑکھڑانا شروع کر دیتا ہے۔ بیشک مشفق ایس ایس جی کا ایک سخت کوش افسر تھا لیکن کم و بیش ایک سال کے مصیبتوں اور آزمائشوں سے پُر سفر نے اسے بہت رنجیدہ اور رقیق القلب بنا دیا تھا۔ اپنے دو نہایت قریبی ساتھیوں کو اوپر تلے کھو دینا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

ساری رات کے سفر کے بعد نقشہ اسے خوشخبری دے رہا تھا کہ ہپان گاپن اب زیادہ دور نہیں کیونکہ پہاڑی ڈھلوان ختم ہو رہی تھی۔ ایک پگڈنڈی پر رک کر وہ نقشے اور قطب نما کی مدد سے سمت کا تعین کر ہی رہا تھا کہ اچانک قطب نما اس کے ہاتھ سے نکل کر پگڈنڈی کے ساتھ کھائی میں گر گیا لیکن خوش قسمتی سے ٹارچ اس کے قدموں میں ہی گری۔ اس نے کھائی پر روشنی ڈالی لیکن وہاں صرف کمپاس تلاش کرنے کے لیے اترنا خطرے سے خالی نہیں تھا چنانچہ اس نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس تلاش کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کیا اور اپنا سفر جاری رکھا۔ یہ سوچ کر اس نے جھرجھری لی کہ اب تو وہ شہری علاقوں کے نزدیک ہے لیکن اگر کمپاس گم ہونے والا حادثہ کہیں شروع ہی میں پیش آ جاتا تو شاید سفر کے آغاز میں ہی وہ لوگ اپنے انجام سے دوچار ہو جاتے۔ غالباً تین چار میل چلنے کے بعد اسے محسوس ہوا کہ زمین بتدریج ہموار ہو رہی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ درخت بھی کم ہو رہے ہیں اور پگڈنڈی بھی ایک کشادہ راستہ میں تبدیل ہو رہی ہے۔ اس نے گھڑی پر وقت دیکھا تو صبح کے ساڑھے چار ہو رہے تھے۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ اور آدھے یا پون گھنٹے کے بعد صبح کی سفیدی نمودار ہونی شروع ہو جائے گی۔ اچانک اسے دور

اندھیرے میں کچھ روشنیاں ٹمٹماتی نظر آئیں۔ کم وبیش ایک سال بعد پہلی دفعہ اسے زندگی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔ نقشے اور قطبی ستارے کی رو سے یہ ہپان گا پن کا قصبہ ہی بنتا تھا۔ اسے اب دو کام کرنے تھے۔ تمام فالتو سامان سے فوراً نجات حاصل کرنی اور روشنی ہونے سے پہلے پہلے قصبے میں پہنچنا تھا۔ کیونکہ کم آمدورفت کے وقت میں تو صبح صبح کوئی بھی اس کی مدد کرنے کو تیار ہوسکتا تھا لیکن اگر روزمرہ کاروبار شروع ہوجاتا تو بہت سی تنقیدی نگاہیں اس کا پیچھا کرسکتی تھیں۔

اس نے ٹی شرٹ کی جگہ قمیض پہنی اپنا پستول اور فالتو سامان بوجھل دل کے ساتھ اپنے فوجی جھولے میں ڈالا اور اس کو اچھی طرح بند کر کے نظر آنے والے پہلے جوہڑ میں اچھال کر پھینکا جو کچھ ہی دیر میں غائب ہوگیا۔ اس نے خود کو ذہنی طور پر تیار کیا کہ وہ اراکان صوبے کا ایک باشندہ ہے جو کسی دوست کے ساتھ رنگون جا رہا تھا کہ ان کی گاڑی خراب ہوگئی اور کیپٹاؤ نگ کے جنگلات میں کہیں کھڑی ہے اور وہ گاڑی اور مکینک کی تلاش میں آیا ہے۔ مشفق نے اپنا سروس کارڈ سامنے والی جیب میں رکھا اور اسد مرحوم کی انگوٹھی جو کہ امانت تھی اسے احتیاط سے پتلون کی چھوٹی خفیہ جیب میں چھپا لیا اور تیز تیز قدموں سے قصبے کی جانب روانہ ہوگیا۔ صبح کی سپیدی نمودار ہونے کے ساتھ ہی وہ قصبے میں موجود تھا۔ یہ درمیانے درجے کا گاؤں تھا جہاں بجلی ابھی نہیں پہنچی تھی۔ مشفق کے اندازے کے مطابق اس کی آبادی ڈیڑھ دو ہزار سے زیادہ نہیں ٹھہری ہوگی۔ سڑکیں کچی لیکن اچھی حالت میں تھیں۔ خاصی ہریالی تھی اور اکثر جگہوں پر سڑک کے ساتھ ساتھ سبزیوں کے کھیت تھے جہاں مکئی، لوبیا، گنے اور دیگر پھلیوں کے پودے لہلہا رہے تھے۔ گاؤں سے باہر ہی رک کر اس نے سڑک کے کنارے کھیت سے ایک گنا اکھیڑا اور وہیں بیٹھ کر اسے چھیل کر چوسنے لگا۔ اسے ایک عجیب فرحت بخش احساس ہوا۔ ایک سال بعد اس نے کوئی قوت بخش شے کھائی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے یک لخت جسم میں جان آ گئی ہو۔ تھوڑا آگے جا کر اس نے مکئی کے دو تین دودھیا بھٹے توڑے اور انھیں منٹوں میں چٹ کر گیا۔ اسے لگا کہ اب وہ کچھ سوچنے کے قابل ہے۔ وہ آبادی سے بچتے ہوئے ایک پگڈنڈی پر چلا جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ یہ بھی سوچ پریشان کر رہی تھی کہ اس کے پاس کوئی رقم بھی نہیں تو پھر وہ سفر کیسے کریگا اور کھانے پینے کا انتظام کیسے ہوگا؟ وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ ایک احاطے سے اسے ادھیڑ عمر کا ایک شخص بیل گاڑی لے کر

نکلتا ہوا نظر آیا۔ مشفق لپک کر اس کے سامنے گیا اور اسے رکنے کا کہا۔ اس شخص نے بیل گاڑی روک کر نہایت حلیم لہجے میں اس سے وجہ دریافت کی۔ مشفق نے کچھ بنگالی زبان میں اور کچھ اشاروں سے کام چلا کر اسے بتایا کہ وہ کیکٹاؤ، اراکان کا رہنے والا ہے، جنگل میں گاڑی خراب ہوگئی ہے اور وہ رنگون جا رہا ہے۔ اس شخص نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے دونوں ہاتھ بار بار پورے کھول کر بتایا کہ وہ بہت دور ہے۔ مشفق غور سے اسے ہاتھ کھولتے دیکھ رہا تھا اور پانچ مرتبہ کھولنے کا مطلب تھا کہ رنگون وہاں سے کم و بیش ایک سو میل دور تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو اشاروں اور اپنی اپنی زبان میں سمجھاتے بھی رہے اور سمجھنے کی کوشش بھی کرتے رہے اور اس گفتگو کا حاصل یہ نکلا کہ وہ شخص مشفق کو یگی (Yegyi) تک چھوڑنے پر آمادہ ہوگیا۔

دونوں راستے بھر مشترکہ سمجھ آنے والی زبان میں باتیں کرتے رہے۔ اسی دوران مشفق نے اس اللہ کے بندے سے تمام ممکنہ ضروری انفارمیشن لے لی۔ کوئی دس بجے کے لگ بھگ وہ یگی کے نواح میں پہنچ چکے تھے۔ یہ ایک نسبتاً بڑا قصبہ تھا جہاں بجلی کے ساتھ ساتھ دیگر ضروریات زندگی بھی نظر آ رہی تھیں۔ اسے پہلی دفعہ یہ احساس ہوا کہ وہ رفتہ رفتہ تہذیب و تمدن کی طرف واپس آ رہا ہے۔ ایک بس، چند ایک ٹریکٹر اور ایک آدھ چھکڑا بھی نظر آیا۔ وہ شہر سے باہر ہی اس شخص کا شکریہ ادا کر کے اتر گیا اور اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ دائیں جانب ایک چھوٹا سا بازار نظر آیا جہاں ضروریات زندگی کی چند دکانیں تھیں۔ ایک دکان کے باہر تھڑے پر سجے تازہ پھل دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا لیکن پھوکٹ مشفق بے بس تھا۔ اچانک اس کی نظر اپنے بائیں جانب پڑی جہاں ایک چھپر کے نیچے ایک فربہی جسم کا نوجوان نہایت انہماک سے گھڑیاں ٹھیک کر رہا تھا۔ یکدم اس کا ذہن اپنی کلائی گھڑی کی طرف گیا، ''کیوں نہ میں اسے بیچ دوں؟ رنگون پہنچنے کا بندوبست تو ہو ہی جائے گا؟''

دوسرے لمحے دل نے کہا کہ یہ گھڑی تو اس نے کاکول جانے سے پہلے خریدی تھی اور پھر کچھ دیر مائرہ کے قبضہ میں بھی رہی تھی۔ دماغ نے پھر توجیہ پیش کی کہ اس وقت پیسوں کی ضرورت ہے اور اگر یہ ایسے میں کام نہ آئی تو پھر کس کام کی؟ غرضیکہ چند منٹ تک دل اور دماغ میں جنگ جاری رہی لیکن کمانڈو ذہن نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ اسے پیسوں کی ضرورت ہے، اگر بک سکتی ہے تو وہ گھڑی ضرور بیچ دے گا۔ وہ اس نوجوان کی طرف بڑھا جو شکل سے خاصا کاروباری ذہن والا شاطر انسان لگتا تھا۔ مشفق

نے یہاں بھی اپنی وہی کہانی دھرائی اور کہا کہ وہ یہ گھڑی بیچنا چاہتا ہے تا کہ رنگون پہنچ سکے۔ اس نوجوان نے اس کے سرتا پاؤں کا ناقدانہ جائزہ لیا پھر گھڑی کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ وہ کبھی اس کو دیکھے اور کبھی گھڑی کو لیکن اسے شاید یہ علم نہیں تھا کہ اس کا سامنا پاک فوج کے ایک انتہائی حاضر دماغ اور حاضر جواب جری کمانڈو سے تھا جو نہایت تحمل مزاجی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس کو بنگلہ زبان نہیں آتی تھی اور برمی مشفق نہیں جانتا تھا سو اشاروں سے گفتگو جاری تھی۔ اس نے پوچھا کہ کیا کرنا ہے۔ مشفق نے بتایا کہ پیسوں کے عوض بیچنی ہے۔ وہ قیمت کا اندازہ لگا چکا تھا لیکن بدقسمتی سے مشفق کو یہ علم نہیں تھا کہ برمی کیات (Kyat) کے مقابلے میں پاکستانی روپے کی کیا قیمت تھی۔ اسے بس یہ پتہ تھا کہ اسے فوری طور پر کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔ دکاندار نے گھڑی دراز میں رکھی اور جیب میں سے کیات نکالے اور گن کر سات ہزار کیات مشفق کی طرف بڑھائے۔ مشفق پہلے تو اتنی رقم دیکھ کر خوش ہوا اور پیسے پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے کیا لیکن کسی اچانک سوچ پر روک لیا اور دوکاندار کی طرف دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو کہ یہ تو کم ہیں۔ نوجوان مشفق کی سوالیہ نگاہوں کا مطلب سمجھ گیا۔ اس بار اس نے دراز سے مزید چھ سو کیات نکالے اور پہلی رقم میں شامل کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھائے اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ بس اب اس سے زیادہ میں نہیں دے سکتا۔ مُش کو اس وقت پیسوں کی اشد ضرورت تھی اور وہ موقع ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔ اس نے نیم دلی سے رقم پکڑ لی اور جیب میں ڈال لی۔ پھر اس نے اس دوکاندار سے بسوں کے اڈے کا پوچھا جہاں سے وہ رنگون کی بس پکڑ سکے۔ بس میں سوار ہونے سے قبل وہ فروٹ کھانا نہ بھولا جہاں درجن کیلے خریدتے ہوئے اسے چھ سو کیات کی رقم ادا کرنا پڑی۔ اسی لیے بس کا ٹکٹ لیتے ہوئے اسے بارہ سو کیات ادا کرنے پر چنداں حیرت نہ ہوئی کیوں کہ برمی کیات کی وقعت کا اندازہ اسے ہو چکا تھا۔ رنگون تک کا سفر چھ ساڑھے چھ گھنٹے کا تھا یعنی اس نے اندھیرے کے بعد رنگون پہنچنا تھا۔ اس نے بس میں آخری سیٹ پر کھڑکی کے پاس بیٹھنے کو ترجیح دی۔ جونہی بس چلی تو وہ نیند کی آغوش میں چلا گیا جیسے مدّتوں سے نہ سویا ہو۔

رنگون کی پاکستان ایمبیسی میں اس کا پرتپاک خیر مقدم ہوا۔ ملٹری سیکرٹری نے اس سے پوچھا کہ اس کے ساتھ دو اور بندوں کے ہونے کی خبر تھی وہ کدھر ہیں۔ مشفق انھیں بتایا کہ قسمت نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور ایک حادثے کا شکار ہو کر اور دوسرا بیمار ہو کر اللہ کو پیارا ہو گیا تھا۔ اسے نہایت آرام دہ کمرہ

رہنے کو دیا گیا۔ پاکستان سے اس کی تصدیق کی گئی اور ایک ہفتے بعد اسے عزت و احترام سے ایک ہیرو کی حیثیت سے پاکستان بھیجا گیا جہاں مائرہ اس کی شدت سے منتظر تھی۔ وہ ایئرپورٹ پر ہی اس سے آن لپٹی۔ ننھا بابر جو جھجک رہا تھا جلد ہی اس سے گھل مل گیا، گھر پر انکل اور آنٹی نے اس کا والہانہ استقبال کیا۔ حمید خاموش تھے لیکن منزہ اس سے بہت سوال جواب کر رہی ہیں۔ کچھ دیر بعد حمید نے اسے کہا کہ وہ اسے ایک سرپرائز دینے لگے ہیں لیکن اسے ان کے ساتھ تہہ خانہ میں چلنا ہوگا۔ مشفق حیران ہوا کہ اسے آج تک علم نہیں تھا کہ اُلفت لاج میں کوئی تہہ خانہ بھی ہے۔ وہ دونوں تہہ خانے میں اترتے ہیں تو دروازہ کھلتے ہی اسے سامنے کیپٹن اسد خان اور سپاہی محمد عاشق کھڑے مسکراتے ہوئے ملتے ہیں۔ اسد کہتا ہے کہ دیکھ لو ہم تم سے پہلے یہاں پہنچ گئے۔ مشفق بالکل ہکا بکا ہے کہ ان دونوں کو تو وہ اپنے ہاتھوں سے دفنا کر آیا تھا پھر یہ کیسے یہاں پہنچ گئے۔ وہ مڑ کر حمید کی طرف دیکھتا ہے تو حمید کو بھی غائب پاتا ہے۔ البتہ مائرہ سیڑھیاں اترتی نظر آتی ہے جو اس کا ہاتھ پکڑ کر کہتی ہے اوپر چلیں کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ وہ ہڑبڑاتا ہے اور اس کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ بس کا کنڈیکٹر اس کا ہاتھ جھٹک کر برمی میں چلا رہا تھا کہ نیچے اترو۔ رنگون آ گیا ہے۔

''یا اللہ میں اتنا زیادہ سویا ہوں اور اس قدر بے خبر ہو کر سویا ہوں کہ پتہ ہی نہیں چلا اور میں رنگون پہنچ گیا؟'' اس نے اللہ کا شکر ادا کیا اور بس سے فوراً اتر گیا۔ باہر خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ غیرارادی طور پر اس نے وقت دیکھنے کے لیے کلائی اٹھائی تو یاد آیا کہ گھڑی تو وہ بیچ چکا ہے۔ فوراً اس کا ہاتھ جیب پر گیا۔ رقم موجود تھی۔ ایک روائتی چھپر ہوٹل دیکھ کر اس نے وہاں کھانا کھایا۔ اس نے ہوٹل والے سے پاکستان ایمبسی کا پتہ پوچھا اور اس خالصتاً برمی النسل کو لفظ پاکستان کے سوا کچھ سمجھ نہ آیا۔ اس نے ہاتھوں کے اشارے سے بتایا کہ اسے کچھ علم نہیں لیکن وہ مشفق کا بغور جائزہ لے رہا تھا اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ نوجوان جس کے نین نقش بھی اجنبی ہیں مقامی نہیں ہو سکتا۔ مشفق کچھ زیادہ ہی پر اعتماد ہو گیا تھا جو چوک گیا اور اسے پتہ اس وقت چلا جب پولیس کے تین سپاہی اس کے سر پر کھڑے تھے۔ انھوں نے نہایت کرخت لہجے میں اس سے سوال کیے لیکن مُش کو برمی آتی تو وہ جواب دیتا۔ یہ جانتے ہوئے کہ اب اعتراف کر لینا ہی بہتر ہے وہ انھیں انگریزی میں بتاتا رہا کہ وہ پاکستانی فوج سے ہے لیکن وہ کچھ سنے بغیر اسے گھسیٹتے ہوئے ساتھ لے گئے۔ ایک لمحے کے لیے اس کے اندر کا کمانڈو جاگا

کہ انھیں یہیں مزہ چکھا کر بھاگ جائے لیکن دوسرے ہی لمحے ارادہ ترک کر دیا کہ اس طرح تو پورا رنگون الرٹ ہو جائے گا اور کہیں سر چھپانے کو بھی جگہ نہیں ملے گی۔ تھانے میں روائتی استقبال کے بعد اس سے نقدی، سروس کارڈ وغیرہ چھین کر اسے ایک انتہائی غلیظ اور بدبودار سیل میں دھکیل دیا گیا۔ البتہ اسد کی امانت انگوٹھی محفوظ رہی جو انھیں نہ مل سکی۔ یہ کیپٹن مشفق الاسلام کا رنگون میں پہلا دن تھا، گو کہ اس طرح نہیں تھا جس طرح اس نے چاہا تھا۔ اگلی صبح اسے پھر پولیس سٹیشن انچارج کے سامنے پیش کیا گیا جس کے سامنے میز پر اس کا سروس کارڈ پڑا تھا۔ اس نے پھر اس سے برمی میں سوال شروع کر دیئے جن سے یہ سمجھ آ رہی تھی کہ وہ اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ ثابت کرے کہ یہ سروس کارڈ اسی کا ہے۔ مشفق نے جب اس کی توجہ اپنی تصویر کی جانب مبذول کروائی تو وہ اس پر دھاڑا کہ یہ تم بعد میں بھی تو لگا سکتے ہو۔ اسے ایک دفعہ پھر ٹارچر کا نشانہ بنایا گیا اور پھر اسی سیل میں تین چار دن کے لیے پھینک دیا گیا۔ انھوں نے اسے کھانے پینے کے لیے بالکل کوئی شے نہ دی۔ شاید انھیں نہیں پتہ تھا کہ فوج کے جس شعبے سے مشفق کا تعلق تھا وہاں بھوکا رہنا معمولی بات تھی اور پھر ویسے بھی ایک سال کے سفر میں کئی کئی دن ایسے آئے جب انھیں بھوکا رہنا پڑا۔ بلکہ اس طرح اسے تین چار دن کے لیے نیند پوری کرنے کا موقع مل گیا۔ یہ بات پولیس والوں کے لیے حیرت کا باعث تھی کہ یہ پہلا قیدی تھا جس نے کھانے کے لیے کچھ نہیں مانگا۔

تین چار دن کے بعد اسے کال کوٹھری سے نکال کر پھر وہی کارروائی دھرائی گئی۔ مشفق ان کی تسکین کے لیے تھوڑا بہت کراہ لیتا کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ اگر وہ خاموش رہا تو کہیں وہ تشدد کی شدت نہ بڑھا دیں لیکن سچ یہ ہے کہ اسے اس سے زیادہ اذیت سہنے کی تربیت دی گئی تھی۔ جب وہ اس سے اور کچھ نہ اگلوا سکے تو اگلے دن اس کے کچھ قانونی کاغذات بنا کر اسے بند گاڑی میں بٹھا کر نامعلوم منزل کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ وہ جالی لگی کھڑکی سے بس باہر کا منظر دیکھ سکتا تھا۔ باہر کی رونق دیکھ کر پہلے اسے ڈھاکہ اور پھر لاہور یاد آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی ایک قدیم عمارت کے بڑے آہنی گیٹ کے سامنے رکی۔ عمارت کی سرخ پیشانی پر انگریزی میں لکھا تھا Central Prison Insein (مرکزی جیل انسین)۔ تو یہ بات ہے؟ مجھے رنگون جیل بھیج دیا گیا ہے؟ لیکن اسے کچھ اطمینان بھی ہوا کہ چلو تشدد سے تو جان چھوٹی اور کہیں نہ کہیں کسی عدالت میں پیشی ہو گی تو تمام حقیقت کہہ ڈالے گا۔ جیل میں رسمی کاغذی

کارروائی کے بعد اسے ایک بیرک میں درجن بھر سہمے ہوئے لوگوں کے ساتھ بند کر دیا گیا جو اسے حیرت سے تک رہے تھے۔

چند روز بعد اسے عدالت میں کسی خطرناک مجرم کی طرح پیش کیا گیا۔ اسے سخت حیرت ہو رہی تھی کہ اس طرح کیوں پیش کیا جا رہا ہے۔

اس نے دل میں سوچا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ جج نے اس سے انگریزی میں سوال کیے جن کے جوابات مشفق نے شستہ انگریزی میں دیئے۔

''تمھارا نام؟''

''سر! میرا نام کیپٹن مشفق الاسلام ہے اور میرا تعلق پاکستان آرمی سے ہے۔''

''کیا ثبوت ہے کہ تم پاکستان آرمی سے ہو؟''

''میرا سروس کارڈ میرا ثبوت ہے جس پر میرا نام اور آرمی نمبر بھی لکھا ہوا ہے۔''

''یہ والا کارڈ ہے تمھارا؟'' جج نے اسے اس کا سروس کارڈ دکھاتے ہوئے کہا۔

''یس سر.... یہی کارڈ ہے۔''

''لیکن اس پر تو تمھاری کوئی تصویر نہیں۔ کیا تمھاری تصویر نہیں ہونی چاہیے تھی اس پر؟''

''بالکل تھی، جب انھوں نے مجھے گرفتار کر کے کارڈ قبضہ میں لیا تو اس پر تصویر لگی ہوئی تھی۔ میں نے پولیس کو اس کی نشاندہی بھی کی لیکن انھوں نے میری بات سننے کی بجائے مجھ پر بدترین تشدد کیا۔''

''لیکن اس کارڈ پر تو تمھاری کوئی تصویر نہیں۔'' مشفق سمجھ گیا کہ پولیس کہیں کی بھی ہو، کیس پکا کرنے کے لیے فنکاری ضرور دکھاتی ہے۔

''تم رنگون کیا کرنے آئے ہو اور کیسے پہنچے؟'' جج نے اس کے خیالات کا سلسلہ توڑا۔

''سر میں بنگالی ہوں اور ڈھاکہ کا رہنے والا ہوں۔ انڈیا پاکستان کی جنگ میں بنگلہ دیش بننے کے بعد میں نے شکست تسلیم نہیں کی اور اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ فرار کا منصوبہ بنایا۔''

''تمھارے باقی ساتھی کدھر ہیں؟''

''ایک کو گیکناؤ میں Clouded Leopard نے مار دیا اور دوسرا چند ہفتے پہلے کیپاؤنگ کے جنگلات میں گینگرین کی وجہ سے زندگی کی بازی ہار گیا، میں دونوں کی قبریں بھی دکھا سکتا ہوں۔''

''خاصی دلچسپ کہانی ہے۔ اراکان کے جنگلات میں سے کوئی انسان دن کو گزرنے کا تصور نہیں کر سکتا اور تم لوگ ایک سال سے اوپر ان جنگلوں میں رات کو سفر کرتے رہے ہو؟ تمھارے حوصلے اور جرأت کی داد دیتا ہوں۔ تمھیں پتہ ہے کہ تم پر الزام ہے کہ تم بیرونی طاقتوں کے ایجنٹ ہو اور ایک سازش کے تحت برما میں جنرل نی ون کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے داخل ہوئے ہو؟''

''نہیں سر یہ غلط الزام ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں، آپ پاکستان گورنمنٹ سے تحقیق کر سکتے ہیں میرے بارے میں میرا نام نمبر بتا کر۔''

''لیکن جو الزم تم پر لگا ہے اس کا تمھارے پاکستانی ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ شواہد کی وجہ سے میں مجبور ہوں۔ ہاں اتنا ضرور کر سکتا ہوں کہ عجلت میں کوئی فیصلہ نہ سناؤں۔ چنانچہ میں پولیس کو حکم دیتا ہوں کہ وہ مزید تفتیش کر کے مکمل چالان عدالت میں پیش کریں۔ عدالت برخاست کی جاتی ہے۔''

مشفق کو واپس سنٹرل جیل پہنچا دیا گیا لیکن نئی بات یہ ہوئی کہ اسے قید تنہائی میں رکھا گیا اور بیرک کے دیگر قیدیوں سے علیحدہ کر کے ایک کوٹھری میں اکیلا بند کر دیا گیا۔ اسے ساری کہانی سمجھ آ گئی کہ اب اسے ساری زندگی اسی خوفناک جیل میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا ہوگا۔ بہت کسی کو کبھی ترس آیا تو شاید پندرہ بیس سال بعد، وہ بھی اگر میں زندہ رہا تو شاید رہا کر دیا جاؤں۔ اس نے دل میں سوچا کہ مشفق تم ایک نڈر اور دلیر سپاہی ہو اگر تم نے سقوط ڈھاکہ کے وقت شکست تسلیم نہیں کی تو تمھیں اب بھی اسی جرأت اور دلیری کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ اسے خیال آیا کہ کاش وہ کسی طریقے سے لاہور یا ڈھاکہ والوں کو اپنی خیریت کی اطلاع دے سکتا۔ ہوسکتا ہے وہی وسیلہ بنتے تو پاکستان حکومت اور آرمی اس کی رہائی کے لیے کوششیں کرتی۔ مشفق نے دل میں سوچا کہ لگتا ہے کہ وہ ایک اور جنگ ہار رہا ہے۔ لیکن یکدم جیسے اس کے جسم میں بجلی سی بھر گئی ہو اس نے فیصلہ کیا کہ کیا ہوا اگر وہ پھر جنگ ہار گیا ہے لیکن شکست اس بار بھی تسلیم نہیں کریگا۔ اس نے اسی وقت بالٹی کے پانی سے وضو کیا اور فرش پر ہی اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوگیا۔ اس روز نماز کے بعد اس نے کوئی دعا نہ مانگی بلکہ دل کھول کر ہچکیوں سے رویا اور روتے روتے وہیں سوگیا۔ یہ آنسو مایوسی یا بے بسی کے نہیں تھے بلکہ اللہ کی قربت نصیب ہونے کا شکر تھے۔

○

یقیناً اللہ رحیم و کریم اور مسبب الاسباب ہے ورنہ جس گھر کا واحد کمانے والا اچانک دُنیا سے

رخصت ہو جائے اس گھر کو تنکا تنکا ہوتے دیر نہیں لگتی۔ شاید یہ مرحوم حمید اختر کا دین سے قلبی لگاؤ اور قناعت پسندی تھی جو اللہ نے اُلفت لاج والوں پر اپنی رحمت کا سایہ قائم رکھا۔ منزہ اٹھتے بیٹھتے اپنے مرحوم شوہر کے درجات کی بلندی کے لیے دعائیں کرتی تھیں جنھوں نے جاتے جاتے کڑی دھوپ میں اپنے پیاروں کے لیے ٹھنڈی چھاؤں کا بندوبست کر دیا تھا۔ منزہ نے بارہ لاکھ کی رقم میں سے پانچ لاکھ تو سیدھا سیدھا پانچ سال کے لیے ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ میں فکس کروا دیا تھا تاکہ مدت پوری ہونے پر وہ رقم دگنی ہو جائے۔ مزید پانچ لاکھ کے سرٹیفکیٹ ماہانہ خرچ کے لیے جمع کرا دیئے تھے اور دو لاکھ بنک میں ایک طرف رکھ چھوڑے جو کسی بھی وقت کسی ناگہانی صورت میں یا بچوں کی تعلیم شروع ہونے پر استعمال ہو سکتے۔ منزہ اب زیادہ وقت بچوں کو دیتیں کیونکہ وہ سمجھتی تھیں کہ حمید کے جانے کے بعد اس سے بہتر وقت کا کوئی مصرف ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ مائرہ کی پوری توجہ گھر پر ہوتی اور بازار بنک کے تمام کام وہ ہی نمٹایا کرتی تھی اس کے علاوہ کچن بھی اس نے مکمل طور پر سنبھالا ہوا تھا۔ اتنے سارے کاموں میں بھی مشفق کی یادوں کو اپنے ساتھ ساتھ رکھنا صرف اسی کا کام تھا۔ اسلم بٹ صاحب نے واقعی بھائی ہونے کا ثبوت دیا اور گاہے بگاہے خیر خیریت اور خدمت پوچھ لیا کرتے۔ کبھی کوئی قانونی یا جائیداد کا مسئلہ ہوتا یا کسی دفتر کا کوئی معاملہ ہوتا تو بٹ صاحب سب کام چھوڑ چھاڑ کر حل کرواتے۔ ان سب باتوں کے علاوہ وہ نہایت سنجیدگی سے کیس کا پیچھا کر رہے تھے۔ انھی کی کوششوں سے سٹور کیپر پرویز گرفتار ہو چکا تھا اور اسلم بٹ نے پولیس کو بھی کہا تھا کہ وہ ان کی ہر خدمت کو تیار ہیں لیکن اس لالچی اور سفاک شخص پر پرچہ اتنا سخت کٹنا چاہیے کہ اس کی ضمانت ممکن ہی نہ ہوتا کہ اس نے جو کچھ غبن کیا ہے سارا نہیں تو آدھا تو کم از کم ملے۔

مئی ۱۹۷۳ء کی ایک شام تھی، منزہ اور مائرہ باہر لان میں کرسیاں بچھائے چائے پی رہے تھے۔ مائرہ ماں کو اپنے سسرال میں گزارے وقت کی کہانیاں سنا رہی تھی اور ناہیدہ کی تعریف کر رہی تھی۔ منزہ نے اس سے پوچھا، ''موموتم نے اتنے خط لکھے کیا کسی ایک کا بھی جواب نہیں آیا؟''

''نہیں ماما کسی بھی خط کا جواب نہیں آیا لیکن میں یہ کبھی ماننے کو تیار نہیں کہ اماں یا روبی نے جان بوجھ کر جواب نہیں دیا۔ اور تو اور انیس بھائی تو مجھ پر سگے بھائیوں کی طرح جان چھڑکتے تھے۔''

''تو پھر ایسا کیا ہوا کہ ان کی طرف سے بالکل خاموشی ہے؟''

''ماما! وہ سب ہی مجھے بے تحاشا پیار کرتے تھے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ ان کے ساتھ کہیں کوئی حادثہ نہ ہو گیا ہو یا پھر انھیں میرے خط ہی نہ ملتے ہوں۔ روبی سے جو آخری فون پر بات ہوئی تھی اس میں بھی اس نے عوامی لیگ کے غنڈوں کا اپنے گھر پر حملے کا ذکر کیا تھا۔ یقیناً ایسا کچھ ہوا ہے کہ ان کی طرف سے خاموشی ہے۔ اللہ رحم کرے۔''

''ان سے رابطہ ہوتا تو انھی سے مُشی بارے پتہ چل جاتا۔ ہوسکتا ہے وہ خیریت سے گھر پہنچ گیا ہو؟''

''نہیں ماما ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ آپ مُشی کو نہیں جانتیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ خیریت سے گھر پہنچتے اور اپنی مومو سے رابطہ نہ کرتے۔ وہ پاکستان آتے یا نہ آتے لیکن اب تک مجھے اپنی خیریت کی اطلاع ضرور دے چکے ہوتے۔''

''کہتی تو تم ٹھیک ہو لیکن کہاں پتہ کیا جائے کہ میرا بیٹا خیریت سے ہے اور کس حال میں ہے۔''

''میں بھی کئی دن سے سوچ رہی ہوں کہ کیسے پتہ کیا جائے!!.... ایک منٹ ماما! میرے ذہن میں ابھی ایک خیال آیا ہے۔''

''کیا خیال آیا ہے؟''

''اف مجھے پہلے یہ خیال کیوں نہیں آیا؟ مجھے بہت پہلے جی ایچ کیو سے رابطہ کرنا چاہیے تھا۔ ہو سکتا ہے ان کے پاس کوئی خبر ہو!''

''میری جان اگر جی ایچ کیو کے پاس کوئی خبر ہوتی تو وہ کب کا تم سے رابطہ کر چکے ہوتے۔''

''ماما آپ عجیب بات کر رہی ہیں۔ وہ کیسے رابطہ کرتے؟ بھلا میرا ایڈریس ان کے پاس کہاں ہے؟''

''کیوں؟ تمھارا ایڈریس کیوں نہیں ان کے پاس؟''

''ان کے پاس پیپرز میں مُشی کا ڈھاکہ والا ایڈریس ہوگا۔ ان کے پاس آفیسرز کے ایڈریس ہوتے ہیں بیویوں کے نہیں تاوقتیکہ تبدیل نہ کروائے جائیں۔ یہ بہت بڑی امید کی کرن ہے ماما۔ میں کل ہی خط لکھ کر ان سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔''

''اللہ تمھاری کوششیں کامیاب کرے اور تمھیں خوشیاں دکھائے۔''

''آمین ماما.... ثم آمین۔''

اپنے ذہن میں یہ خیال آنے کے بعد مائرہ نے فوراً سپنے دیکھنے شروع کر دیئے۔ وہ سوچنے لگی کہ مُش کی خیریت کی خبر آئی تو وہ تو خوشی سے پاگل ہو جائے گی۔ اس نے سوچا کہ صبح وہ فوزیہ سے بھی اپنا یہ آئیڈیا شیئر کریگی۔ لیکن اگلے ہی لمحے اس نے اس خیال کو مسترد کر دیا کیونکہ اگر وہ اپنی خوشی کا اظہار کرتی تو شاید اسد کی کوئی خبر نہ ہونے کیوجہ سے فوزیہ کا دل خراب ہو جاتا۔

اگلی صبح اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ آرمی چیف کے نام ایک خط لکھا جس میں اپنا تعارف کروانے کے بعد مشفق کا رینک نمبر اور یونٹ لکھ کر سارا ماجرا کہہ سنایا اور درخواست کی کہ اس کے خاوند کو تلاش کیا جائے۔ اس نے اپنا موجودہ پتہ اور فون نمبر بھی لکھا جس پر اس سے رابطہ کیا جا سکتا تھا۔ خط کی وصولی کو یقین بنانے کے لیے اس نے اسے رجسٹری ڈاک سے بھیجا۔ محبت کی انتہا اور انتظار کی بے چینی یہ تھی کہ گھر آتے ہی اس نے جواب کا انتظار شروع کر دیا۔ ہر آہٹ پر وہ باہر کو دوڑتی۔ کوئی ہارن بجتا، گیٹ پر آواز آتی یا بیل بجتی تو مائرہ لحہ بھر کی تاخیر کیے بغیر دروازے کو لپکتی۔ اسے مشفق سے زیادہ اب جی ایچ کیو کے جواب کا انتظار تھا۔ شاید اسے حقیقت کا ادراک تھا کہ مُشی کا انتظار جی ایچ کیو سے آنے والے خاکی سرکاری لفافے سے منسلک ہے۔ دن گزرتے جا رہے تھے مگر خاکی لفافے میں آنے والی چٹھی کا کوئی پتہ نہ تھا۔ اب تو مائرہ کا صبر بھی جواب دیتا جا رہا تھا۔ بیس پچیس روز کے شدید انتظار کے بعد جب اس کی نگاہیں تھکنا شروع ہو گئیں تو اس نے نہایت مایوسی کے عالم میں انتظار ترک کر دیا۔ دل میں سوچا کہ کسی سٹاف افسر نے کھولا ہو گا اور غیر ضروری جان کر فائلوں کے ڈھیر میں پھینک دیا ہو گا۔ فوج کے کمانڈر انچیف کے پاس اتنا وقت کہاں کہ وہ ہر چٹھی پڑھے۔ پھر خود کو تسلی دینے لگ گئی کہ کوئی بات نہیں مجھے ایک امید نظر آئی تو میں نے کوشش تو کی۔ اب اگر اللہ کو نہیں منظور تھا تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ ان سب باتوں کے باوجود اس کے دل کے کسی کونے سے ایک پر یقین اور مضبوط آواز اٹھتی، ''مائرہ تم نے بالکل نہیں گھبرانا۔ تمھارا مُشی بالکل خیریت سے ہے اور وہ جلد تمھارے پاس ہو گا۔

دن گزرتے گئے اور وقت کے ساتھ ساتھ مائرہ کو بس برائے نام ہی یاد رہ گیا کہ اس نے جی ایچ کیو میں فوج کے سپہ سالار کو کوئی خط بھیجا تھا۔ جولائی کی ایک صبح کو وہ گھر سے کچھ ضروری کاموں سے نکلی اور تپتی دوپہر کو گھر واپس آئی تو گیٹ کھولتے ہوئے اس کی نظر گیٹ میں پھنسے ایک خاکی لفافے پر پڑی

جسے دیکھ کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے گیٹ میں اڑسے ہوئے لفافے کو نکالا اور اندر آ گئی۔ اس کا ذہن ایک عجیب سی کشمکش کا شکار تھا! لفافہ کھولے یا نہ کھولے!!! اگر کوئی اچھی خبر ہوئی تو کیا وہ اس خوشی کو سنبھال پائے گی؟ بالفرض کوئی بری خبر ہوئی تو کیا وہ صدمہ سہہ لے گی؟

''نہیں میں یہ لفافہ نہیں کھولوں گی۔'' اس نے دل ہی دل میں تہیہ کر لیا لیکن دوسرے ہی لمحے دماغ نے عذر پیش کیا کہ کسی نہ کسی نے تو کھولنا ہی ہے اسے۔ کیا تمھیں اس خط کا بے چینی سے انتظار نہیں تھا؟

''ماما....!!'' اس نے منزہ کو آواز دی، ''جی ایچ کیو سے جواب آ گیا ہے۔''

منزہ نے سنا تو سب کام چھوڑ چھاڑ کر دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کچن سے لاؤنج میں نمودار ہوئیں، ''سچ میں؟ کیا لکھا ہے خط میں؟''

''میں نے نہیں کھولا ماما۔ مجھ میں ہمت نہیں۔ پلیز آپ کھول کر پڑھیں۔'' اس نے خط منزہ کو تھماتے ہوئے کہا جنھوں نے تقریباً بے صبری سے بیٹی سے خط چھینا اور اس سے کہیں زیادہ بے تابی سے کھولا اور پڑھنے لگیں۔ جوں جوں منزہ خط پڑھتی جا رہی تھیں توں توں انھیں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کی ٹانگوں میں جان ختم ہو رہی ہو۔ آدھا خط انہوں نے صوفے پر بیٹھ کر کانپتے ہاتھوں سے پڑھا۔ اور پھر نڈھال سی ہو کر آنکھیں بند کر کے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔ مائرہ جو ماں کو بغور دیکھ رہی تھی گھبرا کر اٹھی اور منزہ کو جھنجھوڑا، ''کیا ہوا ماما؟ کیا لکھا ہے اس خط میں؟''

''خود ہی پڑھ لو، مجھ میں بتانے کی ہمت نہیں ہے۔'' منزہ نے نہایت نحیف آواز میں جواب دیا۔ مائرہ نے ماں کے ہاتھ سے خط لے کر پڑھنا شروع کر دیا،

ڈیئر مسز مشفق الاسلام

آداب!

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ چیف آف آرمی سٹاف کو آپ کا خط موصول ہوا تو انھوں نے خاصی فکرمندی کا اظہار کیا اور CORO (سنٹرل آفیسرز ریکارڈ آفس) اور پنجاب رجمنٹ سنٹر کو ہدایت کی کہ آپ کے شوہر، ان کے ساتھیوں کیپٹن اسد یوسف زئی اور سپاہی محمد عاشق کے بارے میں معلومات حاصل کر کے آپ کو فوری طور پر آگاہ کیا جائے۔ چنانچہ کورو آفس اور رجمنٹل سنٹر نے اس

بارے ہر ذریعے سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی حتیٰ کہ بھارت میں اسیران جنگ کے کیمپوں سے بھی رابطہ کیا گیا۔ ہماری تحقیقات کے مطابق ان تینوں افراد بشمول آپ کے شوہر کیپٹن مشفق کو آخری دفعہ جنگ بندی سے اگلی صبح چٹاگانگ میں ان کی یونٹ میں دیکھا گیا جس کے بعد سے ان کے بارے کسی کو کوئی علم نہیں۔ یہ قیاس کیا جارہا ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو اس عرصہ ڈیڑھ سال میں کہیں نہ کہیں سے ان کے بارے کوئی نہ کوئی خبر ضرور مل جاتی۔ امکان غالب ہے کہ یا تو وہ کسی ناگہانی حادثے کا شکار ہو گئے ہونگے اور یا پھر بھارتی فوجیوں اور مکتی باہنی سے مڈبھیڑ میں مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ لہٰذا افواج پاکستان انھیں Missing Believe Killed (لاپتہ، ممکنہ طور پر شہید) قرار دیتی ہے اور آپ کے دکھ میں برابر کی شریک ہے۔ آپ کا ایڈریس نوٹ کر لیا گیا ہے اور عنقریب آپ کو پنشن اور دیگر مراعات کے حصول کے لیے کچھ کاغذات بھیجے جائیں گے۔ آپ سے درخواست ہے کہ انھیں جلد از جلد دستخط کر کے واپس ارسال کر دیں تا کہ آپ کو پنشن کا اجرا کیا جا سکے جو جنگ ختم ہونے کی تاریخ سے ہوگا۔

نیک خواہشات کے ساتھ

آپ کا مخلص

میجر محمد فیاض

جنرل سٹاف آفیسر۔2

کورو، جی ایچ کیو، راولپنڈی

خط ختم کرتے ہی مائرہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ایک امید کی ڈور بندھی تھی سو آج وہ بھی ٹوٹ گئی۔ جب سے اسے میجر شوکت نے خبر دی تھی کہ مشفق کا کیپٹن اسد اور اپنے اردلی کے ساتھ فرار کا ارادہ تھا اس کے دل میں امید کی کونپل پھوٹی تھی کہ یقیناً مشفق کسی نہ کسی روز اچانک کہیں سے آن دھمکے گا مگر آج اس خط نے تو امیدوں کے سارے محل مسمار کر دیئے۔ کچھ دیر کے لیے اسے زندگی بے مقصد لگنے لگی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ بچوں کو ماں کے پاس چھوڑ کر مشرقی پاکستان نکل جائے۔ ہر ندی ہر دریا، ہر درخت ہر بوٹے سے پوچھے کہ انھوں نے اس کے مُشی کو تو نہیں دیکھا۔ میگھنا کے کنارے بیٹھے اور اس سے خوب لڑے کہ وہ تو اپنے مُشی کو اس کے حوالے کر کے گئی تھی پھر اس نے کیوں اس کا خیال نہیں رکھا۔

اب چپ کرانے کی باری منزہ کی تھی جو اسے حوصلہ کرنے کی تلقین کر رہی تھیں۔ ننھی مائزہ تو ماں کا گھٹنا پکڑے حیران پریشان اسے گھورے جا رہی تھی جبکہ بابر جو اب توتلی توتلی باتیں کرتا تھا اس سے رونے کی وجہ پوچھ رہا تھا، ''ماما آپ توتا ہوا؟ توں لولئی ایں؟ (ماما آپ کو کیا ہوا؟ کیوں رو رہی ہیں؟)۔''

مائزہ نے سسکیاں بھرتے ہوئے دونوں کو سینے سے لگا لیا اور دل میں فیصلہ کیا کہ اب وہ ہی ان کی ماں اور وہ ہی ان کا باپ بنے گی۔
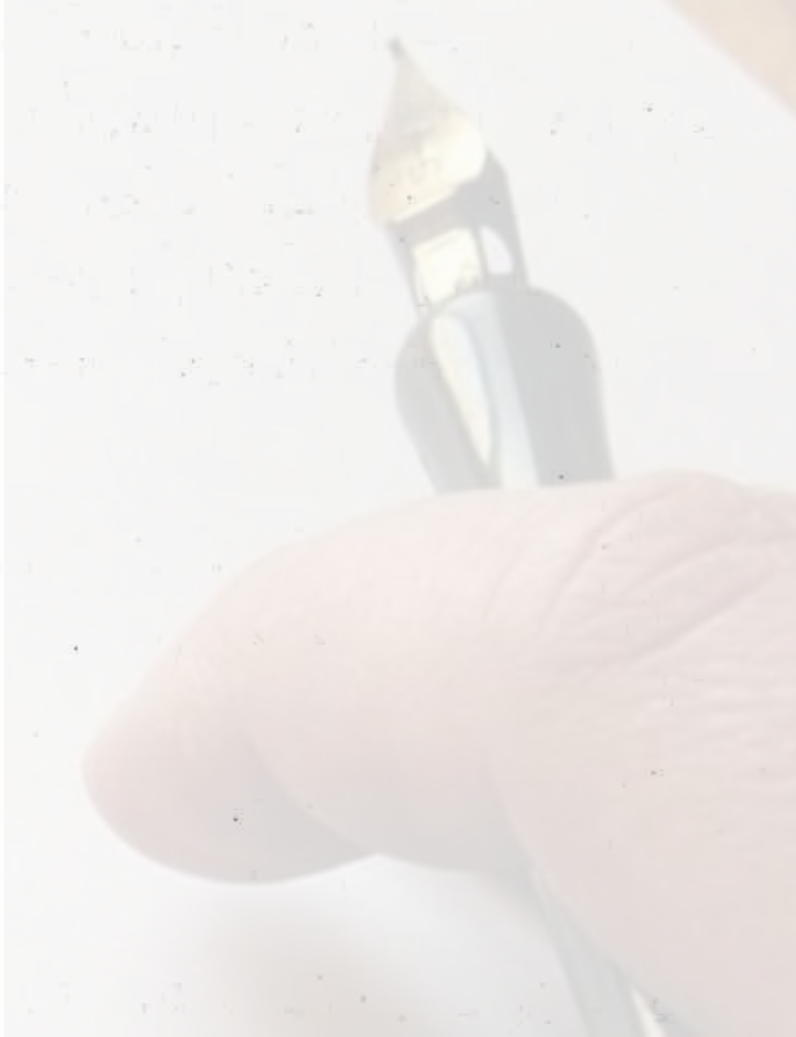
وقت کا بے رحم پہیہ ہر چیز سے بے نیاز اپنی ہی رفتار چلتا ہے۔اسے اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ کون اس کی زد میں آتا ہے۔اسی پہیے کی حرارت سے حالات کی چکی بھی توانائی حاصل کرتی ہے، اچھے برے واقعات اور حوادث زمانہ بھی اسی سے جنم لیتے ہیں۔شاید اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وقت کی ہر شے غلام۔لیکن تاریخ کے معاملے میں وقت نہایت نرم گوشہ رکھتا ہے۔اس نے تاریخ کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ وہ جس سے چاہے انتقام لے۔ وقت خود تو آگے بڑھ جاتا ہے لیکن تاریخ کو انتقام لینے کے لیے پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے والوں کے معاملے میں بھی سنگدل وقت نے یہی رویہ دکھایا۔کہا یہی جاتا ہے کہ پاکستان کے ساتھ برا کرنے والوں کو جلد ہی المناک انجام سے دوچار ہونا پڑا اور اس سلسلہ میں شیخ مجیب الرحمٰن، اندرا گاندھی اور ذوالفقار علی بھٹو کی مثال دی جاتی ہے۔ان میں سب سے پہلے مجیب الرحمان پندرہ اگست ۱۹۷۵ء کو انھی اپنوں کے ہاتھوں گھر کی سیڑھیوں پر قتل ہوا جو اسے بنگلہ بندھو کہتے نہیں تھکتے تھے۔اس کے چار ہی سال بعد چار اپریل ۱۹۷۹ء کو ذوالفقار علی بھٹو ایک غلط یا درست مقدمے میں تختہ دار پر جھول گیا۔ بڑے کیا خوب کہہ گئے ہیں کہ ' کرو تب بھی ڈرو اور نہ کرو تو زیادہ ڈرو'۔ پھر سقوط ڈھاکہ کے تیرہ سال بعد آخری اور مرکزی کردار بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی اکتیس اکتوبر ۱۹۸۴ء کو اپنے گھر سے دفتر کے لیے نکلتے ہوئے اپنے ہی سکھ باڈی گارڈز کی گولیوں کا شکار ہوگئی۔ برصغیر میں بہت بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں لیکن وقت کا پہیہ کہیں بھی نہ تھما۔

○

کیپٹن مشفق الاسلام کی توقع کے عین مطابق اس پر باغیوں کی اعانت اور غیر ملکی ایجنٹ ہونے کا الزام لگا کر کسی کال کوٹھڑی میں پھینک کر ارباب اختیار اسے بھول گئے۔ شروع کے چند ماہ میں اس کی کچھ پیشیاں ہوئیں۔ ایک آدھ بار تشدد کا نشانہ بھی بنایا گیا اور پھر جیل والوں کو یاد بھی نہ رہا کہ یہاں کوئی بیگناہ قید بھی ہے۔ یقیناً عدالتوں میں بھی اس کی فائل کسی تازہ انبار کے نیچے دب گئی ہوگی جو دوبارہ اسے پیش کرنے کا کبھی بھی نہیں کہا گیا۔ ہاں گزشتہ پندرہ سالوں میں کچھ ایسے خدا ترس جیلر ضرور آئے جنھیں اس کی کہانی پر سو فیصد یقین تھا۔ وہ اسے رہا تو نہیں کر سکتے تھے تاہم مختلف اوقات میں ان سب نے اس کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا۔ کسی نے اس کی چہل قدمی کے اوقات بڑھا دیئے تو کسی نے اسے کال کوٹھڑی کی قید تنہائی سے نکال کر ایک چھوٹی کوٹھڑی میں ڈال دیا جہاں کم از کم وہ دس قیدیوں کی شکلیں ضرور دیکھ سکتا تھا لیکن وہ جب بھی کسی جیلر کے رویئے سے متاثر ہو کر اس سے درخواست کرتا کہ اس کے بارے پاکستانی سفارتخانے کو اطلاع دی جائے تو وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر غائب ہو جاتا۔ کیپٹن مشفق اب اکتالیس سالہ جوان تھا جس کے چہرے سے پختگی اور متانت جھلکتی تھی۔ اس نے کاندھوں تک لمبے بال رکھ لیے تھے۔ سلیٹی رنگ کے بال اس کی سرمئی داڑھی اور باریک مونچھوں کے ساتھ بہت سجتے تھے۔ اس کی عادت بن گئی تھی کہ وقتاً فوقتاً دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے انھیں پیچھے کرتا رہتا۔

مشفق اب ایک عام بیرک میں درجن بھر دیگر قیدیوں کے ساتھ پابند سلاسل تھا، ایک طویل عرصے سے اس کا معمول تھا کہ اپنی، مائرہ کی اور بابر کی سالگرہ پر شام کا کھانا سامنے رکھ کر اللہ سے دعا مانگتا اور پھر وہ کھانا ایک لقمہ توڑے بغیر کسی کمزور و لاغر قیدی کو پیش کر دیتا اور خود اس وقت کا فاقہ کرتا۔ اس کے ساتھی قیدی اس کی اس حرکت کو نہایت دلچسپی سے دیکھتے۔ اس نے محسوس کیا کہ ان کے دلوں میں اس کے لیے بہت عزت و احترام ہے۔ یہ سب کے سب یا تو سیاسی قیدی تھے یا پھر چھوٹے موٹے جرائم کی پاداش میں مختصر مدت کی قید بھگت رہے تھے۔ مشفق کی ایک ساٹھ سالہ برمی پروفیسر ٹمین آنگ سے جسے حکومت پر تنقید کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا تھا اچھی خاصی دوستی ہو گئی۔ اسے اب تک بنگلہ دیش کے حالات کا بخوبی علم ہو چکا تھا۔ یہ بھی پتہ چل چکا تھا کہ اس کا مجیب چاچا اپنے انجام سے دوچار ہو چکا ہے اور پاکستان میں بھٹو جبکہ بھارت میں اندرا گاندھی بھی پاکستان کو دولخت کرنے کا خمیازہ بھگت چکے

ہیں۔ مشفق خود کو باخبر رکھنے کے لیے اکثر پروفیسر ٹیین آنگ سے حالات حاضرہ پر سیر حاصل بحث کیا کرتا۔ آنگ اگست ۱۹۸۸ء کو یعنی دو ماہ بعد رہا ہونے والا تھا۔ وہ بھی مشفق کی عادات کی بنا پر اسے بے حد پسند کرتا تھا۔

غالباً یہ جولائی ۱۹۸۸ء کے وسط کا کوئی دن تھا جب شام کو بیرک میں بند ہونے کے بعد وہ دونوں سونے سے پہلے ہلکی پھلکی گفتگو کر رہے تھے۔

''میں ڈیڑھ سال سے تمھارے ساتھ بند ہوں اور میں نے تمھاری کچھ عادات کا مشاہدہ کیا ہے جو میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ تم سے اس بارے پوچھوں لیکن پھر سوچتا کہیں تم برا نہ مان جاؤ۔'' پروفیسر ٹیین آنگ نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

''نہیں پروفیسر میں کیوں برا مانوں گا۔ اگر اتنا عرصہ ساتھ رہنے کے بعد بھی آپ کی میرے بارے یہ رائے ہے تو میرا خیال ہے کہ آپ کا تجربہ آپ کو دھوکہ دے گیا ہے۔ آپ پوچھیے جو پوچھنا ہے۔''

''واقعی ایسا لگتا ہے کہ مجھے اپنی شکست کا اعتراف کر لینا چاہیے۔'' آنگ نے نہایت شستہ انگریزی میں کہا اور بات جاری رکھی، ''میں نے نوٹ کیا ہے کہ کئی مواقع ایسے آتے ہیں جب تم شام کا کھانا کھانے کی بجائے کچھ دعائیہ کلمات کہہ کر وہ کھانا کسی ساتھی قیدی کو دے دیتے ہو۔ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟''

''پروفیسر! میں شادی شدہ ہوں اور میری ایک بے حد پیار کرنے والی بیوی اور ایک پیارا سا بیٹا ہے جنھیں پاک بھارت جنگ سن اکہتر شروع ہونے سے پہلے میں نے مغربی پاکستان واپس بھجوا دیا تھا تاکہ وہ محفوظ رہیں۔ مجھے ان سے جدا ہوئے سترہ سال ہو چکے ہیں لیکن میں انھیں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھولا۔ میں نے ایک عرصہ سے یہ عادت بنا لی ہے کہ ان دونوں کی اور اپنی سالگرہ کے روز شام کا کھانا میں اس دعا کے ساتھ کسی ساتھی کو دے دیتا ہوں کہ اللہ ہمیں جلد آپس میں ملا دے۔''

''واقعی اپنے خاندان کے لیے تمھاری محبّت مثالی ہے۔ ایک اور بات کہ کیا تمھارا دل نہیں کرتا کہ تم اپنے گھر والوں سے جا ملو؟''

''مسٹر آنگ! وہ شخص کوئی بہت ہی بے حس انسان ہوگا جو اپنے اہل خانہ سے ایک دن کے لیے

بھی بچھڑے اور بے چین نہ ہو۔ میں جس دن سے گرفتار ہوا ہوں مسلسل یہ کوشش کر رہا ہوں کہ میری آواز اس زندان سے باہر نکلے اور کسی صاحب اختیار شخص تک پہنچے جو مجھے یہاں سے نکلنے میں مددگار ثابت ہو لیکن میں نے جس سے بھی بات کی وہ یا تو کنی کترا گیا یا پھر باہر جا کر بھول گیا ورنہ اب تک کسی نہ کسی نے تو یقیناً میرا سراغ لگا لیا ہوتا۔''

''ہونہہ..... مجھے تم سے بے حد ہمدردی ہو رہی ہے۔ تم یقیناً ایک رحم دل اور محبّت کرنے والے انسان ہو۔ مجھے تمھاری مدد کر کے بے حد خوشی ہوگی۔ بتاؤ میں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا اگر آپ میری خیریت کی خبر پاکستانی سفارتخانے تک پہنچا دیں۔ میں آپ کو یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ آپ میرے گھر والوں کو میری خیریت کی اطلاع کا خط لکھ دیں لیکن اس میں بہت سے خطرات پوشیدہ ہیں۔ ہوسکتا ہے میرے گھر والے میری خبر سن کر جذباتی ہو جائیں اور عجلت میں کوئی ایسی بچگانہ حرکت کر بیٹھیں جو میری زندگی کے لیے خطرناک ثابت ہو۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستانی سفارتخانے کا عملہ سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہایت خاموشی سے سارے اقدامات اٹھائے گا اور پھر حکومت برما سے میری رہائی کا مطالبہ کریگا۔''

''میں ضرور تمھاری مدد کروں گا۔ بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے۔'' پروفیسر آنگ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''سر! آپ یکم اگست ۱۹۸۸ء کو رہا ہو جائیں گے اور ابھی آپ کی رہائی میں دس دن باقی ہیں۔ میں ان دنوں میں آپ کو اپنے کوائف از بر کرا دوں گا۔ آپ نے باہر نکل کر پاکستان ایمبیسی میں کسی ذمہ دار شخص سے مل کر انھیں میرے نام نمبر سے آگاہ کرنا ہے اور انھیں بتانا ہے کہ میں نے مشرقی پاکستان سے فرار ہو کر برما کے راستے پاکستان پہنچنے کی کوشش کی لیکن رنگون میں قید ہو گیا اور گزشتہ پندرہ سال سے بغیر کسی جرم کے سنٹرل جیل انسین میں قید ہوں۔''

''مجھے جس حد تک بھی جانا پڑا جاؤں گا۔ کوئی خطرہ بھی مول لینا پڑا تو لوں گا لیکن تمھاری خبر ہائی کمیشن میں پہنچا کر ہی دم لوں گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔''

''پروفیسر آنگ اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔ میں زندگی بھر آپ کا احسان نہیں بھولوں گا۔ اگر میں اس قید سے رہا ہو گیا تو پاکستان میں آپ کی آمد کا منتظر رہوں گا اور آپ کو صدق دل سے خوش آمدید کہوں گا۔''

’’مجھے ایک اچھے اور مخلص دوست کے ملک جا کر بے حد خوشی ہوگی۔ چلو میرا خیال ہے رات کافی ہوگئی ہے اب سونا چاہیے۔‘‘

مشفق، پروفیسر سے گفتگو کے بعد بہت خوش تھا اور آج پندرہ سال میں پہلی دفعہ وہ سکون کی نیند سونے جا رہا تھا۔ لاہور پہنچنے کے خواب دیکھتا ہوا وہ جلد ہی نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔ یکم اگست تک مشفق نے پروفیسر آنگ سے نجانے کتنی دفعہ اپنے کوائف پوچھے اور حلیم الطبع شخص بھی ہر دفعہ بغیر برا منائے مشفق کے امتحان سے گزرتا۔ اس نے اسے یقین دلایا کہ باہر جاتے ہی وہ ان معلومات کو فوراً کسی کاغذ پر لکھ لے گا۔ بالآخر آنگ کی رہائی کا دن آ گیا اور وہ اپنے دوست مشفق سے نہایت جذباتی انداز میں رخصت ہوا۔

منزہ کی عمر ڈھلتی جا رہی تھی۔ وہ اب ایک باسٹھ تریسٹھ سالہ باوقار خاتون تھیں۔ شاید ان کی صحت اور بھی اچھی ہوتی اگر حمید اس دُنیا سے رخصت نہ ہوتے۔ مائرہ کی عمر گو سینتیس سال ہو چکی تھی لیکن وہ صورت سے کسی طور بھی بتیس تیتیس سال سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی۔ ماں کی طرح وہ بھی اگر مشفق کی جدائی کا دکھ نہ سہہ رہی ہوتی تو شاید وہ اس سے بھی زیادہ جوان ہوتی۔ دیکھنے والے بابر اور مائرہ کو اس کے چھوٹے بہن بھائی کہتے اور سمجھتے تھے۔ بابر ماشاءاللہ اب چھ فٹ کا ایک اٹھارہ سالہ نوجوان تھا جس نے قد کاٹھ ننہال سے لیا تھا۔ مائزہ ایک سولہ سالہ دوشیزہ تھی جو ہو بہو اپنی ماں کی کاپی تھی۔ وہی سرمئی آنکھیں وہی نین نقش۔ دونوں بہن بھائیوں کا مثالی پیار، ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ مائرہ انھیں دیکھتی تو اسے اپنا اور بابر حمید کا پیار اور اتفاق یاد آ جاتا۔ مائزہ فرسٹ ایئر کی طالبہ تھی جبکہ بابر نے ایف ایس سی کرنے کے بعد ماں کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے فوج میں کمیشن کے لیے درخواست دی تھی۔ جس کے خون میں فوج رچی بسی ہو اسے بھلا کون رد کر سکتا تھا۔ آئی ایس ایس بی کے فائنل ٹیسٹ میں جب امتحان اور انٹرویو لینے والوں کو پتہ چلا کہ وہ ایک محب وطن بنگالی آفیسر کا بیٹا ہے جو اکہتر کی جنگ کے فوراً بعد ہتھیار پھینکنے کی بجائے منظر عام سے پرسرار طریقے سے غائب ہو گیا تھا اور آج تک اس کا نہیں پتہ چلا تو ان کے دلوں میں اس کے لیے پسندیدگی میں اور اضافہ ہو گیا اور وہ کوہاٹ سے کامیاب ہو کر لوٹا۔ گھر میں خوشحالی تو تھی ہی، رہی بات اُلفت لاج کے روائتی دبدبہ و وقار کی تو دونوں ماں بیٹی نے اس میں ذرا بھر کمی نہیں آنے دی۔ مائرہ کی خوابگاہ کو دیکھ کر

لگتا نہیں تھا کہ وہ کسی 'ممکنہ بیوہ' (کم از کم جی ایچ کیو نے تو اپنے خط کے ذریعے یہی تاثر دیا تھا) کا کمرہ ہے۔ اس نے کمرے کو اپنی اور مشفق کی تصویروں سے، اس کے میڈلز، اعزازی چھڑی اور مشفق کی SSG کی وردی سے سجایا ہوا تھا۔ کوئی بھی ایسا شخص جسے کیپٹن مشفق کے متعلق کسی بات کا علم نہ ہو وہ اس خوابگاہ میں داخل ہو کر ہرگز یہ نہیں مان سکتا تھا کہ کیپٹن مشفق یہاں کبھی بھی نہیں رہا۔ کمرے کے ہر کونے اور ایک ایک چیز سے یوں لگتا تھا جیسے مشفق ابھی ابھی یہاں سے اٹھ کر گیا ہو۔ شادی سے پہلے مائرہ اکثر یہ سوچا کرتی تھی کہ شادی کے بعد وہ اور مشفق دونوں جب بھی لاہور آیا کریں گے تو اسی کمرے میں رہا کریں گے۔ اسی خیال کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس نے شادی سے پہلے ہی اس کمرے کو اپنی دونوں کی خوابگاہ تصور کر لیا تھا۔

O

پروفیسر آنگ اپنے وعدے کا پکا نکلا اور رہائی کے اگلے روز سے ہی اس نے پاکستانی ہائی کمیشن کے ارباب اختیار سے رابطے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اپنا تعارف ایک محقق کی حیثیت سے کراتے ہوئے اس نے پاکستان بارے معلومات اکٹھی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو جلد ہی اسے کلچرل اتاشی نے ملاقات کا وقت دے دیا۔ آنگ کو توقع نہیں تھی کہ اس کے ذہن میں اتنا مضبوط آئیڈیا آئے گا اور اتنی جلدی ملاقات بھی ہو جائے گی۔ مقررہ دن پروفیسر آنگ سفارتخانے پہنچا تو باقاعدہ احترام کے ساتھ اسے کلچرل اتاشی کے دفتر میں لیجایا گیا جہاں اس کا گرم جوشی سے استقبال ہوا۔ آنگ اصل مدعا زبان پر لانے کی شدید خواہش کے باوجود نہایت صبر اور تحمل سے تقریباً آدھ گھنٹہ اتاشی سے پاکستان بارے معلومات اکٹھی کرتا رہا جس نے اسے کئی کتابچے اور بروشر بھی دیئے۔ بالآخر جب آنگ نے دیکھا کہ اب کہنے کو مزید کچھ نہیں رہا تو اس نے اتاشی کے سامنے اپنی آمد کا اصل مقصد بیان کر دیا۔

''جناب والا! میں اب آپ سے اپنی آمد کا اصل مقصد بیان کرنے جا رہا ہوں۔'' آنگ نے خبر دی۔

''تو اب تک ہم جو گفتگو کرتے رہے وہ کیا تھی؟'' اتاشی نے اسے آنگ کا مذاق سمجھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''یور ایکسیلینسی میں مذاق نہیں کر رہا۔ وہ ملاقات تو اصل وجہ بیان کرنے کے لیے ایک بہانہ تھا۔''

اب اتاشی کے چہرے پر سنجیدگی نے گھر کرنا شروع کر دیا، ''پروفیسر آپ نے مجھے فکر مند کر دیا ہے۔''

''نہیں محترم بات سنجیدہ ضرور ہے لیکن آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میری صرف یہ درخواست ہے کہ مجھے آپ اپنے ملٹری اتاشی سے ملوا دیں۔'' پروفیسر کی اس خواہش پر تو کلچرل اتاشی کرسی سے چھلانگ لگاتے لگاتے رہ گیا، ''پروفیسر آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ ان سے کیوں ملنا چاہ رہے ہیں؟ کچھ پتہ تو چلے۔''

''میں معذرت چاہتا ہوں کہ ساری بات نہیں بتا سکتا لیکن اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ مجھے آپ کے ایک افسر کا پیغام ان تک پہنچانا ہے۔'' پروفیسر آنگ کا اتنا کہنا تھا کہ وہاں ہل چل مچ گئی۔ کلچرل اتاشی اور اس کے ساتھ بیٹھے دوسرے افسر نے ایک دوسرے کے کانوں میں کچھ کھسر پھسر کی اور پھر اتاشی نے پروفیسر کو وہیں بیٹھنے کو کہا اور خود کمرے سے نکل گیا۔ کوئی دس منٹ کے بعد وہ دوبارہ واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک اور شخص تھا۔ اتاشی نے بتایا کہ یہ بندہ اسے ملٹری اتاشی کے پاس لے کر جائے گا۔ پروفیسر کلچرل اتاشی کا شکریہ ادا کر کے اس اجنبی کے ساتھ ہو لیا جس نے اسے ملٹری اتاشی تک پہنچایا۔ پروفیسر داخل ہوا تو بریگیڈیر رینک کے اس افسر نے اپنی سیٹ سے اٹھ کر نہایت احترام سے پروفیسر کا استقبال کیا اور انھیں بیٹھنے کے لیے کرسی پیش کی۔ پروفیسر آنگ کو اس بریگیڈیر اور اپنی فوج کے افسروں کے رویے میں واضح فرق نظر آیا۔ وہ شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

''سر مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔ کیا میں وجہ جان سکتا ہوں اگر آپ محسوس نہ کریں تو؟'' بریگیڈیر نے نہایت دلکش مسکراہٹ سے سوال کیا۔

''جی جناب وجہ بیان کرنے کے لیے ہی تو ملاقات کی درخواست کی تھی۔ آپ میرے ملک کے حالات سے بخوبی واقف ہیں اسی لیے پاکستان بارے مواد اکٹھا کرنے کا بہانہ بنایا تھا۔ میں تاریخ کا استاد ہوں اور یونیورسٹی میں پڑھاتا ہوں۔ مجھے حکومت کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے کے جھوٹے الزام میں دو سال قید بامشقت کی سزا ملی جو حال ہی میں ختم ہوئی اور میں رہا ہو کر باہر آ گیا۔''

''اوہ بہت افسوس ہوا یہ جان کر۔'' بریگیڈئر نے محتاط تاسف کا اظہار کیا۔

''کوئی نہیں مجھے کوئی افسوس نہیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میرے زندگی کے دو سال قید میں لکھے تھے سو میں نے وہاں گزارے۔ لیکن مجھے اب خیال آتا ہے کہ شاید مجھے خدا نے قید میں صرف آپ کی

فوج کے اس افسر سے ملنے کے لیے بھیجا جو وہاں عرصہ پندرہ سال سے قید ہے۔''

''ہمارا افسر حکومت برما کی قید میں؟'' ملٹری اتاشی نے شدید حیرت کا اظہار کیا، ''نہیں پروفیسر آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔''

''نہیں جناب میں ہوش وحواس میں رہ کر پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ بات کر رہا ہوں۔ کسی سے راہ چلتے ملاقات ہو تو غلط فہمی ہو سکتی ہے لیکن جب آپ کسی شخص کے ساتھ دو سال اٹھتے بیٹھتے رہیں اور اپنا دکھ سکھ بانٹیں تو پھر کیسی غلطی؟''

''کون ہے وہ افسر؟'' ملٹری اتاشی نے تجسس کا اظہار کیا۔

''سن اکہتر کی پاک بھارت جنگ میں مشرقی پاکستان کے محاذ پر خدمات انجام دینے والا ایک بنگالی افسر مشفق الاسلام، جس نے شکست تسلیم کرنے پر فرار کو ترجیح دی۔ وہ اس وقت کمانڈو یونٹ میں خدمات انجام دے رہا تھا۔ وہ اور اس کے دو دوست برما کی طرف نکل آئے اور گھنے جنگلوں کا سفر کر کے رنگون پہنچنے کے جتن کیے۔ دونوں دوست راستے میں اللہ کو پیارے ہو گئے مگر یہ افسر ۱۹۷۳ء میں رنگون پہنچ تو گیا لیکن پکڑا گیا۔ اس وقت برما کے سیاسی حالات نہایت مخدوش تھے۔ چنانچہ اس کو ایک جھوٹے مقدمے میں ملوث کر کے سنٹرل جیل انسین میں پھینک کر بھلا دیا گیا، جہاں وہ پندرہ سال سے قید اپنی زندگی کے دن گن رہا ہے۔''

بریگیڈیر تو جیسے سکتے میں آ گیا اور کچھ دیر خالی خالی نظروں سے پروفیسر کو دیکھنے کے بعد بولا،

''اس آفیسر کا نام کیا ہے؟''

''کیپٹن مشفق الاسلام، جو ڈھاکہ کا رہنے والا ہے اور اس نے لاہور سے شادی کی تھی۔ ایک بیٹا بھی ہے اس کا۔''

''پروفیسر صاحب اور کچھ معلومات مل سکتی ہیں؟''

''کیوں نہیں یہ لیجیے۔ میں نے اس کاغذ پر تمام معلومات تحریر کر دی ہیں؛ اس کا نام، نمبر، یونٹ، غرضیکہ وہ تمام باتیں جو اس نے مجھے سنا سنا کر رٹا دی تھیں۔'' آنگ نے ایک پرچہ اتاشی کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''سر آپ کا بے حد شکریہ کہ آپ نے خطرہ مول لے کر اپنا اور انسانیت کا فرض ادا کیا۔ مجھے تو یہ دکھ ہو رہا ہے کہ ہمارا ایک ساتھی آفیسر زندگی کے انتہائی قیمتی ماہ وسال قید وبند کی صعوبتوں میں گزارتا رہا

اور ہم بے خبر اس کے لیے کچھ نہ کر سکے۔ لیکن اب ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے خواہ ہمیں یہ کیس حکومتی سطح پر ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔''

''اور ہاں بریگیڈیر صاحب ایک بات اور۔ وہ حالات کی ستم ظریفی اور بے یقینی سے اس قدر خوفزدہ ہے کہ اس نے خاص طور پر تاکید کی ہے کہ اس کی فیملی کو قطعی طور پر کچھ نہ بتایا جائے تاوقتیکہ وہ خود چل کر گھر نہ پہنچ جائے۔ دراصل اس کا کہنا ہے کہ اس وقت تک تو انھوں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہوگا لیکن انھیں اگر خوشی کی خبر سننے کے بعد پھر کسی صدمے کا سامنا کرنا پڑا تو وہ جیتے جی مر جائیں گے، سو اس کی رہائی کی کوششوں کو مکمل طور پر خفیہ رکھا جائے۔''

''سر میں اس بات کو بخوبی سمجھتا ہوں۔ ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ آپ کا ایک بار پھر شکریہ۔''

''آفیسر میری آخری درخواست کہ آپ کے ہائی کمیشن سے باہر میری صرف کلچرل اتاشی سے ملاقات کی خبر ہی جانی چاہیے۔ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور اب دو سال تو دور کی بات، میں دو دن بھی قید میں نہیں رہ سکتا۔'' زندہ دل پروفیسر آنگ نے بذلہ سنجی کا مظاہرہ کیا۔ ملٹری اتاشی اپنے مہمان کو روائتی انداز میں دروازے تک چھوڑنے آیا اور خدا حافظ کہا۔

پروفیسر نئین آنگ کی ملٹری اتاشی سے ملاقات کے بعد ہائی کمیشن کے در و بام جیسے ہل سے گئے ہوں۔ یہ سب بتانا غیر ضروری ہے کہ اس ملاقات کے بعد کیا ہوا۔ ملٹری اتاشی نے محترم سفیر کو کیسے اعتماد میں لیا۔ جی ایچ کیو کو کیسے رابطہ کیا گیا اور انھیں کیا معلومات دی گئیں لیکن اتنا ضرور ہوا کہ کیپٹن مشفق الاسلام کی رہائی کے لیے نہایت منظم اور مؤثر کوششیں شروع کر دی گئیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے انٹیلیجنس اداروں نے اپنے ذرائع کو متحرک کیا اور انھیں اس بات کی تصدیق کرنے کو کہا گیا کہ آیا واقعی کوئی پاکستانی افسر برما کی جیل میں قید ہے۔ جلد ہی اس بات کی تصدیق ہو گئی تو دوسرے مرحلہ پر کام شروع ہوا۔ اتفاق سے پاک فوج کے برمی مسلح افواج کے ساتھ ان دنوں تعلقات اگر بہت اچھے نہیں تھے تو خراب بھی نہیں تھے چنانچہ اس معاملے کو حکومتی سطح تک لیجانے کی نوبت ہی نہیں آئی اور پاک بری فوج نے باقاعدہ ثبوتوں کے ساتھ برمی مسلح افواج سے کیپٹن مشفق الاسلام کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ برمی فوجی حکام کے لیے بھی بلاشبہ یہ ایک بہت بڑی خبر تھی کہ ایک دوست ملک کا فوجی افسر بغیر کسی جرم کے ان کی ایک جیل میں سڑ رہا تھا اور وہ اس سے لاعلم تھے۔ برمی آرمی انٹیلی جنس نے بھی اپنے تئیں اس

معاملے کی صداقت کو جانچا تو خبر سچ ثابت ہوئی۔ چنانچہ انھیں سرکاری معذرت کے ساتھ مشفق کی موجودگی کا اعتراف کرنا پڑا۔

○

منزہ ظہر کی نماز پڑھ رہی تھیں جبکہ مائرہ رسوئی میں دوپہر کا کھانا تیار کرنے کے قریب تھی اور مائزہ ابھی تک کالج سے نہیں آئی تھی کہ اچانک گیٹ پر بیل بجی۔ مائرہ ہمیشہ کی طرح بیل کی آواز پر لپکی تو دیکھا کہ ڈاکیہ ایک لفافہ گیٹ میں اڑس کر جا رہا تھا۔ مائرہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہ لفافہ لینے گئی۔

لفافے پر بنگلہ دیش کا ٹکٹ اور مہر لگی ہوئی تھی۔ عادتاً لفافہ پلٹ کر دیکھا تو پشت پر نام ربابہ انیس لکھا نظر آیا۔ مائرہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ تقریباً چیختی ہوئی اندر آئی، ''ماما.... ماما یہ دیکھیں روبی کا خط آیا ہے۔''

اتنے سالوں میں نجانے کتنی روبیاں ان ماں بیٹی کی زندگی میں آئیں اور چلی گئیں سو منزہ نے لاپروائی سے پوچھا، ''کون روبی؟''

''کمال ہے ماما!!! کون روبی؟ ایک ہی تو روبی ہے۔ بھئی اپنی روبی، مُشی کی بہن، میری نند.... اور کونسی روبی؟'' مائرہ کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

''یا خدا!!!!.... یہ کدھر سے آ گئی؟ کیا لکھا ہے؟ جلدی پڑھو۔'' منزہ ہڑبڑاتے ہوئے جائے نماز سے اٹھی۔

''ماما پڑھوں گی تو بتاؤں گی ناں، ذرا صبر تو کریں۔'' مائرہ بے صبری سے لفافہ چاک کرتے ہوئے بولی اور اونچی آواز میں خط پڑھنا شروع کر دیا،

''پیاری مائرہ آپی!

سلامت رہیں۔ مجھے نہیں علم کہ کہ یہ خط آپ کو مل بھی پاتا ہے یا نہیں اور آیا آپ اس پتے پر موجود بھی ہیں کہ نہیں لیکن سچ یہ ہے کہ آج جب مجھے یہ ایڈریس ملا تو ساتھ گزارا ہوا وقت آنکھوں کے سامنے ایک فلم کی طرح چلنے لگا اور میں خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ میں اس امید اور دعا کے ساتھ آپ کو خط لکھ رہی ہوں کہ اللہ کرے آپ تک میری تحریر پہنچ جائے۔ جنگ بند ہونے اور بنگلہ دیش بننے کے بعد

ہم پر بہت سی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ مکتی باہنی کے بلوائیوں نے ایک ہمیں بس قتل نہیں کیا لیکن باقی کوئی کسر نہ چھوڑی۔ انھوں نے گھر میں گھس کر انیس کو بے حد زدوکوب کیا اور سامان کو تہہ تیغ کیا۔ بہت سی چیزیں جن میں کتابیں بھی شامل تھیں ان سفاکوں نے جلا دیں، بہت سا سامان بھی لوٹ لیا۔ چھاپہ خانہ ایسا برباد کر دیا گیا کہ ہم لوگ مالی طور پر مفلوج ہو کر رہ گئے اور دوبارہ کبھی نہ اٹھ سکے۔ انیس نے پرنٹنگ پریس کو دوبارہ کھڑا کرنے کی کوشش تو کی ہے لیکن اب وہ پہلے والی بات نہیں رہی۔ اماں جو پاکستان ٹوٹنے اور شفو بھائی کے لاپتہ ہونے کے بعد سے غم سے نڈھال تھیں، بستر سے لگ گئیں اور تین سال علیل رہ کر بالآخر بابا کے پاس چلی گئیں۔ آپ سب لوگ بہت یاد آتے تھے لیکن فون کال تو ملتی ہی نہیں تھی پھر رفتہ رفتہ ٹیلیفون نمبر بھول ہی گیا۔ آپ لوگوں کے گھر کا ایڈریس بھی کہیں لکھا تھا جو کبھی نہ ملا لیکن کل ایک عجیب واقعہ ہوا۔ میں گھر کے سٹور کی صفائی کر رہی تھی کہ شفو بھیا کے کچھ ناول اور کتابیں ملیں۔ میں نے عادتاً ان کی ورق گردانی شروع کر دی کیونکہ مجھے پتہ تھا کہ شفو بھیا کی لکھی ہوئی پرچیاں، دوستوں کے فون نمبر وغیرہ اکثر ان کی کتابوں میں سے ہی ملتے تھے۔ اچانک ان کے پسندیدہ ناول Return of the Native سے جو شاید آپ نے کبھی انھیں گفٹ کیا تھا ایک چٹ ملی جس پر آپ کا لاہور کا ایڈریس لکھا ہوا تھا۔ کچھ مت پوچھیں کہ میری اس وقت کیا حالت تھی۔ پہلے خوشی سے پاگل ہو گئی اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ انیس کو بتایا تو وہ بھی بہت بے تاب ہوئے اور مجھے کہنے لگے کہ آپ کو فوراً خط لکھوں۔

میں آپ کو یہ خط اس امید کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ آپ فوراً رابطہ کریں گی اور اللہ کرے کہ آپ کے پاس شفو بھیا بارے کوئی اچھی خبر ہو۔ میں اپنا ایڈریس اور ٹیلیفون نمبر لکھ رہی ہوں اور توقع ہے کہ اگر آپ کو میرا خط مل گیا تو آپ رابطہ کرنے میں کوئی تاخیر نہیں کریں گی۔ امید ہے انکل آنٹی خیریت سے ہوں گے؟ بابر بھی اپنے کزن بدر کی طرح ماشاءاللہ جوان ہو گیا ہوگا؟ بدر آجکل گریجویشن کر رہا ہے۔ انیس بھی آپ سب کو بہت سلام کہتے ہیں۔

آپ کی آواز سننے کی منتظر
آپ کی بہن روبی

جونہی اس نے خط ختم کیا تو ماں بیٹی بے اختیار ایک دوسرے کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر

رو دیں۔ جب دل ہلکا ہوا تو انھوں نے ڈھاکہ کے نمبر کی کال ملائی جو جلد ہی مل گئی اور رونے دھونے اور پرانی باتیں یاد کرنے کا ایک اور دور چلا۔ ریسیور کبھی منزہ پکڑتی تو کبھی مائرہ جنھوں نے روبی کے تمام سوالوں کے جوابات دیئے۔ مائرہ نے روبی کو روتے ہوئے بتایا کہ مُشی کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔اور یہ کہ اس نے پندرہ سال قبل جی ایچ کیو ایک خط بھی لکھا تھا لیکن انھوں نے اس بارے اپنی معذوری ظاہر کر دی تھی اور ہمیں بھی صبر کرنے اور حالات سے سمجھوتہ کرنے کی تلقین کی تھی۔اس نے روبی کو جب حمید کے انتقال اور کاروبار میں دھوکے کی خبر دی تو وہ بہت روئی اور اپنے انکل کی محبّت کو یاد کرنے لگی جس کا لطف اس نے چند دن اٹھایا تھا۔ یہ جان کر روبی کو بہت خوشی ہوئی کہ بابر اب اکیلا نہیں بلکہ اس کی ایک پیاری سی جوان بہن بھی ہے۔یہیں روبی کی روتے روتے رگ ظرافت اچانک پھڑک اٹھی اور اس نے مائرہ کو ہنستے ہوئے کہا کہ مائرہ کو اس نے بدر کے لیے بک کر لیا ہے۔اب باقاعدہ رابطہ رکھنے کے وعدے کے ساتھ کال ختم ہوئی اور دونوں ماں بیٹی ایک مرتبہ پھر پرانی یادیں تازہ کرنے لگیں۔

○

سنٹرل جیل انسین، رنگون میں صبح کا وقت تھا۔کوئی گھنٹہ بھر پہلے ہی قیدیوں کو کھولا گیا تھا۔ پہریداروں کی نگرانی میں ان سے روزمرہ کی مشقت لی جارہی تھی۔آج مش کے ذمہ جیل کے احاطے کی ایک دیوار پر سفیدی کرنا تھا۔ وہ نہایت انہاک سے اپنے خیالوں میں مگن تھا کہ ایک باوردی پہریدار نے اسے جیلر کا بلاوا پہنچایا۔مشفق کو حیرت ہوئی کیونکہ پندرہ سالوں میں بہت کم ایسا ہوا تھا کہ کسی جیلر کے سامنے اس کی پیشی ہوئی ہو بلکہ اس نے کبھی کسی کو ایسا موقع ہی نہیں دیا تھا۔وہ سفیدی والی کوچی ڈول پر رکھ کر ہاتھوں سے اپنی قیدیوں والی وردی جھاڑتا ہوا اس پہریدار کے ساتھ چل دیا اور راستے بھر اس پیشی کی وجہ سوچتا رہا لیکن اسے بالکل سمجھ نہ آئی۔جیلر کے قدیم بڑے دفتر میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر سامنے کرسیوں پر بیٹھے چار اشخاص پر پڑی جن کا منہ دروازے کی طرف تھا اور وہ جیسے مشفق کے منتظر تھے۔ان میں سے دو کرنل اور میجر کے عہدے کے برمی فوج کے افسر اور دو سول کپڑوں میں برصغیر کے خدوخال والے بندے تھے۔مشفق کا ماتھا ٹھنکا کہ یقیناً کوئی نیا مدعا ڈالا جائے گا لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ چاروں احتراماً کھڑے ہوگئے اور برمی فوجیوں نے اسے سیلوٹ بھی کیا۔آج اس خشک مزاج جیلر کا رویہ خلاف توقع نرم تھا۔اس نے مشفق کو بھی بیٹھنے کی دعوت دی اور وہ ایک خالی کرسی

پر بیٹھ گیا۔ برمی کرنل نے انگریزی میں گفتگو کی ابتدا کی۔

''سر آپ کا نام کیپٹن مشفق ہے؟''

'' Yes Colonel, I am Capt Mushfiq ul Islam from Pakistan army."

(جی کرنل میں پاکستان آرمی کا کیپٹن مشفق الاسلام ہوں۔)

''کیپٹن ہم شرمندہ ہیں کہ کسی بہت بڑی غلط فہمی کی بنا پر ہم نے آپ کو پندرہ قیمتی سال تک قید رکھا۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں آپ سے معذرت کرنے کے لیے۔''

''کوئی بات نہیں کرنل۔ میری زندگی کے یہ پندرہ سال میرے اللہ نے اس جیل میں لکھے تھے سو انھیں میں کہیں اور نہیں بسر کر سکتا تھا۔''

''بہرحال اصل حقیقت کا پتہ چلنے کے بعد پاکستان اور برما آرمی کے اعلیٰ حکام نے تمام معاملات طے کر لیے ہیں اور آج آپ کو نہایت احترام سے رہا کیا جا رہا ہے۔ یہ پاکستانی ہائی کمیشن کے افسران ہیں جو آپ کو سرکاری طور پر لینے آئے ہیں۔ آپ یہ چند کاغذات دستخط کر کے ان کے ساتھ جانے کے لیے آزاد ہیں۔'' ان دونوں پاکستانیوں نے آگے بڑھ کر نہایت احترام سے مشفق سے مصافحہ کیا اور اپنا تعارف کرایا۔

''تھینک یو کرنل میں آپ کی مہمان نوازی کا ممنون ہوں۔'' اس نے لہجے کی تلخی کو طنز میں تبدیل کرتے ہوئے کہا، ''لیکن میں نے زندگی میں کبھی کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑا۔ چند لمحے پہلے تک میں اس جیل میں ایک قیدی تھا اور بحیثیت قیدی کے ایک وارڈن نے میرے ذمے دیوار کی سفیدی لگائی تھی۔ مجھے اجازت دیجیے کہ میں جا کر وہ ڈول اور کوچی اس وارڈن کو واپس کر آؤں۔''

وہ سب حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور وہ ان کے کچھ کہنے سے پہلے کمرے سے نکل گیا اور چند منٹ بعد واپس آ گیا، کاغذات پر دستخط کیے اور ان چاروں کے ساتھ جیل سے روانہ ہو گیا۔ مین گیٹ سے باہر نکلتے ہی اس نے محسوس کیا کہ آج کا رنگون پندرہ سال پہلے کے رنگون سے بالکل مختلف تھا جب وہ گرفتار ہوا تھا۔ گاڑیاں، عمارتیں غرضیکہ ہر شے جدید لگ رہی تھی۔ اچانک اسے پروفیسر آنگ کا خیال آیا۔ اسے اس بات میں ذرہ بھر شبہ نہیں تھا کہ اس کی رہائی میں کلیدی کردار

آ نگ کی کوششوں نے کیا جس نے اپنے وعدے کا پاس کیا۔ اس کی آنکھیں بے اختیار تشکر کے جذبات سے نم ہو گئیں۔

کچھ دیر میں وہ پاکستان ہائی کمیشن پہنچ گئے۔ جہاں ملٹری اتاشی اور عملہ اس کا منتظر تھا۔ اتاشی کے دفتر میں داخل ہوتے ہی بریگیڈیر نے اسے نہایت تپاک سے سیلوٹ کیا اور گرمجوشی سے بغلگیر ہوا، ''Welcome sir. Finally you are home (خوش آمدید سر۔ بالآخر آپ گھر پہنچ گئے)۔''

''شکریہ سر میری رہائی کے لیے کوششوں کا۔''

''مجھے سر کہہ کر شرمندہ نہ کریں۔ میں آپ سے جونیئر ہوں۔ آپ ہم سے تین کورس سینئر ہیں۔''

''کچھ بھی ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت آپ بریگیڈیر ہیں اور میں کیپٹن۔'' مشفق نے عادتاً ہاتھ کی کنگھی سے اپنے لانبے بال پیشانی سے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''یقیناً سر آپ بہت تھک گئے ہونگے۔ آپ کے لیے گیسٹ روم میں انتظام کر دیا گیا ہے اور ایک خدمت گار بھی موجود ہے۔ آپ نہا دھو کر آرام کریں۔ صبح آپ کی ایکسیلنسی ہائی کمشنر سے ملاقات ہوگی اس کے بعد ہم بھی آپ سے کہانی سنیں گے۔'' اتاشی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس نے پاس کھڑے ایک جونیئر افسر کو مشفق کو گیسٹ روم تک چھوڑ کر آنے کو کہا۔

''کل صبح، میں کیا تھا اور آج کیا ہوں بلکہ چند گھنٹے پہلے میں ایک قیدی تھا اور اب ایک آزاد انسان ہوں۔ واہ میرے مولا تیری بے پروائی۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا اور سر جھکائے گیسٹ روم کی طرف چل دیا۔ کمرے میں داخل ہوا تو اسے کمرہ نہایت پرآسائش لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ قید سے واپس آیا ہے شاید اس لیے اسے ایسا لگ رہا ہے۔ اس کے میزبان نے اسے بتایا کہ الماری میں دو شلوار کرتہ سوٹ ٹنگے ہیں وہ غسل کر کے کپڑے تبدیل کر لے اور اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیل بجا کر خدمت گار کو بلا سکتے ہیں۔ اس شخص کے جانے کے بعد مُش اسی طرح بستر پر ڈھے گیا پھر کچھ یاد آیا اور اٹھ کر پاؤں کے انگوٹھے سے بندھا کپڑا کھولا اور اس میں سے کیپٹن اسد کی انگوٹھی نکالی جو اسے پندرہ سال پہلے کیڈپاؤ نگ کے جنگلات میں لے گئی جہاں زندگی کی آخری سانسیں لیتے ہوئے اسد نے اس سے یہ انگوٹھی فوزیہ تک پہنچانے کا وعدہ لیا تھا۔ اسے اگر کیپٹن اسد یاد آیا تو سپاہی عاشق بھی نہیں بھولا۔ ''فکر نہ کرو، مجھے تم دونوں سے کیے گئے وعدے یاد ہیں۔'' وہ خود کلامی کرتے ہوئے بڑبڑایا۔ اگلے تین چار روز کیپٹن مشفق کا پاسپورٹ و دیگر کاغذات وغیرہ مکمل ہوتے رہے۔ اس

سارے عمل کے دوران جی ایچ کیو کو بھی بتا دیا گیا کہ مشفق کی خواہش ہے کہ اپنے گھر والوں سے خود ملنے تک اس کی آمد کو بوجہ صیغہ راز میں رکھا جائے چنانچہ اس کی خواہش کے احترام میں تمام معاملات اندر ہی اندر طے ہوتے رہے۔ بالآخر وہ دن آ گیا جب مشفق نے پاکستان کے لیے روانہ ہونا تھا۔ راکھائن (اراکان) کے جنگلات میں اپنے دو نہایت عزیز ساتھیوں کو ابدی نیند سوتا چھوڑ کر اور پندرہ سال سلاخوں کے پیچھے اذیت ناک زندگی گزار کر مشفق جب پاکستان کے لیے روانہ ہوا تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ تھا جس میں نجانے اور کچھ تھا یا نہیں لیکن وہ قیدیوں والا لباس ضرور تھا جو رہائی کے وقت اس نے زیب تن کیا ہوا تھا۔
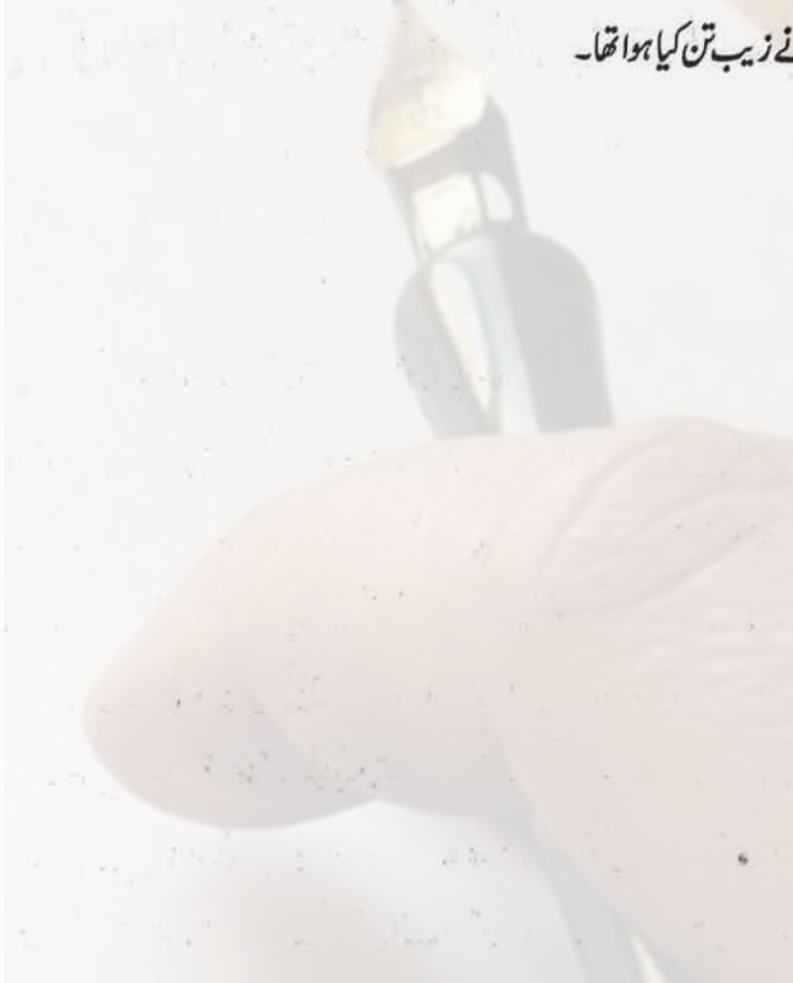
میں وہی ہوں مومن مبتلا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ایک پاکستانی افسر کی جنگ کے اختتام پر متحدہ پاکستان سے فرار اور پھر برما کے جنگلات میں صعوبتیں کاٹنے کے بعد رنگون میں گرفتاری اور پندرہ سال کی قید کے بعد بالآخر رہائی ایک بہت بڑی خبر تھی۔ بلا شبہ جنگ کے بعد یا قید سے سپاہیوں کے فرار کی اور بھی بے شمار داستانیں ہیں لیکن خوفناک جنگلات سے گزر کر منزل مقصود تک پہنچنے سے متعلق چند ایک کوششوں کا ہی ذکر ملتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں ایک جاپانی سپاہی شوچی یوکوئی (Shoichi Yokoi) کی اٹھائیس سال گوام کے جنگلات میں رہائش کے بعد یہ دوسرا موقعہ تھا کہ کوئی ایسی خبر سامنے آئی۔ اگر کیپٹن مشفق نے سختی سے تاکید نہ کی ہوتی تو اب تک یہ خبر پاکستان کے تمام اخبارات کی زینت بن چکی ہوتی۔ مشفق کے نزدیک اس کے گھر پہنچنے سے پہلے خبر کو منظر عام پر نہ لانے کی بھی ایک وجہ تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کے وہ اپنے جنھوں نے سترہ سال اس کی جدائی کو سہا، جو تمام امیدیں ختم کر بیٹھے تھے، یہ ان کا حق تھا کہ اگر اس کے زندہ رہنے کی خبر سب سے پہلے کسی کو ملے تو انھیں ملے اور وہ بھی خود مشفق سے ملے نہ کہ انھیں اخبارات سے پتہ چلے۔

جی ایچ کیو کی ایڈ جوٹنٹ جنرل برانچ نے اس کی واپسی سے لے کر اس کے گھر پہنچنے تک کے خصوصی انتظامات کیے۔ اسلام آباد ایئرپورٹ پر اترتے وقت اس کا استقبال ایک ہیرو کا استقبال تھا۔

وہ ایک ہفتہ چکلالہ کے ایک میس میں رہا اور اس دوران اس کے مختلف حکام اور ایجنسیوں سے انٹرویوز ہوئے۔ دیگر تفصیلات حاصل کرنے کے علاوہ اس ڈی بریفنگ کا ایک مقصد اس امر کا اندازہ بھی لگانا تھا کہ اسے شجاعت و بہادری کا یہ ناقابل یقین کارنامہ سرانجام دینے پر شجاعت کے کس تمغہ سے نوازا جائے۔ راولپنڈی میں ہی قیام کے دوران اس کی اپنی یونٹ پنجاب رجمنٹ کا کمانڈنگ آفیسر اور اس SSG یونٹ کا سی او جس کے ساتھ رہ کر اس نے مشرقی پاکستان میں جنگ میں حصہ لیا تھا، دونوں اسے خاص طور پر ملنے آئے۔ اتفاق سے وہ SSG یونٹ تو ابھی بھی اٹک میں ہی تھی مگر اس کی اپنی پنجاب رجمنٹ کی بٹالین اس وقت پشاور میں خدمات انجام دے رہی تھی۔ دونوں نے اسے یونٹ آنے کی دعوت دی۔ اس نے دونوں کو یقین دلایا کہ گھر والوں سے ملنے کے بعد وہ جلد از جلد دونوں یونٹوں میں بھی حاضری دے گا۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس کے کئی کورس میٹس جرنیل کے عہدے پر ترقی پا چکے ہیں۔

مشفق ایک ایک پل گن گن کر گزار رہا تھا۔ ڈھاکہ وہ جا نہیں سکتا تھا اور لاہور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کر پہنچ جائے۔ اتنے دنوں میں ہی مشفق کے چہرے پر رونق واپس آنا شروع ہو گئی تھی اور اس کے کندھوں پر جھولتے لمبے سرمئی بال بہت بھلے لگ رہے تھے۔ یہ بال اس نے ابھی تک کیوں رکھے ہوئے تھے؟ اس کا جواب صرف وہی دے سکتا تھا ہاں داڑھی البتہ اس نے خشخاشی کرالی تھی۔ اس سے مل کر لگتا تھا کہ اتنی مشقتیں اور مصیبتیں اٹھانے کے بعد بھی اس کی زندہ دلی ہنوز قائم تھی۔ بالآخر اس کے لاہور جانے کا دن آ گیا۔ سرمئی پتلون اور کالی پولو ٹی شرٹ میں کیپٹن مشفق الاسلام، اکتالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد بھی کوئی نہایت پرکشش نوجوان لگ رہا تھا جو کوئی بھی دھڑکتا ہوا دل فوراً بند کر سکتا تھا۔ یہ اگست کا دوسرا ہفتہ تھا۔ وہ راولپنڈی سے لاہور کے لیے روانہ ہوا تو عوام کو یوم آزادی کی تیاریاں کرتے پایا۔ چھتیں اور شاہراہیں قومی پرچموں سے اٹی پڑی تھیں۔ اسے یہ سب دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی۔ لاہور پہنچنے پر بھی اسے یہی مناظر دیکھنے کو ملے اور عوام کا جوش و ولولہ انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ اس کے جہاز نے تقریباً ڈیڑھ بجے لاہور لینڈ کیا۔ لاہور میں سٹیشن ہیڈ کوارٹرز کو ہدایات دے دی گئی تھیں اور اسے لاؤنج سے نکلتے ہی ایک انتہائی سمارٹ باوردی کیپٹن اپنا منتظر ملا جس نے اسے پرتپاک سیلوٹ کیا۔ شاید اسے پتہ چل چکا تھا کہ وہ کس ہیرو کا استقبال کرنے آیا ہے۔ اس کے اس عمل نے آس پاس

موجود لوگوں کی توجہ بھی حاصل کر لی جن کے لیے سمجھنا بے حد مشکل تھا کہ ایک باوردی کپتان ایک لمبی زلفوں والے 'آرٹسٹ' کے لیے کیوں اتنا مؤدب ہو رہا ہے۔ رسمی گفتگو کے بعد کیپٹن مشفق اس کے ساتھ اُلفت لاج گلبرگ کے لیے روانہ ہو۔ جوں جوں منزل نزدیک آ رہی تھی مشفق کے دل کی دھڑکن بڑھتی جا رہی تھی۔ ایئرپورٹ سے نکلتے ہی چھاؤنی کی شاہراہوں سے گزرتے ہوئے اسے اپنا لاہور کی پوسٹنگ والا زمانہ یاد آ گیا، چھاؤنی کی وہ پر رونق دوپہریں اور یادگار شامیں، سب اس کی آنکھوں کے سامنے ایک فلم کی طرح چلنے لگیں۔ اسد پھر اسے یاد آ گیا اور اس کے دل میں ہلکی سی کسک نے جنم لیا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ ان سڑکوں اور عمارتوں کو پہچان لے لیکن ناکام رہا ماسوائے میاں میر کے پل کے جس کا نام کب کا تبدیل ہو چکا تھا۔ لبرٹی پہنچ کر اس نے یادداشت کا زیادہ استعمال شروع کر دیا اور آخرکار ڈرائیور کو اُلفت لاج تک لیجانے میں کامیاب ہو گیا۔ نوجوان کپتان اور ڈرائیور کا شکریہ ادا کر کے اس نے انھیں رخصت کی اجازت دی اور ان کے جانے کے بعد کم از کم پانچ منٹ تک باہر کھڑا ہو کر عمارت کو غور سے دیکھتا رہا۔ اس نے تصور میں خود کو لان میں شام کو انکل اور آنٹی کے ساتھ چائے پیتے ہوئے بھی دیکھا اور پھر اندر سے مائرہ کو ایس ایس جی کی وردی کی شرٹ پہن کر لان میں آتے دیکھا۔ اچانک اس نے خیالات کو ذہن سے جھٹکا اور دھڑکتے دل کے ساتھ لاؤنج کے دروازے تک گیا۔ دوپہر کا یہ وقت آرام کا تھا لیکن اس کے لیے اب مزید صبر کرنا بے حد مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہو چکا تھا۔ اس نے دروازے پر ہلکی دستک دی لیکن خاموشی رہی۔ دوسری دستک اس نے قدرے زور سے دی لیکن پھر بھی خاموشی تھی۔ ابھی اس نے تیسری دستک کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازہ کھلا۔

''یا خدا میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں؟.... کیا مائرہ اتنے سالوں بعد ابھی بھی اتنی ہی نوجوان ہے؟ نہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ اس کے سامنے ہوبہو مائرہ کی کاپی کھڑی تھی۔ چہرے پر وہی معصومیت، وہی ناک نقشہ۔

''مگر یہ کون ہو سکتی ہے؟'' اس نے ذہن پر زور دینا شروع کیا۔ دوسری طرف مائزہ، جس نے دروازہ کھولا تھا اپنے سامنے پرکشش لباس میں لمبے بالوں کیساتھ ایک جاذب نظر شخصیت کو دیکھ کر مرعوب ہو رہی تھی۔

''جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟'' مائزہ نے نہایت احترام سے سوال داغا۔

''کیا یہ حمید صاحب کا ہی گھر ہے؟''

''جی یہ حمید صاحب کا ہی گھر ہے مگر آپ کون؟''

''کیا ان سے ملاقات ہوسکتی ہے؟'' مشفق نے مائزہ کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے جوابی سوال داغا۔

''جی نہیں۔ نانا ابو کا تو بہت سال پہلے انتقال ہوگیا تھا۔'' مائزہ نے رشتہ بتا کر مُش کا مسئلہ حل کر دیا تھا۔

''یا خدا..... یہ میری بیٹی ہے؟ میرے جگر کا ٹکڑا؟'' اس کا دل چاہا کہ وہ آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لے لیکن نجانے اس نے کیسے خود پر قابو پایا۔

''ان کی بیٹی ہیں مائزہ..... کیا وہ گھر پر ہیں؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے اپنی مائزہ بارے دریافت کیا۔

''جی انکل ماما گھر پر ہی ہیں مگر سو رہی ہیں لیکن آپ یہ تو بتائیں کہ آپ کون ہیں؟'' مائزہ نے اپنا سوال دھرایا۔

''بیٹا میں آپ کے بابا کا دوست ہوں اور آپ کی ماما کے لیے ضروری پیغام لایا ہوں۔''

''کیا.....؟؟؟ آپ بابا کے دوست ہیں؟ ایک منٹ ٹھہریئے میں ماما کو بلا کر لاتی ہوں۔'' وہ وفور جذبات میں تقریباً چیختے ہوئے بولی اور اندر کو دوڑی۔ اس کی آوازیں باہر تک آ رہی تھیں، ''ماما، ماما..... اٹھیں دیکھیں کون آیا ہے۔ بابا کے کوئی دوست ہیں ان کا پیغام لائے ہیں۔''

اتنے سالوں نے تکلف اتنا بڑھا دیا تھا کہ باوجود اس گھر کا ہی ایک فرد ہونے کے وہ خود سے ایک قدم بھی دہلیز سے اندر نہیں رکھ سکتا تھا۔ چند لمحوں بعد مائزہ نیند بھری آنکھوں کیساتھ دروازے پر آئی۔

''یا خدا وہی میری مومو..... ذرا بھی تو نہیں بدلی۔ ہاں بس حالات سے مقابلہ کرتے تھوڑا سا ڈھل گئی ہے۔'' اور اس نے خیال ہی خیال میں آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

''جی..... میں ہوں مسز مشفق فرمایئے۔'' مائزہ نے اسے پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ دل کے کسی گوشے سے آواز اٹھ رہی تھی کہ تم اس شخص کو خوب جانتی ہو لیکن نگاہیں شناخت کرنے سے قاصر تھیں۔

''آپ مجھے اندر آنے کو نہیں کہیں گی؟''

''اوہ آیئے۔تشریف لایئے۔'' مائرہ اسے نہ چاہتے ہوئے بھی لاؤنج میں لے آئی۔مشفق اندر آ کر بھی کھڑا رہا اور ماں بیٹی حیرانگی سے اس کا منہ دیکھ رہی تھیں۔

''کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟''

''معاف کیجیے، ذہن پر بہت زور دیا ہے لیکن یاد نہیں آ رہا۔'' مائرہ نے معذرت طلب کی۔

''آپ سچ کہہ رہی ہیں کہ آپ نے مجھے قطعی نہیں پہچانا؟''

''جی میں نے کہا ناں کہ میں نے بالکل نہیں پہچانا۔'' متذبذب مائرہ نے شکست تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ مائرہ نہایت غور سے ان دونوں کے چہروں کو پڑھ رہی تھی۔نجانے کیوں اس کے دل نے اسے خبردار کیا کہ یہ شخص کوئی اپنا ہی ہے۔

مشفق نے نہایت بیبا کی سے اپنی سیاہ پرکشش آنکھیں مائرہ کی سرمئی آنکھوں میں گاڑ دیں اور بولا،''ٹھیک ہے پھر مجھے چلنا چاہیے۔''

''لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ آپ میرے شوہر کا کوئی پیغام لے کر آئے ہیں؟ وہ کیا پیغام ہے؟''

''پیغام تو میں بہت دیر سے آپ کو دینے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن آپ وصول ہی نہیں کر رہیں۔''مشفق ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر لا کر بولا۔

''جی....کیا مطلب؟'' مائرہ نے قدرے درشتگی سے اس بیبا کی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

''جی اب رکنے کا کوئی فائدہ نہیں۔اگر میری مومو اپنے مُشی کو نہیں پہچان سکی تو میرا رکنے کا کیا فائدہ؟''مشفق نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ مائرہ غش کھا گئی۔اور اگر مشفق فوراً لپک کر اسے اپنی بانہوں میں نہ بھر لیتا تو وہ کب کی فرش پر گر چکی تھی۔اس نے اسے نہایت محبّت سے گود میں اٹھا کر صوفے پر لٹایا اور اس کے پاؤں کے تلوؤں کی مالش کرنے لگا۔مائرہ آنکھیں کھولتے ہی فوراً اٹھ کر اپنے مُش سے لپٹ گئی اور چیخوں سے رونا شروع کر دیا۔اب تک مائرہ کو بھی سمجھ آ چکی تھی کہ یہ شخص اور کوئی نہیں اس کا باپ ہے جس کے قصے اس کی ماما ان دونوں بہن بھائیوں کو سنایا کرتی تھی۔وہ بھی باپ کے سینے سے لپٹ گئی تو مشفق نے نہایت شفقت سے اسے بھی بانہوں میں بھر لیا۔اتنا شور شرابا اور ہنگامہ بھلا منزہ کو کیسے سونے دیتا۔وہ بھی قیلولے سے بیدار ہو گئیں اور بڑبڑاتی ہوئی باہر آئیں،''خیر ہے بچو کیا ہوا؟ کیسا شور ہے؟'' لاؤنج میں پہنچ کر انھوں نے بھی ایک عجیب منظر دیکھا۔بیٹی اور نواسی ایک انجانے شخص کے سینے سے لگی دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں۔انھوں نے ذہن پر بھی زور دیا اور عینک کو بھی مختلف زاویوں

سے درست کیا لیکن پہچاننے میں ناکام رہیں تو مائرہ خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں بولی، ''ماما کیا دیکھ رہی ہیں؟ اپنے بیٹے مشفق کو نہیں پہچانا آپ نے؟''

''کیا؟ میرا مشفق؟.... یا اللہ میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟'' اب لڑکھڑا کر گرنے کی باری منزہ کی تھی لیکن گھر کا ایک مضبوط مرد واپس آچکا تھا۔ جس جس نے جتنا گرنا تھا، گرلیا۔ مشفق نے لپک کر منزہ کو پکڑا اور انھوں نے بے اختیار اسے سینے سے لگا لیا۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کا منہ پکڑ کر آنکھوں کے سامنے کرتیں، اس کی پیشانی کا بوسہ لیتیں اور اسے پھر سینے سے لگا لیتیں۔

کہاں تو لمحے صدیاں بن جاتے ہیں اور کہاں صدیوں کا وقت لمحوں میں بیت جاتا ہے۔ ان لوگوں کو باتوں ہی باتوں میں پتہ ہی نہ چلا کہ کب شام ہوگئی۔ مشفق کو یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ بابر نے اس کی خواہش کا احترام کیا اور پاکستان آرمی جوائن کر لی۔ اچانک منزہ بولیں، ''موموکب سے میرا بیٹا آیا بیٹھا ہے اور تم نے اسے سوائے میٹھے پانی کے اور کچھ پوچھا ہی نہیں؟ بھئی کوئی چائے وغیرہ بناؤ میرے بیٹے کے لیے۔''

''ماما! میرا ان کے پاس سے اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ میں نے تو وہ پندرہ سولہ سال ابھی پورے کرنے ہیں جو انھوں نے مجھے سولی پر ٹانگے رکھا تھا۔'' مائرہ نے شرارتاً مُشی کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

''جی تمھیں تو سولی پر ٹانگا تھا اور خود شاید میں اکیلا ہنی مون پر نکلا ہوا تھا۔'' مش نے بھی جوابی وار کیا۔

''ماما میں ان کے پاس سے اٹھ نہیں رہی کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ یہ پھر کہیں نہ چلے جائیں۔ ویسے میں لبرٹی جانے ہی والی تھی، ان کے پسندیدہ سموسے لینے۔'' اس نے اپنا پروگرام بتاتے ہوئے مائرہ کو بھی چائے کا پانی رکھنے کی ہدایات دیں اور گاڑی لے کر نکل گئی۔ یوں لگ رہا تھا کہ موموآج ہوا میں تیر رہی ہے اور اس کے پاؤں زمین پر لگتے نظر نہیں آرہے تھے۔ وہ بات بے بات پر قہقہے بکھیر رہی تھی۔ منزہ اور مائزہ نے آج ایک طویل عرصے بعد مائرہ کو یوں خوش دیکھا تھا۔ ایسے میں انھیں حمید اور بابر کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ چائے کے بعد کھانے پر بھی خوب قہقہے بکھیرے گئے، باتیں ہوئیں۔ بچھڑنے والے یاد آئے۔ منزہ تو سونے چلی گئیں اور جاتے جاتے کہہ گئیں کہ صبح اپنے بیٹے کا

ناشتہ وہ خود بنائیں گی۔ انھوں نے مشفق کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا، ”مُشی مجھے پتہ ہے تمھیں بُھجیا پراٹھا بہت پسند ہے۔“

”اوتھینک یو ماما! کیا یاد دلا دیا آپ نے۔ قسم سے اتنے سالوں میں، میں تو ذائقہ بھی بھول گیا ہوں۔“ مشفق نے منزہ کا ہاتھ اپنے سر سے ہٹا کر منہ کے سامنے لا کر اسے بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ ان تینوں کی گپ بازی منزہ کے جانے کے بعد بھی جاری رہی۔ مائرہ کو جو جو خبریں یاد آتی رہیں وہ اپنے مشی کے کانوں میں انڈیلتی رہی اور مائرہ جو زندگی میں پہلی دفعہ باپ کو اپنے پاس پا کر اتراتی پھر رہی تھی وہ باپ کی بغل میں گھسی اس سے چپک کر بیٹھی تھی۔ اسی دوران مشفق کو کچھ یاد آیا تو وہ بولا، ”ارے ہاں مومو! یاد آیا۔ اللہ سر اسد کو جنّت نصیب کرے، انھوں نے سانس ٹوٹنے سے پہلے مجھے ایک انگوٹھی دی تھی اور....“

”....اور وہ انھوں نے آپ کو فوزیہ کو پہنچانے کی تاکید کی تھی۔“

”ہاں ہاں بالکل....لیکن تمھیں کیسے علم ہوا؟“ مشفق نے حیرانگی کا اظہار کیا۔

”مجھے فوزیہ نے بتایا تھا کہ اسد بھائی نے جو انھیں مشرقی پاکستان سے واحد کال کی تھی اس میں ذکر کیا تھا کہ انھوں نے تو شادی کی انگوٹھی بھی خرید رکھی ہے جو انھوں نے واپس آ کر فوزیہ کو پہنانی تھی۔“

”یہ تو بہت اچھا ہے۔ ٹھیک ہے پھر ہم دونوں ایک آدھ دن تک جا کر فوزیہ کو وہ انگوٹھی پہنچا آئیں گے۔“ یہ کہہ کر اس نے مومو کی طرف دیکھا جو اسے خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور زبان کو چپ سی لگی ہوئی تھی۔ اس نے متعجب نگاہوں سے بات جاری رکھی، ”کیوں بھی کیا ہوا؟ انگوٹھی تو پہنچانی ہوگی۔“

”کوئی فائدہ نہیں مُشی۔“

”فائدے والی کونسی بات ہے جان؟“

”اس لیے بابا کہ....فوزیہ آنٹی کی چار سال پہلے بلڈ کینسر سے ڈیتھ ہوگئی ہے۔“ مائرہ کو ہچکچاتا دیکھ کر مائزہ نے باپ کو خبر دی تو مُش سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور کچھ دیر نظریں جھکائے خاموش بیٹھا رہنے کے بعد سر اٹھا کر بولا، ”اور آنٹی؟ آنٹی کیسی ہیں؟“

”آنٹی تو لمبی بیماری کے بعد ۱۹۷۶ء میں ہی انتقال کر گئی تھیں۔ دراصل ان کی موت اور اسد بھائی کی جدائی نے اسے بہت تنہا کر دیا تھا۔ بس سب دکھوں سے آزاد ہوگئی۔“

”اور اس امانت کا کیا کریں گے؟“ مش نے مایوسی سے پوچھا۔

''میرے خیال میں یہ امانت ہے۔اس بارے کسی مفتی صاحب سے مشورہ کریں گے اور جو فتویٰ وہ دیں گے ہم اسی پر عمل کریں گے۔'' مائرہ نے تجویز پیش کی۔

مائرہ نے مش کو روبی کے خط اور ناہیدہ کے انتقال کی بھی خبر دی اور یہ بھی بتایا کہ اس کی روبی سے فون پر بات بھی ہوئی تھی، ان کا بزنس اب ویسا نہیں رہا۔اس نے مشفق کو صبح روبی سے بات کرنے کی بھی تاکید کی۔

'' Baba! I must say you are an amazing dad. I'm proud of you (بابا آپ ایک عظیم باپ ہیں مجھے آپ پر فخر ہے)۔'' مائزہ نے نم آلود آنکھوں سے باپ کے گال پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

جب یہ لوگ تھک کر سونے کے لیے اندر جانے لگے تو مائزہ نے اپنا فیصلہ سنایا،''ڈیئر ماما! میں آج اپنے پیارے بابا کے ساتھ سوؤں گی۔ میں بچپن کے وہ تمام دن مس کر رہی ہوں جب انھیں میرے پاس ہونا چاہیے تھا۔''

''تو سو جاؤ کس نے منع کیا ہے؟ میں ویسے بھی آج اپنے شوہر کے ساتھ ہوں گی۔'' مائرہ نے شرارتی مسکراہٹ سے کہا۔

''ماما!!!!!!....You are very smart (آپ بہت ہوشیار ہیں)۔''

''ارے لڑائی والی کونسی بات ہے؟ ہم دونوں ہی اپنے ہیرو کے ساتھ بستر میں گھسیں گی۔ سونا کس کمبخت نے ہے۔ آج تو بس باتیں ہوں گی اور ہم کیپٹن مشفق سے ان کے فرار کی داستان سنیں گے۔''

''جی بابا بالکل....'' مائزہ نے بھی اشتیاق کا اظہار کیا۔

خوابگاہ میں گئے تو پلنگ پر ماں بیٹی نے مشفق کے دائیں بائیں مورچے سنبھال لیں اور مشفق دل میں سوچ رہا تھا کہ کاش اس کی زندگی کے یہ خوبصورت سال ضائع نہ ہوتے۔ کاش میں اپنی پیاری بیٹی کی توتلی باتوں سے بھی لطف اندوز ہوا ہوتا۔مائزہ باپ کے سینے پر سر رکھے بے تکان بولے چلی جا رہی تھی اور وہ اسے یوں توجہ دے رہا تھا جیسے کوئی بہت اہم گفتگو سن رہا ہو۔

''بابا آپ کو پتہ ہے کہ جب میں نے اپنی فرینڈز کو بتایا کہ میرے بابا کمانڈو ہیں اور ایسٹ پاکستان میں انھوں نے ہتھیار پھینکنے کی بجائے روپوش ہونے کو ترجیح دی تو وہ بہت رشک کرتی ہیں۔ کہتی

ہیں کہ تمھارے بابا بہت بہادر ہیں۔ میں نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے کہ جب بابا واپس آئیں گے تو میں انھیں تم سب سے ملوانے کالج لے کر آؤنگی۔''

''ضرور جاؤں گا اپنی بیٹی کے ساتھ۔'' مش نے وعدہ کیا۔

''ہاں ہاں اس لمبی زلفوں والے ہیرو کو ضرور لے کر جانا۔ ہوسکتا ہے تمھاری ایک دو پروفیسرز بھی ڈھیر ہوجائیں۔'' مائرہ نے مخصوص لہجے میں مشفق کو چھیڑا اور سب ہنسنے لگے۔ ساری رات جاگ کر فرار کی داستان سننے کا عہد کرنے والوں کو باتیں کرتے کرتے نجانے کس وقت نیند آگئی اور آنکھ صبح اس وقت کھلی جب انھیں منزہ کی آواز آئی، ''توبہ ہے کیسے میرے بچے کو ماں بیٹی نے بھینچ کر رکھا ہوا ہے۔ پتہ نہیں نیند میں سانس کیسے لیتا رہا ہوگا بیچارہ؟''

''نانو! آپ ماما کو اٹھا کر لے جائیں، میں نے اور بابا نے ابھی سونا ہے۔'' مائزہ نے فیصلہ سنایا۔

''کوئی نہیں سب اٹھو۔ صبح سے تین دفعہ ناشتہ گرم کرچکی ہوں۔ دوپہر کا ایک بج رہا ہے۔ ناشتے کا وقت تو نکل گیا۔''

ایک بجے کا سن کر مائرہ اور مائزہ دونوں ایکدم اٹھ کر بیٹھ گئیں اور مشفق نے بھی جمائی لیتے ہوئے خمار آلود آنکھیں کھولیں۔

اگلی صبح مشفق نے پہلا کام ڈھاکہ کی کال بک کرانے کا کیا جو تھوڑی ہی دیر بعد مل گئی۔ اب وہ گھنٹوں انتظار والا زمانہ نہیں رہا تھا۔ دوسری جانب سے روبی نے ہی فون اٹھایا، ''ہیلو جی....'' اس نے بات شروع کی،

''کیمون آچھے؟ (کیسی ہو؟)۔'' پیاری بہن کی آواز سن کر مشفق کے لیے جذبات پر قابو رکھنا مشکل ہوگیا۔

''آمی بھالو۔ تو بی آپنی کارا کاتھے بولے چھینا؟ (میں ٹھیک ہوں مگر آپ کون بول رہے ہو؟)۔'' روبی نے انکوائری کی۔

''امار دکچھے، تومار بھائی شفو (میری بلی تمھارا بھائی شفو)۔'' مشفق نے تعارف کرایا تو دوسری جانب جیسے ربابہ کو سکتہ سا ہوگیا۔ مشفق نے گھبرا کر اسے بار بار اونچی آواز دی کہ وہ بولے اور بالآخر روبی نے ایک چیخ کے ساتھ دہاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔

''میری جان کال کا وقت ختم ہو جائے گا، پھر رو لینا اس وقت مجھ سے بات تو کر لو۔''

''بات کرنے کے لیے آپ پھر کال کر لیں۔ اس وقت مجھے کھل کر رو لینے دیں۔ میں اپنے دل کا غبار ہلکا کرنا چاہتی ہوں۔'' روبی نے فیصلہ سنایا۔

''کیسی ہو؟ انیس بھائی کیسے ہیں؟ بدر کا پتہ چلا ماشاءاللہ جوان ہو گیا ہے۔''

''سب ٹھیک ہیں شفو بھیا۔ کہاں چلے گئے تھے آپ ہمیں رلا رلا کر پاگل کر دیا آپ نے۔ اماں تو اسی غم میں دُنیا سے چلی گئیں۔''

''مجھے مائرہ نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ میں سوائے افسوس کے اور کر بھی کیا سکتا ہوں؟''

''آپ لاہور میں ہیں؟''

''ہاں اسلام آباد اترا تھا ڈھاکہ تو جا نہیں سکتا تھا اور دوسرا گھر بلکہ اب تو یہی میرا گھر ہے۔ لمبی کہانی ہے پھر کسی وقت سناؤں گا۔''

دونوں بہن بھائی کال کا وقت دو دفعہ بڑھوا کر بھی باتیں کرتے رہے بالآخر آپریٹر کو کال کاٹنی پڑی۔

مائرہ نے پہلے تو مشفق کو بابر سے فون پر بات کرنے کا کہا لیکن مشفق کی ضد تھی کہ وہ ذاتی طور پر ملنے جائے گا چنانچہ مائرہ نے اس کے انکار پر اگلی صبح والے اتوار کو اس سے ملنے پی ایم اے کاکول جانے کی تجویز پیش کی، جس پر وہ سب اصولی طور پر متفق ہو گئے لیکن پھر خیال آیا کہ کل تو چودہ اگست ہوگی سو پروگرام اگلے اتوار تک ملتوی کر دیا گیا۔ مشفق نے صبح منہ اندھیرے لاہور کینٹ جانے کا پروگرام بنایا جہاں یوم آزادی کی صبح اکیس توپوں کی سلامی دی جاتی تھی۔ یوم آزادی کے روز مشفق سارا دن ٹیلیوژن کے سامنے سے نہیں ہلا۔ کچھ یوم آزادی کے پرجوش پروگراموں، نغموں اور کچھ ٹی وی کی رنگین نشریات نے اسے باندھے رکھا۔ وطن عزیز میں کئی اور تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ رنگین ٹی وی بھی اس کے لیے بے انتہا کشش رکھتا تھا۔ وہ ٹیلیوژن میں محو تھا کہ مائرہ تازہ انگریزی اخبار ہاتھ میں لیے چلاتی ہوئی آئی،

''بابا، بابا دیکھیں، نیوز پیپر میں فرنٹ پیج پر آپ کے great escape (عظیم فرار) کی خبر آپ کی جوانی کی تصویر کے ساتھ چھپی ہے۔ گورنمنٹ نے آپ کو ستارہ جرأت دینے کا اعلان کیا ہے۔'' اور باپ کو خبر دکھاتے دکھاتے وہ اس کے گلے لگ گئی، ''My dad is a real hero (میرے بابا اصلی

ہیرو ہیں)۔"

ابھی اخبار کے حوالے سے اس کی بہادری کا ذکر ہو ہی رہا تھا کہ اچانک پی ٹی وی پر بھی خبروں میں اس کا ذکر آ گیا۔ مائرہ نے ٹی وی پر سن کر تو باقاعدہ ناچنا شروع کر دیا۔

"ہیرو صاحب اپنی زلفیں کٹوا لیں، بہت سٹائل ہو گیا۔" مائرہ مشفق کو چھیڑتے ہوئے بولی۔

"بالکل کٹوا لوں گا، مجھے بابر سے مل آنے دو۔ چھوٹی سی شرارت کرنے کو دل کر رہا ہے۔" مُش نے جواب دیا۔

یہ خاصا ہنگامہ خیز ہفتہ تھا۔ یوم آزادی کے دو ہی روز بعد سترہ اگست کو پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاءالحق ایک پراسرار فضائی حادثے میں شہید ہو گئے اور ان کے ساتھ کئی اور پاکستانی اور امریکی اعلیٰ افسران بھی اس المناک حادثے کی نذر ہو گئے۔ پورا پاکستان اس واقعے کے بعد جیسے ہل کر رہ گیا۔ مجبوراً انھیں اس ہفتہ بھی پروگرام اگلے ویک اینڈ تک ملتوی کرنا پڑا۔

○

حویلیاں کراس کرتے ہی مشفق کو اپنا پہلا سفر یاد آ گیا۔ کیپٹن عمیر نے اسے حویلیاں ریلوے سٹیشن پر ہی ڈراپ کیا تھا اور پھر کاکول پہنچتے ہی سخت بارش اور سردی میں اس کی خوب درگت بنی تھی۔ مشفق کے اصرار کے باوجود مائرہ نے یہ کہہ کر سٹیرنگ اس کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ ایک لمبے عرصے کے بعد ایک دم ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ جانا خطرے سے خالی نہیں۔ وہ دونوں آگے بیٹھے تھے اور مائزہ اپنی نانو کے ساتھ پچھلی سیٹ پر۔ مائرہ ڈرائیونگ کے ساتھ ساتھ ٹورسٹ گائیڈ کے فرائض بھی انجام دے رہی تھی اور پرانے حوالوں سے مختلف جگہوں اور مقامات بارے مشفق کو بتا رہی تھی۔ دونوں ساتھ ساتھ معنی خیز مسکراہٹوں کا تبادلہ بھی کر رہے تھے۔ ایسے میں مائزہ بھلا کیسے چپ رہ سکتی تھی؟ آخر کو وہ مائرہ کی بیٹی تھی، فقرہ کسنے سے باز نہیں آئی اور ایک موقع پر باؤنسر مار ہی دیا، "It looks as if two love birds are refreshing their old time romance." (ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دو پریمی اپنا ماضی کا رومانس تازہ کر رہے ہیں)۔

"یا اللہ! یہ لڑکی بھی بالکل ماں پر گئی ہے۔ سوچے سمجھے بغیر کچھ بھی بول جاتی ہے۔" منزہ نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ ایک نہیں تبدیل ہوئی تھی تو کاکول روڈ نہیں تبدیل ہوئی تھی ورنہ پورا ایبٹ آباد تبدیل ہو چکا تھا۔ بالکل سیدھی اور لمبی کاکول روڈ پر اترتے ہی

ملٹری اکیڈیمی کا گیٹ ہمیشہ کی طرح میلوں دور سے نظر آ گیا۔ اکیڈیمی کے گیٹ پر پہنچتے ہی مشفق کو سب سے پہلے بابر یاد آیا۔ مائرہ نہایت غور سے لیکن کن اکھیوں سے مش کے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کیفے میں ان کے بیٹھتے ہی ایک سمارٹ ڈیوٹی کیڈٹ ان کے پاس آیا اور پوچھا کہ انھوں نے کس سے ملنا ہے۔ اس سے پہلے کے مائرہ کچھ کہتی مشفق بے اختیار بول اٹھا، ''جی سی بابر الاسلام۔'' نجانے کب سے وہ سینے میں یہ خواہش دبائے بیٹھا تھا کہ اپنے بیٹے کو اس کے رینک کے ساتھ بلائے۔

''رائٹ سر.... لیکن ان کا جی سی نمبر اور کمپنی پلیز۔'' کیڈٹ نے اگلا سوال داغا۔

''وہ....وہ.... یہ بتائیں گی۔'' مشفق نے گڑبڑاتے ہوئے مائرہ کی طرف اشارہ کیا۔

مائرہ مسکراتے ہوئے بولی، ''بیٹا نمبر یاد نہیں لیکن وہ اورنگ زیب کمپنی کی پلاٹون ون میں ہے۔''

''اوہ سمجھ گیا آنٹی۔ سر بابر، وہی ناں لمبے سمارٹ سے؟''

''بالکل وہی اب آپ انھیں جلدی سے بلا لایئے۔''

کیڈٹ کے جاتے ہی مائرہ نے مشفق کی کلائی پر ہاتھ رکھ کر اسے تھپتھپایا جیسے کہہ رہی ہو کہ کوئی بات نہیں نمبر بھی یاد ہو جائے گا۔

''میرے بیٹے کی کمپنی اور پلاٹون بھی وہی جو میری تھی۔'' مشفق نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو یاد نہیں.... کیا واقعی؟ مُشی بڑی یادداشت ہے آپ کی۔'' مائرہ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

سیکنڈ پاکستان بٹالین کا علاقہ تبدیل ہو چکا تھا اور کیفے بھی مگر پھر بھی ان لوگوں نے یہاں بھی میز وہ والی چنی جو دروازے کے بالکل سامنے تھی اور جہاں سے اندر داخل ہونے والے کی نظر خوانخواہ اس میز پر پڑتی تھی۔ سب کو بے صبری سے بابر کا انتظار تھا کیونکہ وہ سب بابر اور مشفق دونوں کے تاثرات دیکھنا چاہتے تھے۔

''آپ سب لوگ اسے اسی روٹین سے ملیے گا جیسے پہلے ملتے ہیں۔ یہ احساس ہرگز نہ ہونے دیجیے گا کہ میں کوئی اہم شخص ہوں ورنہ شاید وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ جائے۔'' مشفق نے سب کو ہدایت کی۔

تھوڑی دیر میں دور سے بابر کیفے ٹیریا میں داخل ہوتا نظر آیا۔ چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد پی ایم اے کے مفتی لباس میں نہایت وقار سے مارچ کرتا ہوا کیفے میں داخل ہوا تو مشفق کا سانس کچھ دیر کے لیے رک گیا۔ اس نے فوراً چند لمحوں کے لیے اپنی نظر اپنے لخت جگر کے سراپے سے ہٹالی کہ کہیں اسے اس کی نظر نہ لگ جائے۔ قریب پہنچتے ہی مائزہ لپک کر نہایت گرمجوشی سے بھائی کے گلے لگی، اس کے بعد اس نے جھک کر منزہ سے دعائیں لیں اور پھر ماں سے پیار لیا۔ ان سب سے فارغ ہو کر اس کی مشفق پر نظر پڑنا ایک قدرتی امر تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر نہایت گرمجوشی سے مش سے مصافحہ کیا اور رسمی کلمات کہے، ''السّلام علیکم سر۔ کیسے ہیں؟''

مشفق جو ابھی تک بابر کی مضبوط گرفت کی لذت محسوس کر رہا تھا، بولا، ''الحمد للہ بیٹا آپ کیسے ہو؟''

''جی میں بھی ٹھیک ہوں۔'' مختصر جواب دے کر بابر ماں کی جانب متوجہ ہوا ہی تھا کہ مشفق نے اگلا سوال کیا، ''آپ کی کونسی ٹرم ہے؟ اور کوئی عہدہ وغیرہ ملا یا نہیں؟''

''سر میری سیکنڈ ٹرم ہے۔ فی الحال تو کوئی اپائنٹمنٹ نہیں ملی لیکن امید ہے۔''

''گڈ.... میرا خیال ہے آپ کے والد سینئر انڈر آفیسر تھے؟ آپ کو بھی اس کے لیے جان لڑا دینی چاہیے۔''

''جی سر ماما یہی بتاتی ہیں۔ ان شاء اللہ پوری کوشش کروں گا۔ بائے دا وے آپ بابا کو کیسے جانتے ہیں؟''

''بہت قریب سے جانتا ہوں اسے۔ آپ سے بھی زیادہ۔ ہم ایسٹ پاکستان میں اکٹھے تھے۔ ایک ہی فرنٹ پر لڑائی لڑی۔''

''گریٹ.... پھر تو آپ کو بابا کے بارے تفصیلات کا خوب علم ہوگا کہ بابا اچانک کہاں غائب ہوگئے اور کیا پھر ان کا کچھ پتہ چلا؟'' دونوں کی گفتگو کے دوران سب ایک دوسرے کو دیکھ کر معنی خیز ہنسی ہنس رہے تھے۔ ایک آدھ مرتبہ منزہ نے حقیقت بتانے کی کوشش بھی کی لیکن شرارتی مائزہ اور اس سے زیادہ چنچل مائزہ نے انھیں منع کر دیا۔

''جی بیٹا مجھے علم ہے جب انھوں نے سرنڈر کے فوراً بعد escape کا منصوبہ بنایا۔ بلکہ میں ان

کے ساتھ ہی رہا اس فرار میں۔ بدقسمتی سے رنگون پہنچتے ہی ہم گرفتار ہو گئے اور پندرہ سال کے لیے جیل میں ڈال دیئے گئے۔ اور حال ہی میں رہا ہو کر پاکستان آئے ہیں۔"

"میرے بابا زندہ ہیں؟.... کیا وہ بھی رہا ہو گئے؟"

"جی الحمدللہ زندہ ہیں اور وہ بھی رہا ہو گئے ہیں۔"

"تو کدھر ہیں وہ؟He should have been here (انھیں یہاں ہونا چاہیے تھا)۔" بابر نے احتجاج کے انداز میں گلہ کیا۔

"He is very much here. (وہ بالکل یہاں موجود ہیں)۔"

"لیکن کہاں؟" بابر کی بے چین نگاہوں نے ادھر ادھر باپ کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔

"میرا خیال تھا اگر نگاہوں نے نہ بھی پہچانا تو کم از کم خون ضرور جوش مارے گا اور میرا بیٹا اپنے باپ کو ضرور پہچان لے گا۔" مشفق نے پدرانہ شفقت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

بابر کچھ دیر کے لیے بالکل کنفیوز ہو گیا کہ وہ کیا سن رہا ہے پھر جھجکتے جھجکتے ہوئے بولا، "آپ بابا ہیں؟"

مشفق کی آنکھوں میں آنسو آ کر ٹھہر گئے اور اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ بابر کو پھر بھی نہ یقین آیا تو ماں اور نانی کی طرف دیکھا۔ جب ان دونوں نے سر ہلا کر مسکراتے ہوئے تائید کی تو بابر اپنی سیٹ سے اچھل کر نعرہ بلند کرتے ہوئے چیتے کی طرح باپ کی جانب لپکا،

"Baba!!! My darling baba, always missed you so much. (بابا!!! میرے پیارے بابا۔ میں نے ہمیشہ آپ کی کمی کو محسوس کیا)۔" اس جذباتی منظر کو دیکھ کر گھر کی خواتین کے آنسو تو چھلکے ہی لیکن کیفے میں بیٹھے دیگر مہمان بھی جی سی بابر کا نعرہ سن کر اپنی باتیں چھوڑ کر اس خاندان کی طرف متوجّہ ہو گئے۔ ایک عجیب منظر تھا۔ مشفق اپنے بیٹے سے لپٹا ہوا تھا اور مائرہ نے عقب سے باپ کو بازوؤں کے حلقے میں لیا ہوا تھا جبکہ منزہ اور مائرہ ہلکی ہلکی سسکیاں لے رہی تھیں لیکن یقیناً یہ آنسو خوشی کے تھے۔ کچھ لوگوں کے پوچھنے پر مائرہ نے مختصراً جب کہانی سنائی تو کسی کو کچھ نہ کہنا پڑا اور کیفے ہال میں موجود سب مہمانوں نے از خود کھڑے ہو کر زوردار تالیوں سے کیپٹن مشفق الاسلام کو شاندار اور یادگار خراج عقیدت پیش کیا۔ بہت سے لوگ چودہ اگست کے اخبارات میں ٹی وی پر مشفق کی داستان شجاعت پڑھ اور سن چکے تھے۔ کچھ جوشیلے کیڈیٹس نے فوراً باہر جا کر خبر کر دی اور پھر اس ہال

میں جو پہنچ سکا پہنچا۔ کوئی ہاتھ ملا رہا تھا کوئی اکیڈیمی کے فوٹوگرافر ایوب صاحب سے تصویریں کھنچوا رہا تھا اور کچھ مہمان اور کیڈٹس نے تو آٹوگراف بھی لیے۔ بابر کا سینہ فخر سے اور بھی چوڑا ہو گیا۔

مشفق نے مائرہ کے کان میں سرگوشی کی، ''بطور کیڈٹ اتنی شہرت اور عزت تو مجھے نہیں ملی تھی جتنی میرے بیٹے کو مل رہی ہے۔''

''اس لیے کہ آپ ایک درویش باپ کے اور وہ ایک ہیرو باپ کا بیٹا ہے۔'' مائرہ نے فخر اور غرور کے ملے جلے جذبات کے ساتھ فوراً جواب دیا۔

''ہاں لیکن جو یہاں میں نے حاصل کیا، اس کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔'' مُش نے اپنی مومو کی جانب محبّت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا جو شرما کر سرخ ہو گئی تھی۔

''خدا کے واسطے یہ دو Love Birds (پریمی پنچھی) کبھی تو بریک لے لیا کریں۔'' بیباک مائرہ نے فقرہ کسا تو سب ہنس پڑے۔

''بابا! آپ میری زندگی میں تو ہمیشہ سے ہیں لیکن آج آپ نے یہاں آ کر میرے ارادوں، میرے عزم کو ایک نئی قوت، نئی توانائی بخشی ہے۔ میں ان شاءاللہ آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔''

''مجھے پتہ ہے بیٹا اور تم پر فخر ہے۔''

شام تک خوب رونق رہی۔ بابر نے خوشخبری دی کہ اگلے ہفتہ سے Term End Break (تربیت کا مرحلہ ختم ہونے کی چھٹیاں) ہو رہی ہے پھر میں ان شاءاللہ ایک ماہ کے لیے گھر پر ہی ہوں گا۔ خوب مزہ کریں گے۔ تصویریں وغیرہ کھنچوا کر یہ لوگ اکیڈیمی سے یادگار لمحات کی حسین یادیں لے کر روانہ ہوئے۔

اگست کے آخری ہفتہ میں مشفق کو سرکاری خط بمعہ دعوت نامہ ملا کہ چھ ستمبر کو ایوان صدر میں اعزازات کی تقسیم ہو رہی ہے جہاں اسے صدر پاکستان ستارہ جرأت عطا کریں گے۔ اسے ایک روز قبل اسلام آباد پہنچ کر سٹیشن ہیڈکوارٹرز سے رابطہ کرنے کو کہا گیا تھا۔ جنٹلمین کیڈٹ بابر الاسلام بھی چھٹی پر گھر آ چکا تھا۔ اگلا ہفتہ بھر مشفق خاصا مصروف رہا۔ ایک تو اسے اپنے مستقبل کے بارے میں جاننا تھا کہ ریٹائرمنٹ کا کیا طریقہ کار ہو گا اور دوسرا اس نے یونٹ اور پنجاب رجمنٹ سنٹر ریکارڈ میں فون کر کے سپاہی محمد عاشق کے گھر کا پتہ حاصل کرنا تھا جس میں اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ فوج میں آفیسر اور اردلی

(خدمت گار) کا بہت گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ دونوں ایک ہی کوالٹی کی وردی پہنتے ہیں۔ محاذ پر ہوں تو ایک ہی مورچے میں کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسی لنگر کی دال افسر بھی کھاتا ہے جس سے جوان کھاتا ہے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہر اردلی اپنے صاحب کا اے ڈی سی ہوتا ہے اور بعض غیر شادی شدہ افسران کا تو رازدان بھی۔ مشفق کا خدمت گار تو اپنے صاحب پر جان چھڑکتا تھا۔ تو پھر کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ مرتے دم کوئی خواہش کرتا اور مشفق اسے پورا نہ کرتا۔ جس روز وہ بازار سے بولنے والی ایک انتہائی مہنگی گڑیا لے کر آیا تو مائرہ اور مائزہ دونوں بے حد حیران ہوئیں۔

''بابا! میں تو اب گڑیوں سے نہیں کھیلتی۔ میں تو بڑی ہو گئی ہوں۔'' مائزہ نے باپ کو اطلاع دی۔

''مجھے پتہ ہے بیٹا لیکن یقیناً کسی زمانے میں تو تم ان سے کھیلتی ہو گی؟''

''جی بابا تب تو میں بہت چھوٹی تھی۔''

''اگر اس وقت میں تمھیں یہ گڑیا برتھ ڈے پر دیتا تو تمھارا کیا ردعمل ہوتا؟''

''بابا.... آپ سوچ نہیں سکتے۔ میں تو خوشی سے پاگل ہو جاتی۔''

''گڈ.... تو بس پھر یوں سمجھو کہ میرا ایک بہت ہی عزیز دوست میرا آرمی کا ساتھی تھا۔ اس کی بیٹی نے اس سے فرمائش کی تھی کہ وہ اسے بولنے والی گڑیا لا کر دے لیکن اس کا ابو یعنی میرا دوست اپنی پلٹن کے ساتھ مشرقی پاکستان چلا گیا اور اپنی پیاری بیٹی کو گڑیا نہ لے کر دے سکا۔''

''تو آپ کے وہ دوست اب کہاں ہیں؟'' مائزہ نے تجسس کا اظہار کیا۔

''افسوس کہ میرا وہ نہایت عزیز اور مخلص دوست اب اس دُنیا میں نہیں رہا۔''

''ہاں اس نے مجھے فرار میں اکیلا نہ جانے دیا اور ساتھ رہا لیکن راستے میں ہی فوت ہو گیا مگر مرتے دم مجھے وصیت کی کہ اس کی بیٹی کو بولنے والی گڑیا ضرور لے کر دوں۔''

''تو یہ آپ نے اپنے اردلی سپاہی عاشق کی بیٹی کے لیے لی ہے؟'' اب سوال کرنے کی باری مائرہ کی تھی۔

''جی موموِ یہ تحفہ عاشق کی بیٹی بشریٰ کے لیے ہے جو میں ایک آدھ دن میں اسے دینے جاؤں گا۔ میری خواہش ہے کہ اپنا اعزاز وصول کرنے سے پہلے پہلے میں اپنے وعدے سے سرخرو ہو جاؤں ورنہ ستارہ جرأت وصول کرتے وقت مجھے بہت شرمندگی ہو گی۔''

''میں نے یقیناً کوئی نیکی کی ہو گی جو مجھے آپ جیسا جیون ساتھی ملا۔'' مائرہ آنکھوں میں آنسو ضبط

کرتے ہوئے بولی۔

ایک روز بعد کیپٹن مشفق مائرہ کے ساتھ فیصل آباد کی جانب رواں دواں تھا۔ سپاہی عاشق کا گاؤں تاندلیانوالہ کے نواح میں چک ۱۱۴ گ ب مجھیانہ تھا جسے ڈھونڈنے میں عاشق کو کوئی پریشانی نہ ہوئی البتہ عاشق کے گھر کا پتہ وہ جس سے بھی پوچھتا وہ جوابی سوال کرتا کہ کون سا عاشق۔ وہ حیران تھا کہ لوگ اپنے ہیرو کو کیسے بھول سکتے ہیں۔ وہ تو جب ایک بزرگ نے وضاحت کی تو اسے سمجھ آئی۔ اس بابا جی نے اسے بتایا، ''پتر عاشق بہت ہیں۔ گاؤں میں جب ایک نام کے زیادہ لوگ ہوں تو گاؤں والے شناخت کے لیے اس کی کوئی خصوصیت بھی ساتھ لگا دیتے ہیں۔ مثلاً عاشق نام کو ہی لے لو۔ اس گاؤں میں عاشق حلوائی بھی ہے اور نائی بھی۔ ایک عاشق ٹھٹھا بھی ہے اور ایک عاشق فوجی بھی۔''

''وہی وہی عاشق فوجی کی بات کر رہا ہوں بابا جی۔ وہ کدھر رہتا ہے؟'' مشفق نے بے صبری سے کہا۔

''اس کا تو کوئی اتہ پتہ نہیں۔ اکہتر کی جنگ میں بنگال گیا تھا پھر کوئی پتہ نہیں کدھر گیا۔ جنگ ختم ہوئی کچھ فوجی قیدی تھے وہ بھی دو سال بعد گھروں کو واپس آ گئے لیکن عاشق فوجی نہیں آیا۔'' پھر بابا جی نے ٹھنڈی سانس بھر کر شعر پڑھا، ''عیداں تے شبراتاں آیاں سارے لوکی گھراں نوں آئے۔ اونئیں آئے محمد بخشا جیہڑے آپ ہتھیں دفنائے۔ پر پتر عاشق کا تو یہ بھی نہیں پتہ کہ اسے کفن بھی نصیب ہوا تھا کہ نہیں۔''

عام حالات ہوتے تو مشفق وہیں گاڑی کھڑی کر کے پہلے بابا جی کی تسلی کرتا کہ عاشق فوجی کو اس نے اپنے ہاتھوں سے دفن کیا تھا لیکن اس وقت اسے عاشق کے گھر پہنچنے کی جلدی تھی سو وہ راستہ پوچھ کر چل دیا۔ اب عاشق فوجی کا گھر تلاش کرنا اس کے لیے آسان تھا اور ایک آدھ شخص سے پوچھنے کے بعد وہ اس کے گھر پہنچ گیا۔ انھیں گاڑی ذرا دور کھڑی کر کے گھر تک چل کر جانا پڑا۔ ایک نہایت سلیقے سے لیپا ہوا گھر تھا جس کے کھلے دروازے پر ایک موٹا کپڑا پردے کی خاطر لٹک رہا تھا۔ اتنے ماڈرن جوڑے کو دیکھ کر گاؤں کے کچھ بچے بھی ان کے ساتھ ساتھ چل پڑے۔ اور گھر پہنچ کر ایک مستعد بچہ تو دروازہ کھٹکھٹانے سے پہلے اندر چلا گیا اور مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی۔ کچھ دیر بعد دروازے کی اوٹ

سے کسی خاتون نے پوچھا کہ کون ہیں۔

مشفق کی بجائے جواب مائرہ نے دیا، ''بی بی جی.... عاشق فوجی کے صاحب آئے ہیں اور میں ان کی بیوی ہوں۔''

عاشق کا نام سنتے ہی وہ عورت فوراً پردہ ہٹا کر سامنے آ گئی۔ سانولی رنگت والی فربہ جسم کی مالک خاتون جو چالیس کے پیٹے میں تو ضرور ہوگی۔ دونوں کو دیکھ کر اسے کچھ تسلی ہوئی اور وہ انھیں فوراً صحن میں لے آئی جہاں اس نے چارپائی پر کھیس بچھا کر انھیں بیٹھنے کی دعوت دی۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ ان سے فوراً بات کرنا چاہتی ہے لیکن گاؤں کے رواج کے خلاف نہیں جانا چاہتی۔ وہ مہمانوں کی خاطر مدارت کر کے ہی بات کریگی۔ وہ اندر سے اسٹیل کی ٹرے میں دو لمبے گلاسوں میں لسی ڈال کر لائی اور ان کے پاس بیٹھ گئی۔ اس کی خواہش تھی کہ یہ لوگ اُسے عاشق کے بارے بتائیں۔

مشفق نے دو گھونٹ بھرنے کے بعد مائرہ کو اشارہ کیا کہ وہ بات شروع کرے۔

''آپ کون ہیں بی بی؟'' مائرہ نے پہلا سوال کیا۔

''جی میں عاشق فوجی کی بیوی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''آپ کو کوئی علم ہے کہ عاشق فوجی کدھر ہے؟'' مشفق نے سوال کیا۔

''نہیں جی کوئی اتہ پتہ نہیں۔ بڑا لوگوں سے پوچھا۔ سرکاری دفتر کو چٹھی بھی لکھوائی کوئی جواب نہیں آیا۔ بس جنگ ختم ہونے کے دو سال بعد کچھ کاغذ آئے۔ میرے بھائی رفیق للاری (رنگساز) کا بیٹا اسلم چودہ پاس ہے۔ اس نے بتایا کہ پھوپھی یہ پھوپھا جی کی پنشن کے کاغذ ہیں۔ فوج نے بتایا ہے کہ وہ جنگ میں شہید ہو گئے ہیں۔ بس وہ بھر کر بھیج دیئے تو پنشن شروع ہو گئی۔''

''آپ کی ایک بیٹی ہے بشریٰ، وہ کدھر ہے؟'' مشفق نے اگلا سوال کیا تو عاشق کی بیوی اسے حیران ہو کر دیکھنے لگی کہ اسے ان کی بیٹی کا نام کیسے پتہ چلا۔

''اس کی شادی کر دی تھی میں نے اپنے بھائی رفیق کے بیٹے باؤ اسلم سے، دو گھر چھوڑ کر رہتی ہے۔ کیوں خیر ہے ناں؟'' اس نے گھبرا کر پوچھا۔

''بالکل خیر ہے۔ وہ عاشق اس کا بہت ذکر کیا کرتا تھا اس لیے نام یاد ہے۔''

''صاحب جی آپ کو پتہ ہے عاشق کیسے شہید ہوا؟''

''میں بالکل بتاتا ہوں۔ آپ اگر بشریٰ کو بھی بلوا لیں تو آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔''

عاشق کی بیوی نے ایک بچے کو کہا کہ وہ بشریٰ کو بلا لائے اور خود مشفق کی جانب متوجّہ ہو گئی جو اس وقت تک فیصلہ کر چکا تھا کہ عاشق اللہ کو پیارا تو ہو ہی چکا ہے اب اس کے اہل خانہ کو حقیقی المناک واقعہ سنا کر اور رنجیدہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، سو اس نے عاشق کی بیوی سے نظریں چراتے ہوئے مختصر سی بات کی، ''وہ بڑی بے جگری سے لڑ رہا تھا کہ دشمن کی مشین گن کی گولی اس کے سینے میں لگا اور وہ موقع پر ہی شہید ہو گیا۔ اس کی قبر وہیں بنگال میں ہی ہے۔''

لگتا تھا کہ اس کی بیوی کے اتنے سال رو رو کر آنسو خشک ہو چکے تھے جو خبر سن کر بھی اس نے معمولی سے آنسو بہائے۔

تھوڑی دیر بعد بشریٰ اپنے شوہر اسلم باؤ کیساتھ آ گئی۔ مشفق نے کھڑے ہو کر اس کے سر پر پیار دیا، اس کے میاں سے مصافحہ کیا اور پھر ان سے باتیں شروع کر دیں۔ اس نے بشریٰ کو بھی وہی کہانی سنائی جو کچھ دیر پہلے اس کی اماں کو سنا چکا تھا اور پھر اس سے عاشق بارے پوچھنے لگا۔

''بیٹا تمھیں اپنے ابا یاد ہیں؟''

''جی انکل جی، تھوڑے تھوڑے یاد ہیں، ایسے ہی پرچھاواں سا۔''

''کبھی تم ان سے کوئی فرمائش کیا کرتی تھیں کہ ابا مجھے یہ لا دیں، مجھے وہ لا دیں؟''

''جی انکل جی مجھے گڑیوں سے کھیلنے کا بہت شوق تھا۔ مجھے اماں گھر پر خود ہی پٹولے بنا کر دیا کرتی تھی لیکن میری ایک ہی ضد ہوتی تھی کہ میں نے وہ فراک والی میم گڈیاں لینی ہیں جن کے سنہرے بال ہوتے ہیں اور جو آنکھیں بھی جھپکاتی ہیں۔''

''تو پھر ابا نے تمھیں وہ لا کر دیں؟''

''جی انکل جی، بڑی دیر بعد انھوں نے ایک لا کر دی مگر اس وقت مجھے پتہ چلا کہ ایک گڑیا بولنے والی بھی ہوتی ہے جس کے منہ سے چوسنی نکال لو تو وہ رونا شروع کر دیتی ہے اور اماں کو بھی بلاتی ہے۔ اب میں نے اس کی فرمائش شروع کر دی، پر انھی دنوں ابے کی پلٹن بنگال چلی گئی۔ ابا وعدہ کر کے گیا کہ وہ واپس آئے گا تو بولنے والی گڑیا ضرور لائے گا مگر ابے نے نہ آنا تھا اور نہ وہ آیا۔ اب آپ سے پتہ چل رہا ہے کہ ابا وہیں شہید ہو گیا تھا۔'' بشریٰ بات کرتے کرتے باپ کو یاد کر کے رونے لگی۔ مائرہ نے اٹھ کر اسے اپنے ساتھ لگا یا اور تسلی دی تو مشفق نے اگلی بات کی، ''بیٹا تمھارے ابا نے مجھ سے بھی مرتے

وقت بات کی تھی کہ اگر وہ نہ پہنچ سکا تو میں تمھیں بولنے والی گڑیا ضرور پہنچاؤں۔ میری بدقسمتی کہ مجھے دشمنوں نے پکڑ لیا اور میں پندرہ سال قید رہا لیکن میں اپنا وعدہ نہیں بھولا تھا۔ اور آج میں تمھیں صرف وہ بولنے والی گڑیا پہنچانے آیا ہوں جس کی فرمائش تم نے اپنے ابا سے کی تھی۔'' یہ کہہ کر مشفق نے گڑیا والا ڈبہ بشریٰ کی جانب بڑھایا تو بشریٰ کچھ دیر تو بے یقینی سے مشفق کو دیکھتی رہی پھر مائرہ کو دیکھا اور پھر اپنے شوہر اسلم کو جس نے اشارہ کیا کہ وہ گڑیا لے لے۔ اس کے بعد اچانک جذبات سے بے قابو ہو کر وہ مشفق کے سینے سے لگ گئی اور ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی۔ مائرہ نے بھی اٹھ کر اسے پیار کیا تسلی دی تو بشریٰ بولی، ''انکل جی میں نے تو مدت ہوئی گڑیوں سے کھیلنا چھوڑ دیا تھا لیکن آج آپ نے جب یہ گڑیا دی تو مجھے لگا میرا ابا اچانک آ گیا ہے اور میرے سامنے کھڑا کہہ رہا کہ لے جھلی لے آیا ہوں تیری بولنے والی گڑیا۔ اب کوئی اور فرمائش نہ کر دینا۔ میں جذباتی ہو گئی تھی مجھے معاف کر دیں۔''

''نہیں بیٹا میں بھی تمھارے ابا کی جگہ ہی ہوں۔ میں اسلم کو اپنا گھر کا فون نمبر اور پتہ دیئے جا رہا ہوں کبھی کوئی کام ہو، کسی چیز کی ضرورت ہو، تم لوگ بلا جھجک مجھے خط لکھ دینا۔ یہی سمجھنا کہ تم لوگ محمد عاشق فوجی سے بات کر رہے ہو۔ اس نے میری جتنی خدمت کی یہ تو اس کے سامنے کچھ بھی نہیں۔''

مائرہ نے بشریٰ کی اماں کو ایک شاپنگ والا تھیلا پکڑایا جس میں اس کے لیے کچھ ان سلے سوٹ اور دیگر تحائف تھے۔ اس کے علاوہ ایک لفافے میں کچھ نقدی بھی دی اور رخصت کی اجازت طلب کی لیکن انھوں نے کھانا کھائے بغیر جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ نتیجتاً انھیں گاؤں کی سادہ مگر پر خلوص میزبانی سے لطف اندوز ہونا پڑا۔ واپسی پر مشفق خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا جو مائرہ نے بھی نوٹ کیا اور بولی، ''جان! لائٹ محسوس کر رہے ہیں ناں؟''

''بہت زیادہ.... مجھے یہی پریشانی تھی کہ اگر میں اپنا وعدہ نہ نبھا سکا تو شاید میں خود کو کبھی معاف نہ کر سکوں۔ آج عاشق کی روح بھی مطمئن ہو گی کہ میں نے بشریٰ کی بچپن کی خواہش بالآخر پوری کر دی۔''

''مُشّی اب تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میری بچپن کی کوئی نیکی ہے جو اللہ نے مجھے آپ جیسا جیون ساتھی دیا۔''

''ہاں ہاں بالکل.... کسی کو نیکی کی جزا ملتی ہے اور کسی کو بدی کی سزا۔'' مشفق نے کمال لاپروائی سے لائن بول دی۔ کچھ دیر کے لیے تو مائرہ کو بھی سمجھ نہ آیا کہ اس نے کیا کہا اور جب سمجھ آئی تو بہت دیر

ہو چکی تھی۔ مش ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا مارے ہنسی کے دوہرا ہوا جا رہا تھا اور مائرہ کی مجبوری کہ وہ ڈرائیو کر رہی تھی۔

''آپ بچ گئے مجھ سے۔ گاڑی نہ چلا رہی ہوتی تو مزا چکھاتی۔''

''تو تم نے کونسا بخش دینا ہے؟ گھر جا کر بدلہ تو ضرور لوگی۔'' مشفق لبوں پر شرارتی ہنسی بکھیرتے ہوئے بولا۔

''فی الحال تو گھر پہنچ کر کل اسلام آباد چلنے کی تیاری کریں۔ پرسوں میرے ہیرو کو ایوان صدر میں ستارہ جرأت ملنے والا ہے۔''

مشفق اور مائرہ اگلے روز الصبح اسلام آباد کے لیے نکل پڑے اور ساڑھے گیارہ کے قریب سٹیشن ہیڈکوارٹرز میں موجود تھے جہاں اسے بتایا گیا کہ ان کے رہنے کے لیے شیر دل میس ویسٹرج میں انتظام کیا گیا ہے جہاں اس کا میزبان افسر اسے صبح کے لیے تمام تفصیلات سمجھا دے گا۔

○

کیپٹن مشفق الاسلام کمانڈو کی وردی میں تھا جب وہ اور مائرہ ایوان صدر میں داخل ہوئے۔ اس کی شجاعت کی داستان کئی روز سے اخباروں کی زینت بن رہی تھی۔ یہ عزم و ہمت اور شجاعت کی جیتی جاگتی مثال تھی کوئی الف لیلوی کہانی نہیں تھی۔ وہ جدھر سے گزرتا اس کا والہانہ استقبال کیا جاتا اور سبز رنگ کی ساڑھی میں ملبوس مسز مائرہ مشفق خود کو دُنیا کی خوش قسمت ترین عورت تصور کر رہی تھی۔ پروٹوکول افسر نے انھیں مقررہ جگہ پر بٹھایا۔ کچھ ہی دیر بعد تقریب شروع ہوئی اور ہر فرد کو مختصر سے تعارف کے بعد متعلقہ اعزاز عطا کیا جاتا۔ مشفق کی باری بھی آئی اور جب اس کا نام پکارا گیا تو اس نے کھڑے ہوتے ہوئے نہایت گرمجوشی سے مائرہ کا ہاتھ دبایا اور باوقار انداز میں مارچ کرتے ہوئے صدر مملکت کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ اناؤنسر نے مختصراً تعارف کرایا اور میڈل عطا کرنے کی وجہ بیان کی:

''کیپٹن مشفق الاسلام کا تعلق سابقہ مشرقی پاکستان کے شہر ڈھاکہ سے ہے۔ ان کے خاندان کی پاکستان کے لیے بے پناہ خدمات ہیں۔ سن اکہتر کی

جنگ کے دوران جب فوج کے بیشتر بنگالی ارکان نے اپنی وفاداریاں تبدیل کر لی تھیں اور مکتی باہنی سے جا ملے تھے، یہ ان چند افسروں میں سے تھے جنھوں نے پاکستان کا وفادار رہنے کا فیصلہ کیا اور حب الوطنی کی عظیم مثال قائم کی۔ کیپٹن مشفق جو بنیادی طور پر پنجاب رجمنٹ سے ہیں لیکن کومیلا میں انھوں نے ایس ایس جی بٹالین میں رہتے ہوئے دلیری اور شجاعت کے کارنامے سرانجام دیئے، یہاں تک کہ جنگ اپنے انجام کو پہنچی لیکن انھوں نے ہتھیار پھینکنے سے انکار کر دیا اور فرار کا خطرناک منصوبہ بنا کر برما کے جنگلات کے راستے اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ رنگون میں پاکستانی ہائی کمیشن پہنچنے کا فیصلہ کیا۔ یہ ایک تقریباً ناممکن مہم تھی جس میں ان کے دونوں ساتھی شہید ہوئے جبکہ کیپٹن مشفق خود رنگون میں گرفتار ہو کر سلاخوں کے پیچھے چلے گئے۔ جہاں انھوں نے اپنی زندگی کے پندرہ قیمتی سال گزارے اور بالآخر حال ہی میں رہا ہو کر پاکستان پہنچے۔ ان کی جرات، بہادری اور حب الوطنی کے صلہ میں صدر پاکستان نے کیپٹن مشفق الاسلام کو ستارہ جرأت عطا کیا ہے۔ کیپٹن مشفق الاسلام۔"

ایس ایس جی کی کیموفلاج وردی میں ملبوس سر پر مہرون رنگ کی ٹوپی سجائے کیپٹن مشفق نے ایک قدم آگے بڑھ کر شاندار سیلوٹ کیا۔ صدر مملکت نے قوم کے اس عظیم سپوت کے سینے پر ستارہ جرأت کا میڈل سجایا اور مشفق اپنی نشست کی طرف واپس مڑا۔ جب تک وہ اپنی کرسی تک پہنچ نہیں گیا ہال زوردار تالیوں سے گونجتا رہا۔ دونوں واپس لاہور پہنچے تو گھر پر منزہ، مائزہ اور بابر نہایت بے چینی سے ان کے منتظر تھے۔ اُلفت لاج کی رونقیں ایک مرتبہ پھر عروج پر تھیں۔ جی ایچ کیو نے باضابطہ طریقے سے کیپٹن مشفق کی ریٹائرمنٹ کو تمام مراعات کے ساتھ منطقی انجام تک پہنچایا۔

O

نومبر کی خوبصورت دھوپ میں دوپہر کے وقت یہ لوگ لان میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کوریئر کمپنی کے نمائندے نے گیٹ پر بیل بجائی۔ مشفق نے جا کر خط وصول کیا جو وزارت خارجہ کی جانب

سے تھا۔ سیٹ پر واپس آ کر بیٹھا تو سب نے پوچھا کہ کس کا خط ہے؟ مشفق نے صرف اتنا کہا کہ منسٹری آف فارن افیئر کی جانب سے ہے اور پھر پڑھنے میں منہمک ہو گیا۔

ڈیئر مسٹر مشفق!

حکومت کو جی ایچ کیو کی وساطت سے آپ کی وطن کے لیے شاندار خدمات کا علم ہوا ہے۔ ہمیں یہ بھی علم ہوا ہے کہ آپ کا تعلق سابقہ مشرقی پاکستان سے ہے۔ حکومت سمجھتی ہے کہ ان بے پناہ خوبیوں کی بنا پر آپ پاکستان کا قیمتی اثاثہ ہیں چنانچہ آپ کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ہم آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے خوشی محسوس کر رہے ہیں کہ آپ کو بنگلہ دیش میں پاکستان کا ہائی کمشنر مقرر کیا جا رہا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کو حکومت پاکستان کے اس فیصلہ پر کوئی اعتراض نہ ہوگا؟ براہ کرم ذیل میں دیئے گئے فون نمبر پر رابطہ کر کے اپنی منشا سے آگاہ کیجیے تا کہ دیگر تفصیلات طے کی جا سکیں۔

شکریہ

نمائندہ وزارت خارجہ

خط پڑھتے ہی اچانک مشفق کے ذہن میں اپنی کہی ہوئی بات آئی کہ میں اس ایک مربع میل کے آزاد علاقے میں مرنا پسند کروں گا جو پاکستان کہلائے بہ نسبت اس ساڑھے تین لاکھ مربع میل کے علاقے میں زندہ رہنا جو غلام ہو۔

''مُشی کیا لکھا ہے اس لیٹر میں؟'' مائرہ نے، جو بڑے غور سے مشفق کے چہرے کے تاثرات نوٹ کر رہی تھی، تجسس کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

مشفق کی رگ شرارت پھڑکی، منہ لٹکا کر بولا، ''حکومت پاکستان مجھے واپس ڈھاکہ بھیج رہی ہے۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں اب آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گی۔ آپ نے پاکستانیت کو ترجیح دی اور اس کا ثبوت بھی دیا۔ میں نے آپ سے اتنے سال علیحدہ رہنے کی قربانی دی۔ کس طرح کر سکتے ہیں اتنی آسانی سے یہ سب۔'' مائرہ اچانک پھٹ پڑی۔ منزہ اور بچے بھی ان دونوں کی جانب متوجّہ ہو گئے۔

''مومو اب اگر وہ مجھے بھیج رہے ہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں؟'' مشفق بدستور ڈھیلا ڈھالا منہ بنائے ہوئے بولا۔

''لیکن کیوں؟ گورنمنٹ کو مسئلہ کیا ہے؟ انھوں نے آپ کو ستارہ جرأت بھی دیا ہے اور اب تو آپ پاکستانی ہیں؟'' مائرہ نے دلیل دی۔

''تو بھیٔ میں بحیثیت پاکستانی کے ہی جا رہا ہوں۔'' مشفق تمام شرارت کو آنکھوں میں اتارتے ہوئے بولا۔

''کیوں پہیلیاں بجھوا رہے ہیں؟ مت تنگ کریں مجھے۔''

''مسز مائرہ مشفق! حکومت پاکستان نے مجھے بنگلہ دیش میں اپنا ہائی کمشنر مقرر کر دیا ہے۔''

"Wow! My dad is going as ambassador."

(زبردست! میرے بابا سفیر بن کر جا رہے ہیں؟) بابر نے نعرہ لگایا۔

''گریٹ!! ہم پھپھو، انیس انکل اور بدر سے ملیں گے؟ I can't wait (مجھ سے انتظار نہیں ہو رہا)۔'' مائزہ چہکی۔

''مُشی! آپ سچ کہہ رہے ہو۔ ہم ڈھاکہ جا رہے ہیں؟'' مائرہ اپنی خوشی چھپاتے ہوئے بولی۔

''جی ہم پاکستانی، ڈھاکہ جا رہے ہیں۔'' مشفق نے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا اور اُٹھ کر منزہ کے سامنے زمین پر بیٹھ کر نہایت محبّت سے ان کے گھٹنے تھام لیے۔

OOO
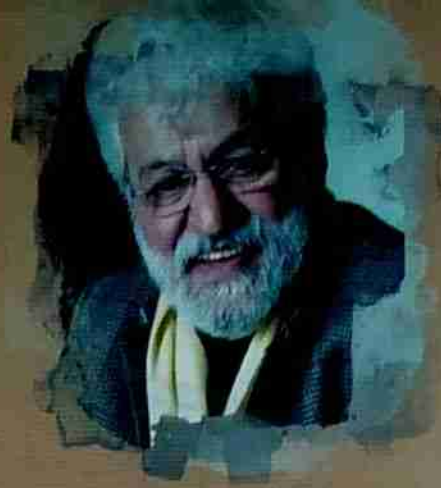
سہیل پرواز بطور لکھاری کسی تعارف کے محتاج نہیں تاہم میرا ان سے تعارف فنون لطیفہ سے تعلق رکھنے والے نہایت حساس قومی نوعیت کے منصوبوں کی تکمیل کے دوران ہوا جہاں انھوں نے نہ صرف عامیانہ سطح سے ہٹ کر بلکہ منفرد اور اچھوتے آئیڈیاز دیے اور ان کی تکمیل میں میرے دست راست بھی رہے۔ میں ان کی سوچ، خیالات اور تخلیقی صلاحیت کا ہمیشہ معتقد و معترف رہا ہوں۔ سہیل کو بیک وقت اُردو، انگریزی میں لکھنے پر ملکہ حاصل ہے جس کا ثبوت ان کا چند برس قبل شائع ہونے والا انگریزی ناول اور پھر کچھ عرصہ پہلے شائع ہونے والی سرگزشت ہیں۔ سہیل کو الفاظ سے کھیلنے اور انھیں اپنی گرفت سے نکلنے نہ دینے کا فن تو آتا ہی ہے لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ قلم سے برش کا کام لیتے ہوئے الفاظ سے منظر کشی کرنے میں بھی خاص مہارت رکھتے ہیں چنانچہ قاری خود کو ان کی کہانی کا ہی ایک کردار سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

''ڈھاکہ! میں آؤں گا'' کی تخلیق سہیل پرواز کے ذاتی تجربے اور اپنی مٹی اور ملّت سے محبت و عقیدت کا اظہار ہے۔

وہ ایک سپاہی ہیں سو اسی ناطے، ایک خوبصورت سپاہیانہ ماحول کی جھلک بھی کہانی میں جا بجا ملتی ہے جو کہ ان کی اپنی زندگی کا نچوڑ اور بیانیے کی صداقت کا بھرپور اظہار ہے۔ گو کہ یہ ناول ایک خالصتاً فکشن ہے لیکن اسے کسی طور بھی حقیقت سے بعید نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ایسے ہزارہا واقعات اور کردار حیات ہیں جو اس کہانی کا حصہ ہیں۔ خود اس ناول کے ہیرو کے احساسات، جو کہ ایک سچا محبِ وطن بنگالی گوریلا افسر ہے، اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ وطن سے محبت کسی کی میراث نہیں ہوتی۔ محبّت کی اس داستان میں کئی خوبصورت اتار چڑھاؤ اور المناک موڑ آتے ہیں جہاں جذبات سے مغلوب ہو کر نہ صرف قاری کا گلہ رندھ جاتا ہے بلکہ وہ دل میں عجیب سی کسک بھی محسوس کرتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جو کوئی بھی اس ناول کو پڑھنے کے لیے اٹھائے گا وہ اسے ایک ہی نشست میں پڑھے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

وائس ایڈمرل محمود احمد خان (ریٹائرڈ)

ہلالِ امتیاز (ملٹری)

BookCornerJlm
bookcornershowroom
bookcorner
bookcornerjhelum
0321-5440882
Jhelum (Pakistan)